ANJUMAN-I-TARAQQI-E-URDU
ALIGARH U.P.

وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا

(ہم نے تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ آپس میں پہچانے جاؤ)

تحقیق الانساب

یعنی

تاریخ امروہہ کی جلد چہارم

مؤلفہ

محمود احمد عباسی

مطبوعہ جیّد برقی پریس۔ دہلی

طبع اوّل

قیمت فی جلد عہ

تہدیہ

سادات واشراف کے اُن خاندانوں کے نام اِس حصّۂ تالیف کو معنون و منسوب کرتا ہوں جنکا مایہ الافتخار غرورِ نسب اور بزرگوں کی استخواں فروشی نہیں، جو اپنی عزت کے لیے خاندان کے شرفِ رفتہ اور اسلاف کی روایاتِ پارینہ کے محتاج نہیں، بلکہ جو نسبی واقفیت کو محض آثارِ صالحین کے اُسوۂ حسنہ کی تقلید، اسلافِ کرام کے محامد و مکارم کی تحصیل، حسنِ معاشرت، صلۂ رحم اور شفقتِ خاندانی کے لیے مستحسن سمجھتے ہیں۔

تعلموا من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم

خاکسار

محمود احمد عباسی

امروہہ　　　یکم رجب ۱۳۵۲ ہجری

ع/۳۹۱
ا

فہرست مضامین

مضمون	صفحات	مضمون	صفحات
دیباچہ	۱ — ۸	زیدی	۲۶ — ۲۹
علم انساب ونسبی وحسبی شرافت	۱ — ۸	مولوی	۳۰ — ۳۱
نسلی اختلاط	۹	رضوی، خاندان پیرزادگان	۳۲ — ۷۴
مسئلہ کفو	۱۰		
غیر کفو اقوام سے اختلاط	۱۱	خاندان دانشمندان وشجرات	۷۵ — ۷۷
شیخ وسید	۱۳		
علم انساب اور عربی النسل اقوام	۱۷	نقوی	۷۸
		خاندان قاضی امیر علی	۷۹ — ۹۵
نسب کی اقسام	۱۷	خاندان سید عزیز اللہ	۹۵ — ۹۹
مسلمانان امروہہ کا نسب	۱۸	شجرات سادات نقوی	۱۰۰ — ۱۱۲
علوی	۱۹	قاضی زادگان	۱۱۳ — ۱۲۱
حسنی	۲۰ — ۲۳	متفرق سادات فاطمی	۱۲۲ — ۱۲۴
حسینی	۲۳	سادات علوی	۱۲۴ — ۱۲۷
نوگیان	۲۳ — ۲۶	سادات جعفری	۱۲۷ — ۱۳۳

مضمون	صفحات	مضمون	صفحات
سادات عقیلی	۱۳۴ - ۱۳۵	ترکمان	۳۰۸ - ۳۱۸
سادات عباسی	۱۳۵ - ۲۲۹	قزلباش	۳۱۹ - ۳۲۱
شیوخ صدیقی	۲۲۹ - ۲۴۹	مغل	۳۲۱ - ۳۲۳
متفرق شیوخ	۲۵۰	افغان و پٹھان	۳۲۴ - ۳۳۲
داڑھی رنگے شیوخ	۲۵۰ - ۲۷۳	ہندی النسل	۳۳۲
شیوخ ڈبکوری	۲۷۳ - ۲۷۶	کنبوہ	۳۳۲ - ۳۵۱
خاندان حفاظ	۲۷۷ - ۲۷۹	کلال	۳۵۱ - ۳۶۵
دیگر شیوخ	۲۸۰ - ۲۸۳	اجلاف	۳۶۶
شیوخ فاروقی	۲۸۳ - ۲۹۲	جولاہہ	۳۶۶ - ۳۷۲
شیوخ انصاری	۲۹۳ - ۲۹۶	قسائی	۳۷۲ - ۴۰۸
خاندان بخشی	۲۹۶ - ۳۰۷	متفرق اقوام	۴۰۸
عجمی النسل	۳۰۸		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الناس من جہتہ التمثال اکفاء — ابوہم آدم والام حواء

سعدی ہند، مولانا حالی رح نے ایک دلگداز نظم "شکوۂ ہند" میں اُن تمام خصوصیات "شانِ عرب" و "آنِ عجم" کو ایک ایک کر کے بیان کیا ہے جو قوم مسلم کا شعار خاص اور طرۂ امتیاز رہی ہیں لیکن شومیٔ قسمت سے جب قافلۂ حجاز یثرب و بطحا کی وادیوں سے اٹھکر آریاورت آیا، دجلہ و فرات کو خیرباد کہا، گنگا اور جمنا کے کنارے ڈیرے ڈالے۔ "آب رکن باد" و "گلگشت مصلیٰ" پر مرغزاران ہند کو ترجیح دی، رفتہ رفتہ اپنی قومی خصوصیات بھی چھوڑ بیٹھا۔ اصنام پرستوں کی صحبت میں نسل پرستی اختیار کی۔ غرور نسل اور تفاخر نسب کے جن بتوں کو مذہب اسلام نے توڑا اور تعلیمات محمدیؐ نے مسمار کر ڈالا تھا ان ہی ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو فرزندانِ توحید نے پھر جوڑنا شروع کر دیا۔ نئے نئے بھیسوں میں انکی پرستش ہونے لگی آخر کار یہ نوبت پہنچی کہ ہندی مسلمانوں کے ادنیٰ اور اعلیٰ جس طبقہ کو چاہے ٹٹول کر دیکھ لیجیے معدودے چند سر ملیں گے جو نسلی تفاخر کی آلائشوں سے پاک اور نسبی غرور کے نشۂ باطل سے سرشار نہ ہوں۔ اب تو یہ مرض اتنا متعدی ہو گیا ہے کہ نہ صرف وہ لوگ جو سلسلہ نسب عربی و عجمی قبائل سے متصل کرتے اور عرف عام میں "سادات و شرفا" کہلاتے ہیں بلکہ ہندی الاصل مسلمانوں میں سے وہ گروہ اور برادریاں جو قرنہا قرن سے باعتبار نسبی و معاشرتی حالت کے قعر مذلت و پستی میں رہتی چلی آئی ہیں اپنے اپنے نسب کے متعلق نئے نئے دعوے کر رہی ہیں، لغو اور مضحکہ خیز توجیہات پیش کی جاتی ہیں کتب و رسائل کے اوراق سیاہ ہو رہے ہیں، انجمنیں بن رہی ہیں، کانفرنسیں قائم ہو رہی ہیں، کوئی قریشی کہلانے کا دیوانہ ہے، کوئی انصاری و نعمانی بننے کا۔ مولانا مرحوم آج اگر بقید حیات ہوتے مسلم قوم کی اس حالتِ زار اس تفرق و تشتت پر خون کے آنسو بہاتے اور "شکوۂ ہند" میں ایک اور باب کا اضافہ کرتے کیونکہ یہی نسبی تعلیاں، غرور نسل کا یہ مرض، فرقہ بندی کی یہ وبا نہ صرف وحدت و اخوت اسلامی کے فقدان بلکہ قوم و جماعت کی اجتماعی زندگی، حریت و مساوات کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

نسب و خاندان کا غرور و امتیاز حقیقتاً نوع انسانی کے "عہد جاہلیت" Dark ages کی یادگار ہے۔ انسان کے لئے عز و شرف کا معیار جوہر ذاتی ہے، خاندانی روایات پارینہ کی یاد اور بزرگوں کی اصلی و فرضی داستانوں کی تکرار دل خوش کن سہی موجب شرف نہیں۔ قرآن کریم نے اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (تم میں اللہ تعالٰے کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے) اسلام سے پیشتر بھی امم قدیمہ کو یہی تعلیم دی گئی تھی ان لا تزر وازرۃ وزر اخری (نہیں اٹھاتا کوئی اٹھانے والا دوسرے کے گناہ کا بار) اور وان سعیہ سوف یری (یقیناً وہ اپنی کوشش کا ثمرہ دیکھیگا) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا لیس للانسان الا ما سعٰے (انسان کیلئے سوائے اسکی اپنی سعی و کوشش کے اور کچھ نہیں) خلاصہ کلام یہ کہ انسان کے فضل و کمال، مجد و شرف کا انحصار کلیتاً نہیں تو بہت کچھ اسکی اپنی جد و جہد، سعی و کوشش اور علم و عمل پر ہے نہ کہ خاندان اور نسل پر ؎

لیس الجمال جمال الوجہ والحسب ؛ فانما فخرنا بالعلم والادب

مطلب یہ ہے کہ چہرہ کی خوبصورتی یا حسب کی خوبی و جمال جمال نہیں ہمارا فخر علم و ادب ہی سے ہے قبیلوں اور خاندانوں کے عروج و زوال، ترقی و انحطاط کا راز بھی اسی حقیقت میں مضمر ہے۔ آپ شاید گردش زمانہ و انقلاب دوران کا نام لیں گے، یہ سچ سہی کہ ؎

ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے ؛ یہی دنیا کا کارخانہ ہے

لیکن ذرا یہ بھی تو سوچیے کہ اس انقلاب، اس اوج و پستی کا سبب اصلی کیا ہے؟ وہ ہی افراد کا طرز عمل! اور یہی وہ "عمل کا فرشتہ" ہے جسے آپ روزانہ دیکھتے ہیں کہ کتنے چھوٹوں کو بڑا اور کتنے بڑوں کو چھوٹا کرتا رہتا ہے اسکی میزان میں خاندان کا کوئی وزن ہے اور نہ نسل و نسب کا۔ کام سے البتہ کام ہے۔ کارکن کار دارد کار ؎

جو بڑھے گا، مرتبہ اس کا بڑھایا جائے گا ؛ جو گرے گا اپنے درجے سے، گرایا جائے گا

اسی بنا پر اسلام نے، جو سرتاسر عمل ہے، نسل و خاندان، ملک و وطن کے امتیازات باطل مٹا کر صرف اپنی ایک نسبت قائم رکھی۔ مسلمان کیلئے مسلمان ہونا کافی ہے۔ اس میں نہ ہاشمیت کی تخصیص ہے، نہ عربیت و عجمیت کی ؎

بندۂ عشق شدی، ترک نسب کن جامی ؛ کاندرین رہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

یہ ان ہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ صدر اول کے مسلمانوں میں 'جات پات'، کی "اونچ و نیچ" صدر و پائین، ابیض و اسود، ہندی و عربی کا مطلق فرق و امتیاز نہ تھا حضرت سلمان فارسیؓ کا جماعت صحابہؓ میں جو مرتبہ تھا کون نہیں جانتا، نسباً عجمی تھے۔ اُن سے جب اُن کے اصل و نسل کا سوال ہوا تو کیا خوب فرمایا "سلمان بن اسلام" حضرت بلالؓ اور حضرت صہیبؓ ملک حبش اور روم کے باشندے تھے بصفات حسنہ اور اعمال صالحہ کے لحاظ سے جو مرتبہ ان کو حاصل تھا کتنے عربی اور قریشی حضرات کو حاصل تھا؟ صفحات تاریخ پر اس قسم کی صدہا مثالیں ملیں گی ذرا اس منظر کو بھی چشم تصور سے دیکھہ لیجئے کہ جانشین رسول امیر المومنین حضرت عمرؓ کے جنازہ پر جب نماز کے لئے صفیں کھڑی ہوتی ہیں تو صدہا قریشی و ہاشمی مقتدی ہوتے ہیں اور حضرت صہیب رومیؓ امام ؎

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم ‏ ‏ ‏ ‏ ز خاک مکہ ابو جہل، ایں چہ بوالعجبیست

تاریخ شاہد ہے کہ نسب پر سب سے زیادہ فخر کرنے والی قوم قوم عرب تھی لیکن تعلیمات اسلام نے تمام قوم کی ذہنیت پلٹ دی، عرب ہی کے ایک شاعر کا قول ہے کہ یہ کوئی فخر کی بات نہیں کہ تم یہ کہو کہ میرا باپ ایسا تھا، ویسا تھا بلکہ فخر و مباہات اگر ہے تو اس میں ہے کہ یہ کہہ سکو کہ دیکھو میں ایسا ہوں آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ عہد ماضی میں زعمائے ملت میں اکثریت ان ہی کو حاصل ہے جو اپنی عزت اور عظمت کے لئے خاندانی عز و شرف کے محتاج نہ تھے۔ دور کیوں جائے۔ سلاطین ہند کی فہرست پر نظر ڈال کر دیکھہ لیجئے۔ قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، غیاث الدین بلبن، فیروز شاہ خلجی۔ فیروز شاہ تغلق، ابراہیم لودی کس جاہ و جلال اور کس شان و شوکت کے بادشاہ تھے۔ ان میں سے فرد واحد بھی اپنی عظمت کے لئے شرف خاندانی کا محتاج نہ تھا مسلمانوں ہی پر کیا موقوف ہے ارباب ہمت نے خواہ وہ کسی ملک و ملت کے ہوں اپنی عظمت کی راہ خود نکالی ہے۔ نپولین اعظم جو اپنی فتوحات اور جنگی کارناموں کی بدولت شانِ امتیاز رکھتا ہے۔ معمولی سپاہی تھا، جو ہر ذاتی سے کس مرتبہ بلند پر پہنچا۔ اس کا ایک قول اس سلسلہ میں یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فتح پرشیا کے بعد جب فریڈرک اعظم کی قبر پر گیا وہاں فریڈرک کی تلوار آویزاں تھی۔ تلوار اتار کر اپنے ایک جنرل کو دی اور کہا کہ پیرس کے میوزیم میں

داخل کردی جائے۔ جرنل نے عرض کیا کہ اگر ایسی باعظمت تلوار مجھے ملتی تو کسی دوسرے کے حوالہ نہ کرتا اپنے ہی پاس رکھتا۔ نپولین نے یہ سنکر کہا "کیا میرے پاس میری تلوار نہیں ہے۔ نپولین کے ہاتھ میں نپولین ہی کی تلوار رہنی چاہیئے" دوسرے کے تلوار خواہ کیسی ہی جوہر دار کیسی ہی عظمت یافتہ ہو پھر بھی دوسرے ہی کی ہے۔ آج اگر کوئی علوی و زیدی زید شہید کی تلوار اور ذوالفقار حیدری اپنے ہاتھ میں لے لے اور اس عظمت کی نمائش کرنے لگے جو ان تلواروں کے اصلی مالکوں کو حاصل تھی تو محض بے سود ہے

میراث پدر خواہی علم پدر آموز

غرور نسب کی دوکان آراستہ کر کے جو صاحب چاہیں بزرگوں کی استخواں فروشی کرلیں ان کے ہاتھ میں جب تک اُن کی اپنی جوہر دار تلوار نہ ہوگی عزت و شرف کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ خاندان و نسب عزت و فخر کی چیز کسی زمانہ میں ہو تو ہو اب تو مطلق نہیں ہے

نہ کرو صاحب نسب ناز وہ وقت آیا ہے اب بے اثر ہوگی شرافت، مال دیکھا جائے گا

تحقیق الانساب کی تدوین

مندرجہ بالا تصریحات کے لحاظ سے یہ سوال البتہ ہو سکتا ہے کہ جب اصل و نسل کے بارے میں خاکسار مولف کے یہ خیالات ہوں تو انساب کا یہ تذکرہ کیوں مرتب ہوا "تحقیق الانساب" کی تالیف و تدوین اور شجرہ ہائے نسب کے اندراج و اشاعت کی زحمت کیوں گوارا کی گئی؟ اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ مقصود اصلی تذکرہ انساب نہ تھا۔ مشاہیر امروہہ کے تذکرے جب مرتب ہونے لگے اور ان کے اصل و نسل کی تحقیق کی گئی تو بعض خاندانوں کے مفروضات باطل کا اور حقیقت حال کا انکشاف ہوا، چند مقتدر اور حامل آثار خاندانوں کے نسبی حالات پر رشک و حسد نے شک و شبہ کا پردہ ڈال رکھا تھا، کہیں کہیں مذہبی منافرت اور نسلی تعصبات کے تاریک بادلوں نے اصلیت کو روپوش کر دیا تھا اس لئے احقاق حق اور بھی ضروری تھا، بات سے بات نکلتی ہے "تذکرۃ الکرام" کی تدوین "تحقیق الانساب" کا سبب ہوگئی ورنہ ہے

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل نسیم صبح تیری مہربانی

انساب کے اس تذکرے کو بھی علم انساب کے مسلّمہ اصول پر ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ سلاسل نسب

میں جو اغلاط از روئے معتبر کتب انساب معلوم ہوئیں ان کے اظہار میں پس وپیش نہیں کیا گیا جن خاندانوں کا نسب علی وجہ الشہرۃ مسلّم ہے ان کے شجرہائے نسب میں بعض ناموں کے تقدم وتاخر یا چند وسائط کی کمی پر کوئی لحاظ نہیں کیا گیا کیونکہ بُعد زمانی اور مختلف وقتوں اور زمانوں میں مختلف مورخوں کے نقل سکانی کی بنا پر یہ نقائص سادات وشرفائے ہند کے اکثر مشہور ومعروف خاندانوں کے شجرہائے نسب میں پائے جاتے ہیں اور قادح نسب نہیں خیال کئے جاتے۔ اتصال نسب کے متعلق خاندانی روایات کو جو مختلف زمانوں سے تحریری صورت میں بھی دستیاب ہوتی ہیں تواتر سماعی وشہرت بلدی کے اعتبار سے بشرطیکہ کوئی قوی ثبوت انکار کا موجود نہ ہو۔ اعتماد کا درجہ دینا ناگزیر ہے۔

عہد سابق میں جب شمالی ہند اور علی الخصوص امروہہ میں شیعیت نے رواج نہیں پایا تھا سادات فاطمی کے اکثر صحیح النسب خاندان جو اولیاء ومشائخ کے احفاد تھے عام طور سے شیخ وپیرزادہ کے تعظیمی القاب سے معروف وملقب تھے۔ امروہہ میں ایسا خاندان حضرات پیرزادگان کا ہے۔ تاریخ امروہہ (جلد اول) میں اس خاندان کا تذکرہ بالفاظ ذیل کیا گیا تھا (صفحہ ۱۸۵ وصفحہ ۱۸۶)

"موخر الذکر خاندانوں میں سب سے بڑا خاندان حضرات پیرزادگان اولاد قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ العزیز کا ہے۔ یہ حضرات اپنے کو فاطمی النسب، کرمانی الاصل سید کہتے ہیں اور اپنا سلسلہ نسب حضرت امام علی الرضا تک پہنچاتے ہیں۔ حضرت شاہ ابن اور آپ کی اکابر اولاد کے جو تذکرے اور حالات مختلف کتب تاریخ اور مشائخ کے تذکروں میں ملتے ہیں ان میں ان حضرات کے ناموں کے ساتھ عموماً لفظ شیخ پایا جاتا ہے حتیٰ کہ ابتداً یہ تمام حضرات بھی تقریباً دو صدی تک اپنے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ کا اور بعد میں لفظ پیر کا بذات خود استعمال کرتے رہے۔ بعض فرامین منصب میں "قوم شیخزادہ چشتی" بھی تحریر ہے لیکن برخلاف اس کے ملا عبدالقادر بدایونی، صاحب منتخب التواریخ نے حضرت شاہ ابن کے تذکرے میں "سید مشار الیہ" تحریر کیا ہے اور اس کتاب کے ایک قلمی نسخہ میں "سید ابن" بھی تحریر ہے نیز ایک قدیم پروانہ کی نقل میں اس خاندان کے ایک بزرگ

کے نام کے ساتھ لفظ سید کا بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ سلسلہ طریقت و مشیخت چند صدیوں تک اس خاندان میں متوارث رہا اس بنا پر ناموں کے ساتھ محض لفظ شیخ کا استعمال، اگر اس کے خلاف دوسرے شواہد موجود نہ ہوں منافی و قادح سیادت و فاطمیت نہیں ہو سکتا۔ بہر حال خاکسار مولف نے حصہ سوئم میں اس کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے کہ اس خاندان کا دعوے سیادت و فاطمیت ....

....

.... کہاں تک صحیح اور تاریخی شواہد و واقعات پر مبنی ہے اور یہ خاندان نسباً کس شاخ سے تعلق رکھتا ہے"

مشائخ و علماء کے اس قدیم اور مقتدر خاندان کے نسب پر آئندہ صفحات میں جو تفصیلی بحث کی گئی ہے وہ مندرجہ بالا عبارت ہی کی توضیح و تشریح ہے۔ نسلی تعصبات اور مذہبی منافرت کی کم ظرفیاں ہی اس کا سبب ہیں کہ بعض روافض اور غالی شیعہ اپنے ہی ہمجد قبائل کی سیادت نسبی پر معترض ہیں اس لئے سادات جعفری و عقیلی اور خصوصاً عباسی خاندان کا تذکرہ بالتفصیل کیا گیا ہے مقصود تفاخر و تعلی نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے دعوے سیادت و مشیخت کو مستند و یرینہ تحریرات اور تاریخی شواہد کی بنا پر تسلیم نہیں کیا گیا اس سے بھی مقصود ہرگز و زنہار تنقیص نہیں تحقیق ہے نیز اخوان ملت کو بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے کہ مختلف قبائل سے انتساب محض تعارف کے لئے ہے نہ کہ تفاخر کے لئے الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب (تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم کا پتلا مٹی سے بنا)۔ ہندو جیسی نسل پرست قوم میں آج **مہاتما گاندھی** کی ساعی جمیلہ کی بدولت "اونچ نیچ" کا امتیاز مٹ رہا ہے۔ تمام ہندو قوم اس ریفارمر کی صدا پر جوش اور مستعدی سے لبیک کہہ رہی ہے کیا یہ منظر مسلمانوں کے لئے کچھ بھی سبق آموز نہ ہوگا۔؟ کتب انساب میں بالعموم پدری سلسلہ نسب درج ہوتا ہے، نسبت مادری پر نسابین توجہ نہیں کرتے، اہلِ عرب کا قول ہے کہ ؎

وانما امھات الناس اوعیۃ   مستودعات وللاٰباء آباء

یعنی انسان کی مائیں مانند ظروف کے ہیں جن میں امانت رکھی جاتی ہے گویا ماں کا باعتبار نسب صرف اتنا کام ہے کہ امانت کی طرح شکم میں رکھ کر پرورش کر دیا، حسب اور شرافت سب باپ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہاشمیوں بالخصوص فاطمیوں میں صدہا اشخاص جو فضائل ذاتی کے اعتبار سے شان امتیاز رکھتے تھے نجیب الطرفین نہ تھے۔ امام حسینؓ کی اولاد نیز ان کے اکثر و بیشتر احفاد کا مادری سلسلہ نسب غیر کفو عورتوں حتیٰ کہ کنیزوں سے چلتا ہے تاہم ان کی شرافت نسبی میں کلام نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح امروہہ کے سادات نقوی بالخصوص شیعوں میں متعدد خاندان ایسے ہیں جن کا مادری سلسلہ نہ صرف غیر کفو بلکہ طبقہ اراذل کی عورتوں سے چلتا ہے باایں ہمہ وہ سادات کی برادری میں شامل ہیں اور ان سے قرابت و مصاہرت بھی بلا تامل واکراہ کی جاتی ہے سنی سادات کے اکثر خاندان خصوصاً گھڑیال والے البتہ ان آلائشوں سے مبرا و محفوظ ہیں۔ کچھ امروہہ ہی پر موقوف نہیں سادات و شیوخ ہند میں شاید ہی کوئی خاندان ایسا ہو جس میں ہندی عورتوں کا میل نہ ہو۔ عام افراد سے قطع نظر سلاطین ہند کے حالات کا تفحص کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مغل بادشاہوں کی اکثریت کے علاوہ تغلق وغیرہ خاندانوں کے جلیل القدر بادشاہ ہندی عورتوں کے بطن سے تھے۔ خاکسار مولف نے بھی ان ہی حالات کو پیش نظر رکھ کر دیگر نسابین کی کی طرح مادری سلسلہ کا اندراج ضروری نہیں سمجھا اور نہ دو چار پشت کے سوائے اکثر خاندانوں میں اس کی ترتیب ممکن تھی۔ ماضی کو چھوڑ کر مستقبل پر نظر کیجئے اور دیکھئے کہ باوجود اس کشاکش کے جو ہندو مسلمانوں میں بعض سیاسی پیچیدگیوں کی بدولت جاری ہے ایسے کتنے اسباب ہیں جو غیر محسوس وغیر مرئی طریقہ پر "قومیت متحدہ ہند" کی اساس و بنیاد ڈال رہے ہیں ان کے لحاظ سے آئندہ سادات و شیوخ کی "قرابت و مصاہرت" اور "تحفظ نسب" کی نوعیت کیا ہوگی میں اپنی زبان سے کیا عرض کروں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قومیں اور ملتیں اپنی کچھ نہ کچھ خصوصیات رکھتی ہیں۔ ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

عفت و پاکدامنی کو طہارت نسب میں کیا درجہ حاصل ہے قوم مسلم کے معاشرتی زندگی کے صحیح نمونوں میں اس کا جواب مل سکتا ہے، آج کے حالات سے بحث نہیں، ان کے بیان سے تو قلم کا سینہ چاک ہے نام کے عفت و زاہد

اب بھی ہیں مگر عمل کے لحاظ سے چاوڑی بازار کے مرد و عورت بھی مات ہیں اُن سے قطع نظر ماضی کے آئینہ میں مسلمان اپنی معاشرتی زندگی کے خط و خال دیکھیں تو معلوم ہو کہ اللہ تعالےٰ کی اُن نعمتوں میں سے جن سے امت مرحومہ کو اس دنیا میں سعادت بخشی گئی تھی بڑی نعمت یہ بھی تھی کہ آبار کو اولاد صالح اور اولاد کو آبار صالح نصیب ہوں۔ آیندہ اس نعمت سے تمتع حاصل کرنے کی کیا توقعات ہیں تم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے خود ہی جواب دے سکتے ہو۔ الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیّبات للطیّبین والطیبون للطیبات۔

شکریہ ان تمام حضرات کا شکریہ مجھ پر واجب ہے جنھوں نے تحقیق الانساب کی ترتیب و تدوین میں اپنی خاندانی دستاویزات خاکسار مولف کو معائنہ کرائیں جن حضرات نے باوجود خاکسار مولف کے معروضات کے اسطرف توجہ نہ فرمائی ان سے کچھ شکوہ و شکایت نہیں البتہ ان خاندانوں کے شجرے اگر درج نہ ہو سکے یا کچھ اسقام رہ گئے اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ان ہی کے تغافل یا تعصب پر ہے۔ بعض شیعہ حضرات نے اس کی خاص کوشش کی کہ اور نہیں تو موجودہ نسل کے نام ہی مولف کو نہ بتائے جائیں اس لئے اگر ان خاندانوں کے شجروں میں کچھ کمی یا غلطی رہ گئی ہو مولف کو معذور سمجھا جائے۔ ناانصافی ہوگی اگر عزیزی حکیم سید حسن مثنیٰ صاحب چیرمین میونسپل بورڈ امروہہ کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی توجہ سے بعض خاندانوں کے نسبی معاملات پر تفصیلی بحث کرنے میں مجھے مدد ملی۔

نئی دہلی
۱۹ ردسمبر ۱۹۳۲ء

خاکسار
محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تحقیق الانساب

الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب

(ترجمہ:۔ تمام انسان آدمؑ سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امتیاز و شرفِ آدمیاں ز حسب است بہرِ تحقیقِ نسبِ آدم و حوّا کافی است

علم انساب

انساب کا علم بعض دیگر علوم ریاضی و ہندسہ کی طرح کوئی قطعی اور یقینی علم نہیں ہے بلکہ محض ظنّی ہے تحقیق انساب سے مراد بھی صرف اس قدر ہے کہ کسی شخص یا کسی خاندان کا سلسلہ نسب مشہور و معروف قبائل اور خاندانوں کے کن ممتاز اور برگزیدہ افراد سے کس طریق پر متصل ہوتا ہے اس اتصال نسب کے متعلق کیا ثبوت بہم پہونچتا ہے اور اسکے ہم نسب و ہم جد کون کون اور کہاں کہاں ہیں

نسب کا فائدہ

صلۂ رحم اور شفقت خاندانی انسان کا طبعی خاصہ ہے، اتحاد نسب کا خیال اور قرابت کا جذبہ اقربا کی نصرت و حمایت اور اعزا کی امداد و دستگیری پر فطرتاً لوگوں کو آمادہ کرتا ہے اور بلاشبہ تمدنی اور معاشرتی زندگی میں اس خیال اور اس جذبہ سے بیشمار فوائد حاصل ہوتے ہیں جناب رسول خدا صلعم کا ارشاد مبارک ہے کہ:۔

تعلّموا من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم۔	اپنے نسب سے واقفیت حاصل کرو تاکہ اس کے ذریعہ صلۂ رحم کر سکو۔

اسی کے ساتھ نسب کی واقفیت اور تذکرہ آبائے اسلافِ کرام کے فضائل و محامد کی تقلید کا قوی جذبہ پیدا ہوتا ہے اور حفاظت نسب کا خیال انسان کو معاصی کی آلودگی سے بھی ایک حد تک محترز رکھتا ہے نیز ایسے اکابر دین اور برگزیدہ ہستیوں سے انتساب جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ

حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عباسؓ عمِّ رسول خدا، حضرت جعفر طیارؓ، حضرت ابو ایوب انصاری وغیرہم یقیناً خدائے تعالیٰ کی نعمت ہے اور تحدیث نعمت پر خود کلام ربانی ناطق ہے۔ فاما بنعمت ربک فحدث ۔

نسبی شرافت مسلمانوں کے عقیدہ میں تخلیق و آفرینش کے اعتبار سے سب انسان برابر ہیں خدائے بزرگ و برتر نے نوع انسانی کے جو مختلف گروہ اور قبیلے بنائے ہیں وہ ایکدوسرے پر تفوق و برتری کی خاطر نہیں بلکہ تعارف اور شناخت کے لیے بنائے ہیں۔ کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم وخبیر	اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا تمہارے گروہ اور قبیلے بنائے تاکہ ایکدوسرے سے پہچانے جاؤ بیشک تم میں بہتر خدا کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے بیشک خدا جاننے والا اور خبیر ہے ۱۲

پس بنی آدم تخلیق کے لحاظ سے گو "اعضائے یک دیگر" اور "آفرینش" کے اعتبار سے "یک جوہر" ہیں تاہم یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ اس کرۂ ارضی پر بسنے والی قومیں اور قبیلے اپنے اپنے مزاج اور ماحول کے اثرات، افراد قوم کے ذہنی اور دماغی نشو و نما، تمدنی، اخلاقی اور مذہبی خصوصیات کی بنا پر ایک دوسرے سے شان امتیاز رکھتے ہیں نیز یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اُن خاندانوں اور قبیلوں کے اخلاف کو جنکے اجداد و اسلاف علم و فضل، اتقا و پرہیزگاری، دیانت و امانت، عصمت و عصبیت، غیرت و حمیت، شجاعت و شہامت، حکومت و سلطنت، اثر و اقتدار اور اسی طرح دیگر فضائل و کمالات انسانی سے متصف رہے ہوں نہ صرف ایسے گروہوں اور قوموں کے مقابلہ میں جنکے مورث ان اوصاف و فضائل انسانی سے قطعاً معرّا اور قرنہا قرن سے تمدنی اور معاشرتی پستی میں گرے ہوئے ہوں، تفوق اور وقار حاصل ہوتا ہے بلکہ جیسا کہ ماہرین علم النفسیات نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ اجداد کے کیریکٹر، اوصاف و فضائل نیز اسلاف کے اخلاق و اطوار

کا کچھ نہ کچھ حصہ نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن بعینہ اسی طرح اخلاق کو بطور ورثہ کے پہنچتا ہے جس طرح جسمانی ساخت اور شکل و شمائل میں آبا و اجداد کی شباہت اولاد میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ عربی ضرب المثل الولد سر لابیہ اور ہندی کہاوت "باپ پر پوت پتا پر گھوڑا۔ بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا" میرے اس قول کی موید ہیں۔ غرضیکہ ایسے ممتاز مشہور و معروف اور حامل آثار خاندانوں اور قبیلوں سے منتسب ہونے کو شرافت نسبی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے کہ:

الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام	سونے اور چاندی کی طرح انسانوں کے بھی معادن (کانیں) ہوتے ہیں جو شخص (بلحاظ شرافت نسبی) زمانہ جاہلیت میں بہتر ہے وہ عہد اسلام میں بھی بہتر ہے ۔

جو فرق و امتیاز سونے کو چاندی سے، چاندی کو پیتل اور پیتل کو لوہے سے ہے بلا شبہ قبائل اور اقوام بھی اپنی اپنی خصوصیات میں اسی طرح جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور قائدین ملل گروہ انسانی کے اسی طبقہ میں پیدا ہوتے ہیں جو اپنے حالات اور خصوصیات کے اعتبار سونے کی کان کے مانند ہوتا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "مقدمہ تاریخ" میں علامت نبوت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"چوتھی علامت نبوت کی یہ ہے کہ نبی اپنی قوم میں صاحب حسب و نسب ہو چنانچہ حدیث صحیح ہے

کہ ما بعث اللہ نبیاً الا فی منعۃ من قومہ او فی ثروۃ من قومہ

یعنی اللہ تعالےٰ ہر نبی کو اسی قوم میں پیدا کرتا ہے جو اس کی حمایت و اعانت کر سکے۔ ہرقل نے اپنے سوالوں میں ابو سفیان سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ تمہارا نبی نسب کے لحاظ سے کیسا ہے؟ تو ابو سفیان نے جواب دیا تھا کہ صاحب حسب و نسب ہے اس پر ہرقل بولا کہ ہاں انبیاء ہوتے بھی صاحب حسب و نسب ہیں"

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دنیاوی لیڈروں اور قائدین ملل کا بھی تقریباً یہی حال ہے قوموں اور ملتوں کی قیادت و رہنمائی بھی حقیقتاً "ایک پیغمبرانہ عمل ہے" اقوام عالم کے حالات کو

پیش نظر کرکے دیکھو گری ہوئی قوموں کو سنبھالنے والے پس ماندہ قبیلوں کو اوجِ ترقی پر پہنچانے والے کون تھے؟ کس کان کے جواہر تھے؟ فرانس، اٹلی، روس و ترکی کے سیاسی انقلابات کا حال آپ کو معلوم ہے۔ نپولین بوناپارٹ، جریبالڈی، ٹالسٹائے اور انور بے کے حالات جانتے ہو، سید جمال الدین افغانی، سر سید احمد خاں کے کارناموں سے واقف ہو، یہ اور ان جیسے صدہا رہنمایان اقوام کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی اپنی قوم میں نسبًا شریف و نجیب تھے۔ دیگر ممالک کے حالات سے قطع نظر کرکے آج ہندوستان کے بے تاج بادشاہ مہاتما گاندھی کو دیکھو، قوم کے بنئے ہیں مگر باپ دادا ریاستوں کے وزیر اور حاکم رہے گروہ انسانی کی قیادت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے اُن کا کچھ نہ کچھ حصہ مہاتما جی کو آبا و اجداد سے ورثہ میں ملا، تعلیم و تربیت رجحانِ طبیعت اور فطری نیکی نے انہیں آج اس مرتبۂ اعلیٰ پر پہونچا دیا ہے جو قرنہا قرن کے بعد کسی انسان کو نصیب ہوتا ہے۔ کیا کسی پست اور رذیل قوم کے فرد کو یہ مرتبہ کبھی قضا و قدر سے عطا ہوا ہے؟ کیا نسبی شرافت اور نسلی نجابت کے ثبوت کے لئے اسکے بعد بھی کسی اور دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے؟

حسبی شرافت حسب سے مراد صفات ذاتی و خاندانی سے ہے اور اس کا مدار حقیقتًا اخلاق واطوار و خصائل حمیدہ پر ہے نسبی شرافت کا شرف و امتیاز کلیتًا نہیں تو زیادہ تر حسب پر موقوف ہے اور اگر شرافت حسبی مفقود ہو تو شمار آبا فضول و بے سود ہے۔ اسی لئے عقلا کا قول ہے کہ النسب لاینفع وجہالتہ لا تضر (نسب کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچاتا اور اس کی ناواقفیت کوئی نقصان نہیں دیتی)، نسبی شرافت کے بقا کے لئے حسبی شرافت لازمی ہے ؎

گل نیستم مرا بچہ بازار می بری
شاخ شکستہ ام نہ خرد ہیچ کس مرا

بقائے شرافت حسبی کے لیے نسابین و مورخین نے کم از کم چار پشتیں مقرر کی ہیں اور علامہ ابن خلدون نے اس کو قاعدہ اکثریہ قرار دیکر جناب رسول خدا صلعم کا یہ ارشاد اپنے قول کی تائید

میں پیش کیا ہے :۔

ان الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوبؑ بن اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ :۔

علامہ موصوف اپنے قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"دنیا میں کوئی آدمی بھی ایسا نہ نکلے گا کہ آدمؑ سے لے کر اس تک اس کے آبا و اجداد علی الاتصال شرافت اور حسب کے صدر نشین رہے ہوں، اگر کوئی ذات ہے تو وہ ذات پاک جناب ختمیت مآبؐ کی ہے کہ آپ کے تمام آبا و اجداد آدمؑ تک صاحب مجد و شرف ہوئے ورنہ جو شرافت قایم ہوئی اسی کو زوال ہوا ہر خاندان کو حکومت اور شرافت کے بعد غاشیہ خدمت و ذلت اپنے کندھے پر رکھنا پڑا یعنی کوئی حسب اور کسی خاندان کا شرف نیست و نابود ہوئے بغیر نہ رہا اور جب کسی قوم و خاندان میں عزو شرف کی بنیاد قایم ہوئی چار پشتوں سے زیادہ اس کو ثبات و قرار نہ ہوا کیونکہ جو شخص مجد و شرف کا بانی ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ عزت مجھے کیونکر اور کن عادات و افعال سے ملی ہے چنانچہ وہ ان باتوں کی حفاظت کرتا ہے جو شرافت کے حصول و بقا کے باعث ہیں اسکے بعد اسکے بیٹے کی باری آتی ہے چونکہ اس کی تربیت بانی مجد و شرف کی صحبت میں بلا واسطہ ہوتی ہے اور بہت سی باتیں حصول شرافت کے متعلق اس نے سنی ہوتی ہیں اس لیے باپ کی بات بھی رکھتا ہے لیکن باپ کے مرتبہ کو نہیں پہونچتا کیونکہ باپ نے جو کچھ دیکھا اور کیا بیٹے کو محض سننے اور پالنے ہی کا موقع ملا اسکے بعد اس کی اولاد آتی ہے جو تیسری پشت ہوتی ہے یہ لوگ تقلید اور پیروی سے کام چلاتے ہیں اور دوسری پشت کے مرتبہ میں کم ہو جاتے ہیں اسکے بعد چوتھی پشت آکر اسلاف کے راستے سے الگ ہو جاتی ہے اور جو عادات و اطوار مجد و شرف کے لیے ضروری ہیں انہیں چھوڑ ہی نہیں دیتی بلکہ انہیں حقیر سمجھتی ہے اور خیال کرتی ہے کہ یہ مجد و شرف ہمارا خاندانی ترکہ ہے جو محض نسب کی وجہ سے ہمارے بزرگوں کو لگاتار اور اب ہم تک پہنچا ہے اسے عصبیت و اخلاق سے کیا واسطہ و علاقہ ہے۔ وہ سمجھتے ہی نہیں کہ یہ شرافت اور حسب کب پیدا ہوا اور کن اسباب سے پیدا ہوا انہیں تو اپنے نسبی فخر و مباہات کے سوا اور کچھ نہیں سوجھتا۔"

علامہ ابن خلدون کا مندرجہ بالا قول اصول کلیہ نہیں بلکہ قاعدہ اکثریہ ہے' اقوام عالم میں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ کسی خاندان قبیلہ کی عصبیت اور مجد و شرف پشتہا پشت تک قایم و برقرار رہا۔ بقائے شرافت حسبی کا اصلی اور قوی سبب دولت و حکومت نہیں بلکہ علم و فضل ہے' جن خاندانوں میں علم کی لازوال دولت نسلاً بعد نسلٍ متوارث رہی انکے اکثر افراد جوہر شرافت سے متصف ہوتے ہیں ؛

نسلی اختلاط قوموں اور قبیلوں کے نسلی اختلاط اور آمیزش کی داستان نہایت دلچسپ ہے' ماہرین علم الانسان کی تحقیقات کے نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں "خالص نسل والی" قوم کا وجود باقی نہیں۔ سیاسی انقلابات' تجارتی تعلقات' مذہبی تحریکیں' قوموں کی ایک دوسرے پر یورشیں' حسن و عشق کی کارفرمائیاں' بوالہوسوں کی دراز دستیاں' غلاموں اور کنیزوں کی عہد سابق میں عام بیع و شری یہ اور اسی قسم کے دوسرے وہ اسباب ہیں جو نسلی آمیزش کا موجب ہوتے رہے۔ دنیا کی تمام ترقی یافتہ اور زندہ قومیں مخلوط النسل ہیں لیکن نسلی خلط کا تشخص و تعین کرنا آسان نہیں ہے' البتہ افراد قوم میں سے اکثریت کی خصوصیات کا بغور مطالعہ کرنے سے تخمینی نتائج مرتب ہوسکتے ہیں ؛

ظاہری خصوصیات میں افراد قوم کا جسمانی رنگ وہ خصوصیت ہے جس کا زیادہ دارومدار اس قوم کے مرزبوم و ماحول پر ہے۔ لیکن نسلی آمیزش سے سیاہ فام اقوام میں "حسینانِ صبیح" کے نمونے ملتے ہیں اور سفید رنگ والی قوموں میں سانولے رنگ والے پائے جاتے ہیں۔ آیرین قوم کے افراد بالعموم سفید و گندمی رنگ والے تھے اور ہندوستان کے قدیم باشندے' شودر اقوام کے افراد عام طور پر سیاہ فام اور سانولے تھے مگر ان قوام کے اختلاط کا یہ نتیجہ ہوا کہ برہمنوں میں سیاہ فام اور بھنگی چماروں میں سفید اور گندمی رنگ والے بھی پیدا ہونے لگے ..... حالانکہ اس اختلاط اور آمیزش کے روکنے کے لیئے مذہب اور سوسائٹی کی سخت سے سخت قیود بھی موجود تھیں۔ ہندی کہاوت کہ گورے چٹے چمار اور کالے برہمن کے ساتھ کشتی میں مت بیٹھ کہ یہ دونوں منحوس ہیں اسی

بنا پر ہے. ہندو اقوام کے علاوہ ہندی مسلمانوں میں جو قومیں شودر اقوام سے حلقہ بگوش اسلام ہوئیں وہ علی العموم سیاہ فام تھیں اور بیرون ہند سے آئے ہوئے مسلمان عام طور پر سفید اور گندمی رنگ تھے لیکن صدیوں کے اختلاط سے شیوخ و سادات میں سانولے اور اجلاف قوموں جولاہوں وغیرہ میں گورے چٹے، گندمی رنگ والے پائے جاتے ہیں جسمانی رنگ کے علاوہ افراد قوم کی آنکھیں بال کا رنگ اس کی ساخت، جسمانی قامت، سر کی عام شکل، کاسہ دماغ جبڑے کی ساخت ناک کی وضع لب کی ہیئت، ٹھوڑی کی بناوٹ اور پیشانی کی ساخت یہ وہ خصوصیات ہیں جو نسلی تحقیق میں ممد و معاون ہو سکتی ہیں لیکن نسلی اختلاط کی وجہ سے "اونی بال والی قوموں" میں گھنے اور پیچدار بال پائے جاتے ہیں اور "لامبے اور سیدھے بال والی" قوموں میں جشیوں جیسے سخت اور گھونگر والے بال ہوتے ہیں "آہو چشم والی" قوموں میں چھوٹی اور کنجی آنکھ والے طویل القامت قوموں میں قصیر القامت پائے جاتے ہیں. اعلیٰ اور ادنیٰ طبقہ کے اختلاط کے نتائج اس سے زیادہ نمایاں ہوتے ہیں آگے نکلا ہوا جبڑا لب کی موٹائی الٹی ہوئی ٹھوڑی دبی ہوئی پیشانی نوع انسانی کے ادنیٰ ترین طبقہ کی خصوصیات ہیں لیکن یہ نمونے آپکو بعض ترقی یافتہ قوموں میں بھی دکھائی دینگے ؛

نسلی اختلاط کا اثر جسمانی خصوصیات کے علاوہ افراد قوم کے عادات و خصائل پر خاص طور سے پڑتا ہے جس طرح جانوروں اور پرندوں کی مختلف اقسام کا میل کر کے نئی نسلیں پیدا کی جاتی ہیں یا پھلدار درختوں اور پودوں میں قلمیں باندھکر ان کی جدید اقسام تیار ہوتی ہیں جن سے پھلوں کی جسامت اور رنگت بو و ذائقہ تبدیل ہو جاتا ہے خصوصیات بدل جاتی ہیں ابعینہ اسی طرح نسلی اختلاط و خلط انساب سے قبیلوں اور خاندانوں کی خصوصیات اور افراد قوم کے خصائل و عادات میں فرق آجاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ خصوصیات معدوم و فنا ہو جاتی ہیں ؛

مسئلہ کفو اسی بنا پر اسلام میں کفو کا مسئلہ بقائے شرافت اور حسن معاشرت کے لئے نہایت مفید مسئلہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو قبیلے اور خاندان تمدنی و معاشرتی حالت میں مساوی حیثیت

ہوں وہ باہم مناکحت و مصاہرت کریں مثلاً قبیلہ قریش کے مختلف خاندان ہاشمی' اموی' زبیری صدیقی و فاروقی وغیرہ اور انصاری باہم ہم کفو ہیں۔ مذہب حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ:-

قریش بعضهم اکفاءُ لبعض ولا یعتبر التفاضیل فیما بین قریش	قریش آپس میں ایک دوسرے کے ہم کفو ہیں اور آپس میں من حیث النسب اُن کی تفضیل (معاملہ نکاح میں) معتبر نہ ہوگی۔

چنانچہ سلف سے برابر اس پر عمل ہوتا رہا ہے' خود جناب رسول خدا صلعم نے اپنی دو صاحبزادیوں یعنی حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کو حضرت عثمان غنیؓ کے عقد میں دیا جو نسباً بنی امیہ تھے حضرت علیؓ نے اپنی دختر ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے کیا جو نسباً عدوی قریشی تھے ہاشمی نہ تھے حضرت امام حسینؓ کی صاحبزادی حضرت سکینہ نے اپنا نکاح مصعب ابن زبیر سے کیا جو نسب کے لحاظ سے ہاشمی نہ تھے بلکہ اسدی تھے۔ حضرت امام حسن کی متعدد قرابتیں آل زبیر اور بنو اسد سے ہوئیں۔

غیر کفو اقوام سے اختلاط شروع شروع میں عربی نژاد ہاشمیوں اور قریشیوں کے جو افراد اور خاندان ہندوستان آئے اُنھوں نے بدرجہ مجبوری ہندی یا عجمی عورتوں سے نکاح کیا یا لونڈی باندی کی حیثیت سے اپنی زوجیت میں رکھا' ان سے جو اولاد ہوئی' وہ موجودہ یوروشین فرقہ کی طرح جداگانہ قوم بن گئی' اس کی قرابتیں بھی آپس ہی میں محدود رہیں' ہندی الاصل مسلمانوں کی شریف قوموں سے مناکحت میں اجتناب رہا اور یہ اجتناب آج تک بدستور باقی ہے البتہ ہندی الاصل مسلمانوں کی بعض پیشہ ور پست اقوام کی عورتوں سے اُن قصبات میں جہاں شیوخ و سادات کے متعدد خاندان آباد ہیں اور جہاں یہ پست اقوام بطور رعایا اور متوسل کے بستی ہیں جو نسلیں چلیں وہ یا تو ان ہی شرفا میں شامل رہیں یا اپنے جداگانہ خاندان بن گئے۔ دکن اور مدراس کے علاقہ میں عربوں کی جو اولاد ہندی عورتوں کے بطن سے پیدا ہوئی وہ اب تک جداگانہ قوم کی حیثیت سے آباد اور "موپلا" کے نام سے مشہور و معروف ہے' ہندوستان کے موجودہ ہاشمیوں اور قریشیوں میں (قطع نظر انکے جو موجودہ دور میں خواہ مخواہ ہاشمی اور قریشی بن بیٹھے ہیں)

کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ عہدِ اسلام سے آج تک ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی اور قریشی ہے۔ اسماء الرجال اور انساب کی کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ صدہا ایرانی رومی بربری اور نوبی کنیزیں خاندانِ رسالت میں جذب ہوئیں اور انکے بطن سے کثیر اولاد ہوئی حضرت علیؑ امام حسین امام زین العابدین وغیرہ کی اکثر اولاد کنیزوں اور غیر کفو عورتوں کے بطن سے ہوئی اسلامی دنیا کا کون انسان ہے جو امام موسیٰ کاظمؑ امام علی الرضا محمد تقی امام حسن عسکری کی نجابت کو تسلیم نہ کریگا۔ لیکن یہ تمام حضرات اور بعض روائیوں کے بموجب امام علی النقی کنیزوں کے بطن سے تھے۔ مادری نسب کے اعتبار سے شیوخ و سادات کے اکثر خاندان مخلوط النسل ہیں بلکہ آلِ اسمٰعیل کا مادری نسب ہی غیر کفو کی عورتوں سے چلتا ہے ✤

امروہہ کے سادات و شرفا میں تقریباً ڈیڑھ دو صدی قبل لونڈی باندی رکھنے کا عام رواج تھا لونڈیوں کے بطن سے جو اولاد ہوئی شرفا میں کم تر اور سادات میں زیادہ تر اسی خاندان اور قبیلے میں شامل رہی۔ سادات امروہہ کے بعض مقتدر خاندانوں میں نسل زیادہ تر ان ہی اشخاص سے چلی جو زنانِ غیر کفو کے بطن سے تھے۔ جب کسی لونڈی باندی کے اولاد ہوجاتی جائداد وجاگیر اُس کی اور اس کی اولاد کے نام منتقل کردی جاتی۔ عہدِ عالمگیری کے ایک ممتاز منصبدار جو سید ابوالفضل بن سید محمد میر عدل کی نسل سے تھے اپنے پروانہ مرقومہ ۳۲ جلوس عالمگیری میں تحریر کرتے ہیں ✤

نقل

پروانہ بہر سید غلام علی نبیرہ سید ابوالفضل بن سید محمد میر عدل

متصدیان حال و استقبال متعلق زمینداری وخودکاشتہائے ایں جانب بدانند چوں از ابتدائے خریف تناقوی ائیل سلطانہ فصلی موضع بجرہ وغیرہ مطابق ضمن در تعلقہ خادمۂ محل کہ والدہ برخوردار اقبال مند طول عمرہ .... است مقرر ومفوض نمودہ باید کہ محصول مرسوم زمینداری وخود

کاشتہائے و باغات مواضع مسطور از ابتدائے صدر از سررشتہ کاغذ سرکار این جانب منہا

نمودہ داخل تعلقہ خادمہ محل مرقومہ سررشتہ مقرر و مسلم دارند و پرداخت و تردد خود کاشتہائے

مذکور بواقعی سازند و مواضع مذبور را آبادان دارند۔ دریں باب قدغن بلیغ دانستہ درعمل آرند

فی التاریخ چہار دہم شہر محرم الحرام ۲۳ جلوس والا

سادات و شرفا میں مال و دولت کا جس رفتار سے تنزل و انحطاط ہوتا گیا لونڈی باندی رکھنے کا رواج بھی اسی نسبت سے کم ہوتا گیا اور برطانوی حکومت کے بعد سے تو قطعاً متروک ہوگیا البتہ سادات کے بعض افراد نے اپنی رعایا یا پست اقوام کی عورتوں کو کبھی کبھی گھر میں ڈال لیا ان سے اولاد بھی ہوئی اور نسلیں چلیں چنانچہ سادات میں ایسے خاندان موجود ہیں جنکے مورث انہیں عورتوں کے بطن سے تھے اور ان خاندانوں کی قرابت و مصاہرت بغیر کسی اکراہ کے سادات کے دوسرے خاندانوں میں برابر جاری ہے اور اسے عیب نہیں سمجھا جاتا لیکن شرفا میں اس قسم کے رشتوں سے اجتناب رہا اور بعض خاندانوں میں اتبک ہے۔

شیخ و سید ممالک عرب و عجم کی قدیم کتب تاریخ و انساب میں آپکو شیخ و سید و مرزا وغیرہ الفاظ بطور لقب قومی استعمال ہوتے نہ ملینگے قبائل عرب کے سردار شیخ و سید کے لقب سے ملقب ہوتے تھے لیکن قدیم الاسلام اہل عرب و عجم امتیاز قومیت کے لیے ان الفاظ سے ہرگز ملقب نہ تھے اور نہ چھٹی صدی ہجری تک ان الفاظ کا استعمال اظہار قومیت کے لیے کیا جاتا تہا۔ یہ بدعت عجمی حکمرانوں کے دور کی ہے جسے ہندوستانی مسلمانوں میں ہندی قوموں کے اختلاط کی بنا پر زیادہ فروغ ہوا ہندوؤں کے جات پات کے عقیدہ نے وحدۃ اسلامی میں بھی خلل ڈالا نسلی مغائرت پیدا کی اور رفتہ رفتہ ہندوؤں کی طرح مسلمانوں میں بھی چار شریف ذاتیں شیخ و سید و مغل و پٹھان بن گیئں حالانکہ اسلامی برادری کے لحاظ سے نہ "قوم سید" کوئی قوم ہے اور نہ "قوم سید" کو "قوم شیخ" پر کوئی فضیلت ہے اور نہ "قوم شیخ" کو کسی دوسرے نسب والے مسلمان پر۔ تمام مسلمان ایک قوم اور ایک ملت ہیں اور وہ ملت ملتِ ابراہیمی ہے۔

ما مسلمانیم و اولادِ خلیل ؎ ۔۔۔ از ابیکم ؎ گیر گر خواہی دلیل

با وطن وابستہ تقدیرِ اُمم ۔۔۔ بر نسب بنیادِ تعمیرِ اُمم

بر نسب نازان شدن نادانی ست ۔۔۔ حکمِ او اندر تن و تن فانی ست

ملتِ ما را اساسِ دیگر است ۔۔۔ ایں اساس اندر دلِ ما مضمر است

حاضریم و دل بغایب بستہ ایم ۔۔۔ پس ز بندِ ایں و آں وارستہ ایم

رشتۂ ایں قوم مثلِ انجم است ۔۔۔ چوں نگہ ہم از نگاہِ ما گم است

تیرِ خوش پیکانِ یک کیشیم ما ۔۔۔ یک نما یک بین و یک اندیشیم ما

مدعائے ما مآلِ ما یکیست ۔۔۔ طرز و اندازِ خیالِ ما یکیست

ما ز نعمت ہائے او اخوان شدیم ۔۔۔ یک زبان و یک دل و یک جاں شدیم

لفظ شیخ اصل میں بزرگ و بزرگی و بزرگ زادگی کے معنی میں مستعمل اور ہندوستان میں ابتداءً عربی النسل خاندانوں کے افراد تک محدود و مخصوص تھا۔ ہندی نژاد شریف اقوام کے صرف ان افراد کے لیے شیخ کا لقب استعمال کیا جاتا تھا جو علوم شریعت و طریقت میں درجہ امتیاز حاصل کر لیتے رفتہ رفتہ ہندی الاصل مسلمان شرفا کے بعض خاندان جو علماء اور مشائخ کی نسل تھے لفظ شیخ سے ملقب ہونے لگے لیکن اسلامی حکومت کے آخری دور تک شرفا کے سوائے اجلاف قوموں جولاہوں قسائیوں اور اور اسی طرح کی دوسری ہندی الاصل پیشہ ور اقوام کے لیے یہ لفظ کبھی اور کسی حالت میں بھی استعمال نہ کیا جاتا تھا۔ جولاہوں اور اسی قبیل کی دوسری صنّاع اور پست اقوام کے چودھریوں کے نام جن کو اصطلاحاً "مقدم" کہتے تھے جب کبھی کوئی شاہی پروانہ تحریر ہوتا نام کے لفظ بہ شیخ ہرگز نہ لکھا جاتا حالانکہ پروانہ نویس بالعموم ہندی نژاد کایستھ تھے مگر یہ تمام اہلکار شاہی دفاتر کے قواعد و ضوابط اور اصول حفظ مراتب سے بخوبی آگاہ تھے وہ ایک ایسا لفظ جو بزرگی اور بزرگ زادگی کے مرادف ہے کسی ایسی قوم

؎ ملّۃ ابیکم ابراہیم ۱۲

کے افراد کے لیے ہرگز استعمال نہ کرسکتے تھے جو شرافت نسبی سے معرّا اور تمدنی حالت کے لحاظ سے پست سمجھی جاتی تھی۔ خاکسار مولف کو بنارس وغیرہ میں جولاہوں کے مقدّموں کے موسومہ پروانہ جات شاہی کے دیکھنے کا اتفاق ہوا جن میں مقدم کا محض نام لکھا ہے، نام کے ساتھ لفظ شیخ یا اسی قسم کا کوئی دوسرا تعظیمی لفظ ہرگز تحریر نہیں ہے۔ ضلع مرادآباد کے ایک قصبہ کی واجب الارض میں اراضی کی بیع و شریٰ کے متعلق یہ شرط تھی کہ مسلمانوں کی چاروں شریف اقوام شیخ و سید و مغل و پٹھان کے سوائے اور کسی قوم کا مسلمان نہیں خرید سکتا۔ چند سال کا عرصہ گذرا کسی قسائی نے کچھ اراضی خریدی اس پر عدالتی کارروائی کی نوبت پہونچی، بالآخر مقدمہ ہائی کورٹ الہ آباد کو رجوع ہوا جسٹس پگٹ نے، جو کچھ عرصہ تک ضلع مرادآباد میں جج کی حیثیت سے رہ چکے تھے اور یہاں کی مختلف اقوام کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ تجویز مقدمہ میں یہ تحریر کیا ہے کہ لفظ شیخ کا اطلاق قسائیوں کے افراد پر نہیں ہو سکتا اور یہ حقیقتاً صحیح ہے الفاظ سید و شریف بطور قومی لقب کے ابتداءً خاندان نبوت، بنی ہاشم اور اہلبیت کے مخصوص تھے اس میں علوی و جعفری و عقیلی و عباسی کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ ہندوستان میں لفظ سید علویوں میں سے بھی صرف بنی فاطمہ کے لیے مخصوص ہو گیا، انکے ہم جد و ہم نسب علوی یعنی غیر بنی فاطمہ اور دوسرے ہاشمی لفظ سید سے کم تر اور زیادہ تر لفظ شیخ سے مخاطب رہے یہ فرق و امتیاز بھی بعد میں زیادہ تر شیعیت کی بدولت پیدا ہوا

مغلوں کا قومی لقب مرزا ہے جو امیرزادہ کا مخفف ہے اور پٹھانوں کا قومی لقب خان ہے اظہار قومیت کے لیے ابتداءً لوگ اپنے ناموں کے ساتھ اپنے قبیلوں اور خاندانوں کے نام و لقب لکھتے تھے مثلاً ہاشمی و قریشی یا عباسی و علوی یا لودی و نیازی، شیروانی و خلجی، ترکمان اور لاری وغیرہ و شیخ و سید وغیرہ الفاظ تعظیماً مستعمل تھے مگر رفتہ رفتہ ان الفاظ کے استعمال کی یہ نوبت پہنچی ہے کہ ہندوستان کے ضعیف الاعتقاد نسل پرست ان تعظیمی الفاظ کو جزو نام سمجھکر بلا تامل اپنی زبان اور اپنے قلم سے ناموں اور دستخطوں میں بولنے اور لکھنے لگے ہیں گذشتہ زمانہ کے علماء اور مشائخ کی تحریرات اور دستخطوں میں نہ "السید" نظر آئے گا اور نہ "الشیخ" مولانا سید محمد میر عدل

جیسے فاضل کے دستخط اور مہریں متعدد قدیم دستاویزات پر موجود ہیں، وہ محض "عبدہ محمد الحسینی" لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ انکے فرزند سید شاہ ابوالحسن کی مہر میں یہ الفاظ کندہ تھے "فقیر ابوالحسن بن محمد الحسینی" اس عہد کے اکثر بنی فاطمہ اظہار نسب میں الحسینی یا علوی الحسنی لکھتے تھے، لفظ سید اپنے قلم سے اپنے نام کے ساتھ ہرگز تحریر نہ کرتے تھے مگر نسبی فخر و مباہات کا برا ہو کہ ان الفاظ کے استعمال کی وہ مٹی پلید ہوئی ہے کہ انکو تعلیم یافتہ اشخاص بھی اپنی قومیت سید و شیخ بتانے اور لکھنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ سیادت پناہ لوگ بالخصوص بنی فاطمہ اگرچہ کہنے کو اپنے تئیں حضرت آدم ہی کی اولاد کہتے ہیں مگر برہمنوں کی طرح خود کو نوع بشر سے بالاتر مخلوق سمجھکر لفظ سید کے استعمال کو فریضۂ مذہبی سے کم نہیں سمجھتے۔ انکے نزدیک "قوم شیخ" کمتر مخلوق ہے اور "قوم سید" بالاتر اسی لیے لفظ شیخ کو ادنیٰ اور لفظ سید کو اعلیٰ قرار دے رکھا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ موقع و محل کے اعتبار سے بزرگی کے معنی پر مستعمل ہیں بلکہ لفظ شیخ کو لفظ سید پر اس لحاظ سے ضرور ترجیح حاصل ہے کہ جو سید (ہاشمی و بنی فاطمہ) فضائل و کمالات سے اپنے نفس کو آراستہ کرلیتا ہے اس وقت باعتبار بزرگی و شیخیت تعظیماً لفظ شیخ سے ملقب و مخاطب ہوتا ہے چنانچہ متعدد اولیاء و بزرگان دین کے اسمائے گرامی کے ساتھ باوجود سیادت نسبی لفظ شیخ کا الحاق اس پر روشن دلیل ہے۔ اردو زبان کے محاورہ میں شیخی کا لفظ شیخ ہی سے مشتق ہے اور اگرچہ دوسرے معنی میں مستعمل ہے لیکن کسی سید کو مخاطب کرکے کہا جاسکتا ہے "میر صاحب! آپ کی سب شیخی کرکری ہوجائے گی" یہاں لفظ شیخی کے بجائے سیادت استعمال کیجیے تو محاورہ نہ رہیگا۔ اور مطلب بھی خبط ہو جائیگا، اسی سے اس فرق و امتیاز کا اندازہ کیجیے جو شیخ و سید میں ہے۔ اجلاف قومیں چونکہ لفظ شیخ کا استعمال کرنے لگی ہیں اور نسل پرستوں کے مفروضات کی بناپر جہال و عوام نے ان الفاظ کو جو فرق و امتیاز دے رکھا ہے نیز لفظ شیخ کے مقابلہ میں جو دلآویزی لفظ سید میں پیدا کردی گئی ہے شاید اسی لیے بعض کم ظرف اپنی اصلیت اور اپنا نسب چھوڑ چھوڑ "سید بننے" کے خبط میں مبتلا نظر آتے ہیں جو نسبی فخر و مباہات بدترین نمونہ ہیں ؎

بہ نسب فخر تو نقص گہر و کم خردی است — چوں نگین چند تواں زیست بنام دگراں

علم انساب اور عربی النسل قبائل

تاریخ شاہد ہے کہ تمدنی دنیا میں نسب پر سب سے زیادہ فخر کرنے والی قوم قوم عرب ہے، عرب جاہلیت تو تفاخر نسبی کے دالہ و شیدا تھے، بازار عکاظ اس قسم کے خیالات کا مرکز تھا اور کچھ شبہ نہیں اس فخر سے انکے بڑے بڑے کام بھی نکلے لیکن اسلام نے تفاخر نسب اور نسبی تعلیات کو مٹا دیا تاہم تحقیق و تعارف کے لیے انساب کا علم باقی رہا اس میں متعدد و مبسوط تصانیف مدوّن ہوئیں نسب کی چھان بین اور جرح و تعدیل کے لیے اصول و قواعد بھی منضبط ہوئے۔ عربی النسل خاندان جس ملک میں جاکر بسے اپنی اس قومی خصوصیت کو بھی ساتھ لیتے گئے چنانچہ آج تک ان کی نسلوں میں انساب محفوظ رکھنے کا جذبہ نسلاً بعد نسلٍ موجود پایا جاتا ہے۔ امروہہ میں جو ہاشمی و قریشی خاندان صدیوں سے آباد ہیں انساب محفوظ رکھنے کا اہتمام ان میں بمقابلہ عجمی النسل قوموں کے سلف سے برابر چلا آتا ہے۔

نسب کی اقسام

علماء علم الانساب نے نسب کی چھان بین کے سلسلہ میں مندرجۂ ذیل اقسام قرار دی ہیں:۔

۱۔ صحیح النسب — وہ نسب ہے جو جملہ نسابین کے نزدیک ثابت و محقق ہو سلسلہ نسب منقطع اور غیر متصل نہ ہو اور نسابین نے بالاجماع اس کی تصدیق کی ہو۔

۲۔ مقبول النسب — وہ نسب ہے جو اکثر نسابین کے نزدیک ثابت ہو اور ایک دو نے اس کا انکار کیا ہو پس وہ نسب چند عادل نسابین کی شہادت کی بنا پر مقبول ہوگا اور بعض کے انکار کی طرف کوئی التفات نہ کیا جائے گا۔ یہ نسب بلحاظ مرتبہ اس نسب کے برابر نہیں جس پر جملہ نسابین کا اجماع اور اتفاق ہو۔

۳۔ مشہور النسب — وہ نسب ہے جو غیر متصل اور منقطع ہو لیکن جس کی سیادت اور شیخیت علی وجہ الشہرۃ و تواتر مسلّم ہو۔

۴۔ مجہول النسب وہ نسب ہے جس کا صحیح علم نہ ہو نہ اس کی صحت یقینی ہو اور نہ اس کا بطلان ۔

۵۔ مردود النسب اس شخص کا نسب ہے کہ جس خاندان میں ہونیکا دعویٰ کرتا ہے حقیقتاً اس خاندان سے نہ ہو اور نہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی حجت قطعی پیش کر سکے بلکہ وہ قبیلہ و خاندان بھی اسکے دعوے کو قبول نہ کرے۔ اور اس کے بطلان کو ظاہر کر دے ۔

تحقیق انساب کے چند اصول اتصال نسب اور صحت نسبت کے لیے حسب ذیل اصول مقرر کیے جا سکتے ہیں:

(الف) ایک صدی میں بالعموم تین واسطے یا شاذ و نادر دو صدیوں میں کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ سات واسطے پائے جائیں ۔

(ب) جس مورث سے نسب متصل ہوتا ہو اگر نسابین و مورخین نے اسے غیر معقب ظاہر کیا ہے تو اسکے معقب ہونے کے متعلق کوئی قطعی ثبوت اور تحریری شہادت پیش کی جائے ۔

(ج) شہرت بلدیہ و تواتر سماعی ۔

مسلمانان امروہہ کا نسب امروہہ کے مسلمان نسب کے اعتبار سے حسب ذیل تین گروہوں میں منقسم ہیں:
(۱) عربی النسل (۲) عجمی النسل (۳) ہندی الاصل ۔

۱۔ عربی النسل ان میں (۱) ہاشمی (۲) قریشی اور (۳) انصاری خاندان شامل ہیں۔

۲۔ عجمی النسل ان میں (۱) ترکمان (۲) مغل (۳) پٹھان اور (۴) قزلباش خاندان ہیں۔

۳۔ ہندی الاصل ان میں دو گروہ ہیں (۱) اشراف (۲) اجلاف ۔

(۱) اشراف۔ وہ ہندی الاصل مسلم خاندان ہیں جنکے اجداد مختلف وقتوں میں ہندوؤں کی شریف اور "اونچ ذات" قوموں سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، ان میں کنبوہ کلال اور بعض وہ خاندان بھی شامل ہیں جو آبائی مذہب کے ساتھ ساتھ اپنی قومیت بھی ترک کر چکے ہیں اور بالعموم لفظ شیخ یا خاں اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، بعض اپنے کو صدیقی اور انصاری ظاہر کرتے ہیں اور بعض پٹھان بتاتے ہیں حالانکہ اصل میں نہ وہ صدیقی و انصاری ہیں اور نہ پٹھان بلکہ ہندو

کی اقوام ویش کھتری، بنگے، جاٹ اور جوجہ وغیرہ اقوام سے ہیں۔

(۲) **اجلاف**۔ دوسرا گروہ اور کثیر گروہ ان مسلمانوں کا ہے جو اسلامی برادری کے لحاظ سے تو مساوی الحیثیت ہیں لیکن طبقہ شرفا میں داخل نہیں بلکہ موجودہ اصطلاح میں پیشہ ور اور عام محاورہ اور قدیم اصطلاح میں اجلاف وغیرہ الفاظ سے ملقب ہیں ان میں زیادہ تر ان گروہوں اور قوموں کے افراد ہیں جو مسلمانوں کے سیاسی اقتدار سے یا ہندو سوسائٹی کے غیر مساویانہ سختیوں سے بچنے کے لیے شودر اقوام سے مسلمان ہوئے۔ ان میں تیلی، تنبولی، منہیار، دُھنے، جولاہے، سقے، قسائی وغیرہ شامل ہیں۔

چنانچہ صاحب تاریخ اصغری امروہہ کے "ہندو مسلمانوں کے اجمالی بیان" میں لکھتے ہیں کہ:-

"مسلمانوں کی چاروں قوم شریف یعنی سید اور شیخ اور مغل اور پٹھان یہاں ساکن ہیں اور اجلاف میں سقے اور دُھنے اور جولاہے اور تیلی اور تنبولی وغیرہ بھی رہتے ہیں کہ بیشتر ان میں شریفوں کی رعایا ہیں"[۱]

سادات ہاشمی امروہہ کے ہاشمی خاندانوں میں (۱) علوی (۲) جعفری (۳) عقیلی اور (۴) عباسی خاندان ہیں:-

علوی۔ قدیم اصطلاح کے مطابق حضرت علیؑ کی اولاد علوی کہلاتی ہے۔ ان میں دو گروہ ہیں (۱) بنی فاطمہ اور غیر بنی فاطمہ۔

علویوں کے مورث اعلیٰ حضرت علی ابن ابی طالب کا نام نامی علیؑ، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب لقب مرتضیٰ ہے۔ ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل کو بروز جمعہ بطن فاطمہ بنت اسد بن ہاشم سے اندرون بیت الحرام پیدا ہوئے۔ نہایت جری و شجیع صاحب علم و عرفان، داماد و خلیفہ رسولؐ تھے۔ ۱۹ رمضان ۴۰ھ کو مسجد کوفہ میں بحالت نماز بضرب شمشیر زہر آلود ابن ملجم نے مجروح کیا۔ ۲۱ رمضان کو ۶۳ سال کی عمر میں شہید اور نجف میں مدفون ہوئے۔ آپکا پہلا نکاح حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلعم سے ہوا جنکے بطن سے دو صاحبزادے امام حسن اور امام حسین[۲] اور دو صاحبزادیاں متولد ہوئیں یعنی زینب ام کلثوم

---

[۱] تاریخ اصغری مطبوعہ صفحہ ۲۳ [۲] ابن قتیبہ نے معارف میں آپکے ایک صاحبزادے محسن کا بھی الفاظ ذکر کیا ہے کہ

جو عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے عقد میں آئیں اور ام کلثوم جو ابتداءً حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے عقد میں آئیں جن سے حضرت فاروق کے فرزند زید اکبر اور ایک دختر رقیہ پیدا ہوئے، حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات کے بعد ان کا نکاح محمد بن جعفر طیارؓ سے اور ان کی وفات کے بعد عون بن جعفر طیارؓ سے ہوا

تاحیات حضرت فاطمہ زہراؓ حضرت علیؓ نے دوسرا عقد نہیں کیا ان کی وفات کے بعد نو⁹ نکاح کیے۔ ازواج کے نام یہ ہیں (۱) اسماء بنت عمیس (۲) لیلیٰ بنت مسعود (۳) اُمامہ بنت ابی العاص (از بطن حضرت سیدہ زینب بنت رسول خدا) (۴) ام حبیبہ بنت ربیعہ (۵) صہبا بنت عباد (۶) محیاۃ بنت امراء القیس (۷) ام سعید (۸) خولہ بنت جعفر (۹) ام البنین۔ ان میں سے اکثر کے بطن سے اولاد ہوئی۔ بروایات مختلف آپ کے ۱۷ لڑکیاں اور ۱۸ لڑکے تھے۔ حضرات حسنین کے علاوہ آپ کے اور بیٹوں کے نام یہ ہیں (۱) امام محمد بن الحنفیہ (۲) عباسؑ علمدار (۳) عبداللہ (۴) جعفر (۵) عمر الاطرف[ل] (۶) عبیداللہ (۷) ابوبکر (۸) یحییٰ (۹) عثمان (۱۰) محمد الاوسط (۱۱) زید (۱۲) محمد الاصغر (۱۳) عقیل (۱۴) صالح (۱۵) طاہر (۱۶) عون۔ آپ کے صرف پانچ بیٹوں سے عقب باقی رہا یعنی (۱) امام حسن (۲) امام حسین (۳) امام محمد الحنفیہ (۴) عباس علمدار اور (۵) عمر الاطرف سے۔ باقی سے نسل نہیں چلی حضرات حسنینؑ کی اولاد فاطمی کہلاتی ہے اور دوسرے فرزندوں کی علوی۔ فاطمیوں میں بھی دو گروہ ہیں ایک حسنی اور دوسرا حسینی۔

حسنی۔ امام حسن کے بارہ[۲] اور بقول بعض جو عبداللہ کی کنیت ابوبکر بتاتے ہیں گیارہ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) حسن المثنیٰ (۲) زید (۳) یعقوب (۴) حسین الاثرم (۵) طلحہ (۶) عبداللہ (۷) ابوبکر (۸) قاسم (۹) عمر (۱۰) اسمٰعیل (۱۱) عبدالرحمٰن (۱۲) حمزہ ان میں سے صرف اول الذکر دو[۲]

(بقیہ حاشیہ) ھلک وھو جعفر۔ بعض ضعیف روایتوں میں یہ الفاظ ہیں کہ سقط جنیناً۔ لیکن یہ سب موضوعات ہیں۔ ولادت محسن سے قطع نظر کسی صحیح روایت سے محسن کا حمل میں ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا (مولف)

[ل] یہ نسب دوری سے ہاشمی نہ تھے اور ان کے بھتیجے عمر بن امام زین العابدین مادر و پدر دونوں جانب سے ہاشمی و فاطمی ہونے کی وجہ سے اشرف کہلاتے تھے اور یہ اطرف یعنی ایک طرف سے ہاشمی و فاطمی ۱۲

بیٹوں سے عقب باقی رہا۔

امروہہ کے سادات حسنی کا سلسلہ نسب بواسطہ شیخ جلیل حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حسن المثنیٰ بن امام حسنؓ تک منتہی ہوتا ہے باین طریق حضرت شاہ گدا بن سید سراج الدین بن سید محمد بن جلال الدین بن سید یحییٰ بن سید احمد بن نصر اللہ بن قطب العالمین بن موسیٰ بن عبدالجبار بن ابو نصر صالح بن عبدالرزاق بن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بن ابو صالح موسیٰ جنگی دوست بن عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن محمد الرومیہ بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن المثنیٰ مذکور۔

بعض نسابین نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نسب پر تفصیلی بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ شیخ ممدوح نے بذات خود یا آپکے بیٹوں میں سے کسی نے حسنی سید ہونیکا کبھی دعویٰ نہیں کیا البتہ آپکے پوتے قاضی ابو نصر صالح بن عبدالرزاق نے اس سلسلۂ نسب کا دعویٰ کیا مگر وہ اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل اور منیقائم نہ کر سکے اور نہ انکے زمانہ میں کسی نے ان کے دعوی کی تائید کی۔ علاوہ ازیں عبداللہ بن محمد بن یحییٰ جو حضرت شیخ جیلانی سے دوسری پشت میں ہوتے ہیں، حجاز میں سکن گزین تھے ہمیشہ وہیں رہے اور کبھی حجاز سے باہر نہیں گئے اس لیے انکے بیٹے کا نام یا لقب "جنگی دوست" ہونا خلاف قیاس ہے، کیونکہ یہ نام و لقب عجمی ہے نہ کہ عربی۔ قاضی ابو صالح نے اثبات نسب کے لئے کوئی صاف و صریح دلیل بھی پیش نہیں کی۔ بلکہ اپنے دادا اور اُن کی اولاد میں سے اور کسی کے اس نسب سے موافقت کرنیکا بھی اقرار و اعتراف کیا۔ ابوالمعالی سراج الدین رفاعی مخزومی نے، جو سید احمد رفاعی کے خاندان سے تھے۔ اپنی کتاب صحاح الاخبار فی نسب السادات الفاطمیۃ الاخیار میں حضرت شیخ جیلانی کے نسب پر مفصل بحث کی ہے اور نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ کا نسب ایک عجمی خاندان آل شستری سے ملحق ہے اور آپ عجمی النسب ہیں نہ کہ عربی و ہاشمی حسنی۔ واللہ سبحانہ تعالےٰ اعلم۔ خاکسار مولف کے نزدیک حضرت شیخ جیلانیؒ کی سیادت علی وجہ الشہرۃ مسلم ہے۔ امروہہ میں اس خاندان کی قرابتیں

ہمیشہ سے تمام تر سادات حسینی و ہاشمی میں ہوتی چلی آئی ہیں۔

اس خاندان کے علاوہ حضرت شاہ شکر اللہؒ کی اولاد کا خاندان ہے جو اب تعداد میں بہت قلیل رہ گیا ہے بعض قرائن سے انکا نسب بھی حضرت شیخ جیلانی سے متصل ہوتا ہے لیکن اس خاندان کا مکمل شجرہ نسب باوجود تلاش و جستجو کے خاکسار مؤلف کو دستیاب نہ ہو سکا۔

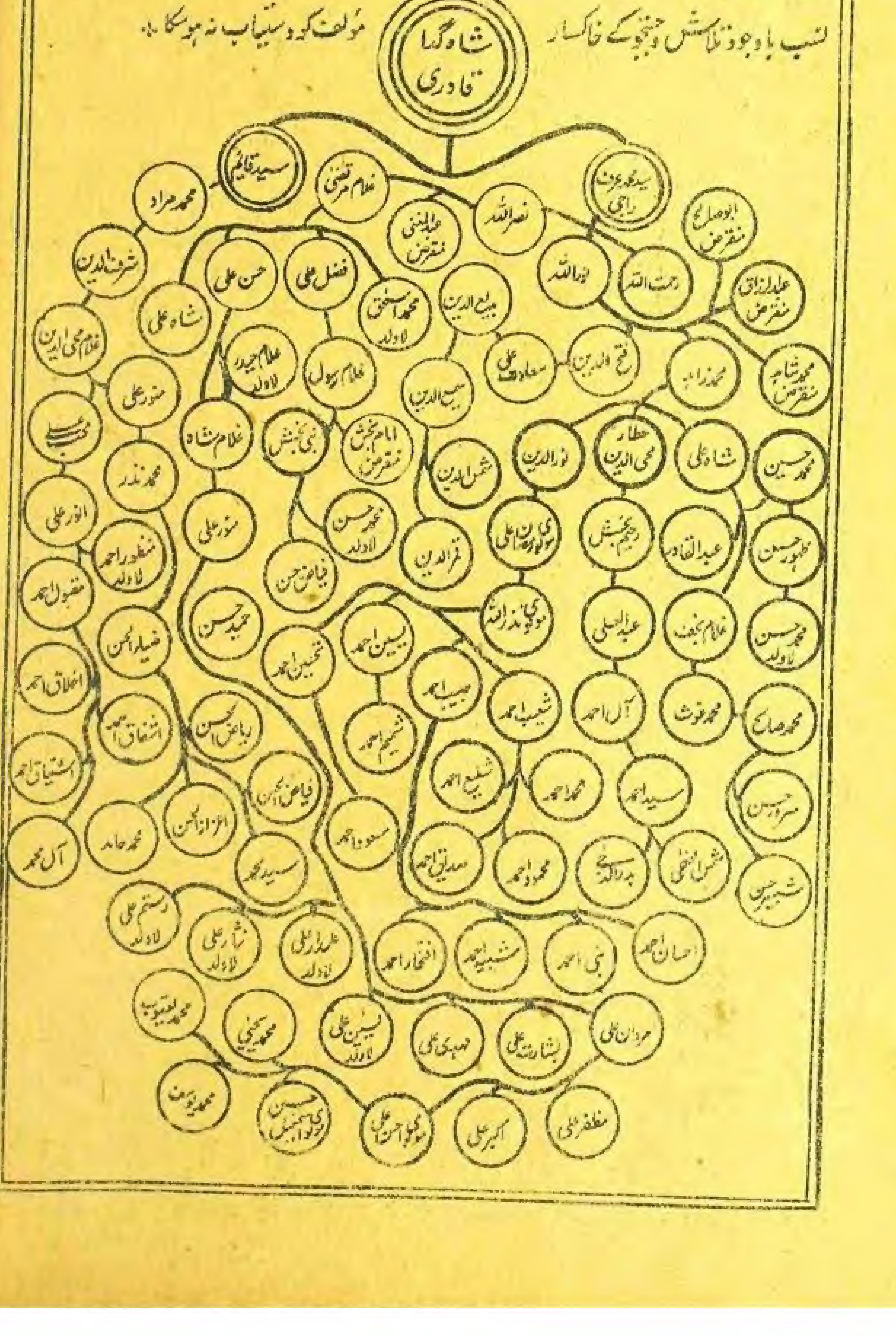

حسینی - حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسل انکے صرف ایک فرزند امام زین العابدین سے چلی جو ۳۸ھ میں جناب شہر بانو عجمیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ علی نام کنیت ابو محمد اور لقب سجاد و زین العابدین ہے، ۵۷ سال کی عمر میں ۱۲ محرم ۹۵ھ کو فوت ہوئے اور جنت البقیع میں حضرت عباس عم رسول خدا کے قبہ میں مدفون ہوئے آپکے چھ فرزند تھے عبداللہ الباہر، عمر الاشرف، زید شہید، علی الاصغر، حسین الاصغر اور امام محمد باقر، ان میں عمر الاشرف، زید شہید اور امام محمد باقر کی نسل سے حسب ذیل خاندان ہیں (۱) اولاد عمر الاشرف یعنی خاندان نوگیاں (۲) اولاد زید شہید جو جارود یہ مشہور ہیں (۳) موسوی اولاد عبداللہ بن امام موسی کاظم (۴) رضوی (۵) نقوی (۶) خاندان قاضی زادگان (۷) متفرق سادات حسینی ؞

خاندان سادات نوگیاں

اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت شیخ نصیر الدین چشتی کا سلسلہ نسب جو نخبۃ التواریخ اور تاریخ واسطیہ میں منقول ہے اس طرح ہے' نصیر الدین بن فخر الدین بن محمد روپ مراد بن مولانا بدر الدین اسحٰق بن خواجہ علی بن خواجہ اسحٰق بن معین الدین خطاب منہاج الدین بن احمد بن محمود بن محمد بن احمد بن محمد بن احمد نسخ اللہ بن حسن جلال الدین بن علی صدر الدین بن ابو محمد عبداللہ بن قطب الدین معروف بعمر شجری بن ذکریا المعروف بعلی اصغر بن سید عمر اشرف بن امام زین العابدین - یہ وہ سلسلہ نسب ہے جو مولانا بدر الدین اسحٰق کی اس نسل میں رائج ہے جو امروہہ میں آباد ہیں لیکن جو شاخ نوگانوہ میں متوطن ہے انکے قدیم شجروں میں جنہیں خاکسار مولف کو دیکھنے کا موقع ملا ہے اور مندرجہ بالا شجرہ میں اختلاف ہے' وہ اپنا سلسلہ نسب یوں بیان کرتے ہیں. سید عزیز الدین (عم محترم حضرت شیخ نصیر الدین چشتی) بن فخر الدین بن محمد روپ مراد بن خواجہ علی بن مولانا بدر الدین اسحٰق بن خواجہ علی بن خواجہ اسحٰق بن محمد عقیل بن محمود بن احمد بن وجیہ الدین محمود بن جلال الدین بن فتح اللہ بن صدر الدین بن قطب الدین بن ذکریا بن عمر اشرف بن امام زین العابدین۔ صاحب نخبۃ نے صدر الدین

اور قطب الدین کے درمیان ابو محمد عبداللہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ نوگانوہ کے شجرہ میں یہ نام ملتا ہے صرف واسطیہ نے یہ نام درج کیا ہے قطع نظر ان اختلافات کے جو مولانا بدر الدین اسحق سے اوپر کی پشتوں میں بلحاظ تقدیم و تاخیر اور بعض اسماء کی کمی و بیشی کے مندرجہ بالا شجروں میں پائے جاتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ سلسلہ نسب مذکورہ بالا اسماء کے ذریعہ عمر الاشرف سے متصل ہوتا ہے یا نہیں؟ عمر الاشرف بن جناب زین العابدین کے صرف ایک فرزند علی اصغر سے عقب باقی رہا اُنکے کوئی بیٹے ذکریا نام نہ تھے۔ اولاد کا شجرہ نسب یہ ہے:-

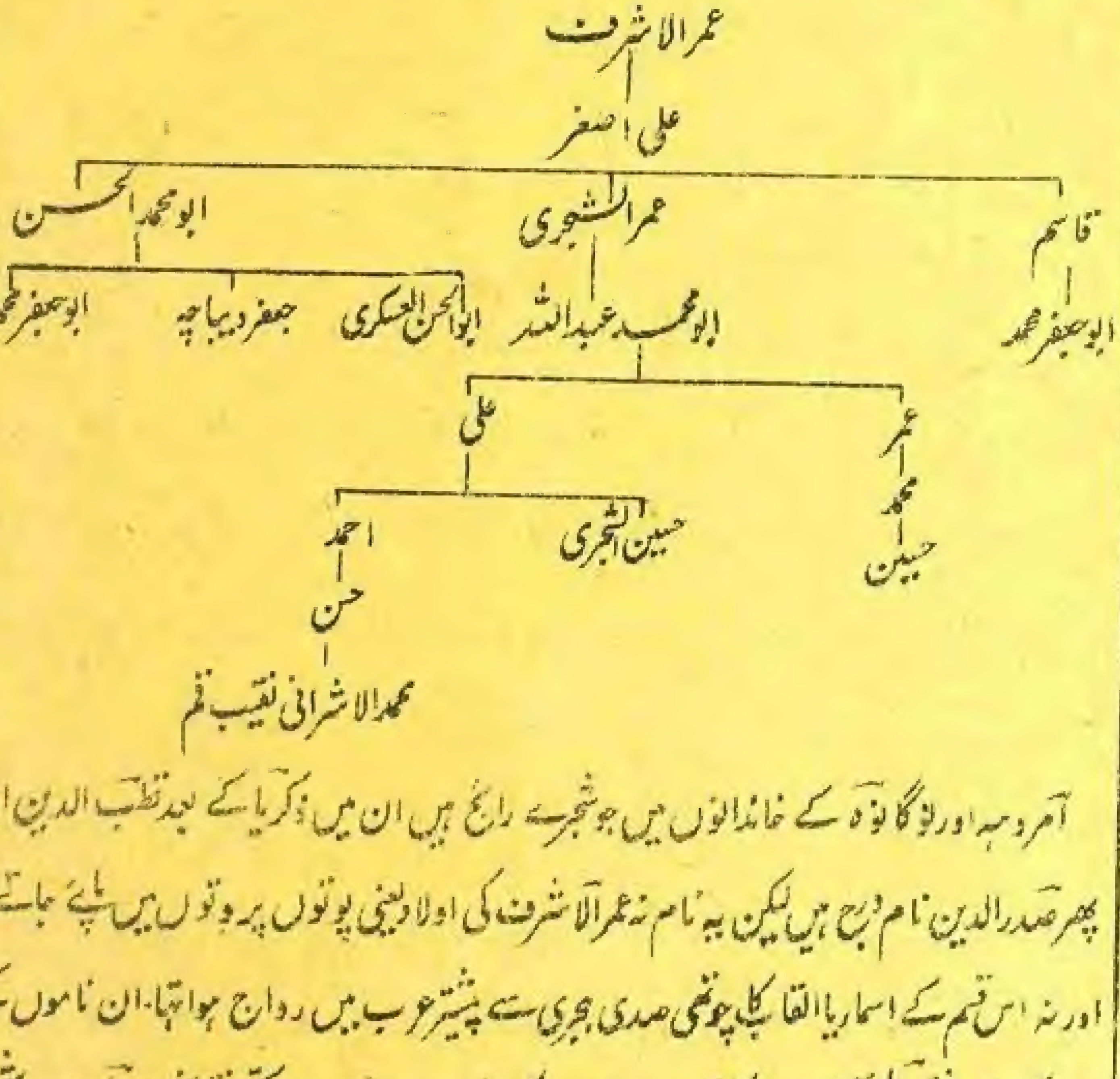

امروہہ اور نوگانوہ کے خاندانوں میں جو شجرے رائج ہیں ان میں ذکریا کے بعد قطب الدین اور پھر صدر الدین نام درج ہیں لیکن یہ نام نہ عمر الاشرف کی اولاد یعنی پوتوں پر پوتوں میں پائے جاتے ہیں اور نہ اس قسم کے اسماء یا القاب کا چوتھی صدی ہجری سے پیشتر عرب میں رواج ہوا تھا۔ ان ناموں کے بعد ایک نام فتح اللہ آتا ہے جس کا تو اس زمانہ میں کوئی وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ واسطیہ میں جو شجرۂ نسب درج ہے اس میں قطب الدین کو معروف بہ شجری، صدر الدین کے ساتھ علی، جلال الدین کے ساتھ حسن، فتح اللہ کے ساتھ احمد اضافہ کیے گئے ہیں اور ایک واسطہ قطب الدین اور صدر الدین

کے درمیان ابو محمد عبداللہ کا اور بڑھا دیا گیا ہے ان القاب و اسمار کے اس طرح اضافہ کر دینے کے بعد یہ سلسلہ نسب عمر الاشرف کی اولاد کے مندرجہ بالا شجرہ سے، جو کتب انساب کے مطابق ہے، ضرور ملجاتا ہے لیکن سوال یہ ہے عمر شجری، علی، حسن، احمد نام جو شجروں کے مندرجہ قدیم ناموں پر اضافہ کیئے گئے ہیں، اسکے متعلق کیا ثبوت پیش کیا جاتا ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ الحاق جدید نہیں ہے کیونکہ قدیم شجروں میں یہ الحاق نہیں پایا جاتا. نیز جبکہ یہ نام اصلی نام ہیں تو پھر بطور عرف یا لقب کے ان کا درج کیا جانا کیا معنی؛ قطب الدین اور ذکریا اگر عمر شجری اور علی اصغر کے القاب تھے تو بطور لقب یا عرف درج ہوتے نہ یہ کہ جو اصلی نام تھے وہ تو عرف بن گئے اور جو عرف تھا وہ نام ہو گیا. علاوہ ازیں یہ القاب اور عرف اگر واقعاً ان حضرات کے لقب اور عرف ہوتے تو کتب انساب میں جہاں ان حضرات کے اصلی نام درج ہیں یقیناً یہ القاب بھی اسی طرح مذکور ہوتے جس طرح ان تمام اشخاص کے اسمار کے ساتھ جو اصلی ناموں کے سوائے کوئی لقب یا عرف یا کنیت بھی رکھتے ہیں انکے لقب یا عرف بھی انکے ناموں کے ساتھ تمام کتب انساب میں بالعموم پائے جاتے ہیں. پس اگر ان الحاقی ناموں کو نیز ابو محمد عبداللہ کے درمیانی واسطہ کو جس کا اضافہ واسطیہ میں کیا گیا ہے تسلیم کر لیا جائے تو یہ سلسلہ نسب عمر الاشرف سے ضرور متصل ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی یہ غلطی باقی رہتی ہے کہ احمد فتح اللہ کو جلال الدین حسن اور صدر الدین علی کے درمیان ہونا چاہیئے نہ جلال الدین کے بعد کیونکہ علی کے بیٹے حسن نہیں بلکہ احمد ہیں اور احمد کے فرزند حسن معلوم ہوتا ہے کہ عمر الاشرف کی اولاد کے جو نام کتب انساب میں ملتے ہیں ان سے جب خاندانی شجرہ کی مطابقت کی گئی اور شجروں میں وہ نام ملے تو بطور عرف اور لقب کے اضافہ کر دیئے گئے اور اس طرح سلسلہ نسب کے اتصال کی کوشش کی گئی حالانکہ مولانا بدر الدین اسحٰق اور شیخ نصیر الدین چشتی کی سیادت علی وجہ الشہرۃ ثابت ہے خواہ سلسلہ کے ناموں کا ثبوت کتب انساب سے مطابق ملے یا نہ ملے ان کی سیادت و شرافت نسبی میں کلام نہیں خواہ سلسلہ نسب عمر اشرف کے واسطہ سے امام زین العابدین تک منتہی ہوتا ہو خواہ زید شہید، امام محمد باقر،

عبد اللہ الباہر یا کسی اور شخص کے ذریعہ سے ۔

شجرۂ اولاد شیخ نصیر الدین چشتی ساکنان محلہ نوگیاں وغیرہ

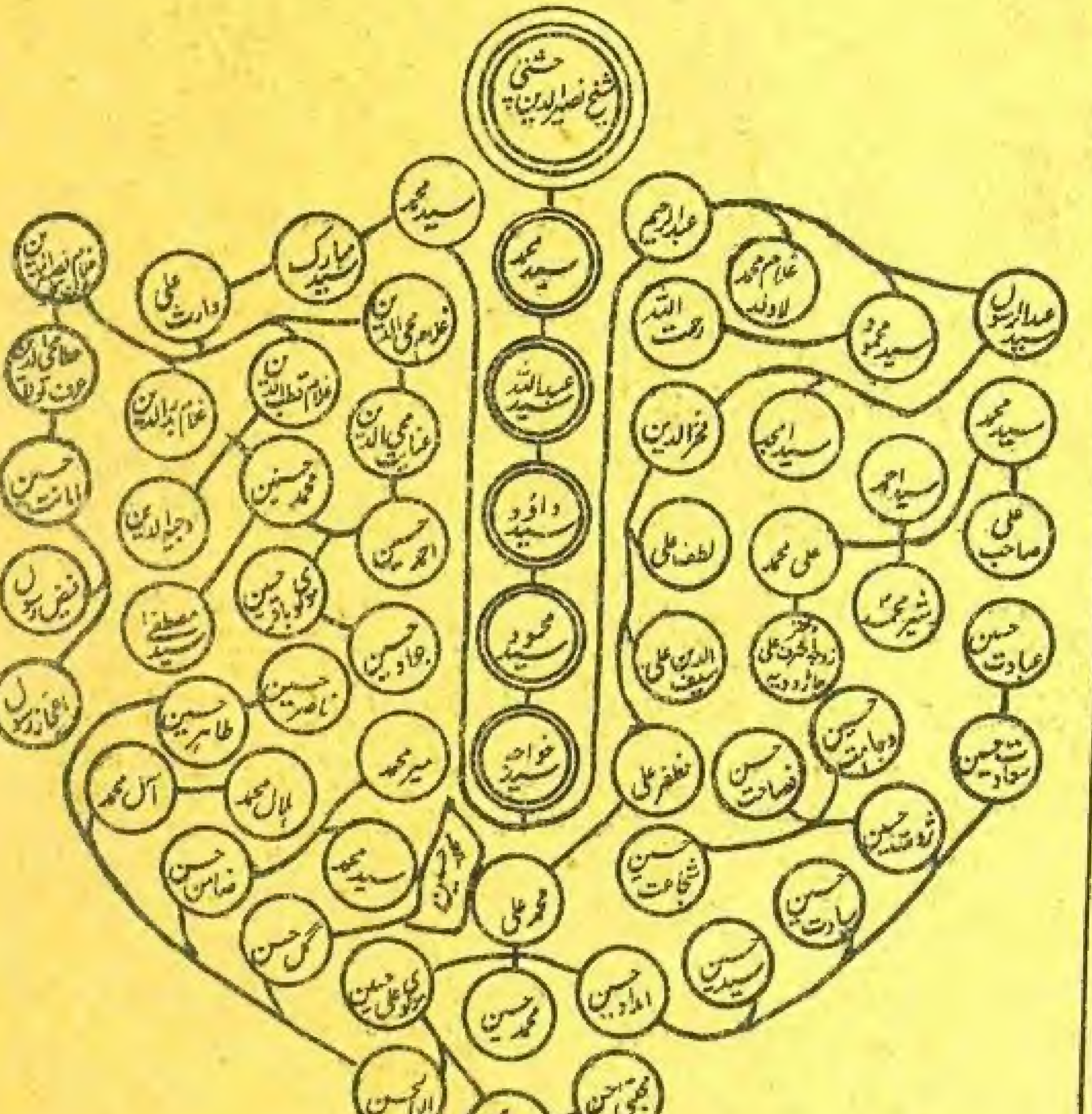

زیدی | یعنی اولاد امام زید شہید بن امام زین العابدین۔ امام زید بڑے صاحب عزم و حوصلہ تھے ۱۲۳ھ میں ہشام بن عبد الملک خلیفہ بنی امیہ کے خلاف خروج کیا۔ شیعیان علیؓ میں جو لوگ آپ کے متبع رہے وہ زیدیہ کہلائے جو آپ کی امامت سے پھر گئے وہ رافضی مشہور ہوئے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ بعض شیعیان علیؓ نے ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا کہ حضرات شیخینؓ کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں

آپنے جواب دیا اللہ تعالےٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ان کی مغفرت کرے میں نے اپنے آبا اور خاندان والوں سے ان کی تعریف کے سوائے کچھ نہیں سنا بلاشبہ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں انصاف سے کام لیا اور کتاب سنت پر عمل کیا" جو لوگ یہ سنکر آپسے پھر گئے انکے متعلق آپنے فرمایا تھا رفضونا الیوم - یعنی آج تم نے مجھے چھوڑ دیا اُن کا نام رافضی ہوا اور وہ آپکے بھتیجے امام جعفر صادق کی امامت کے قائل ہوئے ؛

امروہہ میں آپکے فرزند عیسیٰ موتم الاشبال کی نسل سے دو خاندان ہیں ایک خاندان جڑودہ اور دوسرا اولاد سید عبد العزیز خاں منصبدار کا۔ آپکے دوسرے فرزند حسین ذی الدمعہ کی نسل سے بھی ایک خاندان ہے جس نکاس سامانہ (ریاست پٹیالہ) سے ہے ؛

خاندان جڑودیہ اس خاندان کے مورث سید خوند سعید جڑودہ (یا جاڑودہ) ضلع میرٹھ سے امروہہ آئے اس وجہسے جڑودیہ مشہور ہوئے۔ سلسلہ نسب یہ ہے :- سید خوند سعید بن سید بدر الدین بن سید علی بن مسعود بن محمد بن مراد بن ابوالفرح واسطی بن داؤد بن حسین بن یحیٰی بن عمر بن زید ثانی بن علی بن حسن بن علی العراقی بن حسین بن علی بن محمد بن عیسیٰ موتم الاشبال بن امام زید الشہید بن امام زین العابدین ؛

واسطیہ میں جو شجرہ نسب اس خاندان کا شائع ہوا ہے اس میں متعدد غلطیاں ہیں یحیٰی کو عمر بن کا بیٹا لکھا ہے حالانکہ انکے باپکا نام زید ہے اور زید کے باپکا نام عمر ہے۔ اسی طرح حسین بن علی کو محمد بن عیسیٰ کا بیٹا لکھا ہے حالانکہ محمد انکے دادا ہیں ؛

اس خاندان میں سید سبط حسین عرف بجاؤ سید عسکری حسن عرف کھونچا پسران سید اصغر حسین ساکنان محلہ نوگیاں، سید ریاض الحسن پنشنر سب انسپکٹر جنہوں نے قاضی زادوں میں سکونت اختیار کرلی ہے اور سید درنجف بن سید غلام نجف (محلہ مچھرہٹہ) ودیگر اشخاص ہیں۔ شجرہ نسب اولاد سید خوند سعید مذکور صفحہ دیگر پر ملاحظہ ہو۔

LIBRARY Anjuman Taraqqi

شجرہ اولاد سید خوند سعید مورث سادات زیدی

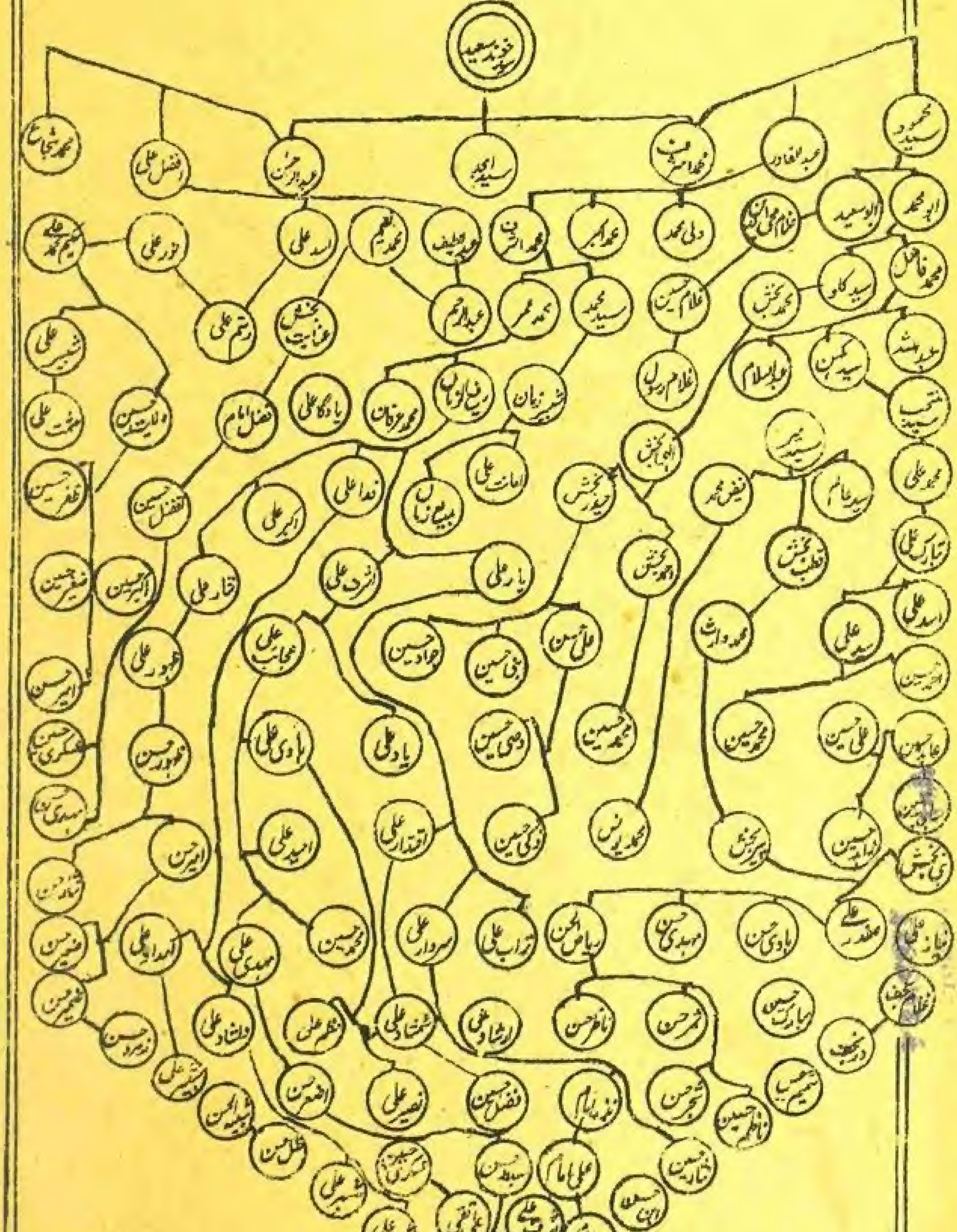

دوسرا زیدی خاندان اولاد سید عبدالعزیز خاں منصبدار کا ہے جو عہد محمد شاہ بادشاہ میں امروہہ آئے، اب اس خاندان میں چند اشخاص ذکی حسن و علی حسن پسران سید ضیغم الدین بن سید ضرغام الدین بخش بن حسین بخش بن سید نور عالم بن سید فقیر عالم بن سید عبدالعزیز مذکور ہیں۔

تیسرا۔ خاندان اولاد سید قطب کا ہے جو موضع گوگی سے امروہہ آکر محلہ پانباڑی میں سکن گزین ہوئے اب اس خاندان کے بعض اشخاص محلہ قاضی زادگان میں شامل ہیں ان میں پہلوان علی وغیرہ ہیں انہی میں سید ابوالحسن بن سید نذیر حسن بن سید نذر علی واتباعؔ سید غضنفر علی بن سید مظہر علی بن سید نادر علی بن سید حسن علی ہیں

چوتھا۔ خاندان اولاد حسین ذی الدمعہ بن امام زید شہید کا ہے انکے مورث سید واصل علی سامانہ (ریاست پٹیالہ) سے امروہہ آئے حسین ذی الدمعۃ کو ذی العبرۃ بھی کہتے ہیں۔ ان کی ایک دختر خلیفہ محمد المہدی عباسی کے عقد میں تھیں ۱۳۵ھ میں انتقال کیا یحییٰ حسین اور علی تین بیٹے ہوئے یحییٰ کے عمر اور عمر کے احمد محدث ہوئے ان ہی احمد محدث کی نسل سے سادات سامانہ کا خاندان ہے۔ لیکن واسطیہ میں جو شجرہ شائع ہوا ہے اس میں حسین ذی العبرۃ کے بیٹے عمر بتائے گئے ہیں جو صحیح نہیں۔ نیز احمد محدث کا نام بھی غلط لکھا ہے۔ یہ بہت مختصر خاندان ہے اس میں سید مہدی حسن و سید غلام مرتضیٰ ساکنان محلہ صابون گراں ہیں۔

سید ابوالخیر ساکن سامانہ

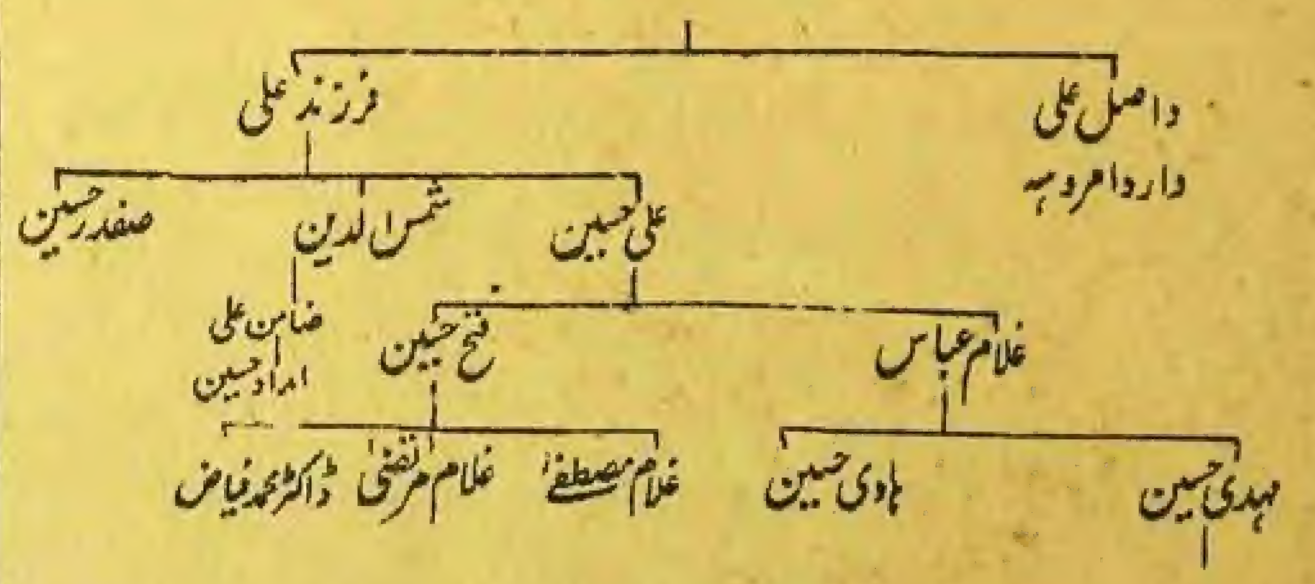

موسوی | امام موسیٰ کاظم نہایت کثیرالاولاد تھے' علی اختلاف الروایات آپکے ۲۳ بیٹے اور ۲۰ بیٹیاں یعنی کل ۴۳ اولادیں تھیں اور یہ سب کنیزوں کے بطن سے تھے. آپکے فرزند امام علی رضا کی اولاد کے سوا اور بیٹوں کی اولاد موسوی کے لقب سے مشہور ہے' بعض لوگ کاظمی بھی لکھنے لگے ہیں ❊

امروہہ میں اس خاندان کے مورث سید محمد اشرف آخر عہد محمد شاہ بادشاہ میں دہلی سے آئے سلسلہ نسب تیئیس واسطوں سے عبیداللہ بن امام موسیٰ کاظم سے متصل ہوتا ہے بایں طریق سید محمد اشرف بن محمد احسن دہلوی بن بدیع الزماں بن محمد امین اکبرآبادی بن عبدالوہاب بن محمد عظیم بن حفیظ اللہ عرف بہاؤدن بن محمد حسین بخاری (صاحب فرمان شاہ شجاع) بن محمد تقی (صاحب فرمان شاہ سلیم جہانگیر) بن سید حسین ثانی بن لطف اللہ بن سید محمد بن محمود بن سید حسین بن مولانا سید امام بن خواجہ حسین (صاحب فرمان عہد اکبری محررہ ۹۹۶ھ) بن میر دوست مردی بن اسداللہ بن ناصر علی مردی بن سید صاحب بن سید جعفر بن سید اسداللہ طائفی بن سلیمان بن سراج الدین بن بدرالدین بن سلطان حسن بن سلطان بایزید بن سلطان ابواسحٰق بن محمد علی مہدی بن محمد علی اصغر بن جعفر بن عبداللہ بن امام موسیٰ کاظم ❊

کتب انساب کی رو سے مندرجہ بالا شجرہ میں متعدد اغلاط ہیں. امام موسیٰ کاظم کے فرزند عبداللہ کے کوئی بیٹے جعفر نام نہ تھے جن سے یہ سلسلہ نسب متصل کیا جاتا ہے عبداللہ مذکور کے صرف دو بیٹوں موسیٰ اور محمد سے عقب باقی رہا. البتہ عبداللہ مذکور کے دوسرے بھائی عبیداللہ کے ایک بیٹے جعفر نام تھے ان کی کنیت ابوالقاسم تھی' ابن ام کلثوم کے نام سے مشہور رہیں کیونکہ ان کی پھوپی ام کلثوم نے انہیں پرورش کیا تھا انکے بیٹے محمد تھے' محمد کے ابوطیب احمد ہوئے' انکے عبداللہ جعفر اور علی دو بیٹے ہوئے. علی کے حسین ابوالقاسم تھے اور ابوعبداللہ جعفر کے ابوالحسن عبداللہ نقیب بصرہ. ان دونوں کی اولاد بنی ابی الدنیا کے نام سے مشہور ہے بہر حال اس خاندان کا سلسلہ نسب عبداللہ بن امام

موسیٰ کاظم کے بجائے عبید اللہ بن امام موسیٰ کاظم سے متصل ہوتا ہو تو اس صورت میں بھی مندرجہ بالا شجرہ
کے اسماء کتب انساب کے مندرجہ اسماء سے مطابق نہیں ہوتے :-

علاوہ ازیں خواجہ حسین سے جنکے نام عہد اکبری کا فرمان مجریہ ۹۹۹ھ موجود ہے ساتویں پشت میں محمد علی
ہوتے ہیں جنکے موسومہ عہد جہانگیری کا دوسرا فرمان ہے۔ پس ان دو اشخاص کے موسومہ عہد اکبری و جہانگیری
کے فرامین ہوں انکے درمیان سات پشتوں کا تفاوت عقلاً محال ہے لیکن ان اغلاط سے قطع نظر اس خاندان
کی سیادت علی وجہ الشہرۃ مسلّم ہے۔ شجرہ اولاد سید محمد اشرف موسوی ساکنان محلہ کٹکوئی :-

رضوی | سادات رضویہ کے امروہہ میں دو جداگانہ خاندان ہیں ایک اولاد سید ابراہیم بن امام علی الرضا جو عرف عام میں خاندان پیرزادگان مشہور ہے دوسرا اولاد موسیٰ مبرقع بن امام محمد تقی بن امام علی رضا جو خاندان دانشمندان سے موسوم ہے ۔

خاندان پیرزادگان | اس خاندان کے جملہ افراد اباً عن جدٍ سنی حنفی ہیں جن میں مشیخت طریقت کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہا اور نسلاً بعد نسلٍ صاحبان علم و فضل و عرفان ہوتے رہے جس کی بنا پر تقریباً ساٹھ ستر برس پیشتر تک اس خاندان کے افراد بالعموم لفظ **پیر و شیخ** اپنے ناموں کے ساتھ لکھتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض لوگ ان کی سیادت نسبی کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کرتے ہیں اسلئے ضروری ہے کہ اس خاندان کے اصل نسب پر تفصیلی بحث کی جائے۔ یہ بحث حسب ذیل پانچ طریقوں سے ہو سکتی ہے ۔

اولاً ۔ معتبر و مستند کتب تاریخ و تذکرہ کے بیانات ۔

ثانیاً۔ خاندانی روایات اہل خاندان کی تحریرات، فرامین شاہی اور کہنہ دستاویزات وغیرہ جس میں ضمناً نسب کا بھی اظہار کیا گیا ہو ۔

ثالثاً۔ شہرت بلدیہ یعنی امروہہ میں جہاں یہ خاندان تقریباً چار سو برس سے شاد و آباد ہے اسکے نسب کے متعلق کیا شہرت ہے اور یہاں کی کتب تاریخ میں کیا تحریر کیا گیا ہے۔ نیز جس مقام سے اس خاندان کے مورث اعلیٰ یہاں تشریف لائے وہاں انکے نسب کے بارے میں کیا روایت ہے اور آیا اس روایت کا کوئی تحریری ثبوت بھی بہم پہونچا ہے ؟

رابعاً۔ کیا اس خاندان کی قرابت و مصاہرت بھی ابتدا سے ہم کفو خاندان سادات ہاشمی و فاطمی میں ہوتی رہی ہے ؟

خامساً۔ شجرہ نسب ۔

(الف) بیانات کتب تاریخ و تذکرہ | سب سے پہلے شاید یہ مناسب ہوگا کہ ان عبارتوں کو ذیل میں نقل

کر دیا جائے جو مختلف عہد کی کتب تاریخ و تذکرہ مشائخ میں حضرت ممدوح کے حالات میں دستیاب ہوتی ہیں ❊

نام کتاب و مصنف و سنہ تالیف	عبارت
(۱) اخبار الاخیار مولفہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی سنہ تالیف ۹۹۶ھ	واز جملہ مریدان و خلفائے شیخ علاء الدین شیخ ابن امروہہ بود مردے عزیز و حسن و صاحب حال و مجذوب شکل بود
(۲) طبقات اکبری (مطبوعہ) مولفہ نظام الدین احمد بخشی عہد اکبری سنہ تالیف ۱۰۰۲ھ	بزمرۂ مشائخ عہد اکبری صرف نام لکھا ہے یعنی شیخ ابن امروہہ ❊
(۳) منتخب التواریخ مولفہ ملا عبدالقادر بدایونی سنہ تالیف ۱۰۰۴ھ	شیخ ابن امروہہ (بعض قلمی نسخوں میں سید ابن بھی لکھا ہے) سالک مجذوب بود دقیقہ از دقائق شریعت مطہرہ با وجود ایں حالت ازو فوت نشدے و خوارق بسیار ازو نقل می کنند بے تکلف زیستے و مرید گرفتے زمانیکہ فقیر از ملازمت میاں شیخ داؤد از پنجاب بازگشتہ براہ امروہہ متوجہ بدایوں شد در ملازمت سید مشار الیہ رفت الی آخرہ
(۴) گلزار ابرار (قلمی) مولفہ محمد غوث بن حسن بن موسیٰ شطاری (۹۹۸ھ میں تالیف شروع ہو کر عہد جہانگیری میں اختتام کو پہنچی)	شیخ ابن خلیفہ شیخ علاء الدین موج دریائے دہلی است الی آخرہ ❊
(۵) اسراریہ۔ مولفہ سید کمال بن سید لال سنبھلی سنہ تالیف ۱۰۶۶ھ	گویند شیخ عبداللہ معروف بشیخ ابن در اوائل از امروہہ بعزیمت سفر حجاز برآمدہ الی آخرہ ❊
(۶) ماثر الکرام مولفہ علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی سنہ تالیف ۱۱۶۶ھ	شیخ عبداللطیف مولد و منشاء او امروہہ از مضافات دہلی نسبش بہ شیخ عبداللہ المعروف بہ شیخ ابن قدس سرہٗ می رسد

کہ از مشاہیر اولیاءِ آں مقام است۔ الی آخرہٗ

(۷) جامِ جہاں نما (قلمی) مولفہ قدرت اللہ شیخ عبد اللہ معروف بہ شیخ ابنؔ گویند از امروہہ بعز بیت صدیقی ساکن موضع موئی سنہ تالیف ۱۱۹۹ھ کعبۃ اللہ برآمدہ۔ الی آخرہ ٭

یہی وہ کتب تاریخ و تذکرہ ہیں جن میں حضرت شاہ ابنؔ قدس سرہٗ کے حالات مندرج ہیں انہیں صرف دو کتابیں تاریخ کی ہیں یعنی طبقات اکبری اور منتخب التواریخ باقی کتب مشائخ اور علماء کے تذکروں پر مشتمل ہیں لیکن ان میں سے کسی کتاب میں حضرت ممدوح کے نسب کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا بعض میں آپکا صرف عرف لکھا ہے اور بعض میں نام نامی بھی درج کیا گیا ہے جس کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ تحریر ہے لیکن آپ جیسے شیخ وقت اور ولی کامل کے اسم گرامی کے ساتھ محض لفظ شیخ کا استعمال تاوقتیکہ نسب کا اظہار صراحتاً نہ کیا جائے قادح سیادت و فاطمیت نہیں ہو سکتا ٭

کتب مذکرہ بالا میں اول الذکر چار کتابیں حضرت کے معاصر مصنفین کی ہیں۔ تاریخ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ معاصرین کا بیان متاخرین کے مقابلہ میں ہرطرح لایق استناد و قابل ترجیح ہوتا ہے۔ حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں آپکا تذکرہ ضمناً کیا ہے اور آپ کا صرف عرف لکھا ہے اسی طرح صاحب طبقات اکبری نے بزمرہ مشائخ "صرف شیخ ابنؔ امروہہ" تحریر کیا ہے گلزار ابرار کے مولف نے بھی اسی کی تقلید کی ہے۔ ان مصنفین کے بیانات سے آپکے نسبی حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی البتہ آپکے معاصر مصنفین میں سے ملا عبد القادر بدایونی کی تصنیف منتخب التواریخ ضرور ایک ایسی کتاب ہے جس میں آپکے نسب کے متعلق صاف اور صریح اشارہ ملتا ہے۔ جہاں تک اس کتاب اور اسکے مصنف کا تعلق ہے یہ بتانا ضروری نہیں کہ عہد اکبری کے تاریخی حالات کے لحاظ سے یہ کتاب کس پایہ کی ہے اور اس کے مصنف کو واقعات کی تنقید کرنے اور صاف گوئی و صداقت بیانی کے اعتبار سے تاریخی دنیا میں کیا درجہ حاصل ہے۔ علامہ بدایونی کی شخصیت سے ہر تعلیمیافتہ شخص واقف ہے کہ وہ کس درجہ محتاط ناقد اور صاف گو مورخ ہے امروہہ سے انکو ایک خاص تعلق یہ بھی ہے کہ ایام شباب میں یہاں کچھ عرصہ

ایک طالب علم کی حیثیت سے مقیم رہے۔ اسکے بعد بھی بہت ممکن ہے وہ یہاں آئے ہوں لیکن سنہ ۹۸۱ھ میں پنجاب کے سفر سے اپنے وطن بدآیوں کو واپس جاتے ہوئے ان کا گذر امروہہ سے ہوتا ہے، ان کی تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے آپکو معلوم ہو گا کہ ملّا صاحب مشائخ واولیاء کے نہایت درجہ عقیدتمند ہیں، حضرت شاہ ابنؔ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، آپسے ملاقات کرتے ہیں، آپکے حالات اپنی کتاب میں لکھتے ہیں آپکے خوارق عادات کے سلسلہ میں ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں جو خود ان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہے اپنے بیان میں وہ آپ کو بصراحت سید ابنؔ اور سید شاہ ابنؔ تحریر کرتے ہیں کیا یہ الفاظ حضرت شاہ ابنؔ کی سیادت اور فاطمیت کی ناقابل تردید شہادت نہیں ہیں؟ اس شہادت کی صحت اور قطعیت کا مرتبہ اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علامہ موصوف حضرت ممدوح کے حالات کے سلسلہ میں ایسے واقعات بھی تحریر کرتے ہیں جو بغیر خاص تحقیق و جستجو کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ "سالک مجذوب بود" ان لطیف ترین روحانی کیفیات کا اندازہ اجنبی شخص پہلی ملاقات میں نہیں کر سکتا۔ اسکے بعد لکھتے ہیں کہ "باجود این حالت دقیقہ از دقائق سنت مطہرہ از و فوت نہ شدے" یہ وہ حالات و واقعات ہیں کہ جبتک کسی کے حالات کا کافی استقصا نہ کیا گیا ہو اور اس کی زندگی کے واقعات پر ہر پہلو سے نظر نہ ڈالی گئی ہو۔ ایک محتاط تذکرہ نویس اور مورخ ہرگز نہیں لکھ سکتا پھر ان حالات کا لکھنے والا عبدالقادر بدایونی جیسا ناقد و محقق اور صاف گو شخص ہو۔ ایسے الفاظ بغیر کافی تحقیق اور پوری جستجو کے حوالہ قلم نہیں کر سکتا چنانچہ اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ "خوارق از و بسیار نقل می کنند" مگر دوسروں کی روایت بیان نہیں کرتے، خود اپنا واقعہ سند میں پیش کرتے ہیں، ان حالات کے اعتبار سے یہ امر حدِ یقین کو پہونچ جاتا ہے کہ علامہ موصوف کو حضرت شاہ ابنؔ کے حالات سے کافی واقفیت حاصل تھی اور غالب قیاس یہ ہے کہ آپکے نسب کے متعلق خود آپ ہی سے استفسار کرنے کے بعد آپ کو سید تحریر کیا ہے۔ یہاں یہ سوال البتہ ہو سکتا ہے کہ علامہ بدایونی کو آپکے آپکے نسب کے بارے

میں استفسار کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ اسکے دو جواب ہیں اولاً یہ کہ جب ایک مورخ و تذکرہ نویس ایک ایسی بزرگ ہستی سے شرف ملاقات حاصل کرتا ہے جس کی شہرت اور عظمت کا آوازہ ہندوستان کے دور و دراز مقامات تک پہنچ چکا ہو اور جسکے مریدین و معتقدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو اور جسکے فضل و کمال کا اثر خود اس مورخ پر بھی پڑ چکا ہو اور اسی بنا پر وہ اُسکے حالات قلمبند کرنے کا خواہشمند ہو تو استفسار حال کے سلسلہ میں پہلی بات جو دریافت طلب اور پہلا خیال جو قدرتاً اس مورخ اور تذکرہ نویس کے دل میں پیدا ہونا چاہیئے وہ بھی ہو گا کہ یہ وجود با وجود کس خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ اس لیے آپکے نسب کے متعلق علامہ بدایونی نے آپ ہی سے استفسار کیا اور صحیح حال معلوم ہو جانے پر سید اور سید مشار الیہ تحریر کیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت شاہ ابنؒ کے زمانہ میں نیز اس سے پیشتر اور اسکے ایک عرصہ بعد تک اُن حضرات کے ناموں کے ساتھ جو مسند ارشاد و ہدایت اور سجادہ مشیخت و طریقت پر متمکن ہوتے خواہ وہ نسباً عربی النسل تھے یا عجمی الاصل ہاشمی تھے یا غیر ہاشمی۔ فاطمی تھے یا غیر فاطمی۔ اکثر شیخ کا لقب مستعمل تھا۔ چونکہ حضرت شاہ ابنؒ اپنے زمانہ میں "شیخ ابن" کے نام و لقب سے دور و نزدیک مشہور تھے اور علامہ موصوف نے بھی آپکا نام و لقب یہی سنا تھا اور چونکہ ایک ولی کامل کے نام کے ساتھ شیخ کے لفظ کا استعمال نہ تو ان کی مشیخت نسبی کا قطعی ثبوت ہے اور نہ عدم سیادت نسبی کو ظاہر کرتا ہے اس لیے آپکے حالات کے سلسلہ میں علامہ موصوف کو استفسار کی ضرورت پیش آئی۔ جب انکو آپ کی سیادت نسبی کا علم ہوا تو آپکے مشہور و متعارف لقب ترک کر کے آپکے نام نامی کے ساتھ الفاظ سید و سید مشار الیہ تحریر کیے تاکہ لفظ شیخ سے جس اشتباہ کا آپکے نسب کے متعلق پیدا ہونیکا امکان تھا وہ رفع ہو جائے اور مشیخت نسبی و مشیخت ذاتی میں جو التباس واقع ہو سکتا ہے وہ بھی باقی نہ رہے۔

علامہ بدایونی کی اس تحریر پر دو شبہات ظاہر کیے جا سکتے ہیں:-

اولاً یہ کہ امروہہ چونکہ بیرونجات میں مسکن سادات مشہور تھا اس لیے علامہ بدایونی نے حضرت

شاہ ابنؒ کے حالات اور آپ کی شہرت وعظمت پر نظر کرتے ہوئے شبہتاً آپ کو سید تحریر کر دیا اور یہ خیال کیا کہ آپ جیسی باعظمت ہستی کا نسبی تعلق امروہہ کے اسی مشہور خاندان سادات سے ہوگا جو یہاں پہلے سے متوطن تھا۔

لیکن یہ شبہ وہم بے بنیاد اور خیال باطل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا جو شخص علامہ بدایونی کے حالات سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے اُسکے حاشیہ خیال میں بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ بدایونی واقعات وحقائق کو ترک کرکے اوہام وقیاسات سے کبھی کام نہیں لیتا اگر ایسا ہوتا تو آج اس کی تاریخ کو اعتماد کا وہ درجہ ہرگز حاصل نہ ہوتا جو اسے بجا طور پر حاصل ہے۔ نیز جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے علامہ بدایونی نے حضرت شاہ ابنؒ کے جو حالات اپنی معرکۃ الآرا تصنیف میں تحریر کیے ہیں اُن کا مقتضیٰ یہ نہیں بتلاتا کہ وہ بغیر کافی تفحص وتلاش کے لکھے جا سکتے تھے پھر نسب کے متعلق لفظ سید وسید شاہ الیہ لکھنے کے لیے یہ خیال قائم کرنا کہ وہ محض اس قیاس کی بنا پر تھا کہ امروہہ سادات کی بستی مشہور رہے۔ کہاں تک قرین عقل ہو کیونکہ ایک محقق مورخ کا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا آپ کی شخصیت اور عظمت سے اسکا پہلے سے واقف ہونا اور اس سے پیشتر ایک عرصہ تک امروہہ میں بغرض اکتساب علوم قیام کرنا اور یہاں کے خاندانوں سے بعلم ذاتی واقف ہونا پھر آپ سے ملاقات کرنے اور حالات معلوم ہونے کے بعد آپکے مشہور ومتعارف لقب شیخ کے بجائے لفظ سید تحریر کرنا اس امر کی قوی دلیل ہے کہ مورخ مذکور نے محض کسی قیاس کی بنا پر آپ کو سید نہیں لکھا بلکہ کامل تحقیق اور پوری تفتیش کے بعد لکھا ہے قطع نظر اسکے اس وہم کا پیدا ہونا بھی صرف اسی حالت میں ممکن ہو سکتا تھا جبکہ امروہہ کے مشہور خاندان سادات کو حضرت شاہ ابنؒ قدس سرہ کے زمانہ میں کوئی غیر معمولی شہرت اور عظمت حاصل ہوتی اور ان میں متعدد ارباب فضل وکمال مختلف مقدس اور مقتدر ہستیاں صاحبان علم وعرفان اور حاملان شریعت وطریقت کا وجود پایا جاتا جنکا آوازۂ شہرت دور دور پھیلا ہوا جو تا توایسے خیال کا امکان ہو سکتا تھا کہ ارباب علم وفضل کی اس غیر معمولی بہتات نے علامہ بدایونی کو اس وہم میں

بتلا کر دیا کہ ہو بہو حضرت شاہ آبنؒ بھی ان ہی میں سے ہیں اور چونکہ علم واقتدار اور فضل وکمال امروہہ کے قدیم سیدوں کے ساتھ مختص ہے لہذا حضرت ممدوح کو جو اپنے زمانہ میں آسمان معرفت و فضل وکمال کے نیر درخشان تھے اسی بنا پر سیّد لکہدیا حالانکہ واقعہ قطعاً اسکے خلاف ہے امروہہ کے قدیم سادات کے افراد بالخصوص اولاد حضرت شاہ شرف الدین حسنؒ بلحاظ فضل وکمال یا باعتبار دولت وامارت اس وقت تک منصہ شہود پر نہیں آئے تھے جس وقت کہ حضرت شاہ آبنؒ کا آفتاب شہرت نصف النہار پر تہا۔ اس خاندان کے عروج کی ابتدا مولانا میر سید محمد میر عدل سے ہوئی ہو اور میر موصوف کی شہرت کا زمانہ ان کی عمر کا آخری حصہ ہے حالانکہ حضرت شاہ آبنؒ قدس سرہ اس سے بہت پیشتر سے اپنے فضائل وکمالات اور شیخیت کے اعتبار سے مشہور ومعروف ہوچکے تھے۔ پس ایسے خاندان کا آوازۂ شہرت جس نے حضرت ممدوح کی وفات کے بعد عروج حاصل کیا ہو اور وہ بھی بلحاظ دولت وثروت نہ باعتبار شیخیت وطریقت علامہ بدآیونی کو جو بزمانہ طالب علمی امروہہ میں کچھ عرصہ مقیم رہکر اور خود سید محمد میر عدل سے اخذ علوم کر کے یہاں کے علما و بزرگان دین کے خاندانی کے حالات سے بھی کافی طور سے واقفیت حاصل کر چکے ہوں کس طرح اس وہم میں مبتلا کر سکتا تھا کہ امروہہ کی ہر برگزیدہ شخصیت یہاں کے اس خاندان سادات سے ہے جنکے چند افراد مناصب شاہی پر نتاز ہوچکے ہیں۔ غرضیکہ ان وجوہ کی بنا پر علامہ بدایونی کا حضرت ممدوح کو نسباً سید لکھنا کسی وہم اور شبہہ یا التباس کی بنا پر نہا اور نہ بحالات مذکورہ کسی وہم والتباس کا پیدا ہونا ممکن تہا بلکہ پوری تحقیق اور تفحص کے بعد آپکو نسباً سیّد تحریر کیا ہے۔

دوسرا شبہ جو اس سلسلہ میں ظاہر کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ منتخب التواریخ بدایونی کے مطبوعہ نسخوں میں عنوان پر "شیخ ابن امروہہ" تحریر ہے۔ لیکن وسط عبارت میں جو "سید مشار الیہ" لکھا ہے وہ کاتب کی غلطی سے ہے حقیقتاً شیخ مشار الیہ تہا۔ اسکے متعلق سب سے اول یہ دیکھنا ہے کہ تاریخ بدایونی کے جس قدر نسخے قلمی یا مطبوعہ ہندوستان میں یا بیرون ہند پائے جاتے ہیں اُن کا کیا حال ہے

آیا کتابت کی غلطی یا تصحیف تمام نسخوں میں پائی جاتی ہے یا بعض میں اور آیا یہ تصحیف عنوان میں ہوئی ہے یا وسط عبارت میں؟ اس بارے جو تلاش اور جستجو کی گئی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تاریخ مذکور کے جتنے نسخے اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں یا مختلف کتب خانوں میں جو قلمی نسخے موجود ہیں اور جو مختلف زمانوں مختلف مقامات اور مختلف کاتبوں کے ہاتھ کے تحریر شدہ ہیں اِن سب میں وسط عبارت میں "سید مشارٌ الیہ" ہی تحریر ہے کسی ایک نسخہ میں بھی "شیخ مشارٌ الیہ" درج نہیں جس سے یہ قیاس ہو سکے کہ سید کا لفظ کاتب کی غلطی یا تصحیف ہے برخلاف اسکے متعدد قلمی نسخے ایسے موجود ہیں جن میں عنوان پر بھی "سید ابن امرو بہ" تحریر ہے اس بنا پر یہ قیاس قایم کرنا غلط نہ ہوگا کہ عنوان پر اصل نسخہ میں "سید ابن تھا" نہ کہ "شیخ ابن" اور تصحیف یا غلطی جو ہوئی ہے وہ عنوان میں ہوئی ہے نہ کہ وسط عبارت میں کیونکہ وسط عبارت میں لفظ سید کا ہونا بالاتفاق جمیع نسخ ثابت و محقق ہے اختلاف جو کچھ ہے وہ عنوان میں ہے اور عنوان میں بھی اکثریت لفظ سید ہی کو حاصل ہے اس لیئے ہر شخص جو ذرا بھی طرز تحریر و طریق انشا سے واقفیت رکھتا ہے یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ علامہ بدایونی نے جو عنوان حقیقتاً اپنے قلم سے قایم کیا تھا وہ "سید ابن تھا" نہ "شیخ ابن" ورنہ وسط عبارت میں "سید مشارٌ الیہ" کا تحریر کرنا جو بغیر کسی ادنیٰ اختلاف کے علی وجہ التواتر ثابت ہے قطعاً بے معنی اور لغو ہو جاتا ہے اور یہ امر ملا عبد القادر جیسے فاضل انشا پرداز سے بعید ہے کیونکہ کسی لفظ کے بعد "مشارٌ الیہ" "معزی الیہ" اور "مومی الیہ" وغیرہ الفاظ اس وقت تک نہیں استعمال کیئے جا سکتے جب تک وہی لفظ بجنسہ پیشتر مذکور نہ ہو چکا ہو پس عنوان پر لفظ شیخ کا طبع ہونا غلطی و تصحیف ہے اصل میں لفظ "سید" تھا جو متعدد قلمی نسخوں میں موجود ہے اور یہی صحیح ہے اسی کتاب[1] میں دوسرے مقام پر سید عبد الواحد بلگرامی کا بھی تذکرہ موجود ہے عنوان بلحاظ اُن کی مشیخت و بزرگی کے "شیخ عبد الواحد" تحریر کیا گیا ہے لیکن بغرض رفع التباس نسب آخر میں ملا صاحب یہ الفاظ لکھتے ہیں "میر طبع نظم بلند دارد" یہاں پر صرف "میر" لکھا گیا ہے "میر مشارٌ الیہ" نہیں تحریر کیا گیا کیونکہ عنوان پر لفظ شیخ لکھ آئے ہیں پس حضرت شاہ ابن کے

[1] یعنی تذکرۃ الکرام حصہ اول

تذکرہ میں "سید مشارالیہ" لکھنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ علامہ موصوف نے اصل مسودہ میں عنوان پر "سید ابن آمروہہ" لکھا تھا اور اگر لفظ "شیخ" لکھتے جیسا کہ سید عبدالواحد بلگرامی کے تذکرہ میں لکھا ہے پھر بغرض اظہار نسب وسط عبارت میں سید لکھتے تو جس طرح وہاں "میر طبع نظم بلند تر دارد" تحریر کیا ہے یہاں بھی "بملازمت سید رفت" تحریر ہوتا نہ کہ "سید مشارالیہ" ہندوستان کے مختلف کتاب خانوں[۵] میں تاریخ بدایونی کے جو قدیم ترین نسخے موجود ہیں اور جن میں سے اکثر خاکسار مولف کی نظر سے گذرے ہیں ان میں عنوان اور وسط دونوں جگہ لفظ سید تحریر ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے جو نسخہ شائع کیا ہے وہ تین قدیم قلمی نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد شائع ہوا ہے۔ ایک نسخہ کو اصل قرار دیا ہے اور باقی دو نسخوں میں جو اختلافات ہیں وہ حاشیہ پر ظاہر کر دیئے گئے ہیں چنانچہ مطبوعہ نسخہ میں عنوان پر "شیخ ابن" تحریر ہے لیکن حاشیہ پر یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ دو نسخوں میں عنوان پر بھی بجائے "شیخ" کے "سید" تحریر ہے۔ کتاب کے دو قدیم نسخوں کا عنوان میں لفظ "سید" پر متحد ہونا اور وسط عبارت میں جملہ موجودہ نسخوں میں "سید مشارالیہ" کا بالاتفاق پایا جانا اس امر کو واضح کر دیتا ہے کہ علامہ بدایونی کے اصل مسودہ میں عنوان اور وسط عبارت دونوں جگہ حقیقتاً لفظ سید ہی تحریر تھا پس غلطی و تصحیف جو کچھ ہوئی ہے وہ عنوان ہی میں ہوئی نہ کہ وسط عبارت میں۔

۲۔ خاندانی روایات و دستاویزات وغیرہ

حضرت شاہ ابن رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں آپ کے نسب کے متعلق یہ روایت ہے کہ حضرت ممدوح کرمانی الاصل حسینی سید ہیں سلسلۂ نسب ۱۵ واسطوں سے حضرت علی الرضا پر منتہی ہوتا ہے۔ اس روایت کے سلسلہ میں قدیم ترین تحریر میر عزیز اللہ معروف بہ پیر جیون کے زمانہ کی ہے۔ جو حضرت شاہ ابن رحمۃ اللہ علیہ سے پانچویں پشت میں ہوتے ہیں اور جنکا زمانہ تقریباً ۱۱۰۰ھ کا ہے۔ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت شاہ ابن رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد شاہ طیفور کرمانی اور انکے برادر بزرگ سید محمود مالامال کرمانی ولایت کرمان سے ہندوستان آئے اور موضع گھاولی

---

[۵] مثلاً کتب خانہ علی گڈھ یونیورسٹی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال خدابخش لائبریری پٹنہ وغیرہ ۱۲

ضلع بلندشہر) میں اقامت گزین ہوئے سید طیفور کا عقد مناکحت موضع گھٹاؤلی سے چند کوس کے فاصلہ پر موضع سینٹھ کے خاندان سادات میں ہوا آپ کے صلب سے ایک فرزند سید احمد گنج رواں متولد ہوئے اُنکے تین فرزند تھے سید حسن سید بابن اور سید ابنؒ۔ آخرالذکر موضع گھٹاؤلی سے ترک سکونت کرکے امروہہ تشریف لائے اور یہاں کے خاندان سادات میں مناکحت کی اس روایت کے علاوہ جو خاندان کی ہر شاخ میں دائرہ سائر ہے آپکے نسب کے بارے میں کسی دوسری ضعیف سے ضعیف روایت کا وجود نہیں پایا جاتا۔ اس روایت کے صحت وعدم صحت پر غور کرنے وقت یہ امر پیش نظر رکھنا ہوگا کہ امروہہ اور بیرونجات کے اکثر خاندان سادات وغیر سادات کے اصل ونسب کے متعلق ابتداً خاندانی روایات ہی تھیں بمرور دہور تواتر سماعی کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ بعد میں ان روایتوں نے تحریری شکل اختیار کی اور اس طرح انہیں تاریخی حیثیت بھی حاصل ہوگئی۔ چنانچہ امروہہ کے مشہور ترین خاندان سادات نقوی کے اصل ونسب کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت سید شرف الدین حسن شاہ ولایتؒ کا شجرہ نسب جو اب تحریری شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ وہی ہے جو صاحب اسراریہ نے جو آپ کی اولاد سے تھے تقریباً سنہ ۱۰۶۶ھ میں قلمبند کیا اور خاندان کے اصل ونسب کے متعلق جو روایت خاندان میں چلی آتی تھی اس کو بھی اپنی کتاب میں درج کیا۔ حضرت شاہ ولایتؒ کا زمانہ صاحب اسراریہ کے زمانہ سے سواتین سو برس قبل کا ہے۔ ان تین صدیوں کی طویل مدت میں اس خاندان کے نسب کے متعلق سوائے زبانی روایت کے اس زمانہ کی کوئی تحریری یا تاریخی شہادت نسب نامہ وغیرہ کے متعلق موجود نہ تھی۔ حضرت شاہ ابنؒ کے حسینی اور رضوی نسب ہونے کی جو تحریری شہادت ہمارے سامنے آتی ہے وہ اب سے تقریباً دو سو یا پونے دو سو سال پیشتر کی ہے۔ یعنی حضرت شاہ ابنؒ سے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد کی۔ پس آپکے نسب کے متعلق یہ تحریر بلحاظ عہد اس تحریر سے کہیں زیادہ قریب ہے جو سید شرف الدین حسن شاہ ولایتؒ کے نسب نامہ کی ہم تک پہنچتی ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ جو روایت صاحب روایت سے جس قدر قریب تر ہوگی اسی قدر زیادہ مستند اور زیادہ قابل اعتماد متصور ہوگی

اور وقوعِ اختلاف کا احتمال بھی نسبتاً کم ہوگا۔ پس یہ امر زیادہ قرین قیاس ہے کہ جو روایت آپکے نسب کے متعلق قلمبند ہوئی وہ بوجہ قریب العہد ہونے کے اُن زبانی روایات کا جو آپکے خاندان میں مشہور و مسلّم چلی آرہی تھیں صحیح ترین نقش ہو۔ یہ کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ جو تحریری روایت موجود ہے وہ ان روایات سے مختلف و متضاد ہے جو اُسکے قلمبند ہونے سے پیشتر حضرت کے نسب کے متعلق آپ کی اولاد میں دائر و سائر تھیں۔ کیونکہ کوئی ایسی وجہ نہیں تھی جس کی بنا پر یہ خیال کیا جائے کہ اُن مشہور روایات کو جو روایت موجودہ سے پیشتر اس خاندان میں پائی جاتی تھیں ترک کر کے اس جدید اور غیر متعلق روایت کو قلمبند کیا گیا۔ یہ قیاس صرف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے جبکہ اس امر کے باور کرنے کی معقول وجوہ موجود ہوں کہ یا تو اس خاندان کو ابتداءً اپنے مورث اعلیٰ کے نسب کا کوئی علم ہی نہ تھا یا علم تو تھا لیکن سو سوا سو برس بعد وہ اسے بالکل بھول گئے اور ایسا ہوئے کہ اُنہیں یہ یاد نہ رہا کہ وہ کون ہیں اور کیا ہیں لیکن یہ دونوں صورتیں اس خاندان کے ابتداء سے لے کر روایت کے قلمبند ہونے تک کے حالات پر نظر کرتے ہوئے بداہتہً محال ہیں یہ امر مسلّم ہے کہ حضرت کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہ تھی وہ اپنے عہد کے ایک بلند پایہ صاحب ارشاد و ہدایت اور عالم و فاضل بزرگ تھے اُنکا سلسلہ بیعت نہایت وسیع تھا اُن کی شہرت دور دور پھیلی ہوئی تھی اُن کی اولاد میں بھی ایک حد تک اُنکے صحیح جانشین پیدا ہوتے رہے جنہیں علم و فضل عزت و وجاہت اور ایک حد تک فارغ البالی کے اعتبار سے شہر میں ایک گونہ امتیاز تھا ایسے لوگوں کا اپنے ایسے بلند پایہ مورث کے نام و نسب سے اس طرح لاعلم ہونا قطعی مستبعد و محال ہے اب رہا یہ کہ وہ جانتے تو تھے لیکن کچھ عرصہ بعد بھول گئے یہ بھی اسی طرح ناممکن ہے۔ اس کی صرف بظاہر ایک صورت ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت سے دو تین پشت بعد اس خاندان پر عام جہالت نکبت و افلاس اس درجہ چھا گیا کہ جس کی وجہ سے اُنہیں کچھ یاد نہ رہا کہ وہ کون ہیں اور کیا ہیں اسکے بعد جب وہ ذرا چونکے تو انہیں اپنے جد امجد کے نسب اور خاندان کا خیال پیدا ہوا لیکن اب وہ سب کچھ بھول چکے تھے جو انہیں

پہلے معلوم تہا اس بنا پر اُنہوں نے موجودہ روایت آپکے خاندان ونسب کے متعلق جواب رائج ہے وضع وتصنیف کرلی اور اس طرح اصل روایت ضائع ہوگئی اور حقیقت پر پردہ پڑگیا لیکن کیا ایسا ہوا اور کیا اس کا وقوع ممکن تہا؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب آپ کی اولاد واحفاد کے حالات پر آپکے عہد سے لیکر اس وقت تک جبکہ اس روایت نے قلمی صورت اختیار کی نظر ڈالنے سے ملسکتا ہے مختلف تاریخی ودستاویزی شہادتین عہد بعہد کی ایسی موجود ہیں جنسے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سے لے کر روایت مذکورہ کے قلمبند ہونے بلکہ اس وقت سے آج تک کوئی عہد اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ اس خاندان میں مختلف ذی وجاہت، ذی علم، باثر اور ممتاز ومقتدر ہستیاں بتسلسل پیدا نہ ہوتی رہی ہوں حضرت شاہ اتن کی وفات سے سنہ ۱۱۱۱ھ تک اس خاندان میں آپکے صاحبزادے اور آپکے احفاد میں حضرت غوث عالم مخدوم عالم شاہ محمد عاشق محمد ماہ انکے والد شاہ محمد محمد شاکر شیخ میر شاہ ابوالمکارم عرف ماکہن انکے صاحبزادے شاہ اچھے شیخ ابوالغیث شاہ جان محمد، انکے بھائی سید خواجہ محمد حسن، شاہ مبارک علی اور ان جیسے متعدد مقتدر صاحب علم وہدایت ذی وجاہت منصبدار عہدہ دار پائے جاتے ہیں، اور کیا یہ ممکن ہے کہ ان لوگوں میں اپنے خاندان اور اپنے جداعلی کے نسب وغیرہ کے متعلق کوئی روایت موجود نہ ہو، اس دور کے بعد سنہ ۱۱۱۱ھ لغایۃ سنہ ۱۳۰۰ھ کا جو زمانہ ہے اس میں حضرت شاہ عبداللطیف رحمت اللہ علی مدہا مولوی محمد اکرم قاضی امانت حکیم محمد بخش اللہ میر بہاون مولوی غلام رسول ابوالمعالی قیام الدین نجم الدین وغیرہ جیسے ممتاز لوگ پائے جاتے ہیں۔ نیز سابق الذکر حضرات میں متعدد ایسے لوگ ہیں جو سنہ ۱۱۱۱ھ کے بعد تک زندہ رہے، موخرالذکر حضرات میں بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے انہیں دیکھا اور ان کا زمانہ پایا اُن سے استفادہ کیا کیا خاندانی حالات کے متعلق جو روایات ان پہلے لوگوں میں مشہور ومعروف نہیں وہ ان پچھلے لوگوں تک نہ پہونچی ہونگی تو یہ حضرات انہیں کس طرح فراموش کرسکتے تھے؟ پھر اسی بارہویں صدی کے وسط میں وہ روایت جو آج تحریری شکل میں ہمارے

سامنے موجود ہے قلمبند ہوئی کیا ان حالات میں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ روایت سابقہ روایات سے مخالف و متضاد ہے؟ اور کیا ایسی ذی علم اور مقتدر ہستیاں اس روایت کو جسے انہوں نے اپنے مقدم الذکر بزرگوں سے نہ سنا تھا صحیح روایت کو جس کا انہیں علم تھا نظر انداز کرتے ہوئے تسلیم کر سکتے تھے؟ علاوہ ازیں ان دو سو برس میں کوئی زمانہ اس خاندان پر ایسا نہیں گذرا جسے یکسر دورِ جہالت و تاریکی سے تعبیر کیا جا سکے اور بفرضِ اگر ایسا زمانہ گذرا بھی تو کیا کوئی نظیر ایسی موجود ہے کہ جس خاندان کا مورثِ اعلیٰ ایسا مشہور و معروف شخص ہو اور اس کی اولاد سو برس تک اپنے مورث کے حالات سے واقف رہے اور پھر پچاس پچپن سال کے اندر وہ سب کچھ بھول جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ امروہہ اور مضافات امروہہ میں متعدد ایسے خاندان سکونت پذیر ہیں جنہیں ایک عرصہ تک جہالت تاریکی اور پستی رہی مثلاً غنمان پور، نوگانواں، ادھری وغیرہ جہاں اب سے چند سال پیشتر نوشت و خواند کا سلسلہ بھی شاذ و نادر ہی تھا لیکن بایں ہمہ خاندان و نسب کے متعلق جو روایات اُن میں چلی آ رہی ہیں وہ اب تک موجود ہیں اور کوئی شخص بھی اُن کو بھولا نہیں پھر ایک ایسے خاندان کے متعلق جسکے ہر دور میں کچھ نہ کچھ علم و وجاہت کا ثبوت ملتا ہو کیونکر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی صحیح حالات کو گنا چکا اور جو روایت آج تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زیادہ بلا نزاع و اختلاف اس میں رائج ہے یہ وہ نہیں ہے جو اُس سے قبل مشہور و رائج تھی ان مباحث پر غور کرتے ہوئے مجبوراً یہ ماننا پڑیگا کہ جو روایت تحریری صورت میں نیز زبانی تقریباً ڈیڑھ صدی زائد سے چلی آ رہی ہے یہ وہی روایت ہے جو آپکے متعلق اور آپکے خاندان کے متعلق حضرت کے عہد سے برابر چلی آ رہی ہے اور اسکے علاوہ اور کوئی دوسری روایت کبھی نہ تھی ❖

تحریرات میں لفظ شیخ کا استعمال

خاندانی روایات کے علاوہ کسی خاندان کے نسبی حالات پر اہل خاندان کی تحریرات، فرامین شاہی اور کہنہ دستاویزات بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ خود حضرت شاہ ابن کے دست مبارک کی کوئی تحریر یا آپکے

دستخط اور مہر کسی کاغذ پر خاکسار مولف کو دستیاب نہیں ہوئی اور نہ آپکے موسومہ کوئی فرمان نظر سے گزرا۔ البتہ عہد عالمگیری کے تصیحہ میں نام نامی "شیخ ابنؒ" درج ہے[1] آپکے فرزندوں میں سے شاہ قطب الدین کے دستخط دستاویز مرقومہ ۱۰۲۲ھ پر ان الفاظ میں ثبت ہیں "شیخ قطب الدین ولد شیخ ابنؒ کتبہ بخطہ" انکے علاوہ ایک تحریر آپکے فرزند باکمال حضرت شاہ نور الدینؒ کی جو بطور قسمت نامہ ترکہ وغیرہ قدوۃ العارفین حضرت شیخ ابنؒ قدس سرہٗ ۱۱ ماہ محرم الحرام ۱۰۲۱ھ کو قلمبند ہوئی:-

منکہ شیخ نورؒ ولد بندگی حضرت شیخ ابنؒ ایم برضا و رغبت بلا اکراہ و اجبار بموجب فرمودہ حضرت قبلہ گاہی و از روئے صبح برادری مقرر کردہ نوشتہ میدہم کہ اراضی مدد معاش تعلقہ روضہ کہ یکصد و پنجاہ بگیہ است بجہۃ درعوض مہر ہر سہ والدہ مقرر نمودیم چنانچہ در کل یک حصہ ازاں شیخ محمد جیو و یک حصہ شفق میاں شیخ احمد جیو و میاں شیخ صدر الدین جیو و یک حصہ از ما این ہا برادران۔ چنانچہ زمین مذکورہ باہم دگر خود قسمت کردہ گرفتیم و قابض و متصرف ایم اما زمین مقبرہ کہ جملہ بست و ہفت بگیہ خام قدمی بابت سید حسن سرائے چک محدودہ بحدود اربعہ ذیل است درمیان ما و میان شیخ احمد جیو و میاں شیخ صدر الدین جیو شرک است بجہۃ روضہ و قبور اہل قبیلہ مسلمین بصلاح ہم دگر مقرر نمودیم باید کہ سوائے مقابر ہیچ کسے دراں جا دخل نکند در بیرون چبوترہ سنگ میاں شیخ صدر الدین جیو از پائیں مزار حضرت پیر دستگیر از درمیاں بنیاد چبوترہ بنا کردہ بنگلہ جانب مغرب چہل درعہ سکندری و جانب جنوب چہل درعہ سکندری بپا نمودہ اند تعلق خاص ایشاں و فرزندان ایشاں دارد ماند۔ فتوح روضہ و خانقاہ را دوازدہ حصہ مقرر کردیم دو حصہ ازاں میاں شیخ محمد جیو و سہ حصہ ازاں میاں شیخ احمد جیو و میاں شیخ صدر الدین جیو و باقی ہفت حصہ بشرط خدمت فقرا و مسافر و عرس پیران در برادری خود قسمت کردہ می گرفتہ باشیم بدیں قرار سند نوشتہ دادیم کہ عند الحاجت حجت باشد۔ ہر کہ از مایاں و

---

[1] ملاحظہ ہو عکس تصیحہ مندرجہ تاریخ امروہہ حصہ اوّل ۱۲

فرزندان بابان ازیں قرار گردد مردود ہر چہار مذہب باشد تحریر فی التاریخ ۱۱ شہر محرم الحرام سنہ ۱۰۲۱ھ"

مندرجہ بالا تحریرات میں ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ استعمال کیا گیا ہے لیکن ایک ایسے خاندان کے افراد کا جس میں مشیخت و طریقت کا سلسلہ اباً عن جدٍ قایم ہو اپنے ناموں کے ساتھ شیخ کا لفظ استعمال کرنا ہرگز خارج سیادت و فاطمیت نہیں ہوسکتا۔ یہ بزرگ ہزارہا بندگان خدا کے مذہبی پیشوا و دینی مقتدا شیخ وقت و پیر طریقت تھے پیری مریدی کا سلسلہ ان میں کئی صدیوں تک جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ اسی وجہ سے لفظ شیخ ان کا خاندانی لقب پڑ گیا۔ اس خاندان اور قبیلہ کے افراد شیخ و شیخ زادہ اور پیرزادہ کے الفاب سے ملقب و موسوم ہوئے - رفتہ رفتہ یہی الفاظ اظہار نسب قومیت میں بھی استعمال ہونے لگے۔ مگر ان سے مراد صرف یہ تھی کہ سلسلہ نسب اس برگزیدہ ہستی سے متصل ہوتا ہے جو اپنے فضائل و کمالات اپنے اور اپنے خاندان کی شہرت اور مرجعیت عام کی بدولت زندۂ جاوید ہے یعنی قدوۃ العارفین حضرت شاہ آبن بدر چشتی قدس سرہ العزیز۔ اس کا واضح اور بیّن ثبوت وہ الفاظ ہیں جو "شیخ عبدالباری ولد شیخ عبدالوالی عموزادہ شیخ رحمت اللہ ولد شیخ شاکر" کے فرمان منصب یکصدی ذات مرقومہ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۱۲۶ھ میں اظہار قومیت کے متعلق درج ہیں یعنی "قوم شیخ زادہ چشتی"[۵] لفظ چشتی کے بجائے اگر قریشی یا صدیقی یا فاروقی ہوتا یا صرف لفظ شیخ زادہ ہی تحریر ہوتا تو یہ احتمال ہوسکتا تھا کہ جس فرد کی قومیت کا اظہار ان الفاظ سے کیا گیا ہے وہ نسباً غیر ہاشمی یا غیر علوی و فاطمی ہے لیکن شیخ زادہ کے ساتھ لفظ چشتی نے مفہوم کو بالکل واضح اور صاف کر دیا یعنی ان الفاظ سے مراد یہ ہے کہ جس شخص کی قومیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے وہ حقیقتاً مشائخ چشتیہ کے خاندان سے ہے اور اس کا نسب کسی ایسے بزرگ دین اور شیخ وقت سے متصل ہوتا ہے جس سے اتصال نسب اظہار نسب قومیت کے لیے کافی ہے چنانچہ اسی بنا پر اس خاندان کے افراد دستاویزات و قبالجات وتحریرات میں اپنے نسب کا اظہار تقریباً دو صدی تک لفظ شیخ سے اور اسکے بعد لفظ پیرزادہ سے کرتے

۵؎ ملاحظہ ہو عبارت فرمان صفحہ ۵۳ کتاب تذکرۃ الکرام

رہے۔ اس قسم کی صدہا دستاویزات وتحریات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں جن کا یہاں نقل کرنا طوالت سے خالی نہ ہوگا مختصراً یہ کہ یہ دستاویزات حضرت شاہ ابنؒ کے نبیرگان کے زمانہ سے یعنی تقریباً سنہ ۱۰۴۰ھ سے لے کر سنہ ۱۲۰۰ھ تک کی ہیں ان میں بلا استثنا لفظ شیخ استعمال کیا گیا ہے سنہ ۱۲۴۰ھ کے بعد سے تقریباً سنہ ۱۳۰۰ھ تک بلکہ خاندان کی بعض شاخوں میں اسکے بعد تک بجائے لفظ شیخ کے لفظ پیر استعمال ہوتا تھا دستاویزات میں "اقرار معتبر شرعی کردمخبر باسم ونسب خودسمی شیخ محبوب عالم ابن شیخ مخدوم عالم بن شیخ نور (سکہ فرخ شاہی) یا "سمی امام بخش بن پیر ابو المعالی بن پیر عبد اللہ والی سنہ ۱۲۱۰ھ" عام طور سے لکھے جاتے تھے۔ دستاویزات کے علاوہ فرامین اور پروانہ جات شاہی میں بھی ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ تحریر ہوتا[۵۱]۔ البتہ ایک پروانہ مرقومہ سنہ ۱۲ جلوس عالمگیری مطابق سنہ ۱۰۸۰ھ میں حضرت شاہ ابنؒ کے نبیرگان میں سے خواجہ محمد حسن بن شاہ مبارک علی بن شاہ غوث عالم بن شاہ نورالدین بن حضرت شاہ ابنؒ کے نام کے ساتھ یہ الفاظ تحریر ہیں "سیادت مآب سید خواجہ محمد حسن[۵۲] نبیرہ حضرت شاہ ابنؒ" اس پروانہ کا عکس بھی جداگانہ شایع کیا جاتا ہے۔ خواجہ موصوف لاولد رہے انکے ترکہ کے مالک انکے بھائی شاہ کرم علی اور ان کی اولاد ہوئی۔ شاہ کرم علی کے فرزند سید قایم علی تھے اور انکے بیٹے سید اشرف علی ہوئے۔ ان دونوں کے موسومہ پروانہ جات میں لفظ سید تحریر ہے ان میں سے ایک پروانہ کی نقل ذیل میں درج ہے ❊

نقل

پروانہ بنام چودہری بہادر

دریافت شد کہ اراضی ملک سید قایم علی در موضع کٹیڑی پرگنہ سہوارہ مقرر است ونیز در کتاب هم مندرج است بنا برآں نوشتہ می آید کہ انچہ محاصل ملک مذکور باشد از مزارعان آنجا تا کہ بدنمود محصول سنہ ۱۲۱۱ف وا ہیدہ دبند دریں باب تاکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند زیادہ چہ نوشتہ آید ❊

---

۵۱ ملاحظہ ہو عکس فرامین مندرج تاریخ امروہہ جلد اول ۱۲

۵۲ انکے کوئی عقب نہ تہا اسی وجہ سے شجرہ مطبوعہ میں نام ترک ہوگیا ۱۲

اس سلسلہ میں یہ امر بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جس طرح مشیخت اور بزرگی کی بنا پر لفظ شیخ اسمار کے ساتھ بالعموم مستعمل تھا' خاندانی بیاضوں میں اور وظائف اوراد کی کتابوں میں خاندانی بزرگوں کے نام کے ساتھ سید اور سید السادات وغیرہ الفاظ بھی تحریر ہوتے تھے' چنانچہ ایک کہنہ بیاض میں جو تقریباً دو سو برس پہلے کی ہے' سلسلہ قادریہ کے اسمار تحریر ہیں جو بواسطہ حضرت سید غوث عالم شاہ ہدایت اللہ تک پہونچتا ہے۔ اس میں اس خاندان کے متعدد بزرگوں کے ناموں کے ساتھ سید السادات کے الفاظ تحریر ہیں (ملاحظہ ہو تذکرہ شاہ غوث عالم مندرجہ تذکرۃ الکرام صفحہ ۴۴)

رہا یہ امر کہ اس خاندان میں باوجود سیادت نسبی لفظ شیخ کا استعمال ایک زمانہ تک کیوں رہا اسکے متعلق یہ امر قابل لحاظ ہے کہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ عرب و عجم مصر و مغرب ہر جگہ سادات کے وہ خاندان جن میں مشیخت و طریقت کا سلسلہ عرصہ دراز تک کابراً عن کابر چلا آتا ہے اُنکے اسمار کے ساتھ علی العموم لقب شیخ کا استعمال کیا جاتا ہے اور وہ خود بھی اس لفظ کو برابر استعمال کرتے ہیں حتی کہ ایسے خاندان کے اُن افراد کے ناموں کے ساتھ بھی جو سجادہ مشیخت سے اتر کر مسند حکومت پر متمکن ہوئے' آبائی سلسلہ کی بنا پر یہ لقب اُنکے ناموں کے ساتھ بدستور قائم رہا۔ چنانچہ شیخ فرید مرتضیٰ خاں بخاری[۵۱] جو عہد اکبری' جہانگیری

[۵۱] شیخ فرید مرتضیٰ خاں بخاری کے متعلق صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں کہ "گو بند جد چہارم شیخ سید عبد الغفار دہلوی بفرزندان وصیت کرد کہ مدد معاش بگذارید و نوکری سپاہ گری نماید بالجملہ شیخ در صغر سن بملازمت عرش آشیانی (شہنشاہ اکبر) رسید' ابتداءً ہفت صدی منصب تھا پھر ہزاری پانصدی ہوا اور عہدہ میر بخشی پر ممتاز ہوئے عہد جہانگیری میں پنجہزاری منصب مرتضیٰ خاں خطاب پایا صوبہ گجرات کے صوبہ دار مقرر ہوئے اسکے بعد صوبہ پنجاب کی صوبہ داری ملی وہیں سنہ ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی' دلی میں خاندانی مقبرہ میں مدفون ہوئے' قصبہ فرید آباد انہی کا آباد کردہ ہے دلی میں ان کی مملوکہ سرائیں اور مکانات تھے اسی طرح لاہور اور احمد آباد میں محلہ آباد کیئے تھے صاحب صلاح و خیر تھے صاحب مآثر الامرا کہتے ہیں "شیخ ظاہر و باطن آراستہ داشت' شجاعت را با سخاوت جمع نمودہ با اہل خانقاہ دارباب توکل و احتیاج و بیوہ زنان از یومیہ تا سالیانہ مقرر داشتہ" اُنکے کوئی فرزند نہ تھا صرف ایک بیٹی تھیں' اُنکے ہی اولاد ہوئی محمد سعید اور میر خاں انکے بیٹے تھے ۱۲۔

کے بلند پایہ امراءمیں سے تھے اور نسباً سادات بخاری سے باوجودیکہ اُنہوں نے اپنے سلسلہ شیخیت آبائی کو چھوڑ دیا تھا اور اُن کی اور اُنکے خاندان کی سیادت مسلّم ہے اُنکے نام کیساتھ وہی لقب شیخ برابر قایم رہا چنانچہ مآثر الامرا اور دیگر کتب تاریخ میں صدہا جگہ اُن کا تذکرہ موجود ہے لیکن کہیں اُنہیں سیّد نہیں لکھا بلکہ ہر جگہ شیخ فرید تحریر کیا ہے اسیطرح اُنکے ایک دوسرے عزیز جنکا نام محمد تھا اور وہ بھی بلند پایہ امراء میں تھے انکا ذکر بھی مآثر الامراء میں جہاں موجود ہے شیخ محمد بخاری ہی کے لقب سے ہے شیخ محمد غوث[لہ] گوالیاری جو شیخ فرید الدین عطار کی اولاد سے تھے اور شیخ فرید الدین عطار سادات صحیح النسب اولاد امام جعفر صادق سے ہیں انکا اور اُنکی اولاد کا تذکرہ جہاں جہاں موجود ہیں اُنکے ناموں کے ساتھ تقریباً چارسو سال تک برابر لفظ شیخ کا اطلاق ہوتا رہا اور کہیں سید تحریر نہیں کیا جس کا مقصد محض اُن کی مشیخت کا اظہار ہے۔ اسی طرح سادات بخاری کے بعض خاندان جو نواح الہ آباد و فتحپور میں آباد ہیں اُنکے تمام افراد کے ناموں کے ساتھ علی العموم لفظ شیخ کا استعمال ہوتا رہا حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنے تمام تحریرات و دستاویزات میں اسی لفظ کو اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے رہے۔ شیخ صفی الدین اسحٰق اردبیلی مورث سادات صفویہ جن کی اولاد عرصہ تک تخت ایران پر متمکن رہی خود اُنکے آباء و اولاد کے ناموں کے ساتھ جب تک کہ اُن میں سلسلہ طریقت باقی رہا اور حکومت ایران حاصل نہیں ہوئی برابر لفظ شیخ تحریر ہوتا رہا اور آج تک بھی تمام تاریخی کتابوں میں اُنکے اور اُن کی اولاد کے ناموں کے ساتھ بھی لفظ پایا جاتا ہے شیخ عبد العظیم جنکا مزار طہران کے قریب ہے۔ اور سادات صحیح النسب اولاد حضرت امام حسن سے ہیں لفظ شیخ

لہ شیخ محمد غوث گوالیاری مرید حاجی حمید گوالیاری غزنوی نسباً شیخ فرید عطار کی نسل سے تھے ۱۷ رمضان ۹۷۰ھ کو وصال ہوا۔ ان کے فرزندوں میں سے شیخ عبد اللہ اور شیخ ضیاء اللہ مشہور و معروف ہوئے اوّل الذکر نے باوجود نشہ فقر و درویشی شاہی ملازمت اختیار کی اور ہزاری منصب پر فائز ہوئے۔ شیخ ضیاء اللہ نے اپنے پدر بزرگوار کی حیات میں حضرت شیخ وجیہ الدین علوی کے مرید ہوکر اکتساب فیض اور شیخ محمد طاہر محدّث سے مقام پٹن میں حدیث کی سند حاصل کی۔ بالآخر آگرہ میں سکونت اختیار کی خانقاہ بنائی اور وہیں سنہ ۱۰۰۵ھ میں وفات پائی

کے ساتھ معروف ہیں شیخ احمد رفاعی شیخ احمد سنوسی اور اُنکا تمام خاندان اسی لقب سے مشہور ہے۔ خود ہندوستان کے اندر متعدد خانوادہ ہائے سادات ایسے ہیں جن میں سلسلۂ طریقت جاری رہا یا وہ کسی مشہور و معروف صاحب طریقت بزرگ کی اولاد ہیں اُنکے ناموں کے ساتھ یہ لفظ برابر ملتا ہے شیخ معین الدین اجمیری شیخ نظام الدین اولیا شیخ قطب الدین بختیار کاکی حضرت خواجہ اجمیری کی اولاد احفاد عرصہ دراز تک لفظ شیخ سے ملقب رہی اور یہ اُنکے ناموں کا ایک جزو لاینفک بنگیا تھا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور اُن کی اولاد کی مختلف شاخیں صدہا سال تک اسی لقب سے ملقب رہیں تذکرۃ الاولیاء کی کتابوں پر ادنیٰ نظر ڈالنے سے ہزارہا سادات کے افراد کے تذکرے ملیں گے جنکے اپنے اور اُن کی اولاد و احفاد کے نام کے ساتھ لفظ شیخ تحریر ہے بلکہ وہ بجائے سید کے شیخ کے لقب سے مشہور و معروف ہیں :-

خود امروہہ میں سید شرف الدین شاہ ولایتؒ کے پوتے سید عبدالحکیمؒ کے تذکرہ میں مختلف جگہ شیخ عبدالحکیم تحریر ہے شاہ نصیر الدین چشتی مورث سادات نوگیاں کا اسم گرامی قدیم کتب تذکرہ مشائخ میں لفظ شیخ کے ساتھ تحریر ہے۔ غرضکہ سادات کے اُن خاندانوں میں جن میں عرصہ دراز تک سلسلہ طریقت وارشاد و شیخیت جاری رہا اس لفظ کا اطلاق عمومی جو محض اظہار شیخیت کی وجہ سے کیا جاتا رہا ہے اُن کی سیادت پر ذرہ برابر بھی اثر انداز نہیں اور نہ محض یہ لفظ اُن کی شیخیت نسبی کا ثبوت ہوسکتا ہے پھر لفظ پیرزادہ کا اطلاق ہندوستان میں مشائخ کے انہی خاندانوں پر علی العموم کیا جاتا ہے جو نسباً سادات فاطمی سے ہیں انکے علاوہ دوسرے مشائخ کی اولاد کو زیادہ تر شیخزادہ کہا جاتا ہے پس محض لفظ شیخ کا اس خاندان کے افراد کے ناموں کے ساتھ پایا جانا کسی طرح اس خاندان کی صحت سیادت کے مخالف نہیں ہے :-

شہرت بلدی امروہہ میں جہاں یہ خاندان تقریباً چار سو سال سے شاد و آباد ہے عرف عام میں پیرزادگان کے لقب سے مشہور ہے۔ اقامت گاہ کو محلہ "پیرزادہ" کہتے ہیں اور ان میں بعض گھرانوں

کے افراد کو پیر و پیر جی سے مخاطب کیا جاتا ہے عام روایت یہ ہے کہ اس خاندان کے مورث حضرت شاہ ابن ؒ باہر سے آکر امروہہ میں سکونت پذیر ہوئے جو خاندان سادات سے تھے اور اُن کی اولاد بھی اپنے کو سید بیان کرتی ہے تاریخی حالات اور انساب میں جو کتابیں وقتاً فوقتاً شائع ہوئیں ان میں اس خاندان کے اصل و نسب کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے بعض فقرات کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔

نام کتاب و مصنف و سنہ تالیف	عبارت
(۱) خلاصۃ الانساب (قلمی) مولفہ سید رضا علی راقم شفاعت پوتہ سنہ تالیف ۱۲۸۰ھ	(سادات امروہہ بالخصوص اولاد سید شرف الدین حسن شاہ ولایت ؒ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ) اور سوائے ان سادات عظام کے ایک گروہ خاندان حضرت شاہ ابن ؒ صاحب قدس سرہ کا ہے . . . . اگرچہ سیادت اور بزرگی ان کی بزرگان سلف سے سنتے آئے ہیں مگر یہ سب صاحب بسبب قرب قرابت اور رشتہ داری شیوخ عباسیہ اور قریشیہ اور فریدیہ اور انصاریہ کے سیادت اپنی کو کم ظاہر کرتے ہیں بلکہ تقیہ کو کام فرماتے ہیں اور اس مقدمہ میں مثل چشمۂ آب حیات کے سکندری طالع اپنے سے ظلمات عافیت میں رہتے ہیں اور بلحاظ اس بات کے کہ اوّل ساتھ آخر کے نسبت رکھتا ہے ۔ بیان بزرگی اور سیادت مخفی ان کی کو آخر ظاہر کیا واللہ اعلم
(۲) آئینۂ عباسی (مطبوعہ) مولفہ مولوی محمد محب علی خاں عباسی سنہ تالیف ۱۲۹۶ھ	ایک گروہ پیرزادہ صاحب کا کہ اولاد جناب شیخ ابن ؒ قدس سرہٗ العزیز کثیر ہیں بڑے معزز ہیں . خاندان حکیم عسکری صاحب

اور مولوی سبحان علی صاحب اور مولوی محمد نذر اور پیر علی جان اور مولوی احمد حسن اور مولوی عبدالرحمن ان میں میں محمد نذر بڑے لایق وفایق ہیں اور دربار انگریزی میں نمبر اول رو سیار امروہہ میں ہیں۔ اولاد میر تہاون صاحب کہ میر صاحب اپنے وقت میں دوآبہ میں مرہٹہ کی طرف سے حاکم تھے ان کا خاندان پہلے سے معافیدار و معزز چلا آتا ہے۔ اب میر غلام جیلانیؒ میر قطب الدین میر فیاض علی معافیدار اور معزز ہیں ٭

(۳) تاریخ اصغری مولفہ سید اصغر حسین نقوی سنہ تالیف ۱۲۹۱ھ و سنہ طباعت سنہ ۱۸۸۹ء

(محلہ پیرزادہ کے بیان میں لکھتے ہیں کہ) اس محلہ میں اولاد پیر شاہ ابنؒ کی سکونت ہے کتاب اسراریہ جام جہاں نما و اخبار الاخیار میں اوصاف اور خوارق انکے اس قدر مندرج ہیں کہ تفصیل اُن کی موجب طوالت ہے اور طبقات اکبری میں منجملہ فقراء کے انکا ذکور ہے .... اور بعض کتب مذکورہ میں اُن کا نام شیخ عبداللہ عرف شیخ ابن اور بعض میں صرف شیخ ابنؒ لکھا دیکھا ....

اگرچہ سلسلہ انکے نسب کا کسی کتاب میں ہنوز نظر سے نہیں گذرا لیکن اُن کی اولاد اپنے تئیں سید بیان کرتی ہے مگر مشہور پیرزادے ہیں اور صاحب تاریخ بدایونی نے اُن کا نام شیخ ابن لکھکر اشارہ تعریف میں ان کو سید مشارالیہ بھی تحریر کیا ہے ٭

(۴) نخبۃ التواریخ مولفہ مولوی آل حسن نخشبی سنہ تالیف ۱۲۹۷ھ

فصل ششم صفحہ ۶۶ سادات رضوی کے ذکر میں کہتے ہیں کہ:۔ راس الشان حقائق آگاہ شمس العارفین سید عبداللہ المعروف

بہ شیخ ابن بدر چشتی است. نبیرہ سید طیفور کہ برادر عینی سید محمود

مالامال کرمانی است و وے شیخے بود جامع کمالات صوری

ومعنوی وجامع بود میان علوم شریعت ومعارف حقیقت

وکرامات ظاہر وکشف باہر وتصرف نافذ وبیان معجزہ داشت

امروہہ کی مندرجہ بالا کتب تاریخ والانساب کی عبارتوں کے مطالعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ جہاں تک اس خاندان کی سیادت نسبی کی روایت کا تعلق ہے. شہرت بلدی کے اعتبار سے اسے اعتماد کا درجہ حاصل ہے حتیٰ کہ صاحب تاریخ اصغری شیعی مذہب بھی باوجود تعصب مذہبی ونسبی ان الفاظ کے لکھنے پر مجبور ہوئے "اگرچہ سلسلہ انکے نسب کا کسی کتاب میں ہنوز نظر سے نہیں گزرا لیکن ان کی (حضرت شاہ ابن رح) کی اولاد اپنے تئیں سید بیان کرتی ہے مگر مشہور پیرزادہ ہیں" (شجرہ نسب کا کسی کتاب میں پایا جانا ہی فی نفسہ کسی خاندان کی سیادت کی قطعی دلیل یا اس کا نہ پایا جانا عدم سیادت کا ثبوت ہے یہ ایک جداگانہ بحث ہے جس کا اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں) صاحب خلاصۃ الانساب نے تو اس خاندان کی سیادت مخفی "کے اظہار میں بزعم خود خاندان عباسی وقریشی وفریدی وانصاری سے قرابت اور رشتہ داری کو اخفائے نسب کی وجہ قرار دی ہے. مگر انکا یہ لکھنا اگرچہ سیادت وبزرگی ان کی بزرگان سلف سے سنتے آئے ہیں" اس مفروضہ اخفا اور تقیہ کے خیال کو باطل کرتا ہے بہرکیف جہاں تک شہرت بلدی کا تعلق خاندانی روایت سے ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا لیکن اس سلسلہ میں یہ سوال حل طلب باقی رہجاتا ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ امروہہ میں کس مقام سے آکر سکونت پذیر ہوئے اور جہاں سے آنا بیان کیا جاتا ہے آیا وہاں اسکے متعلق کوئی روایت موجود ہے اور آیا یہ روایت سینہ بسینہ چلی آتی ہے یا اس کا کوئی تحریری ثبوت بھی موجود ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ ابن رح کے خاندان میں پشتہا پشت سے یہ روایت بغیر کسی اختلاف کے علی وجہ التواتر چلی آرہی ہے کہ آپکے آباواجداد کا وطن قدیم ولایت کرمان ہے جہاں سے آپکے دادا سید طیفور کرمانی گنگھاولی ضلع

بلند شہر میں اقامت گزین ہوئے اور یہیں سے آپ امروہہ تشریف لائے۔

امروہہ میں جس قدر خاندان شرفا کے آباد ہیں ان سب کے مورث اعلیٰ کسی زمانہ میں باہر سے آکر یہاں متوطن ہوئے اسکے متعلق ان خاندانوں میں محض زبانی روایات ہی بطور سند پیش کی جاتی ہیں اور شاذ و نادر ہی کوئی خاندان اس امر کا ثبوت پیش کر سکتا ہے کہ وہ کب اور کس مقام سے آیا۔ ان خاندانوں میں بھی سوائے ایک دو خاندانوں کے اکثر ایسے ہیں جنکے مورث کو یہاں آئے تین تین اور چار چار بلکہ اس سے بھی زائد صدیاں گذر گئیں لیکن انکے متعلق اگر اُن مقامات پر جہاں سے وہ اپنا نکاس بتاتے ہیں تحقیق اور جستجو کی جائے تو کوئی پتہ نہیں چلتا۔ برخلاف اسکے حضرت شاہ ابنؒ کو یہاں تشریف لائے چار سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا لیکن آج تک گھاٹا ؤلی اور اسکے مضافات میں یہ روایت بطور امر مسلّمہ کے مشہور ہے کہ حضرت شاہ ابنؒ جن کا مزار اور جنکی اولاد امروہہ میں ہے۔ یہیں سے امروہہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپکے آثار اس وقت تک گھاٹا ؤلی میں موجود پائے جاتے ہیں۔ مثلاً وہاں کی کھیوٹ میں آپکے اور آپکے دونوں بھائیوں یعنی شاہ حسن اور شاہ بابن کے ورثا کے نام آج تک مندرج ہیں اور یہ لوگ اراضی پر قابض و متصرف ہیں کھیوٹ کی تفصیل یہ ہے

اولاد شاہ ابنؒ	۶ بسوہ ۱۳ بسوانسی ۷ طنوانسی ۱۳/۱۹ نوانسی
،، شاہ بابنؒ	۶ ،، ۱۳ ،، ۷ طنوانسی ۱/۱۹ نوانسی
،، شاہ حسنؒ	۶ ،، ۱۳ ،، ۶ ،،
میزان کل	۲۰ بسوہ

کاغذات دیہی سرکاری میں افراد خاندان کی قومیت سید تحریر ہے آپکے جد امجد سید طیفور ان کے برادر بزرگ سید محمود مالامال کرمانی اور آپکے دونوں بھائیوں شاہ حسنؒ اور شاہ بابنؒ کے مزارات بھی اسی موضع اور اُسکے قرب جوار میں موجود ہیں۔ حضرت سید محمود مالامال کرمانی اپنے وقت کے صاحب نسبت بزرگ اور ولی کامل تھے نواب ولی داد خاں نے آپ ہی کے آستانہ سے عقیدت کی بنا پر

ایک گڑھی بناکر مالا گڑھ نام رکہا تھا جو غدر ۱۸۵۷ء میں مسمار کردیا گیا لیکن اسکے آثار اس وقت تک موجود ہیں۔ اسی سلسلہ میں مولوی ظہور علی دہلوی کی مصنفہ ایک مثنوی بھی ہے جو خاکسار مؤلف کے پھوپا مولوی سید محمد نذر نبیرۂ حضرت شاہ ابنؒ کے ایما سے اس زمانہ میں تصنیف ہوئی جبکہ مولوی صاحب بلند شہر میں عہدہ سرکاری پر مامور تھے اس میں حضرت شاہ ابنؒ کے اجداد کے حالات اور آپ کی ایک کرامت کا بیان ہے جو املی کے ایک درخت سے متعلق ہے وہ درخت ابتک موجود بتایا جاتا ہے اور "شاہ ابن کی املی" مشہور ہے ⁂

درخت املی کا اب تک اک وہاں ہے — یہ آثار کرامت بس عیاں ہے ⁂
غرض چندے رہا وہ شاہ ابنؒ — کہا طیفور نے اے مہر روشن ⁂
کرو جاکے تم امروہہ کو روشن — تمہارا ہے وہی ماوائے مسکن ⁂

. . . . — . . . . ⁂

ہوا وہ سوئے امروہہ روانہ — بذاتِ خود گیا یہاں سے یگانہ

. . . . — . . . .

دئے سارے تبرک ہائے محمود — کہ تھے یکسر کلید گنج مقصود ⁂
گیا ہمراہ امروہہ کو لے کر — وہ شاہ ابنؒ فرخندہ منظر
مقرر کی وہاں اپنی سکونت — ہوا واں دفن وہ گنجِ حقیقت

. . . . — . . . .

وہ امروہہ جو ہے سادات مسکن — گیا جب وہاں وہ سیّد شاہ ابنؒ
رہا مدت تلک وہ شاہ ابرار — ہوئی شادی پھر اسکی واں دگر بار
بکثرت وہاں ہوئی پھر اُس کی اولاد — کہ اولاد اُس کی وہاں اب تک ہے آباد

پس بوجوہ مندرجہ بالا گنہاؤلی سے آپکے امروہہ تشریف لانے کی روایت کے متعلق کسی شک اور

شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ وہاں اس خاندان کی سیادت بنی علیٰ وجہ الشہرۃ و تواتر مسلّم ہے۔ آپکے وطن کے متعلق صرف ایک بات باقی رہجاتی ہے جو ایک گونہ شبہ میں ڈالتی ہے اور وہ فقرہ وہ ہے جو صاحب اسرار یہ نے آپکے حالات میں نقل کیا ہے کہ "در اوائل از امروہہ بعزیمت سفر حجاز برآمدہ" اس کو پیش کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے اگر آپ امروہہ کے قدیم باشندہ نہ ہوتے تو "در اوائل از امروہہ" کے کیا معنی؟ یہ ایک روایت ہے جو صاحب اسراریہ نے "می گویند" کے ساتھ لکھی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر دو مختلف روایات ایک واقعہ کے متعلق موجود ہوں اور اُن سے دو مختلف نظریوں کا استنباط ممکن ہو تو ایسی صورت میں اُن دونوں کے باہمی ربط و توافق کی کیا صورت ہے اس کی ہمیشہ دو صورتیں ہوتی ہیں، اوّلاً یہ کہ آیا کوئی ایسی معقول توجیہ و تاویل ممکن ہو جن سے ان روایات کا باہمی تناقص و اختلاف رفع ہوجائے اور وہ ایک نظریہ پر متحد ہوجایئں ثانیاً بحیثیت روایت اُنکے قوت و ضعف شہرت و تواتر اور دوسرے مؤیدات پر نظر کی جاتی ہو جو قوی مشہور اور متواتر ہوتی ہے وہی صحیح تسلیم کی جاتی ہو اور دوسری کو رد کردیا جاتا ہے۔ اس اصول پر جب ہم اسرار یہ کی اس روایت اور اسکے مخالف مشہور روایت پر نظر کرتے ہیں تو معاً ہمارے سامنے ایک معقول اور صحیح توجیہ و تاویل آجاتی ہو جسکے بعد ان دونوں روایتوں کا تناقص رفع ہوجاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ صاحب اسرار یہ نے آپکے حالات کے متعلق اپنے والد اہل امروہہ اور غالباً آپکے احفاد سے معلومات حاصل کیں ابتدائی حالات کے متعلق یہ جملہ اسکے گوش زد ہوا کہ "در اوائل از وطن بعزیمت سفر حجاز برآمدہ" لفظ وطن اسکے کانوں میں پڑا تھا جسوقت آپ اپنے تذکرہ مشایخ کی تالیف و تدوین کی چونکہ اُس زمانہ میں حضرت اور حضرت کی اولاد و احفاد کو امروہہ میں رہتے ہوئے عرصہ دراز گذر چکا تھا اور امروہہ حقیقی معنی میں اُن کا وطن بن چکا تھا اس لحاظ سے اس وقت لفظ وطن سے اُس کا ذہن امروہہ کی طرف منتقل ہوا اور اُس نے بجائے وطن کے اس خیال کو لیے ہوئے امروہہ لکھ دیا اور اس طرح فقرہ بجائے "در اوائل از وطن" کے "در اوائل از امروہہ" ہوگیا۔ اس توجیہ کے بعد دونوں روایتوں میں جو تناقص بظاہر معلوم ہوتا تھا وہ رفع ہوجاتا ہے لکھنے والے

کی مراد لفظ وطن سے آپکے آباؤ واجداد کا اصل وطن تھا لیکن صاحب اسراریہ نے بروقت تالیف اپنے
موجودہ وطن کی نسبت سے اُس لفظ کو امروہہ کے نام سے تبدیل کر دیا ورنہ حقیقتاً اگر آپ امروہہ کے
قدیم باشندہ تھے تو یہ ایسی بات نہ تھی جو آپ کی اولاد کو معلوم نہ ہوتی اور پہر وہ اسے اس قدر جلد بھول
جاتے یا اہل شہر کو اُس کا علم نہ ہوتا یا گہناؤلی میں آپکے وہاں کے قدیم ساکن اور حضرت سید محمود ملا اما
کرمانی کے اعقادت ہونے اور وہاں سے امروہہ تشریف آنے کا خیال پیدا ہو سکتا تہا ٭

ثانیاً اگر بلحاظ قوت وضعف شہرت و تواتر بھی ان ہر دو روایات پر غور کیا جائے تو ترجیح گہناؤلی
والی روایت ہی کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ اس سے زیادہ مشہور اور راسخ و قوی ہے جسکے متعلق
ہم پہلے بحث کر آئے ہیں نیز شہر میں حضرت کی باہر سے تشریف آوری کی عام شہرت اور سب سے بڑہکر
گہناؤلی میں اس امر کا مشہور ہونا کہ آپ وہاں کے قدیم باشندے اور وہاں کے ایک مشہور بزرگ
کی نسل سے ہیں اور وہیں سے امروہہ گئے. یہ تمام تائیدات پہلی ہی روایت کو ترجیح دیتی ہیں لیکن
بلحاظ توجیہ بالا اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ اس صورت میں ہر دو روایات
بغیر اختلاف و تناقض اپنے صحیح معنی میں باقی رہتی ہیں نہ اس امر پر پہر بحث کی حاجت رہتی ہے کہ لفظ
اوائل سے مراد اوائل عمر ہے یا اوائل جذبۂ اکتساب فیوض باطنی و حصول طریقت یا کچھ اور پس
یہ امر کہ آپ امروہہ کے قدیم باشندہ نہ تھے بلکہ گہناؤلی سے تشریف لائے تھے ثابت ہے اس کے
بعد آپکے آباؤ واجداد کا گہناؤلی تشریف لاکر سکونت پذیر ہونا اُنکے مزارات کی وہاں موجودگی
یہاں اور وہاں حضرت کی ایک ہی ولدیت سید احمد گنج رواں کی شہرت پہر اُن کا وہاں مسلمہ جود
یہ وہ حقائق ہیں جو وہاں پہنچتے ہی انسان کو بیک نظر معلوم ہو جاتے ہیں اُن کی موجودگی میں اس
امر میں شبہ کرنا کہ آپ وہاں سے تشریف نہیں لائے اور امروہہ کے قدیم باشندہ ہیں اور آپ کے
بزرگ بھی یہیں سکونت پذیر تھے ایک ایسا قیاس ہے جس کی کوئی تائید نہیں ہوتی ٭

قطع نظر اسراریہ کی روایت کی توجیہ و تاویل یا اُس کے قوت وضعف کے اگر اُسے صحیح بھی مان

لیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت امروہہ ہی سے سفر حجاز کو تشریف لے گئے تو اُس سے بھی یہ
لازم نہیں آتا کہ آپ امروہہ کے قدیم باشندہ تھے کیونکہ لفظ اوائل سے اوائل عمر اور پھر اوائل عمر سے
پندرہ بیس سال کی عمر مراد لینا کیونکہ یہی ایسا زمانہ ہے کہ ایک شخص ترک وطن کرکے ایک جگہ سے دوسری
جگہ نہیں آسکتا قیاس نہیں کیا جا سکتا اور ایسا قیاس خلاف عادت ہوگا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان حج
کو ہمیشہ اُس وقت جاتا ہے جبکہ وہ اپنی زندگی کا ایک حصہ بسر کر چکتا ہے حصول علم کسب معاش تاہل
اور دوسرے دنیاوی کاروبار سے ایک حد تک فارغ ہو جاتا ہے اُس کی عمر پختہ ہو جاتی ہے اور ایسے
دور دراز اور دشوار گذار سفر کی صعوبتیں برداشت کرنیکے قابل ہو جاتا ہے اور مشاغل دنیا سے فارغ
ہونے کے بعد اُس میں ادائے فریضہ حج کا خیال اور جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ زمانہ انسانی زندگی کا
وسط ہوتا ہے نہ کہ بچپن و لڑکپن جس کا تعین اس زمانہ میں تیس چالیس سال کے درمیان کا کیا جاتا ہے
اور اُس زمانہ میں جبکہ عمروں اور قویٰ کے لحاظ سے بہت بڑا فرق تھا یہ مدت اور زیادہ ہو سکتی ہے
پس آپکے حج کے ارادہ کا وقت کم از کم آپ کی عمر کا تیس چالیس سال کا درمیانی زمانہ تھا اور یہ
ایک ایسا زمانہ ہے کہ اس سے آٹھ دس سال پیشتر آپکا امروہہ میں تشریف لا کر سکونت پذیر ہونا خلاف
قیاس نہیں ہو سکتا نیز جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ صرف شیخ طریقت ہی نہ تھے بلکہ علوم رسمیہ و دینیہ
سے بھی آپکو بہرہ وافر ملا تھا تو اس امر کی اور بھی تائید ہوتی ہے کہ عزیمت سفر حجاز آپنے تحصیل علم تاہل
اور دنیاوی مشاغل سے ایک حد تک فراغت کے بعد کی ہو کیونکہ عزیمت سفر حجاز سے آپ کی امروہہ واپسی
کے دوران کے جو حالات ملتے ہیں اُن سے صرف آپکے سیر سلوک اخذ بیعت اور حصول طریقت
کا ہی پتہ چلتا ہے اور جن حضرات کی خدمت میں آپ تشریف لے گئے وہ اسی راہ کے مرد میدان
تھے۔ اُن میں کوئی صاحب درس محدث اور ایسا عالم نہ تھا جس سے آپ روحانیت کے ساتھ علوم و
معارف رسمیہ و دینیہ کی بھی تحصیل و تکمیل فرماتے پس یقیناً آپ حج کے ارادہ سے اُس وقت نکلے
جب آپ اِن چیزوں سے فارغ ہو چکے تھے اور جس عمر اور جس زمانہ میں کہ آجکل لوگ عموماً سفر حج کا

ارادہ کرتے ہیں وہی عمر اور زمانہ آپ کا بھی تھا۔ اوائل سے اوائل عمر مراد لینا صحیح نہیں بلکہ اوائل
کے معنیٰ یہاں جیسا کہ سیاق عبارت سے ظاہر ہے، اوائل جذبہ الٰہی یا اوائل حصول سیر و سلوک ہیں، جس وقت
کہ آپ پر معرفت الٰہی کا جذبہ طاری ہوا آپ حج کے ارادہ سے نکلے کنہبایت پہونچکر ایک صاحب کشف مجذوب
سے آپ کی ملاقات ہوئی اُس سے صحبت رہی اُسکے اشارہ اور بشارت سے آپ دہلی تشریف لائے اور
حضرت شیخ علاءالدین کی بیعت سے مشرف ہوئے آپ کی ایک مجذوب سے ملاقات، اُس کی صحبت میں رہنا
یہ وہ بات ہے کہ جب تک خود آپ اُسی قسم کے جذبہ سے متاثر نہ ہوتے ممکن نہ تھی کیونکہ جو جیسا ہوتا ہے
ویسے ہی انسان کی تلاش میں رہتا ہے۔ چونکہ خود آپ پر جذبہ شوق غالب تھا اس لیے آپکو ایسے لوگوں
کی تلاش تھی اور اسی بنا پر آپ ایک مجذوب کی صحبت میں رہے، لہذا اُن حالات میں لفظ اوائل سے
عمر کا بالکل ابتدائی حصہ مراد لینا خلاف عادت ہے، لازماً اُس سے اوائل حال یا اوائل جذب شوق
مراد لے جائیگی، اور اُسکے لیے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس عمر میں غالب ہوا جب وہ کیفیت پیدا ہوئی آپ
نکل کھڑے ہوئے، ورنہ ابتدائے عمر میں حج کا ارادہ اور خصوصاً اُس زمانہ میں جبکہ سفر حج کوئی آسان
کام نہ تھا اور اُسکے مصائب و صعوبات کی برداشت کے لیے پختگی عمر اور صعوبات سفر کی قوت برداشت
کی ضرورت تھی، ظاہر ہے کہ وہ کسی نوجوان میں بہت کم نکلے گی، اور پھر یہ کہ وہ تنہا گھر سے چلا ہو اس لیے
ضروری ہے کہ آپ کا قصد حج کو جانا ایسے زمانہ میں ہوا جبکہ آپ کی عمر تیس چالیس کے قریب تھی جو اُس
زمانہ میں شعور و پختگی کا سن خیال کیا جاتا تھا، اور اس عمر میں آپکا امروہہ آکر سکونت پذیر ہو جانا اور
یہاں تعلقات و تاہل وغیرہ اختیار کر لینا کچھ خلاف قیاس نہیں، رہا یہ سوال کہ آپ کیوں ترک
وطن کر کے یہاں آئے؟ اس کا صحیح جواب آج سوا چار سو سال بعد نہیں دیا جا سکتا، اور کوئی خاندان
بھی اپنے مورث اعلیٰ کے متعلق تاریخی یا کسی دوسری صحیح حیثیت سے یہ نہیں بتلا سکتا کہ وہ امروہہ کیوں
آئے؟ اور کیسے آئے؟ مختلف قیاسات قائم کیے جاتے ہیں، اسی طرح ممکن ہے کہ آپنے امروہہ کے قرب و جوار
مثلاً سنبھل وغیرہ میں اکتساب علوم کیا ہو یا کسی اور وجہ سے اس طرف آمد و رفت رہی ہو یہاں کے لوگوں

سے آپکے تعلقات پیدا ہوگئے ہوں امروہہ ایک اچھا قصبہ تہا جس میں مختلف شرفا کے خاندان آباد تھے، جہاں آپکا قدیم وطن تہا وہ ایک مختصر گاؤں تہا ان حالات کی بنا پر آپنے یہاں کی سکونت اختیار کرلی ہو یا جیسا ... عام طور سے مشہور ہے بلکہ قابل یقین ہے کہ آپ کی پہلی شادی وہیں ہوئی تھی اُن بیوی کا انتقال ہوگیا ہو۔ چونکہ آپ کا وہاں وسیع خاندان موجود نہ تہا یہاں آپ کی دوسری شادی ہوئی ہو اور اس لحاظ سے آپ یہاں مقیم ہوگئے اور جو کچھ وہاں کا تعلقہ وترکہ تہا وہ دیگر اعزہ کے لئے چھوڑدیا، غرض اس قسم کے مختلف وجوہ آپکے یہاں تشریف لانے اور قیام فرمانے کی ہوسکتی ہیں اور اس زمانہ میں ایسے ہی وجوہ کی بنا پر لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ مقیم ہوجاتے تھے، جب ہم آپکے گٹھاؤلی سے یہاں تشریف لانے کی مشہور روایت کو جو یہاں اور گٹھاؤلی دونوں جگہ یکساں شہرت رکھتی ہیں دیکھتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ آپ انہیں جیسی کسی وجہ کی بنا پر یہاں آکر مقیم ہوگئے تھے اور پھر یہیں سے سفر حج کو تشریف لے گئے آپ کے متعلق اگرچہ صحیح طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کس زمانہ میں اور کس وجہ سے امروہہ تشریف لائے لیکن آپکے یہاں آنے کی تصدیق کم ازکم اس جگہ سے ضرور ہوتی ہو جہاں سے آپ آئے اور وہاں آپکا یہاں آنا مشہور ہے۔ بخلاف دوسرے خاندانوں کے جنکے مورث اعلیٰ کے نہ یہاں آنیکا صحیح زمانہ نہ صحیح وجہ متعین کی جاسکتی ہے اور نہ پھر ایسے امر کی تصدیق اُس جگہ پر ممکن ہے کہ جہاں سے اُنکا آنا بیان کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے آپکا باہر سے امروہہ تشریف لانا زیادہ موثوق ومصدق وثابت ہے۔ قطع نظر اسکے کہ آپ عزیمت سفر حجاز سے پہلے یہاں آکر مقیم ہوگئے تھے یا اکتساب حصول کمالات طریقت کے بعد۔

قرابت ومصاہرت حضرت شاہ ابن اور آپ کی اولاد امجاد کی قرابت ومصاہرت ابتدا سے سادات فاطمی وعلوی وعباسی سے ہوتی رہی ہے نیز دیگر ہم کفو قبائل قریشی۔ صدیقی وفریدی سے بھی رشتہ ناتے متروج سے چلے آتے ہیں۔ سادات فاطمی سے اس خاندان کی قدیم ترین

قرابت خاندان سید جمن سے تھی ۔ محمد ماہ بن شاہ محمد مورث خاندان حکیم حسن عسکری کو اسی قرابت کی بنا پر سید جمال ولد سید اشرف کے متروکات اراضیات سرائے جمن سے حصہ ملا مسماۃ صمداً بنت سید اولاد محمد بن سید محمد مقیم شاہ غوث عالم کے بنیرہ سرفراز محمد عرف راجہ کی زوجہ تھیں، پیر محمد حسین بن شیخ رحمت اللہ عرف بدھا منصبدار شاہی کی صاجزادی کرامت النسار سادات حقانی میں سید دلدار علی کو بیاہی تھیں جنکے بیٹے سید بہار علی تھے بی بی کند ہو بنت سید محمد شاہد بن سید عبد الواحد پیر سیف اللہ بن پیر ابو المعالی عرف اچھے کے عقد میں تھیں جنکے بطن سے اُن کی تین اولادیں ہوئیں اور مولانا محدث امروہوی کا خاندان انہی کی نسل سے ہے خاندان قاضی زادگان سے بھی اس خاندان کی قرابتیں ہوتی تھیں ۔ سید امانت علی بن سید ہیبت علی قاضی زادہ کی شادی میر بنیاد علی بن میر غلام امین عرف میر بھاون کی دختر سے ہوئی ۔ سید امانت علی کی ایک صاجزادی سید فیاض علی بن سید مہربان علی کو اور دوسری سید قطب الدین بن سید صادق علی کو بیاہی گئیں لیکن اس خاندان کی زیادہ قربت و قرابت ابتداً خاندان عباسیہ سے تھی جو حضرت شاہ ابن کی تشریف آوری امروہہ سے پیشتر سے یہاں سکونت پذیر تھا غالباً اسی قرابت کے تعلق سے آپ نے ان کے قریب سکونت اختیار فرمائی بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان عباسیہ کے مورث مولانا رکن الدین عباسی سے آپ کے تعلقات یگانگت اور قرابت کے تھے ۔ مولانا موصوف اپنی ایک تالیف کے دیباچہ میں جو غالباً حضرت موصوف کے ایما سے سنہ ۹۴۲ھ میں کی گئی تھی تحریر کرتے ہیں :-

اخوی ... ... ذریت مصطفوی شیخ ابن کرمانی

حضرت شاہ ابن کا نام نامی جس قدیم ترین تالیف میں نظر سے گذرا وہ یہ تالیف ہے جس سے تین امور درجہ یقین تک ثابت ہو جاتے ہیں اولاً لفظ "اخوی" سے دونوں حضرات کے مابین تعلقات قرابت ثانیاً آپکے نام سے پہلے جو الفاظ بطور صفت استعمال کیے گئے ہیں اور جو اصل کتاب میں سے چھیل دیئے گئے ہیں لیکن ان میں لفظ "ذریت مصطفوی" کا باقی رہنا آپ کی سیادت نسبی کی دلیل قطعی

مسالہ کاغذ دریدہ

ہے۔ ثالثاً لفظ "کرمانی" سے آپ کے اصل ونسب کا یقین ہو جاتا ہے اور کوئی شک اس امر میں باقی نہیں رہتا کہ آپ کے آباو اجداد کرمان سے ہندوستان آئے ضلع بلند شہر میں سکونت پذیر ہوئے اور آپ وہیں سے امروہہ تشریف لائے۔ عبارت مذکورہ کے بعد آپ کی سیادت نسبی اور کرمانی الاصل ہونے میں خاکسار مولف کے نزدیک کسی شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔۔

غرضکہ جب حضرت ممدوح اور آپ کی اولاد کی قرابتیں ہاشمی وفاطمی وقریشی خاندانوں سے برابر رہتی چلی آئی ہیں تو یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ان خاندانوں نے یہ قرابتیں حضرت کے خاندان کو کونسا کیا سمجھتے ہوئے کی تھیں؟ سید فاطمی نہیں سمجھتے تھے تو کیا سمجھتے تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ سب خاندان ان کو اپنا ہم کفو سمجھتے تھے ورنہ اس درجہ مسلسل اور متواتر قرابتیں کیوں کرتے۔ جب کفویت مسلّم ہے تو یہ خاندان یا ہاشمی ہو سکتا ہے یا فاروقی یا صدیقی یا انصاری مگر یہ نسبتیں ہیں کہ سیادت وفاطمیت کے علاوہ اگر ان میں سے کسی دوسری نسبت نسبی کے ساتھ یہ خاندان منسوب ہوتا تو اس کا علم اور اس کی شہرت ضرور ہوتی کیونکہ ان میں سے ہر نسبت فی نفسہٖ شرافت نسبی کے لیے کافی تھی پس اگر ان نسبتوں میں سے کسی نسبت کا علم یا شہرت ہوتی تو نسبت معلومہ ومشہورہ کا اس طرح محو دفراموش ہو جانا ایسا امر ہے جو خاندان پیرزادگان کے سابقہ حالات پر نظر کرتے ہوئے محال ہے اب سوال یہ ہے کہ ہم کفو خاندانوں نے جن سے قرابت ومصاہرت سلف سے ہوتی آئی ہے جب انہیں نسباً جعفری وعباسی علوی وعقیلی صدیقی وفاروقی عثمانی وانصاری نہیں سمجھا تو آخر کیا سمجھا؟ ظاہر ہے کہ فاطمی ورضوی سمجھا ۔۔

شجرہ نسب قدیم ومستند خاندانی شجرہ کے مطابق حضرت شاہ ابنؒ بدرچشتی قدس سرہٗ العزیز کا سلسلہ نسب ۱۶ واسطوں سے حضرت علی الرضاؑ سے متصل ہوتا ہے بایں طریق: حضرت شاہ ابنؒ بن سید احمد گنج رواں بن سید طیفور برادر سید محمود مالامال کرمانی بن سید شہاب الدین بن سید محمد بن سید محمود بن سید عبدالخالق بن سید محمد بن سید امیر محمد بن سید محمود بن سید علی بن سید جنید بن سید معروف بن سید عبدالشکور بن سید عبداللہ بن سید ابراہیم بن حضرت علی الرضا ۔۔

حضرت علی الرضاؑ حضرت موسیٰ الکاظمؑ کے خلف رشید ۱۴۸ھ میں بروز جمعہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے علم و فضل اور اتقا میں یگانۂ روزگار طبعاً غیر سیاسی شخص تھے ۔۔

امیرالمومنین عبداللہ المامون عباسیؒ کو جو علم کے قدردان اور خود بھی علوم متداولہ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے آپ سے خاص اُنس و ارادت تھی خاندان بنی ہاشم میں سے اپنے عہد کا بہترین فرد سمجھکر امیرالمومنین نے خلافت کے لیے آپکو منتخب کیا ۲۰۱ھ میں ولیعہد بنایا[لہ] الرضا من آل محمد آپکا لقب تجویز کیا جسٹس امیر علی کی تحقیق میں آپ مامون الرشیدؒ کے بہنوئی تھے ۔ ۲۰۳ھ میں جب آپ امیرالمومنین کیساتھ سفر میں تھے مقام طوس پہونچکر انگوروں کے زیادہ کہا لینے کی وجہ سے دفعتاً علیل ہوئے اور

لہ خلافت عباسیہ کو شروع ہوئے تقریباً ستر برس ہوچکے تھے اور اس عرصہ میں خاندان بنی ہاشم میں خلافت کے معاملہ میں نزاع پیدا ہوگیا تھا ۔ علویین میں سے بعض منچلے بغاوت اختیار کرکے ہنگامہ و فساد برپا کرچکے تھے ۔ حضرت علی الرضاکے ولیعہد بنانے میں غالباً یہ مقصد بھی تھا کہ آپس کے جھگڑوں کا اس طرح سدباب ہوجائے مگر عباسیوں اور انکے طرفداروں کو آپ کا ولیعہد بنایا جانا پسند نہ ہوا اور صاف کہہ دیا کہ ہم ہرگز اس پر راضی نہ ہوں گے کہ بنو عباس سے حکومت و خلافت کا اقتدار نکل کر آل علی میں جائے چنانچہ اہل بغداد نے ابراہیم بن خلیفہ محمد المہدی کو جو مامون الرشید کے چچا تھے اپنا خلیفہ تسلیم کیا اور ہنگامہ برپا کردیا ۔ درباریوں نے جب فتنہ و فساد کے ان حالات کو پوشیدہ رکھا تو چند لوگ اپنی جانوں پر کھیل کر حضرت علی الرضاکی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی کہ آپ ان واقعات کو امیرالمومنین کے گوش گزار کردیجیے آپ ان لوگوں کے کہنے کے مطابق دربار خلافت میں تشریف لے گئے اور ان فتنہ و فساد سے جو عراق میں ہورہے تھے ۔ جن کو فضل بن سہیل وزیر چھپا رہا تھا نیز اس امر سے کہ اہل بغداد نے ابراہیم کی بیعت کرلی ہے ۔ خلیفۃ المسلمین کو آگاہ کیا" (ابن خلدون) چنانچہ ان شورشوں کے فرو کرنے کے لیے بغداد کا سفر اختیار کیا گیا جس میں ولیعہد خلافت (حضرت علی الرضاؑ) بھی ساتھ تھے ۔۔

۵۵ سال کی عمر میں وفات[1] پائی۔ امیرالمومنین ہارون رشیدؒ کا مرقد بھی طوس[2] میں ہے اسی کو کھُدا کر آپ کو دفن کیا گیا[3]۔ پہلے یہ مقام شہر طوس کا قبرستان تھا اور اب مشہد مقدس کہلاتا ہے اور خاص کر حضرات شیعہ کا زیارتگاہ ہے ٭

جملہ مورخین ونسابین کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ حضرت علی الرضاؒ کے پانچ فرزند تھے محمد تقی الجواد، ابراہیم، حسن، علی اور جعفر۔ بعض نے جو علی و حسین کا اضافہ کرتے ہیں سات فرزند تبلاتے ہیں۔ لیکن مقدم الذکر پانچ فرزندوں میں کسی کو اختلاف نہیں البتہ یہ امر کہ آپ کا عقب کس کس صاحبزادے سے باقی رہا مختلف فیہ ہے اکثر نسابین نے لکھا ہے کہ آپ کی نسل آپ کے صرف ایک بیٹے محمد تقی الجواد سے چلی جو شیعوں کے دسویں امام ہیں۔ ان ہی کی اولاد رضوی کہلاتی ہے۔ ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ آپ کے دوسرے فرزندوں سے عقب باقی رہا چنانچہ عراق و ایران و ہندوستان میں سادات رضویہ کے بعض خاندان ایسے پائے جاتے ہیں جن کا سلسلہ نسب ابراہیم بن حضرت علی الرضاؒ پر منتہی ہوتا ہے مثلاً خاندان سید ابوالعلی شہید

[1] علامہ ابن خلدون نے سبب وفات انگوروں کا زیادہ کھا لینا لکھا ہے۔ صاحب عمدۃ الطالب شیعی مذہب صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ توفی بطوس و دفن بھا ایک شیعہ مصنف جس پر علی ہے تو اس روایت کی تغلیط و تردید کی ہے لیکن بعض شیعہ اور اکثر روافض کہتے ہیں کہ بایمائے خلیفہ مامون الرشیدؒ آپ کو انگوروں میں زہر دیا گیا تھا مگر معتبر و مستند مورخین کے نزدیک یہ روایت دور از عقل اور خلاف قیاس ہے ٭

[2] طوس جو کسی زمانہ میں مشہور شہر تھا اب ویرانہ ہے اور موجودہ شہر مشہد سے تقریباً ۱۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ محراب قصر ہارون (الرشیدؒ) قبر فردوسی اور بند طوس اب بھی قابل دید ہیں ٭

[3] بعض کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ کی قبر میں آپ کو دفن نہیں کیا گیا بلکہ دوسری قبر اس کے قریب کھودی گئی لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ اسی قبر میں آپ بھی مدفون کیے گئے۔ خلفائے بنی عباس کے ایک دشمن نے جو غالی رافضی تھا اس واقعہ کو ظرافت آمیز ہجو میں ظاہر کیا ہے ٭

مورث سادات رضویہ صوبہ بہار، اولاد حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری وغیرذلک، اسی طرح بعض وہ خاندان ہیں جنکا سلسلہ نسب حسن بن حضرت علی الرضا سے متصل ہوتا ہے جیسے سادات رضوی موہان و اولاد قاضی عبدالفتاح سکنہ موضع بھتو (بہار) و سابق ضلع پٹنہ وغیرہ، صاحب کنزالانساب لکھتے ہیں کہ "باید دانست حضرت امام علی موسی رضاؑ را پنج فرزند رتبہ بلند و یک دختر حجتہ اختر بی بی فاطمہ ثانیہ از ہر فرزندان سلسلہ نسب باقی است خود را رضوی سید می گویند" صفہ ۸۲ پس اس روایت کی بنا پر کہ حضرت علی الرضا کا عقب آپکے دوسرے صاحبزادوں سے بھی باقی رہا حضرت شاہ آیت بدرچشتی کا سلسلہ نسب ثابت و متصل ہے لیکن قطع نظر اس روایت کے اگر پہلی روایت کو جس کی تائید اکثر نسابین نے کی ہے کہ حضرت ممدوح کا عقب صرف آپکے بڑے بیٹے محمد تقی الجواد سے باقی رہا راجح قرار دیا جائے تو یہ امر باقی رہجاتا ہے کہ پھر وہ کیا وجوہ ہیں جن کی بنا پر نہ صرف سادات رضویہ بلکہ اکثر ہاشمی و فاطمی خاندانوں کے جن کی سیادت بلحاظ شہرت مسلم رہی ہے، سلاسل نسب قدیم کتب انساب کے لحاظ سے منقطع، غیر متصل ہیں یا بلحاظ وسائط ان میں کمی بیشی یا تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے نیز ان میں سے بعض ان اشخاص پر منتہی ہوتے ہیں جنکے معقب، غیر معقب ہونے میں علماء نسب کو اختلاف ہے یا وہ منقرض العقب ہیں ❊

خاکسار مولف نے ہندوستان کے مشہور و معروف سادات بنی فاطمہ وغیرہ کے سلاسل نسب کا جہاں تک مطالعہ و چھان بین کی ہے اکثر و بیشتر منقطع، یا غیر متصل ہیں، ❊ بلحاظ اصول مقررہ ان میں وسائط کی کمی، یا ناموں میں تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے معدودے چند خاندان ایسے ہیں جن کا سلسلہ نسب متصل، صحیح اور بلحاظ اوسط وسائط درست ہے، مثلاً سادات حسینیہ قطبیہ اور سادات زیدیہ بلگرام سلسلہ نسب میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں اسکے تین وجوہ ہیں، اولاً نقل مکانی ثانیاً عدم مبالاۃ ثالثاً ایک ہی شخص کی اولاد میں تین چار پشتوں تک ایک ہی نام کی تکرار ❊

یہ امر مسلمہ ہے کہ بنی ہاشم و بنی فاطمہ اپنے اصلی وطن حجاز سے براہ راست ہندوستان نہیں آئے

بلکہ اکثر ان میں سے حجاز سے عراق عرب آئے وہاں سے دوسرے عجمی علاقوں میں پہلے، کچھ خراسان وکرمان میں آباد ہوئے وہاں سے نکل کر کچھ بخارا وغیرہ گئے، کچھ افغانستان اور پنجاب آئے اور اندرون ہند کے مختلف اضلاع وامصار میں سکن گزیں ہوئے بعض بنو فاطمہ البتہ ابتدائے ایام میں سندھ آکر متوطن ہوئے بہر حال جب کبھی آئے اور جہاں سے آئے نقل مکان کے وقت شجرہائے نسب ساتھ نہ تھے، جن بزرگوں نے ابتداءً عرب سے ترک وطن کیا وہ اپنے اجداد کے مسلسل ناموں سے ضرور واقف تھے لیکن ان کی اولاد جب اس نئے وطن سے بھی نکلکر دوسرے مقامات کو منتقل ہوئی، اسے کچھ نام تو یاد رہے، کچھ فراموش ہوگئے اور بعض میں تقدیم وتاخیر ہوگئی لیکن یہ ضرور یاد رہا کہ سادات کی کس شاخ سے ہیں. بالآخر جب یہ خاندان یا افراد ہندوستان آئے تو جن میں علم وفضل برابر قایم رہا انہیں اپنی مسلسل نسبتیں یاد رہیں، جن میں علم کا فقدان ہوگیا وہ اپنے سلسلہ کو بھول گئے صرف اس قدر یاد رہا کہ رضوی ہیں یا موسوی، حسنی ہیں یا حسینی وغیر ذلک. جن میں علم کی کمی رہی انہیں کچھ وسائط یاد رہے کچھ فراموش ہوگئے بعد میں اپنی یاد سے سلاسل نسب تیار کیے، وہ آخری نسبت جسے وہ نہ بھولے تھے قایم رہی اور درمیانی وسائط میں فرق ہوگیا. عرب میں عموماً اور ہاشمیوں اور فاطمیوں میں خصوصاً چند نام مخصوص تھے جن کی خاندان میں بار بار تکرار ہوتی تھی حتیٰ کہ ایک شخص کے دو بیٹے ایک ہی نام سے موسوم ہوتے، مثلاً حضرت موسیٰ الکاظم کے دو بیٹوں کا نام ابراہیم تھا. بعض اوقات باپ بیٹے اور پوتے تین پشتوں کا ایک ہی نام ہوتا تھا ہاشمیوں اور بالخصوص فاطمیوں میں حسن، علی، احمد، موسیٰ، عبداللہ، محمد، ابراہیم، جعفر وغیرہ ایسے نام ہیں کہ ایک شخص کی اولاد میں تین پشت تک میں ایک ہی نام کے دس دس بیس شخص گذرے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ الکاظم وموسیٰ الجون بن سید عبداللہ المحض کی جو بنی فاطمہ میں سب سے زیادہ کثیر اولاد تھے چار پشتوں کا شجرہ نسب تیار کیا جائے تو متذکرہ بالا ناموں کے اتنے اشخاص نکلیں گے جن میں باہم امتیاز سخت مشکل ہوگا. اسی تکرار وسلاسل اسی کی وجہ سے

یہ صورت حال پیش آئی کہ شجرہ ہائے نسب میں پوتے کے بجائے دادا کا نام رہ گیا، بھتیجے کے بجائے چچا کا نام آگیا، باپ کی جگہ چچا زاد بھائی نے لے لی جن میں سے بعض غیر معقب بھی تھے۔ الغرض اس طرح وہ سلسلہ ایسے شخص سے جا ملا جسکے عقب نہ تھا حالانکہ بلحاظ واقعہ سلسلہ نسب اسی کے ہمنام وہم نسب وہم خاندان سے ملتا ہے جو معقب ہے۔ اس قسم کا اختلاف، ناموں کا ردّ و بدل، وسائط کی کمی، ان میں تقدیم و تاخیر، ہندوستان و عجم کے اکثر مشہور خانوادہ ہائے سادات فاطمی میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً سادات نوریہ شیراز، سادات گردیز، سادات بخاری، سادات نقوی واسطی امروہہ، سادات مشہدی موسوی کڑہ مانکپور وغیر ذلک۔

یہ ہی حال جناب علی الرضا کے اعقاب کا ہے یعنی جو نام انکے بیٹوں کے تھے وہ ہی ان کے پوتوں، پرپوتوں اور دو دو تین تین پشت میں بکثرت پائے جاتے ہیں مثلاً ابراہیم انکے ایک بیٹے کا بھی نام ہے، انکے دو بھائیوں کا بھی نام ہے، ان کے پوتے جعفر ذکی کے بیٹوں کا یہی نام ہے، اور انکے دوسرے پوتے موسیٰ المبرقع کی اولاد میں بھی یہی نام متعدد افراد کا ہے، یہ ہی حال حسن، جعفر و علی ناموں کا ہے پس روایت مذکورہ کو تسلیم کرتے ہوئے کہ حضرت ممدوح کا عقب آپ کے صرف ایک ہی فرزند محمد تقی الجواد سے باقی رہا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ محمد تقی موصوف کی اولاد میں متعدد افراد انکے بھائیوں کے ہمنام ہیں۔ اور وہ نسبت رضویہ میں شریک ہیں اور ان کی اولاد کو اس کا علم تھا کہ وہ حضرت علی الرضا کی نسل سے ہیں لیکن بوجہ امتداد زمانہ اور مختلف دیار و امصار سے نقل مکانی کے سبب وہ تمام وسائط نسب جنکے ذریعہ ان کا سلسلہ حضرت ممدوح پر منتہی ہوتا تھا انہیں محفوظ نہ رہے اور چونکہ انکے مورث کے اور جناب علی الرضا کے بیٹوں کے نام ایک تھے اس ملابست اسمی کی وجہ سے ان کا سلسلہ بجائے پوتوں اور پرپوتوں کے براہ راست جناب موصوف سے جا ملا، اور درمیانی وسائط ترک ہوگئے علاوہ بریں عرب اور اہل عرب میں یہ بھی عام رواج تھا کہ مشہور مورث کی طرف اسکے چار چار

پانچ پانچ پشت کے بعد کے افراد کو باضافت ابنیۃ پکارا جاتا تھا مثلاً ابن حجر، ابن تیمیہ وغیرہ اسلئے قیاس غالب ہے کہ آپکے پوتوں دیر وتوں میں جو لوگ ابراہیم حسن جعفر نام ہوں وہ ابراہیم ابن الرضا حسن بن الرضا جعفر بن الرضا کی اضافت سے متعارف ہوں اور یہ اضافت ابنیۃ جو بلا واسطہ نہی بوجہ ملابست اسمی بلا واسطہ ہوگئی اور درمیان کی کڑیاں نقل مکانی اور تحریر شجرہ نسب کے وقت متروک ہوگئیں

حضرت شاہ ابنؒ کے مندرجہ بالا سلسلہ نسب میں جبکہ ہم تعداد وسائط پر بلحاظ بُعد زمانہ نظر ڈالتے ہیں تو اصول مقررہ کی رو سے چار واسطوں کی کمی پائی جاتی ہے جس سے یہ امر درجہ یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ آپکے سلسلہ نسب میں جہاں اس کا انصال حضرت علی الرضا سے ہوتا ہے چند پشتیں ترک ہوگئیں اور اس لیئے آپکا نسب حضرت ممدوح سے بذریعہ ابراہیم ابن الرضا بلا واسطہ متصل نہیں ہوتا بلکہ انکے ہمنام کسی پوتے یا پروتے کے واسطے سے حضرت علی الرضا تک پہنچتا ہے اور قیاس غالب یہ ہے کہ یہ ابراہیم ابراہیم بن احمد بن محمد بن موسی المبرقع بن محمد تقی بن علی الرضا ہیں پس اس صورت میں جن چار واسطوں کی کمی اس سلسلہ میں پائی جاتی ہے وہ باقی نہیں رہتی اور بلحاظ بُعد زمانی وسائط پوری اور سلسلہ نسب متصل ہو جاتا ہے ؂

بہر حال جبکہ حضرت شاہ ابنؒ کی سیادت ثابت و محقق ہے تو سلسلہ نسب خواہ بروایت اولی بذریعہ ابراہیم بواسطہ محمد تقی الجواد حضرت علی الرضا سے متصل ہو یا بروایت ثانیہ بلا واسطہ اور بذریعہ ابراہیم ابن الرضا منتہی ہو کوئی تناقص لازم نہیں آتا اور نہ ایسے سلسلہ نسب کو غیر صحیح و منقطع کہا جاسکتا ہے؂

ذیل میں آپکی اولاد کے شجرے درج ہیں:-

ـــــــ×ـ•ـ×ـــــــ

ﻟﮧ حاشیہ بر صفحہ ۶۹

شجرہ اولاد شاہ محمد و شاہ صدر الدین پسران حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح

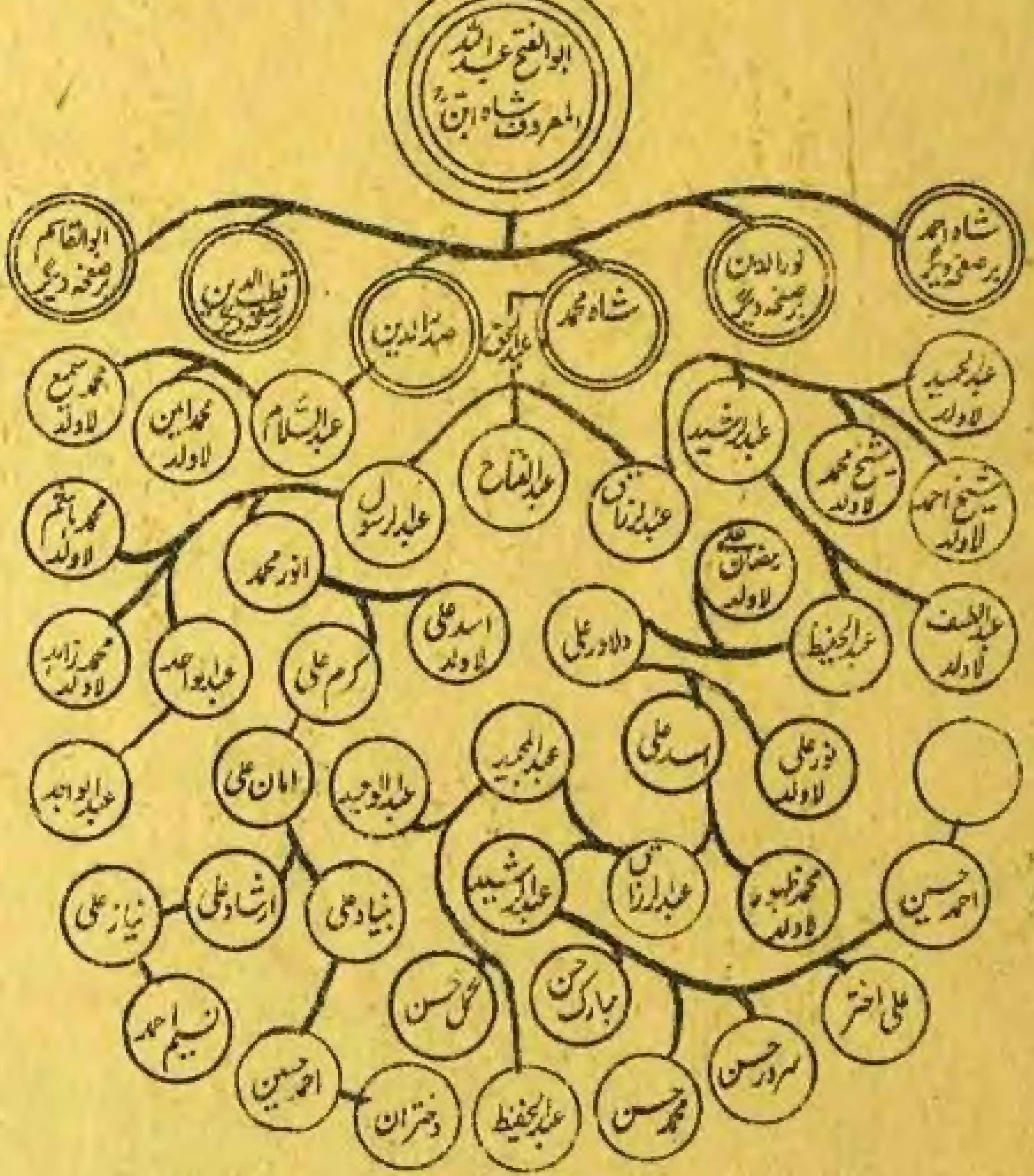

ل آنریبل مسٹر جسٹس سید امیر علی نے اپنی مشہور تصنیف تاریخ عرب میں یہ تحقیق کیا ہے کہ امیر المومنین مامون الرشید رض نے اپنی خواہر کا عقد حضرت علی الرضا کے ساتھ کیا اور ان ہی کے بطن سے محمد تقی الجواد پیدا ہوئے، جو امیر المومنین کے بھانجے تھے ۱۲

شجرہ اولاد شاہ ابوالقاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی

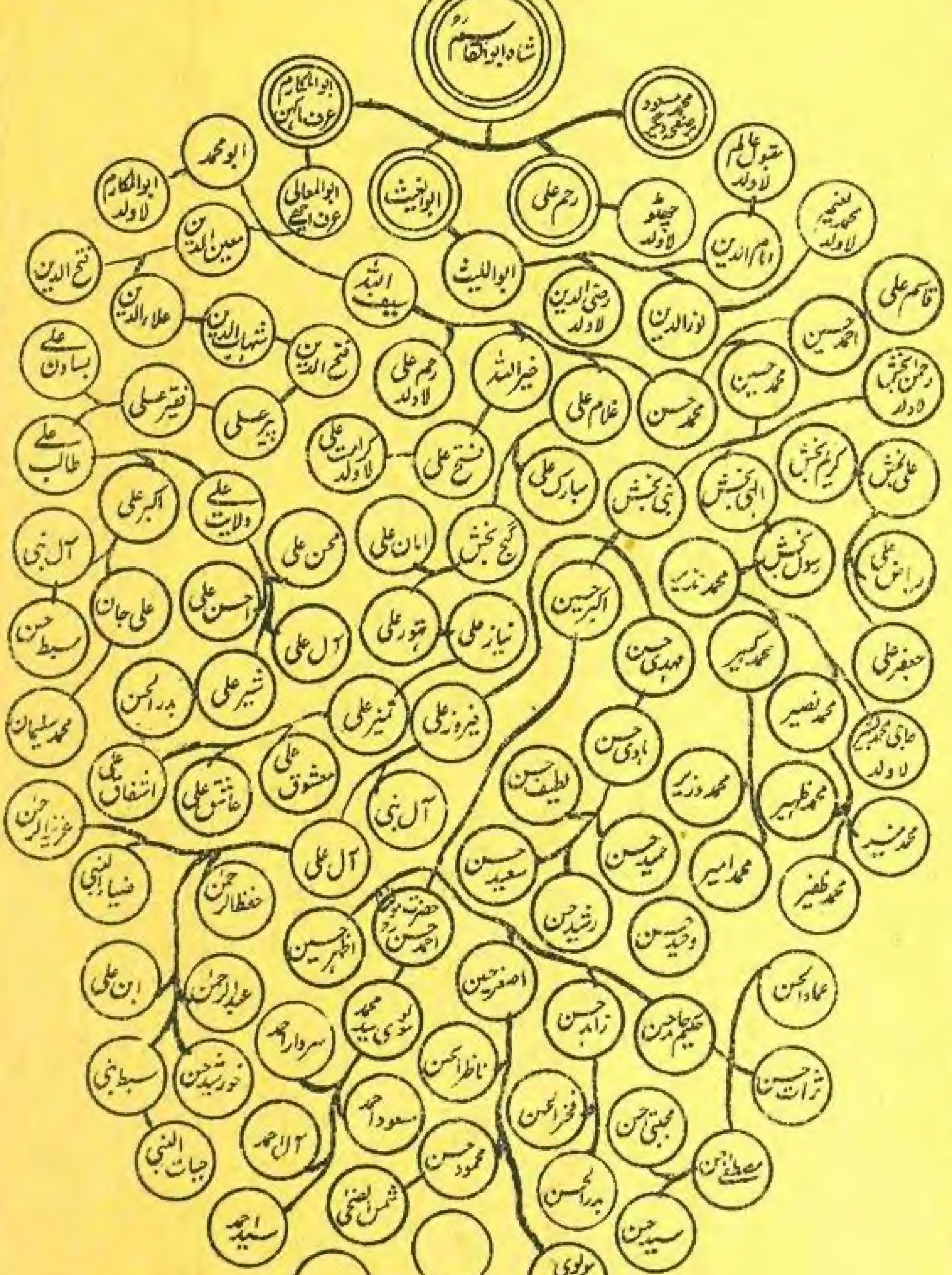

شجرہ اولاد شاہ مسعود بن شاہ ابوالقاسم بن حضرت شاہ ابنؔ بدر چشتی رح

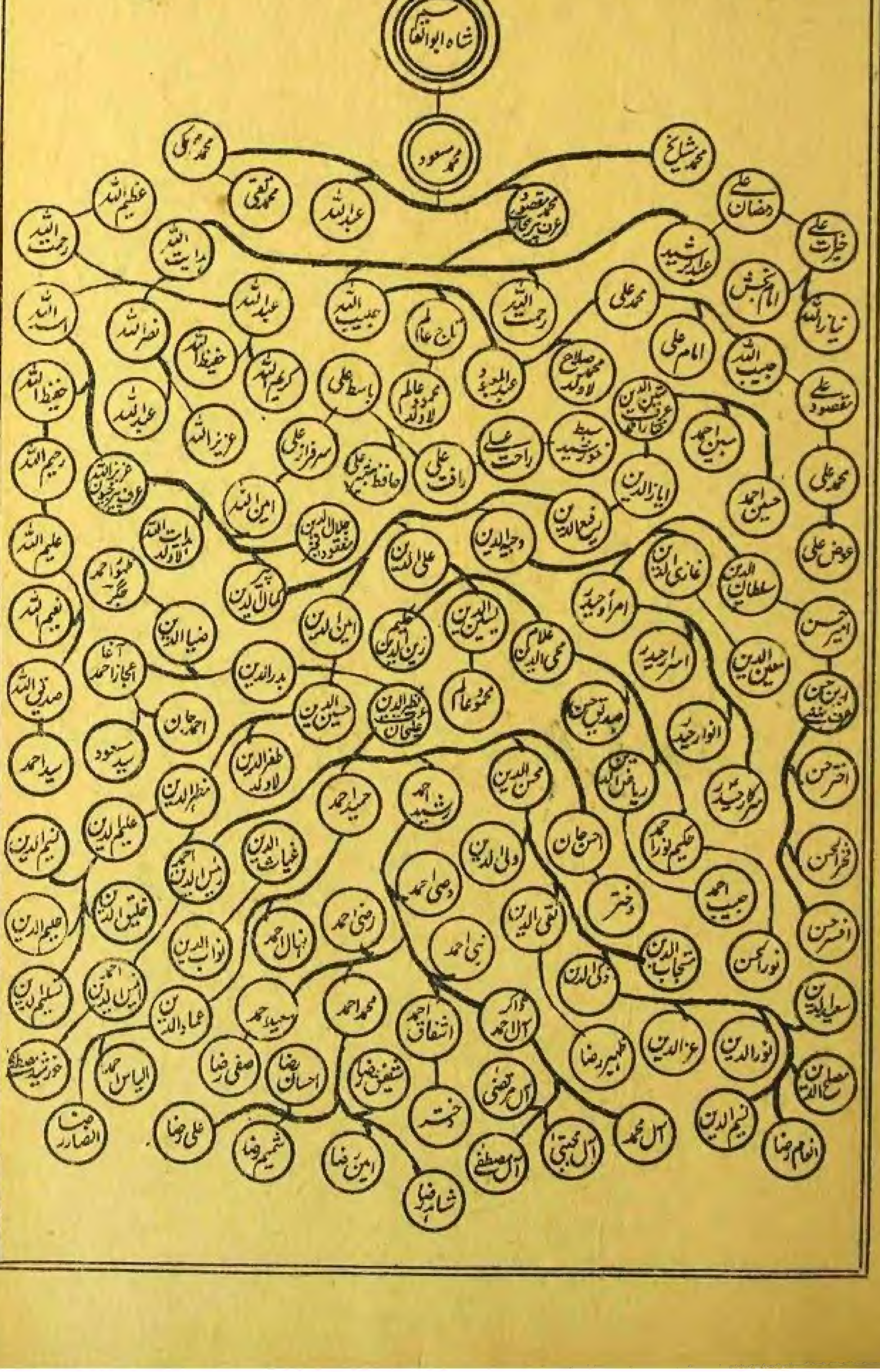

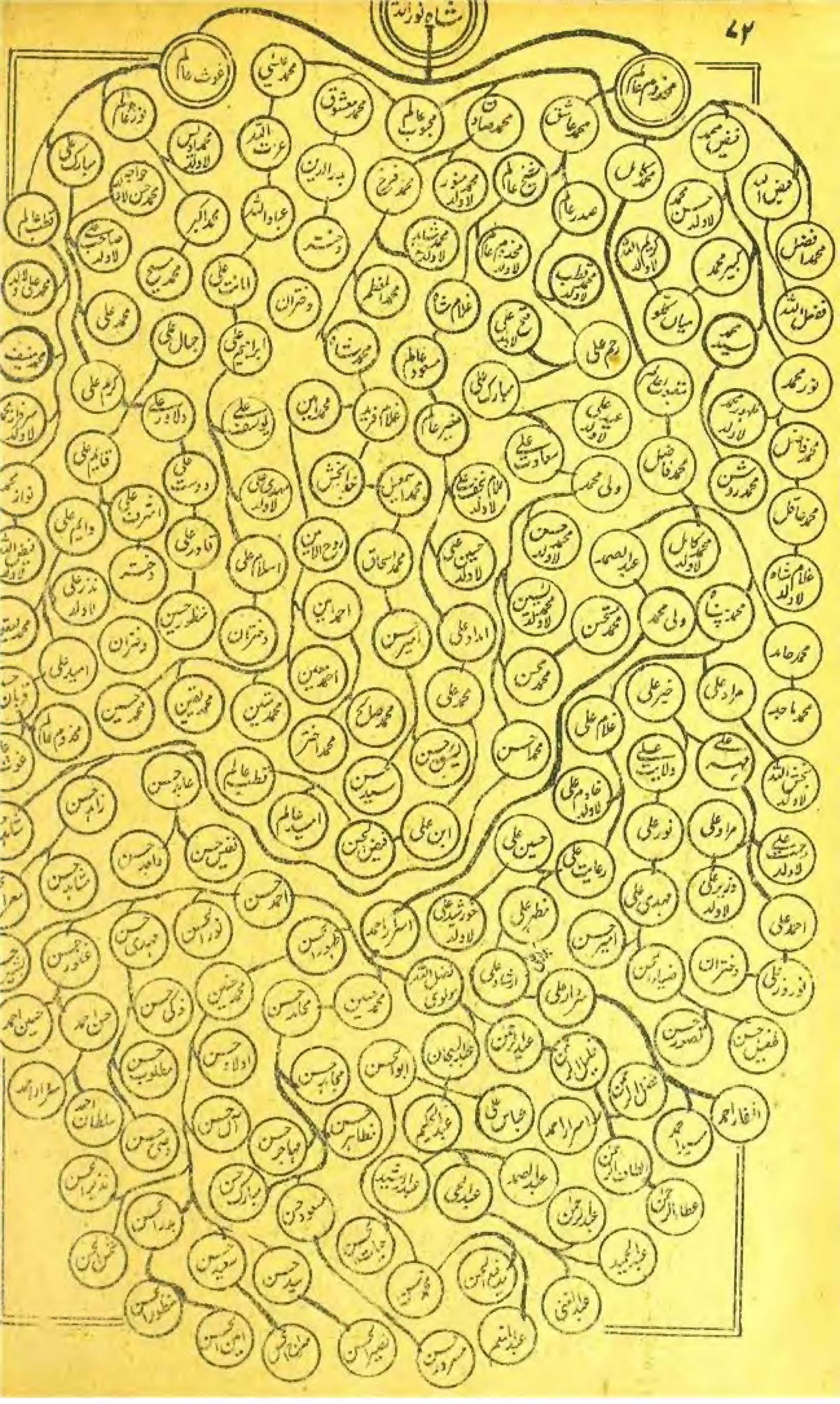
شاہ نور اللہ
غوث عالم
مخدوم عالم
محمد غنی
محمد معشوق
محبوب عالم
محمد صادق
محمد عاشق
فیض محمد
نور عالم
محمد ادریس لاولد
عزت اللہ
بدر الدین
محمد فرخ
محمد منور لاولد
شیخ عالم
صمد عالم
محمد کامل
فضل اللہ
مبارک علی
خواجہ محمد حسن لاولد
عباد اللہ
دختر
حسن محمد لاولد
محمد افضل
قطب عالم
صاحب لاولد
محمد اکبر
محمد سمیع
امانت علی
دختران
کبیر محمد
فضل اللہ
محمد علی
جمال علی
ابراہیم علی
مسعود عالم
فتح علی لاولد
رحم علی
نور محمد
کرم علی
دلاور علی
یوسف علی
محمد امین
غلام فرید
نصیر عالم
مبارک علی
قایم علی
دوست علی
مہدی علی لاولد
خدابخش
محمد فاضل
ولی محمد
سعادت علی
محمد عاقل
دایم علی
اشرف علی
قادر علی
اسلام علی
روح الامین
محمد اسحاق
حسین علی لاولد
محمد کامل لاولد
عبد الصمد
غلام شاہ لاولد
نذر علی لاولد
منظور حسین
احمد امین
امیر حسن
امداد علی
محمد یسین لاولد
محمد تحسین
ولی محمد
محمد حامد
امید علی
محمد حسین
محمد تقی
احمد معین
محمد علی
محمد حسن
مراد علی
خیر علی
محمد صالح
محمد اختر
محمد ماجد
غلام علی
قطب عالم
سید حسن
محمد احسن
مخدوم عالم
عابد حسن
زاہد حسن
نفیس حسن
واجد حسن
امیر عالم
فیض الحسن
ابن علی
ولایت علی
خادم علی لاولد
حسین علی
رعایت علی
نور علی
مراد علی
وزیر علی لاولد
احمد حسن
نور الحسن
اصغر احمد
خورشید علی لاولد
مظہر علی
امیر حسن
مہدی علی
احمد علی
ضیاء الحسن
دختران
نور علی
محمد حسین
محمد حسن
عبد الرحمن
خلیل الرحمن
حبیب الرحمن
حسین احمد
ذکی حسن
اولاد حسن
ابو الحسن
عباس علی
اسرار احمد
افتخار احمد
سلطان احمد
آل حسن
مظاہر حسن
عبد الحکیم
سعید احمد
مبارک حسن
مسعود حسن
عبد الرشید
عبد الحی
عبد الصمد
عطاء الرحمن
عبد الرحمن
عبد المجید
نذیر الحسن
سعید حسن
سید حسن
منظور الحسن
امین الحسن
عبد الغنی
مسرور حسن
نصیر الحسن

شجرہ اولاد شاہ قطب الدین بن حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ

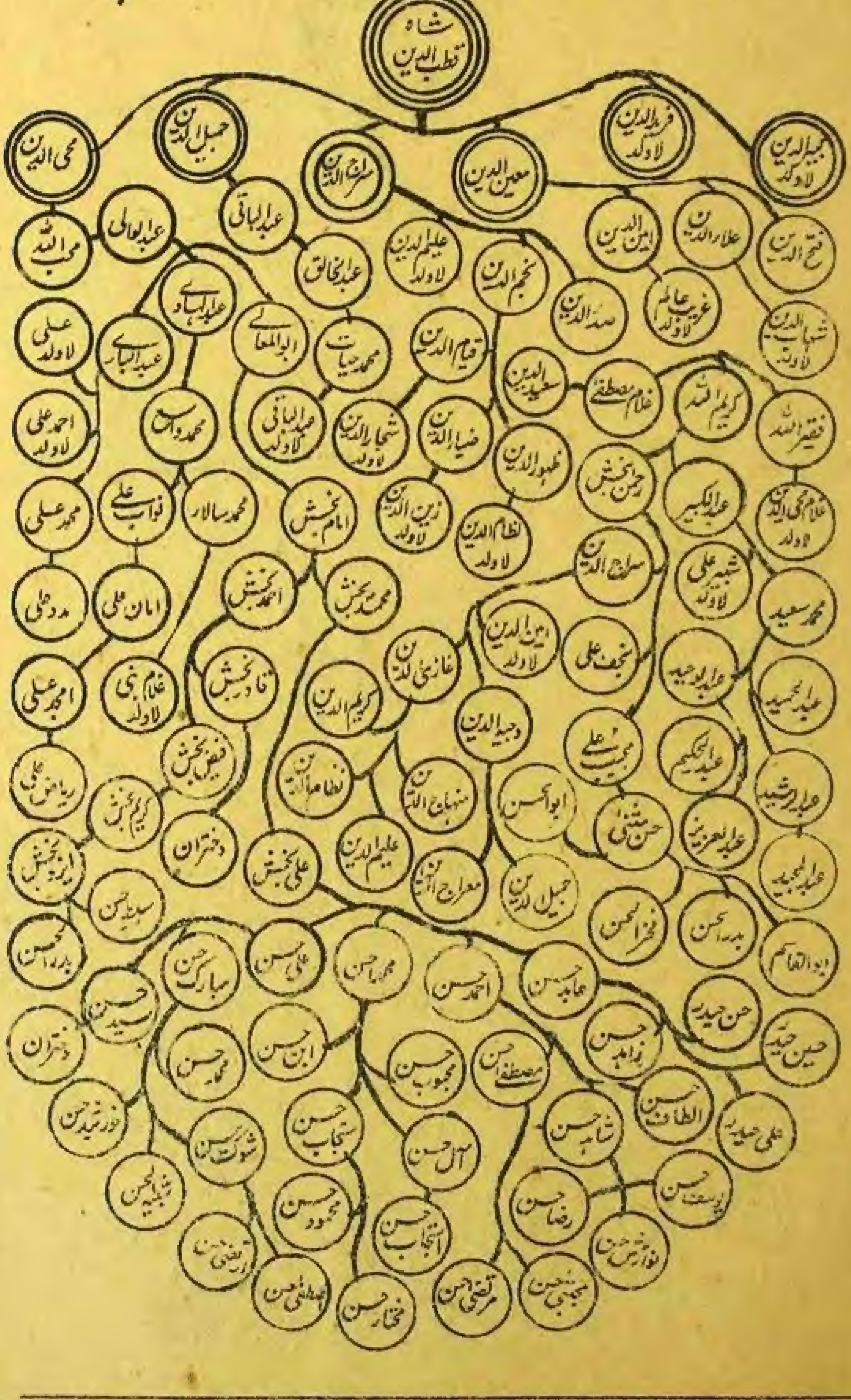

شجرہ اولاد شاہ احمد بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح

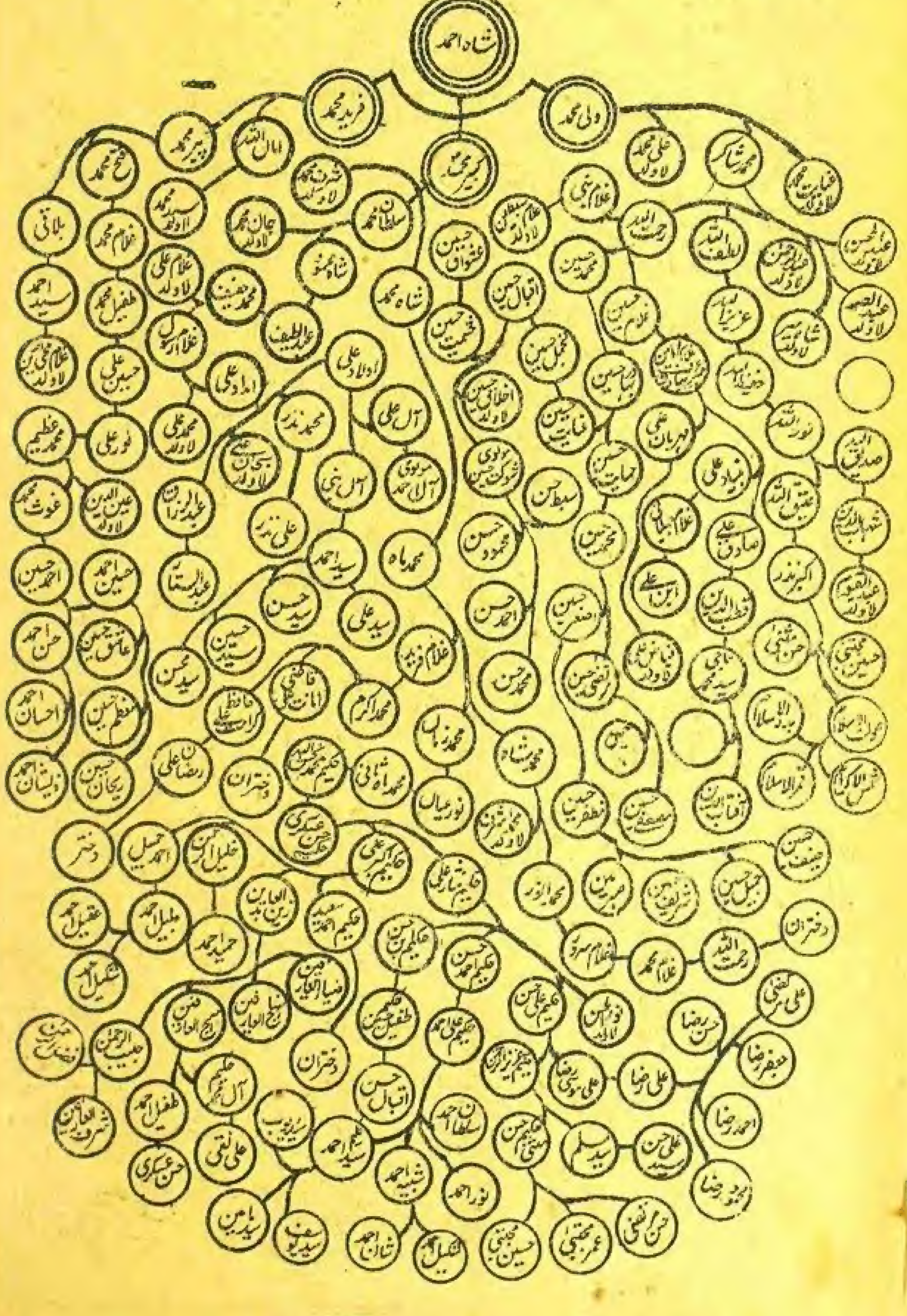

خاندان دانشمندان۔ اس خاندان کے مورث مولنا سید محمد اشرف دانشمند بن سید سعید خاں عہد جہانگیری میں نہٹور (ضلع بجنور) سے امروہہ آئے۔ بزرگوں کا وطن زیدپور (اودھ) تھا جہاں سے انکے اجداد اولاً جونپور پھر جونپور سے نہٹور چلے آئے تھے سلسلہ نسب موسیٰ مبرقع بن محمد تقی بن امام علی رضا سے باین طریق متصل ہوتا ہے:۔ مولانا سید اشرف بن سید سعید خاں بن محمد بن داؤد بن خیرالدین بن علاالدین بن زین الدین بن یوسف الدین بن عبدالمجید بن حسن بن داؤد بن زید ثانی بن عبدالعزیز بن ابراہیم بن محمود بن زید بن عبداللہ بن یعقوب بن احمد بن محمد الاعرج بن احمد بن موسیٰ مبرقع مذکور۔ صاحب آئینہ اودھ نے سادات زیدپور کا جہاں سے اس خاندان کا نکاس بتایا جاتا ہے سلسلہ نسب یہ تحریر کیا ہے زید بن عبداللہ بن یعقوب بن احمد بن محمد بن حسین بن امام محمد تقی۔ لیکن از روئے کتب انساب یہ سلسلہ نسب صحیح نہیں ہے کیونکہ محمد تقی مذکور کا عقب علی نقی اور موسیٰ مبرقع سے باقی رہا آپکے کوئی فرزند حسین معقب نہیں۔ برخلاف سادات زیدپور کے سادات دانشمندان حسین بن امام محمد تقی کے بجائے احمد بن موسیٰ مبرقع بن محمد تقی سے متصل کرتے ہیں لیکن جو سلسلہ نسل نکانجۃ التواریخ میں شایع ہوا ہے وہ محمد بن موسیٰ مبرقع سے متصل ہوتا ہے حالانکہ حسب تصریح کتب انساب عمدۃ الطالب وغیرہ محمد بن موسیٰ مبرقع سے سلسلہ نسل باقی نہیں رہا۔ رسالہ زیدیہ اور تاریخ واسطیہ میں یہ سلسلہ اس طرح درج ہے:۔ زید بن عبداللہ بن یعقوب بن احمد بن محمد اعرج بن احمد بن موسیٰ مبرقع مذکور۔ اس سلسلہ کا ثبوت اگر قدیم شجرہ ہائے نسب سے ملجائے اور یہ امر بھی ثابت ہو جائے کہ ابی عبداللہ احمد بن محمد الاعرج کے کوئی فرزند یعقوب نام تھے تو یہ سلسلہ نسب صحیح اور کتب انساب کے مطابق ہوگا۔ بہرحال اس خاندان کی سیادت تواتر اور شہرت کی بنا پر مسلم ہے:۔ اس خاندان کی قرابتیں بھی دیگر سادات فاطمی خصوصاً اولاد شاہ ولایت و قاضی زادگان وغیرہ سے ہوتی آئی ہیں ان میں عہد سابق سے علما و فضلا و ارباب باطن ہوتے رہے بعض اشخاص نامور منصبدار و جاگیردار بھی ہوئے:۔

شجرہ اولاد مولانا سید اشرف دانشمند

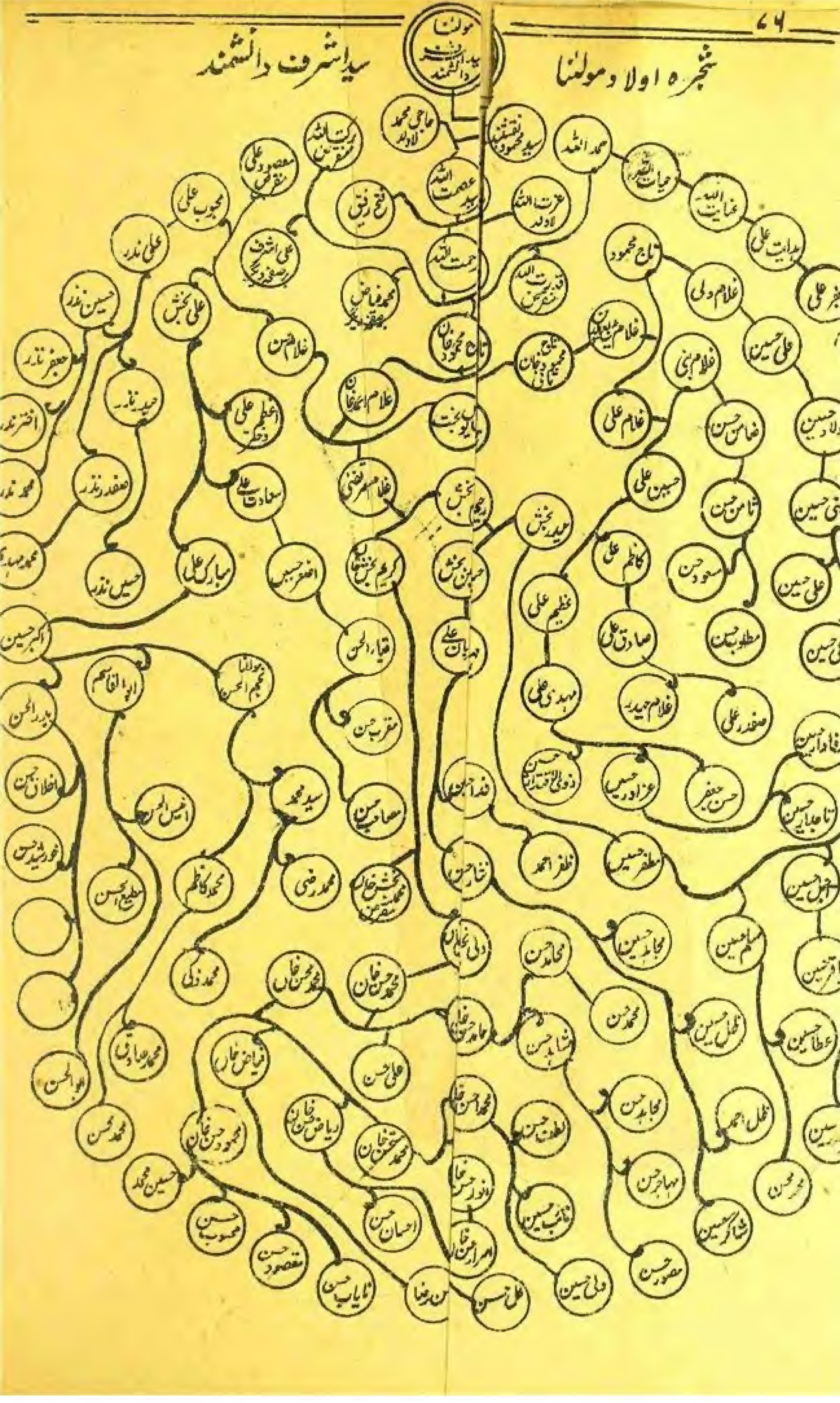

شجرہ اولاد قاضی سید محمد فیاض بن سید رحمت اللہ بن سید محمود بن مولانا سید اشرف دانشمند

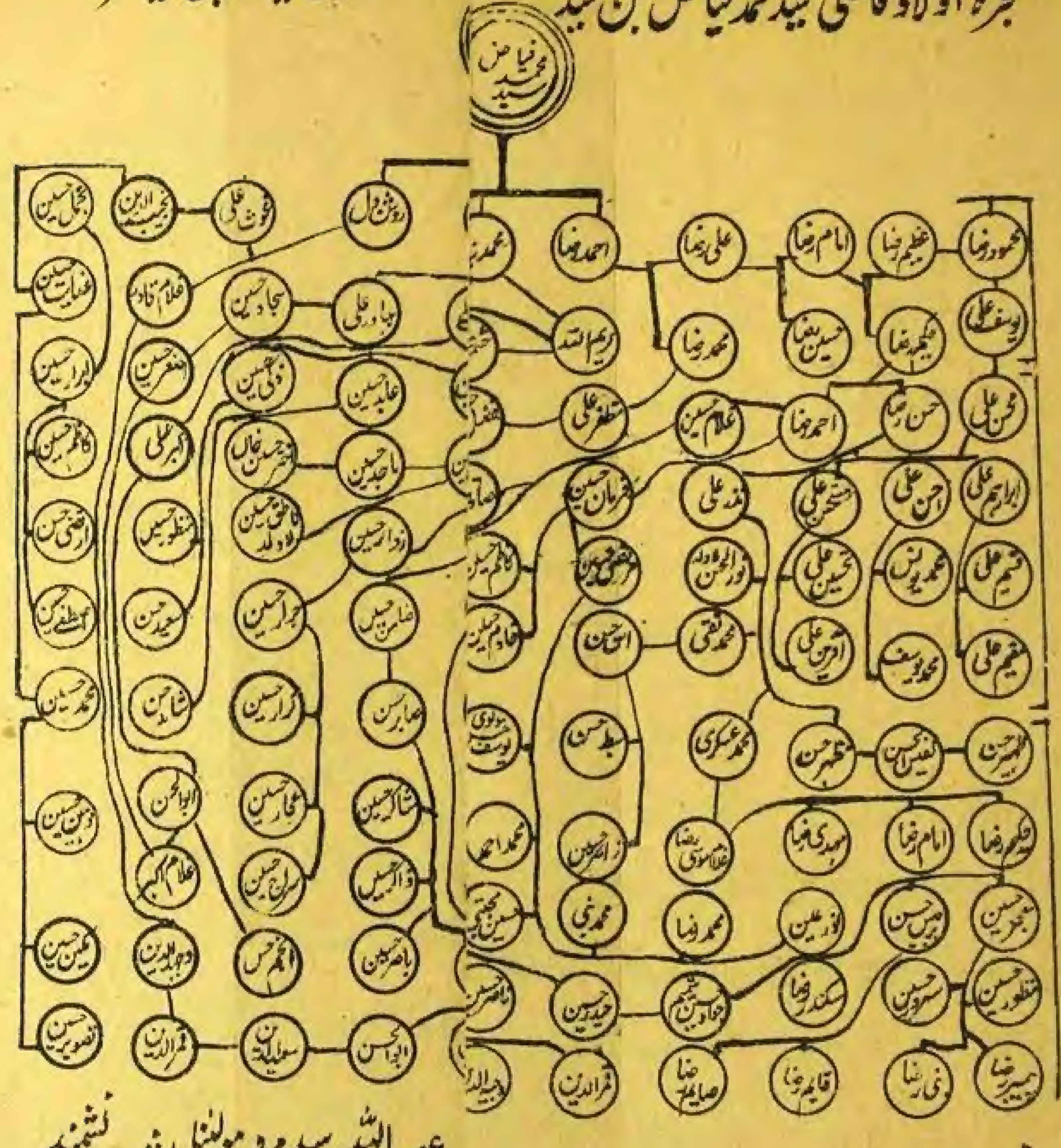

شجرہ اولاد سید علی اشرف بن سید رحمت اللہ بن سید عصمت اللہ بن سید محمود بن مولانا سید اشرف دانشمند

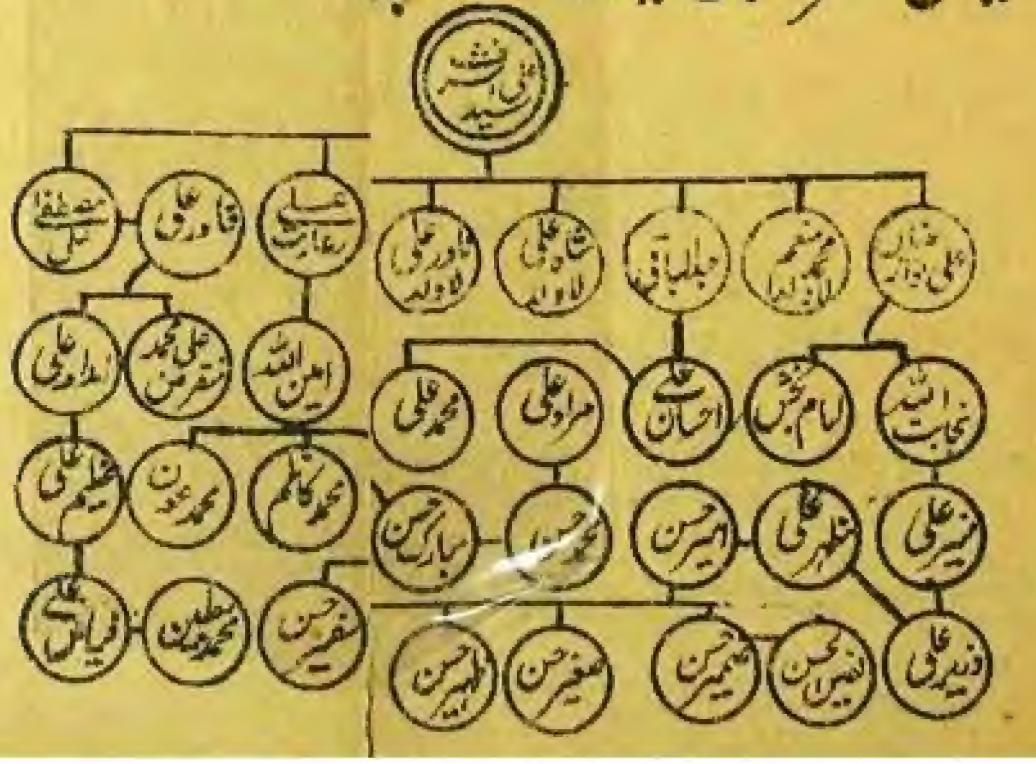

امروہہ آئے سلسلہ نسب یہ بیان
بن ابو المعالی بن ابو الفضل واسطی
علی نقی ہے۔

انصال نسب کی تحقیق کے
ایک صدی میں تین یا شاذ و ناد
پائے جائیں، یہ وہ اصل ہے جو
کے مندرجہ صحیح سلاسل نیز ہند و
نسب کی، جو محفوظ، متصل اور معتبر
ایک صدی میں تین پشتوں کا اوسط
پراگر غور کیا جائے، جو موجودہ انتخاب
صحت و قطعیت دستاویزی و تحریر
کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت شاہ
جداعلیٰ جعفر الزکی بن امام علی نقی

ؐ زمانہ حال میں یعنی جب کتاب عمد
تو کسی نے حاشیہ کتاب پر سادات نقو
الصیداوی الواسطی" لکھا گیا ہے اسی
موقع پر "ابو الفرح" ہی پڑھا جاتا ہے۔ اگر
واسطی" ہے جو زیدی النسب ہیں، چونکہ
نے بھی محض اسی مماثلت پیدا کرنے کے

ث سید شرف الدین حسن شاہ ولایتؒ بعہد غیاث الدین تغلق
کیا جاتا ہے۔ سید شرف الدین حسن بن سید علی بزرگ بن مرتضیٰ
بن داؤد بن حسین بن علی بن ہارون بن جعفر الزکی بن امام

جو چند اصول قرار دیئے گئے ہیں ان میں ایک اصل یہ ہے کہ
دو صدیوں میں کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ سات واسطے
فی استقرار و تتبع کے بعد قایم کی گئی ہے علم انساب کی قدیم کتابوں
ان کے بعض مستند او رمشہور سادات ہاشمی و شیوخ قریشی کے شجرے
ں اگر تحقیق کی جائے تو اس اصل کی صحت یقینی ہو جاتی ہے اور
لتا ہے چنانچہ خود امروہہ کے ہاشمی و قریشی خاندانوں کے اُن سلاسل
ں اور اُن کے اُس مورث کے درمیان ہیں جو امروہہ آئے اور جن کی
ں شہادتوں کی بنا پر یقینی ہے تو یہی اوسط برآمد ہوتا ہے۔ اس اصل مسلّم
لایتؒ کے مندرجہ بالا سلسلۂ نسب پر غور کیا جائے تو آپ کے اور آپ کے
کے درمیان کم از کم چار واسطوں کی کمی واقع ہوتی ہے۔ آپ کا سنہ

ۃ الطالب بطبع جعفری لکھنؤ میں چھپنے لگی جس کو کم و بیش ستر اسی سال کی مدت ہوئی
ی امروہہ کا سلسلہ نسب بھی درج کرا دیا اس میں سید ابو الفضل کے بجائے "ابو الفرح
تقلید تاریخ واسطیہ نے بھی کی ہے اور اب عموماً شجرہ ہائے نسب میں تقریبات کے
جدت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سادات بارہہ و بلگرام کے مورث کا نام "ابو الفرح
سادات حسینی کا یہ خاندان شمالی ہند کا مشہور خاندان ہے سادات نقوی امروہہ
لیئے اپنے مورث کا نام بجائے "ابو الفضل واسطی" کے "ابو الفرح واسطی"

ولادت جیسا کہ کسی دوسری جگہ ثابت کیا گیا ہے تقریباً ۶۶۲ھ ہے اور جعفر مذکور کا سال وفات ۲۸۲ھ ہے پس ان ہر دو بزرگواروں کی ولادت اور وفات کا درمیانی زمانہ تین سو اسی سال کا ہوتا ہے اس مدت میں تقریباً بارہ واسطوں کا ہونا ضروری ہے لیکن مندرجہ بالا سلسلہ نسب میں جعفر مذکور اور آپ کے درمیان صرف آٹھ واسطے مذکور ہیں جو صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں اس خاندان کے ایک قدیم ترین شجرہ نسب میں جو خاکسار مولف کو دستیاب ہوا ہے "شاہ ولایت" اور علی نقی کے درمیان صرف چھ واسطے درج ہیں جعفر و ہارون و علی کے اسماء مذکور نہیں ان وسائط کا ترک ہونا کتابت کی غلطی سے بھی نہیں ہے کیونکہ شجرے کے سب ناموں پر نمبر شمار بھی تحریر ہیں غالباً اس زمانہ میں یہی سلسلہ نسب رائج تھا مگر یہ سلسلہ مقطوع ہے اور اس لیے قابل لحاظ نہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کتب انساب میں حسین بن علی بن ہارون بن جعفر بن امام علی نقی کی اولاد کا کوئی تذکرہ ملتا ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ انکے کسی فرزند کا نام داؤد تھا جس سے نسل چلی؟ کتب انساب میں حسین مذکور اور انکے بھائی حسن کے متعلق صرف یہ الفاظ ملتے ہیں اعقبا بصیدا من بلاد الشام (یہ دونوں مقام صیدا ملک شام میں صاحب اولاد ہوئے) غالباً اسی فقرہ کو پیش نظر رکھکر حال کے بعض شجروں میں اور عمدۃ الطالب کے حاشیہ پر ابوالفضل بن داؤد بن حسین مذکور کے نام کے ساتھ صیداوی اضافہ کیا گیا ہے ورنہ صاحب اسراریہ نے جو سلسلہ نسب تحریر کیا ہے اور وہ حقیقتاً اس خاندان کی قدیم ترین روایت کے مطابق ہے اس میں ابوالفضل کے ساتھ صرف لفظ واسطی تحریر ہے صیداوی درج نہیں۔ بہرحال اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ اس خاندان کا وطنی تعلق کسی وقت میں صیدا رہا ہو یہ ماننا پڑیگا کہ ابوالفضل

(بقیہ حاشیہ) کردیا اور وہی عمدۃ الطالب وغیرہ میں بھی چھپوا دیا گیا حالانکہ اسراریہ میں جو اسی خاندان کے ایک ذی علم شخص کی تقریباً تین صدی پیشتر کی تالیف ہے اصل نام "ابوالفضل" ہی درج ہے۔ خود مولانا سید محمد میر عدل نے جن کا زمانہ جدت پسندی سے چار سو برس پہلے کا ہے اپنے بیٹوں کے نام اپنے اجداد کے اسمائے گرامی پر ابوالفضل اور ابوالمعالی رکھے اگر صحیح نام ابوالفرح ہوتا تو ابوالفضل کے بجائے ابوالفرح ہی رکھتے ۱۲

یا اُنکے والد داؤد صیدا سے واسط آکر سکونت پذیر ہوئے اور غالباً داؤد اور حسین کے درمیان جو چار پانچ واسطے تھے اور جن کا ہونا اصولاً لازمی تہا انتقال مکانی کی وجہ سے محو اور فراموش ہو گئے چونکہ یہ روایت ان میں مسلّم تھی کہ نسباً یہ خاندان داؤد بن حسین بن علی بن ہارون کی نسل سے ہے اس لیئے بعد میں جب کبھی شجرہ نسب قلمبند کیا گیا اس وقت سلسلہ نسب بلا واسطہ حسین بن علی مذکور سے متصل کردیا گیا *

اس قسم کے اکثر مسامحات شجرہائے نسب میں پائے جاتے ہیں جو شہرت اور تواتر سماعی کی موجودگی میں قادح نسب نہیں خیال کیئے جاتے پس حضرت شاہ ولایتؒ کا سلسلہ نسب بوجوہ مندرجہ بالا گو صحیح اور متصل نہیں اور اس لیئے اس خاندان کو صحیح النسب نہیں کہا جا سکتا زیادہ سے زیادہ مشہور النسب کہہ سکتے ہیں تاہم جبکہ آپ کی سیادت نبی علیٰ وجہ الشہرۃ مسلّم ہے اس لیئے حضرت ممدوح کے صحت نسب میں کوئی گنجائش شک و شبہ کی باقی نہیں رہتی. آپ کی غیر معمولی درازی عمر کی جو روایت عوام میں مشہور ہے اور عمر شریف دو سو تئیس ۲۲۳ برس کی بتائی جاتی ہے اسکے وضع و تصنیف کا مبنیٰ بھی یقیناً وسائط کی کمی اور عدم اتصال سلسلہ نسب کے شبہ کو رفع کرنا اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بلا واسطہ حصول بیعت و اخذ خلافت کی روایت ضعیف کو ثابت کرنا تہا لیکن اتنی غیر معمولی طوالت عمر کا امکان اس سے کہیں زیادہ خلاف قیاس ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سلسلہ نسب کی چند کڑیاں کسی نامعلوم وجہ سے چھوٹ گئیں یا ضائع ہو گئیں *

شاہ ولایت کی اولاد کا سلسلہ نسب شاہ ولایتؒ کے بروایت مشہورہ صرف دو فرزند تھے. بڑے بیٹے قاضی امیر علی اور چھوٹے[۱] عزیز اللہ اور جنکا نام عزیز الدین بھی بیان کیا جاتا ہے،

صاحب اسرار یہ لکھتے ہیں :-

دہم پدر من زیادہ تر می گفت کہ از شاہ صاحب ولایتؒ دو پسر ماندہ سید میر علی و سید عزیز اللہ و از اولاد این دو عزیز چہ در امروہہ و چہ در سنبھل و چہ در غیر ذالک، مردم بزرگ نامدار و اہل این کار پیدا شدہ

سلہ اسراریہ قلمی ۱۲

(الف) خاندان قاضی امیر علی۔ قاضی موصوف کا نام علی تھا بوجہ قاضی شہر ہونے کے شہر کے حاکم تھے اس لیئے اس زمانہ کی اصطلاح میں لفظ امیر سے مخاطب ہو کر امیر علی کہلائے۔ ابن بطوطہ نے بھی انکے اصل نام علی کے ساتھ لفظ "امیر" اسی معنی میں تحریر کیا ہے۔ انکے بھی صرف دو بیٹے ہوئے ایک سید اشرف جہانگیرؒ جن سے کوئی عقب نہیں دوسرے سید محمد جنکا نام خاندانی شجرہ اور کتب اصغری وغیرہ میں تاج الدین درج ہے جو صحیح نہیں اسکے متعلق تفصیلی بحث آگے آتی ہے۔ سید محمد مذکور کے بھی دو فرزند بیان کیئے جاتے ہیں ایک یحیٰ جن سے محلہ حقانی و بسٹھی و لکڑہ کے سادات اپنا سلسلہ نسب متصل کرتے ہیں دوسرے سید ابوبکر جن کی نسل میں متولیوں کا خاندان ہے انہی میں سادات ساکنان محلہ چاہ غوری (گوندنی تلے والے) اور محلہ حمدو وغیرہ بھی ہیں۔ سید ابوبکر کا نام بھی مطبوعہ شجروں اور تاریخ اصغری و واسطیہ میں بدرالدین لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

قاضی امیر علی کی وفات کے بعد عہدہ قضا ان کی نسل میں باقی نہ رہا سید اشرف جہانگیرؒ کے تذکرہ میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ بعد وفات پدر بزرگوار انہوں نے اس عہدہ کو قبول نہ کیا ان کے بھائی حسب تصریح ثمرات القدس اس عہدہ کے اہل نہ تھے اس لیئے کسی اور شخص کا تقرر اس عہدہ پر کیا گیا اور قاضی موصوف کی نسل میں عہدہ قضا کے بجائے تولیت کا عہدہ متوارث ہو گیا چنانچہ اس نسل میں ایک خاندان آج تک متولیوں کے نام سے مشہور و معروف چلا آتا ہے۔

متولیوں کے سجلات عہد سابق میں دستاویزات اور قبالجات پر قاضی کے سجل اور مہر کے علاوہ متولی کے سجل بھی ثبت ہوتے تھے بعض دستاویزات پر قاضی اور متولی کے سجلات اور مہر کے ساتھ مفتیوں کے سجلات بھی ثبت ہیں ان سجلات میں دستخط کنندہ اپنے نام کے بعد اپنے ان نام آباد اجداد کے نام بھی بخط طغرا تحریر کرتا ہے جو نسلاً بعد نسلٍ متولی ہوتے رہے اور اس طرح اپنا سلسلہ نسب مورث اعلیٰ تک پہنچا کر اظہار نسب میں "العلوی الحسینی" بھی لکھ دیتا ہے۔ اکثر سجلات کے تحت لفظ ابن بھی اسی تعداد میں تحریر ہے جتنے نام سلسلہ نسب کے سجل میں درج کیئے گئے ہیں جس سے

یہ امر بدرجہ یقین ہو جاتا ہے کہ سجلات کے مندرجہ اسمار علاوہ ان اشخاص کے ناموں کے جو نسلاً بعد نسلٍ متولی رہے سلسلہ نسب بھی ظاہر کرتے ہیں۔ متولی کے سجلات عموماً مضمون دستاویز کے تحت بخط طغرا ثبت ہوتے تھے، مہر بھی سجل سے متصل ثبت کی جاتی تھی۔ قاضی اور مفتی کے سجل اور مہریں مضمون دستاویز کے ایک پہلو میں ثبت ہوتی تھیں۔ حسن اتفاق سے خاندان متولیان کے چند پشتوں کے سجلات اور دستخط جو مختلف عہد کی دستاویزات پر ثبت ہیں، خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں، یہ دستاویزات زیادہ سے زیادہ تقریباً پانچ سو برس پہلے کی اور کم سے کم پونے تین سو برس کی ہیں ؎

متذکرہ بالا سجلات میں متولیوں کی نسل کے جو اسمار تحریر ہیں وہ اکثر ان ناموں سے مختلف ہیں جو مطبوعہ شجروں میں درج ہیں لیکن اس اعتبار سے کہ اب سے پانسو اور تین سو برس پہلے اس نسل کے ذی علم اور ممتاز اشخاص خود اپنے قلم سے اپنے آبا و اجداد کے جو نام تحریر کرتے تھے وہ نام یقیناً موجودہ اشخاص کے بیان کردہ ناموں کے مقابلہ میں زیادہ مستند اور صحیح متصور ہونگے کیونکہ بوجہ قریب العہد ہونے کے ناموں کی صحت کے بارے میں ان کو بہ نسبت متاخرین کے زیادہ صحیح ذرایع معلومات حاصل تھے اس لئے موجودہ مطبوعہ شجروں کے مندرجہ اسمار کے مقابلہ میں سجلات کے مندرجہ ناموں کو صحیح تسلیم کرنا ناگزیر ہے ذیل میں مطبوعہ شجرات اور سجلات متولیان کے مندرجہ اسما کو بالمقابل درج کیا جاتا ہے تاکہ بیک نظر شجرہ کی اغلاط کا اندازہ ہو جائے :-

اسمار مندرجہ شجرہ مطبوعہ	اسمار مندرجہ سجلات متولیان
(۱) سلطان محمد	(۱) سلطان محمد
(۲) ابوالحسن	(۲) ابوالحسن
(۳) عبدالسّلام	(۳) عبدالسّلام (انکے بڑے بھائی سید عبداللطیف بھی متولی تھے)
(۴) سید میر	(۴) علی اصغر
(۵) عبداللہ	(۵) شرف الدین

(۶) نعمت اللہ	(۶) نعمت اللہ فتح اللہ نمبر۷ اور سید مرتضیٰ متولی نمبر۷ کے بھائی تھے
(۷) فتح اللہ	(۷) سید مرتضیٰ
(۸) سید بڑے	(۸) سید محمد
(۹) قطب عالم	(۹) سید علی
(۱۰) خوان میر	(۱۰) سید وجیہ
(۱۱) بدر الدین	(۱۱) سید ابوبکر
(۱۲) تاج الدین	(۱۲) سید محمد
(۱۳) میر علی (بزرگ)	(۱۳) (امیر) علی
(۱۴) سید شرف الدین شاہ ولایتؒ	(۱۴) سید حسن

مندرجہ بالا فہرست ہائے اسمار کے موازنہ و تقابل سے معلوم ہوگا کہ مطبوعہ شجرہ کے صرف پہلے تین نام سجلات کے مندرجہ اسمار سے مطابق ہوتے ہیں۔ نعمت اللہ (نمبر۶) کے ساتھ مطبوعہ شجرہ میں "عرف شرف الدین" لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ علی اصغر اور شرف الدین حقیقتاً "دو جدا اشخاص" کے یعنی باپ بیٹوں کے نام ہیں جو یکے بعد دیگرے متولی ہوئے۔ ان دونوں اشخاص کے دستخط اور مہریں متعدد دستاویزات پر ثبت ہیں خود نعمت اللہ کے دستخط بھی مع ولدیت موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سید مرتضیٰ متولی (نمبر۷) کے حقیقی بھائی ہیں۔ مطبوعہ شجرہ میں نعمت اللہ مذکور کے باپ کا نام فتح اللہ لکھا ہے۔ حالانکہ فتح اللہ نعمت اللہ سید مرتضیٰ اور سید جعفر یہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انکے باپ کا نام سید محمد ہے۔ مرتب شجرہ نے قلت مبالاۃ اور عدم تجسس حالات کی بنا پر ایک بھائی کو دادا دوسرے کو باپ اور تیسرے کو بیٹا بنا دیا اس بے احتیاطی کے ساتھ یہ شجرہ مرتب کیا گیا "اب تک" شائع ہوا اور اس کا نام بھی "شجرہ طوبیٰ" رکھہ دیا۔ حالانکہ کثرت اغلاط کی وجہ سے یہ "شجرہ طوبیٰ" قطعاً ناقابل اعتبار ہے۔

سجلات | ذیل میں ان تمام اسمار کو جو مختلف عہد کی دستاویزات پر مختلف متولیوں کے سجلات میں

بخط طغرا تحریر ہیں درج کیا جاتا ہے اور ان سجلات کے عکس بھی علیحدہ صفحہ پر شائع کیے جاتے ہیں ٭

الف سجل سید مرتضیٰ متولی جو دستاویز اقراری شیخ المشائخ شیخ منور بن شیخ موسیٰ حاجی مرقومہ سنہ ٩٤٧ھ پر ثبت ہیں ٭

اقر بمضمونہ طائعاً عند اضعف العباد مرتضیٰ بن محمد بن علی بن وجیہ بن ابی بکر بن محمد بن علی بن حسن العلوی الحسینی ٭

(ب) سجل سید شرف الدین متولی بن سید مرتضیٰ متولی جو دستاویز موسومہ شیخ بهکن بن شیخ المشائخ شیخ چاند بن شیخ چا ئیلدہ فاروقی مرقومہ ٢٧ شعبان سنہ ٩٤٤ھ اور دستاویز مرقومہ ٢٨ ذی الحجہ سنہ ٩٥١ھ نزد مولف پر ثبت ہیں ٭

ثبت عند اضعف العباد شرف الدین بن مرتضیٰ بن محمد بن علی بن وجیہ بن ابی بکر بن محمد بن علی بن حسن العلوی الحسینی ٭

(ج) سجل سید علی اصغر متولی بن شرف الدین متولی جو دستاویز اقراری سید خان ولد سید داؤد مرقومہ سنہ ٩٨٣ھ نیز دستاویز موسومہ سید خضر ولد سید عبدالستار مرقومہ سنہ ٩٩٢ھ پر ثبت ہے ٭

ثبت عند اضعف العباد علی اصغر بن شرف الدین بن مرتضیٰ بن محمد بن علی بن وجیہ بن ابی بکر بن محمد بن علی بن حسن العلوی الحسینی ٭

سید علی اصغر کے بعد ان کے فرزند عبداللطیف متولی ہوئے ان کے بعد دوسرے فرزند سید عبدالسلام ہوئے

(د) سجل سید عبدالسلام متولی بن سید علی اصغر متولی جو دستاویز موسومہ میاں احمد ولد میاں امان اللہ مرقومہ ٦ محرم سنہ ١٠٠١ھ پر اور اسکے بعد سنہ ١٠٢٥ھ تک کی متعدد دستاویزات پر ثبت ہے ٭

ثبت عند اضعف العباد عبدالسلام بن علی اصغر بن شرف الدین بن مرتضیٰ بن محمد بن علی بن وجیہ بن ابی بکر بن محمد بن علی بن حسن العلوی الحسینی ٭

(ہ) سجل سید ابوالحسن متولی بن سید عبدالسلام متولی جو دستاویز موسومہ (نام اور سنہ مشکوک ہے)

ثبت عندا ضعف العباد ابوالحسن بن عبدالسلام بن علی اصغر بن شرف الدین بن مرتضیٰ بن محمد بن علی بن وجیہ بن ابی بکر بن محمد بن علی بن حسن العلوی الحسینی ۞

(د) سجل سلطان محمد متولی بن سید ابوالحسن متولی جو ۱۱۰۱ھ اور اسکے بعد کی صدہا دستاویزات پر ثبت ہے۔

ثبت عندا ضعف العباد سلطان محمد بن ابوالحسن بن عبدالسلام بن علی اصغر بن شرف الدین بن مرتضیٰ بن محمد بن علی بن وجیہ بن ابی بکر بن محمد بن علی بن حسن العلوی الحسینی ۞

شاہ ولایت کا نام نامی

مطبوعہ شجرہ میں حضرت شاہ ولایتؒ کے پسر اکبر قاضی امیر علی کے بیٹے، پوتے اور پر پوتے کے نام اس طور پر درج ہیں:۔

وجیہ الدین بن بدر الدین بن تاج الدین بن میر علی

انکے مقابل سجلات میں یہ نام درج ہیں:۔ وجیہ الدین بن (سید) ابوبکر بن سید محمد بن (امیر) علی

مندرجہ ناموں کے تقابل سے یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ سجلات کے آخری دو ناموں سے آخری نام "علی" حقیقتاً قاضی امیر علی[1] کا نام ہے جن کی نسل میں متولیوں کا خاندان ہے انہی سجلات میں علی (یعنی قاضی امیر علی) کی ولدیت سید حسن تحریر ہے پس یہی نام حضرت شاہ ولایتؒ کا اصل نام ہے، شرف الدین سلسلہ بیعت کا لقب ہے، یہ لقب اتنا مشہور ہوا کہ اصل نام کے بجائے مستعمل رہا حضرت خواجہ اجمیری کا اسم گرامی بھی حسن ہے لیکن عام طور سے معین الدین مشہور ہے جو آپکے سلسلہ کا لقب ہے[2] حضرت

[1] خاندانی شجروں میں ان کا نام "میر علی بزرگ" اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ ان کے دادا یعنی شاہ ولایتؒ کے والد بزرگوار پوتے کے ہمنام ہونے کی بنا پر خاندان میں "علی بزرگ" کہلاتے تھے۔ اس لیے قاضی موصوف "علی خورد" ہوں گے نہ "علی بزرگ"۔

[2] حضرت خواجہ اجمیری کا اصلی نام آپکے تمام تذکروں اور خاندانی شجروں میں درج ہے لیکن شاہ ولایتؒ کا اصل نام کسی خاندانی شجرہ یا تذکرہ میں نہیں ملتا اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان میں کوئی قدیم شجرہ موجود نہ تھا عہد اکبری میں شجرہ مرتب کیا گیا آپ کا لقب جو مشہور تھا وہ ہی درج کر لیا گیا ورنہ آپ کے خاندان کا مستند اور قدیم شجرہ اگر

شاہ ولایتؒ کے والد عراق عرب سے ہندوستان آئے' اس زمانہ تک عراق عرب کے ہاشمیوں میں عربی النسل خاندانوں کی خصوصیات یقیناً باقی تھیں مفرد نام رکھنے کا دستور تھا' اس عربی النسل باپ کا نام علی تھا' انہوں نے اپنے فرزند یعنی شاہ ولایتؒ کا نام حسن رکھا. چند سجلات میں غالباً قلم کی کشش سے بجائے حسن کے حسین بھی تحریر ہوگیا ہے لیکن اکثریت حسن ہی کو حاصل ہے علاوہ بریں حضرات حسنین کے ناموں میں حسن نام کو حسین نام پر اس لحاظ سے بھی ضرور فضیلت ہے کہ یہ مبارک نام امام حسین کے برادر بزرگ کا ہے جنکو خلفائے راشدین میں بھی شامل ہونے کی وہ فضیلت حاصل تھی جو چھوٹے بھائی کو حاصل نہ تھی اس لیئے اس عاجز نے بھی اسی محترم نام کو ترجیح دی. خاندان متولیان کے آخری متولی سلطان محمد سے شاہ ولایتؒ تک مطبوعہ خاندانی شجرہ کی رو سے چودہ پشتیں شمار میں آتی ہیں' ان چودہ اسمار میں نعمت اللہ اور فتح اللہ دو ناموں میں سے جو دو حقیقی بھائیوں کے نام ہیں اور جن کو غلطی سے مرتب شجرہ نے باپ بیٹا بنا دیا ہے' ایک نام خارج کر دیا جائے' تو تیرہ پشتیں باقی رہ جاتی ہیں' اور یہ پشتیں سجلات کے مندرجہ اسمار کے مطابق ہوتی ہیں. ان تیرہ پشتوں کے اوّل کے تین نام شجرہ سے مطابق ہیں آخری دو ناموں میں علی نام قاضی میر علی کا ہے اور حسن شاہ ولایتؒ کا اسم گرامی ہے ٭

شجرۂ نسب کی اغلاط

قاضی امیر علی کے دو بیٹے تھے ایک سید اشرف جو جہانگیر کے لقب سے ملقب ہیں' اور دوسرے سید محمد جن سے نسل چلی' ان کا نام خاندانی شجروں میں تاج الدین لکھا گیا ہے جو ممکن ہے ان کا لقب ہو' اسی طرح سید محمد کے بیٹے کا نام اصل میں ابوبکر ہے' شجرہ میں غلطی سے بدرالدین درج کیا گیا ہے سید ابوبکر مذکور کے پوتے کے دستخط [illegible] کی دستاویز پر ان الفاظ میں

(بقیہ حاشیہ) اہل خاندان کے پاس موجود ہوتا تو اس میں آپکا اصل نام درج ہوتا. صاحب اسرار یہ کے بیان سے بھی اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ انکے زمانہ تک یعنی اب سے تقریباً تین سو برس پیشتر تک کم از کم خاندان کی اس شاخ میں زبانی روایت کے سوائے کوئی شجرہ یا تذکرہ خاندانی موجود نہ تھا. ایک شخص نے صاحب اسراریہ سے ان کا نسب دریافت کیا انہوں نے جواباً کہا سید شرف الدین صاحب ولایت امروہہ کی نسل سے ہوں اس نے پوچھا ہیچ نسب نامہ باخود داری ؟ یہ جواب دیتے ہیں گفتم من از پدر خود شنیدم وے از پدر خود الی آخرہ"

ثبت ہیں "حسن بن نعیم الدین بن ابوبکر علوی حسینی" خاندانی شجروں میں سید ابوبکر کے چار بیٹے ظاہر کیے گئے ہیں۔ سید چاند عرف بہوکہ خوان میر عرف کڈھا نعیم الدین اور وجیہ الدین۔ آخری نام سجلات کے مندرجہ نام سے مطابق ہے لیکن مطبوعہ شجرہ میں خاندان متولیان کی اس شاخ کو جس میں نسلاً بعد نسلٍ متولی ہوتے رہے وجیہ الدین کے بجائے "خوان میر" کی نسل میں ظاہر کیا گیا ہے جو سجلات کی روسے صحیح نہیں وجیہ الدین کے بیٹے سید علی ان کے سید محمد اور ان کے سید مرتضیٰ متولی تھے آخر الذکر کے سجل اوپر درج ہو چکے ہیں وہ اپنے قلم سے اپنے آبا و اجداد کے نام یوں تحریر کرتے ہیں:۔ "مرتضیٰ بن محمد بن علی بن وجیہ الدین" ان ہی سید مرتضیٰ کی نسل میں عہدہ تولیت چند پشتوں تک قایم رہا چنانچہ ان کی ہر نسل کے سجلات متعدد دستاویزات پر ثبت ہیں اور ان کی نقول اوپر درج ہو چکی ہیں جن سے یہ امر بخوبی ثابت اور متحقق ہے کہ خاندان متولیان کی وہ شاخ جس میں بارہویں صدی ہجری کے آخر تک یعنی سلطان محمد بن ابوالحسن متولی کے زمانہ تک اباً عن جدٍ متولی ہوتے رہے "قطب عالم بن خوان میر بن بدر الدین" کی نسل سے نہیں ہے جیسا کہ خاندانی شجرہ میں غلطی سے درج کیا گیا ہے بلکہ "سید مرتضیٰ بن محمد بن علی بن ابوبکر" کی اولاد سے ہے جیسا کہ سجلات سے ثابت و متحقق ہے۔ اسی طرح "نعمت اللہ بن فتح اللہ بن سید بڑے بن قطب عالم بن خوان میر" کا سلسلہ بھی دستاویزات سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ نعمت اللہ فتح اللہ سید مرتضیٰ اور سید جعفر آپس میں حقیقی بھائی ہیں جو "سید محمد بن علی بن ابوبکر" کی اولاد سے ہیں نام "خوان میر" نہیں بلکہ "خوند میر" ہے۔ "سید حسین بن سید چاند عرف بہوکہ" بھی غلط ہے سید حسین خوند میر کے بیٹے تھے ان کے دستخط موجود ہیں۔ سید چاند عرف بہوکہ بھی صحیح نہیں یہ نام سید بہیکہ کا اور یعقوب انکے بیٹے کا نام ہے مطبوعہ خاندانی شجرہ میں وجیہ الدین کے بیٹے کا نام غازی الدین رکھکر سید قطب الدین مورث خاندان مولوی سید ظفر حسن بن سید دلشاد علی وغیرہ ساکنان محلہ حقانی کو ان کا فرزند ظاہر کیا ہے جو ہرگز صحیح نہیں قطب الدین مذکور کے باپ کا نام سید عمر ہے اور غازی خان قطب الدین کے بھائی ہیں۔ غرضیکہ مرتب شجرہ نے دو ڈھائی صدی پیشتر کے ناموں کو بلا تحقیق درج کرنے میں متعدد غلطیاں کی ہیں۔ اس نسل کے بعض نام جو مستند دستاویزات

سے دریافت ہوئے یہ ہیں :-

شجرہ خاندان متولیان اولاد قاضی امیر علی بن سید شرف الدین حسن شاہ ولایت

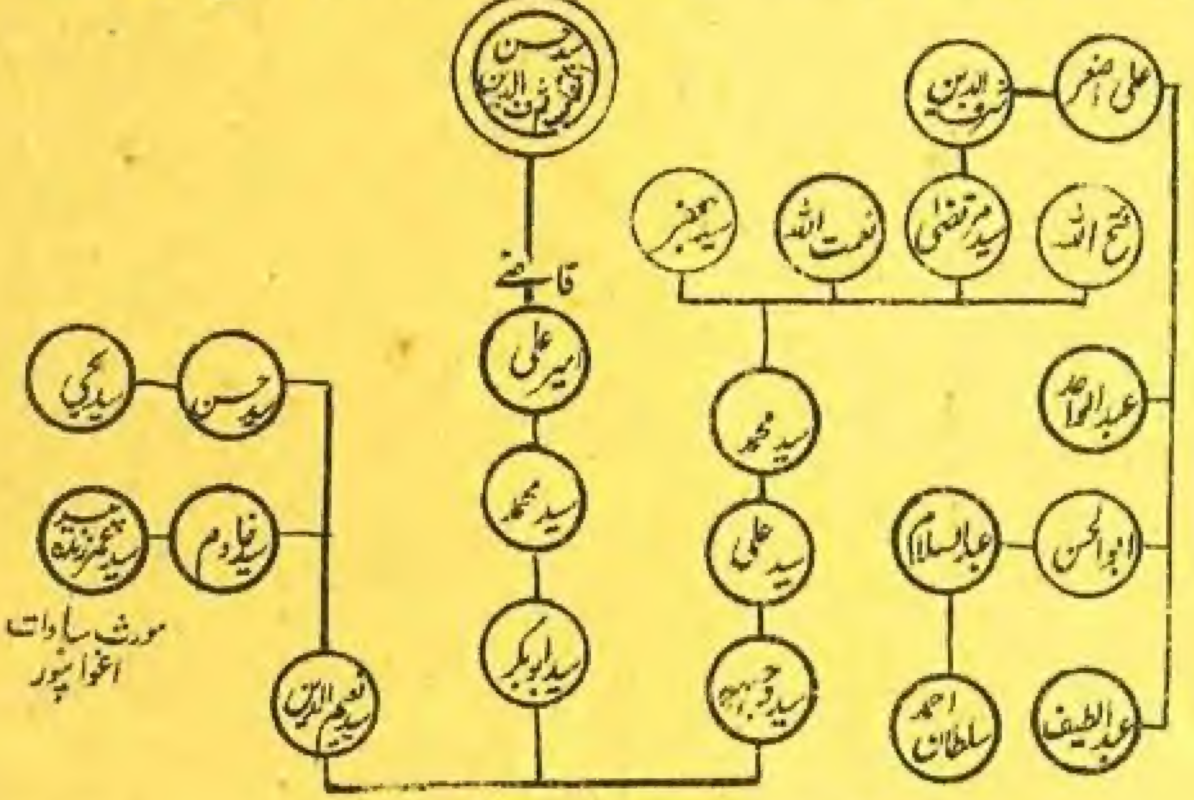

مندرجہ بالا شجرہ میں سید ابوبکر کے فرزند سید وجیہ الدین کی نسل میں خاندان متولیان ہے اور انکے بھائی سید نعیم الدین کے پوتے سید عمر زندہ پیر کی نسل سے سادات نقوی سکنہ اغواپنور ہیں جن میں مولوی سید ظفر حسین واسطی ام اے ایل ایل بی وکیل مرادآباد کا خاندان ہے اس نسل سے امروہہ میں سید مصطفےٰ حسن و اصغر علی و سید محسن ابنائے سید خورشید الدین ساکنان محلہ قاضی زادہ و سید بشیر حسن و سعید حسن پسران سید کریم الدین ساکنان محلہ چاہ ملا امان و مولوی سید زاہد حسین و سید عابد حسین ساکنان محلہ دربار کلاں بھی اپنے کو بیان کرتے ہیں۔ خاندان متولیان اولاد سید ابوبکر مذکور کی چند جداگانہ شاخیں ہوئیں۔ مطبوعہ خاندانی شجرہ میں ایک شاخ کے نام درج نہیں ہوئے جو محلہ چاہ غوری میں ساکن ہے اور گونڈی تلے والے مشہور ہیں۔ ان میں ڈاکٹر سید آل احمد اور انکے بھائی سید ابوالقاسم سابق منصرم کا خاندان جنکے لایق فرزند سید عون محمد بی اے ایل ایل بی وکیل ہیں۔ مستند دستاویزات کی رو سے یہ خاندان شاہ سیدن بن سید معظم کی نسل سے ہے جن کا سلسلہ نسب مطبوعہ شجرہ میں اس طرح تحریر ہے "سید شاہ سیدن بن سید معظم بن سید خواجہ میر بن بدرالدین" ذیل میں اس خاندان کا شجرہ درج کیا جاتا ہے ؎

شجرہ اولاد سید معظم بن سید خوندمیر نبیرہ قاضی سید امیر علی

سادات محلہ لکڑکٹہ کا سلسلہ نسب مطبوعہ خاندانی شجروں میں خاندان متولیان کے مورث سید ابوبکر کے ایک بھائی سید یحییٰ ظاہر کرکے محلہ لکڑکٹہ وحقانی کے سادات کا سلسلہ نسب ان سے منفصل کیا گیا ہے۔ سید یحییٰ مذکور کی اولاد کے نام مطبوعہ شجرہ میں اس طرح درج ہیں:۔

قاضی امیر علی

سید تاج الدین
سید یحیٰی
میر علی عرف خاصہ
عبدالستار عرف بڑے

سید الیاس عرف منجھ
سید اسمٰعیل
دیوان سید حامد
سید سعید خاں
مورث سادات ساکنہ
محلہ لکڑہ

سید خضر
میر علی — محمد طاہر
مورث خاندان سید
لطف علی حقانی

لیکن مستند اور قدیم دستاویزات کی رو سے مندرجہ بالا سلسلہ نسب صحیح ثابت نہیں ہوتا اس سلسلہ میں سب سے پہلے حسب ذیل دستاویز ملاحظہ طلب ہے جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہے۔۔

نقل

دستاویز اقراری سید اعظم ولد سید اکبر بن سید خالقدیہ بن سید جلال حاجی

میراں عبدالواسع جیو و میراں عبدالمجید جیو

باعث ایں تحریر نوشتہ آنکہ سید اعظم ولد سید اکبر در چبوترہ شرع شریف بحضور سیادت و نقابت پناہ آمدہ ظاہر نمود کہ خانہ و حویلی کہ دراں سید خالقدیہ ولد سید جلال حاجی می ماند بما ارث میرسد سید خضر بن نمی دہد چوں سید خضر را پرسیدہ شد جواب داد کہ من بنیرہ سید میر علی ام و سید جلال حاجی برادر خورد میراں سید میر علی بود و سید خالقدیہ پسر سید جلال حاجی را حویلی برائے ماندن لبطریق عاریت پدر ما دادہ بود لبدہٗ سید خالقدیہ و عورت سید خالقدیہ فوت شد حویلی خود را خود گرفتیم بزمین ما و حویلی ما سید اعظم را ہیچ دعوی و شرکت نیست دریں باب اسناد و استشہاد گذشتند و گفتند کہ زمین کہ دراں سید خالقدیہ می ماند آں زمین از آں میراں سید میر علی بود ارث سید میر علی بہ سید خضر می رسد ہیچ دعوی سید اعظم نیست بناءً علیہ سید اعظم را منع نمودہ شد اگر من بعد ازیں تاریخ سید اعظم دعوی کند دروغی باشد این چند کلمہ بحضور جماعہ اکابران و

نوشتہ شد کہ ثانی الحال حجت باشد بتاریخ ، رشہر محرم الحرام سنہ ۱۰۲۹

حسینی عبدالمجید بندۂ سید

حویلی مذکور بچہار حدود بدیں تفصیل

عرض ۔۔۔ گز طول ۔۔۔ گز

شرقی متصل نشا سید غازی خاں عمر وخانہ سید حامد	غربی خندق و	جنوبی متصل خانہ جمال لال	شمالی متصل خانہ سید قطب الدین

ثبت عند اضعف العباد عبدالسّلام علی اصغر شرف الدین مرتضیٰ محمد علی وجیہ ابابکر محمد علی حسن العلوی الحسینی ۔

بن . بن . بن . بن . بن . بن . بن . بن . بن . بن

مندرجہ بالا دستاویز سے ثابت ہے کہ سید خضر نبیرہ سید میر علی مذکور سنہ ۱۰۲۹ھ میں بقید حیات تھے ایک اور تحریر سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان کے دو بیٹے میر علی اور محمد طاہر بعہد شاہجہاں بادشاہ ملازمت شاہی میں منسلک تھے (ملاحظہ ہو تحریر مرقومہ سنہ ۱۰۵۲ بسلسلہ حالات سید میر علی بزمرہ علماء) سید خضر مذکور شاہ ولایتؒ کے بڑے بیٹے قاضی امیر علی کی نسل میں بیان کیے جاتے ہیں جن کا زمانہ فیروز شاہ تغلق کا عہد ہے اس لیے ان دونوں اشخاص کے درمیان تقریباً تین صد یوں کا زمانہ شمار میں آتا ہے جس میں کم سے کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ دس پشتیں ہونی چاہیئیں جو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتے سید خضر مذکور ایک ہی جد یعنی قاضی امیر علی کی اولاد ہیں متولی مذکور سے تو قاضی موصوف تک نو پشتیں تحل اور مطبوعہ شجرہ دونوں سے ثابت ہیں لیکن برخلاف اسکے سید خضر اور قاضی موصوف کے درمیان صرف چار واسطے مذکور ہیں اس لیے صاف ظاہر ہے کہ اگر سید خضر حقیقتاً قاضی موصوف ہی کی نسل سے تھے تو مطبوعہ شجرہ میں سلسلہ نسب کے چار پانچ واسطے ترک ہو گئے ہیں اور ان کا سلسلہ نسب صرف سید میر علی تک دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے ۔ میر علی مذکور کی ولدیت شجرہ مطبوعہ کے مطابق سید یحییٰ ثابت ہو جائے تو سید یحییٰ اور تاج الدین (یعنی سید محمد) کے درمیان کے چار پانچ واسطے ترک ہوئے ہونگے ۔ سید میر علی بن سید یحییٰ اگر وہی شخص

بس جبکہ موسومہ عہد ہمایوں کا فرمان مندرجہ تاریخ وامطیہ ہے تو ان کا زمانہ ۹۶۲ھ کا ہوتا ہے۔
فرمان مذکور غالباً پچاس ساٹھ برس کی عمر میں انکے نام جاری ہوا جیسا کہ ان القاب سے ظاہر ہوتا ہے
جو فرمان مذکور میں درج ہیں اسلیئے انکے والد سید یحییٰ کا زمانہ تقریباً ۹۰۰ھ کا ضرور ہوگا ایسی حالت میں انکے
اور قاضی امیر علی کے زمانہ میں تقریباً ڈیڑھ صدی کا فصل باقی رہتا ہے جس میں کم سے کم چار پانچ
پشتیں ہونا چاہئیں حالانکہ مطبوعہ شجرہ میں صرف ایک واسطہ درج ہے۔ سید میر علی مذکور کے باپ کا نام سید
یحییٰ ثابت ہو جائے (کیونکہ بعض تحریرات سے ان کے باپ کا نام سید طاہر معلوم ہوتا ہے) تو سید خضر مذکور
کا سلسلہ نسب صرف سید یحییٰ تک ثابت ہوتا ہے قاضی امیر علی بن شاہ ولایت تک مطبوعہ شجرہ کی رو
سے متصل نہیں ہوتا۔

یہ کیفیت تو سادات حقانی اولاد سید خضر مذکور کے سلسلہ نسب کی ہے، سادات سکنہ محلہ لکڑہ اولاد
سید ابدال محمد وغیرہ کا وہ سلسلہ نسب جو مطبوعہ شجرہ میں درج ہے اس سے بھی زیادہ منقطع وغیر متصل ہے
مطبوعہ شجرہ میں سید خضر مذکور اور سید الیاس عرف منجھو کو حقیقی بھائی ظاہر کیا گیا ہے لیکن مندرجہ بالا
دستاویز کے الفاظ "ارث سید میر علی بہ سید خضر می رسد" سے ان کا آپس میں بھائی بھائی ہونا بھی مشتبہ
ہے دادا کا ورثہ و ترکہ دونوں پوتوں کو پہونچنا چاہیئے تاہم بہرکیف اگر کسی وجہ سے سید الیاس عرف منجھو
مذکور کا نام اس دستاویز میں درج نہ ہوا اور انہیں سید خضر کا بھائی تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی قباحت
باقی رہتی ہے کہ مطبوعہ شجرہ کے مطابق ان سے تیسری پشت میں انکے پوتے سید سعید خاں ہوتے ہیں
جو سید خضر کے پرپوتے سید طفیل محمد کے معصر ہونے چاہیں یعنی ان کا زمانہ عہد عالمگیری کا آخر گویا بارہویں
صدی کا شروع زمانہ قرار پاتا ہے حالانکہ متعدد مستند دستاویزات سے جن پر سید سعید خاں مذکور کی
اولاد کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں، یہ ثابت ہے کہ سعید خاں مذکور کا زمانہ ہمایوں بادشاہ کا عہد تھا
انکے بیٹے عبدالصمد و عبدالکریم و سید گدن سید محمد میر عدل کے معصر تھے، ان دستاویزات میں سے صرف ۹۸۳ھ
کی ایک دستاویز کی نقل درج کی جاتی ہے جس پر پسران سعید خاں مذکور کے دستخط منجملہ دیگر اشخاص کے ثبت ہیں

نقل

دستاویز اقراری سید خاں مرقومہ ۹۸۳ھ

اللہ اکبر

مہر سید محمد میر عدل

میراں محمد سید

اقرار کرد و اعتراف نمود مسمی سید خاں ولد سید داؤد در حالت صحت نفس و ثبات عقل

طائعاً و راغباً بلا اکراہ و اجبار برانجملہ مذکور بحضور سیادت مآب میر عدل

و جماعہ دیگراں برائے ہر دو منکوح را بدیں طریق قسمت کردہ داد بدیں تفصیل۔ منکوح کلاں اصہابی بی بنام

بنت سید بہکھاری درمیاں اسامی ستی بیگہ دوازدہ بیگہ بطناب حسن داد و یک خانہ سکنائی نیز

داد دیگر زن خورد باسم بی بی خونذا بنت فرض اللہ حصہ خود دہ بیگہ در اسامی مذکور و نیز مدد معاش

کہ از جانب پدر سید داؤد حصہ یافتہ آنرا نیز بہ بی بی خونذا مذکور داد باغ ہم برائے بی بی خونذا مذکور داد و

غلام باسم شیرو آکا داد و باسم ربیا و کپوری کہ برائے او مولانا لید وزرا عقد کردہ داد و غلام و داماں

مع فرزندان بی بی خونذا مذکور بی بی بدر را بایشاں دخل نیست۔ ایں چند کلمہ بطریق سند نوشتہ داد

تا عند الحاجت حجت باشد۔ تحریر فی التاریخ، شہر شعبان المعظم ۹۸۳ھ

[illegible]

مہر قاضی

ثبت عندا ضعیف العباد علی اصغر بن شرف الدین بن مرتضیٰ بن محمد بن علی بن جیو بن ابی بکر بن محمد بن علی بن حسن العلوی الحسینی ؎

شہد بما فیہ (۱) سید امیر علی طاہر بانا ملہ حامداً و مصلیاً	گواہ شد (۲) ذکریا میاں ملک شیر	گواہ شد (۳) سید داؤد راجی خاں	گواہ شد (۴) سید گدن سعید خاں
شہد بما فیہ (۵) عبد اللطیف علی اصغر کتبہ بخطہ	گواہ شد (۶) سید اسمٰعیل بہکھاری کتبہ بخطہ	شہد بما فیہ (۷) سید حمید عزیز اللہ کتبہ بخطہ	گواہ شد (۸) عبد الصمد سید خاں کتبہ بخطہ
شہد بما فیہ (۹) مولانا لال محمد کتبہ بخطہ	گواہ شد (۱۰) سید سلیمان مجھو کتبہ باذنہ	گواہ شد (۱۱) سید محمود مبارک کتبہ باذنہ	شہد بما فیہ (۱۲) عبد الرزاق امان اللہ حامداً و مصلیاً
گواہ شد کتبہ باذنہ گواہ شد ... کتبہ باذنہ عبد الرزاق ...	شہد بما فیہ سید یحییٰ ابن حسن بانا ملہ حامداً و مصلیاً	ثبت ہذا لخط کتبہ ابراہیم سلیمان نخشبی	شہد بما فیہ سید حبیب حسینی کتبہ بخطہ

مندرجہ بالا دستاویز پر پسران سید سعید خاں کے دستخط (نمبر ۴ و نمبر ۶) ہیں اور اسی دستاویز پر سید مجھو کے بیٹے سید سلیمان کے دستخط (نمبر ۱) بھی موجود ہیں جو مطبوعہ شجرہ کے مطابق سید سعید خاں مذکور کے پردادا سید اسمٰعیل بن سید مجھو کے بھائی ہوتے ہیں پس کسی شخص کے بیٹوں کا اسکے پردادا کا ہمزمانہ اور ہمعصر ہونا جیساکہ مندرجہ بالا دستاویزات کی رو سے اور اس سلسلہ نسب کے مطابق جو مطبوعہ شجرہ میں درج ہے سعید خاں مذکور کے بیٹے ان کے پردادا سید اسمٰعیل کے ہمعصر ثابت ہوتے ہیں محض لغو اور مہمل ہے اس اعتبار سے سادات محلہ لکڑہ اولاد سید ابدال محمد کا سلسلہ نسب جیساکہ مطبوعہ شجرہ میں ظاہر کیا گیا ہے بواسطہ سعید خاں مذکور سید عبدالستار بن سید میر علی سے بھی متصل نہیں ہوتا اس خاندان کی ایک شاخ بریلی میں ہے ان کے یہاں جو سلسلہ نسب رائج ہے وہ یہ ہے سید نذر علی (ساکن بریلی) بن اللہ یار بن علی اکبر بن سید اسمٰعیل بن سید حامد بن سید سعید خاں بن سید مجھو مذکور۔ سید میر علی کے والد کا نام سید یحیٰی محقق ہو جائے اور سید مجھو کو عبدالستار کا بیٹا تسلیم کر لیا جائے تو ساکنان بریلی کے روایت کے مطابق شجرہ حسب ذیل ہوگا:۔

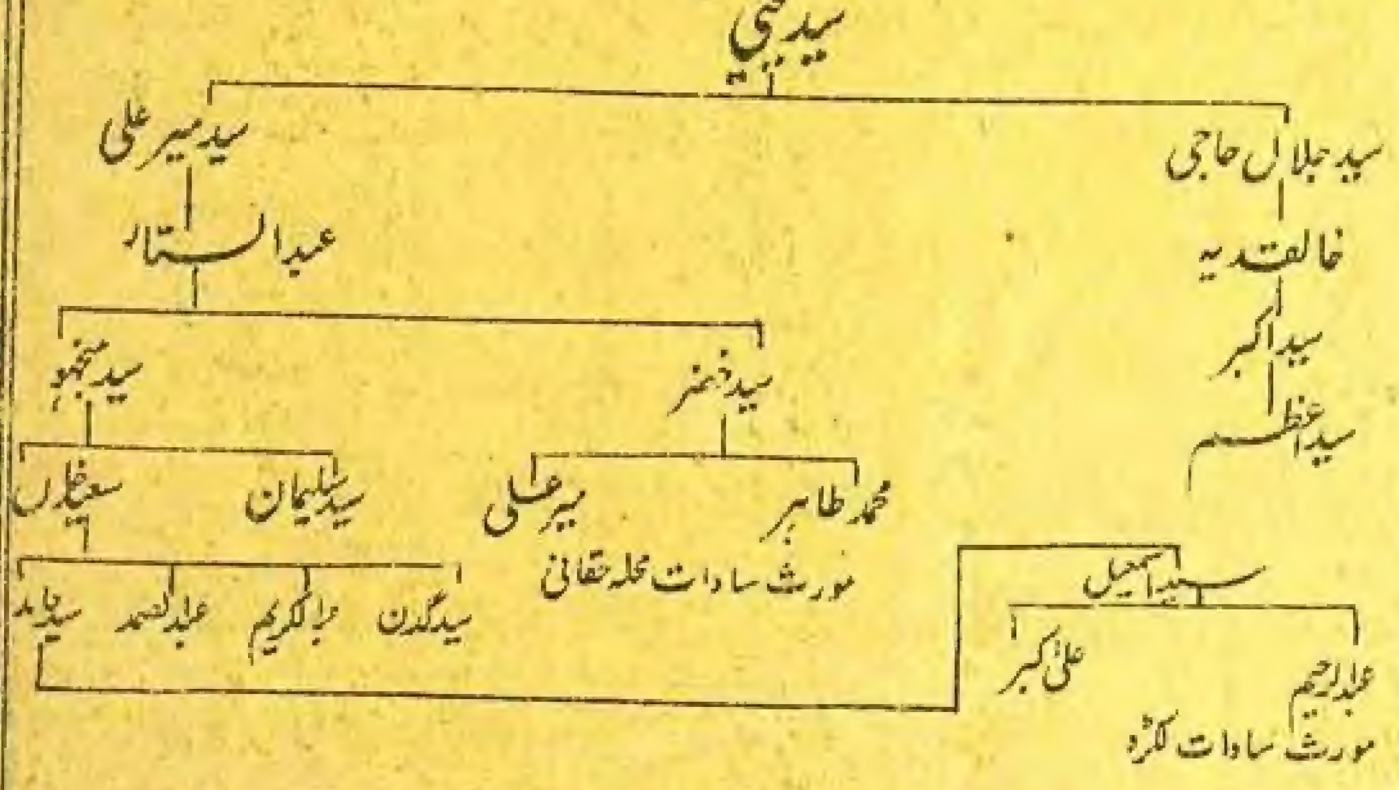

لیکن یہ سلسلہ نسب بھی صحیح نہیں کیونکہ سید خضر جو اس سلسلہ کے مطابق سعید خاں کے چچا ہوتے ہیں ۱۰۳۶ھ میں بقید حیات ہیں اور بہت ممکن ہے کہ اسکے عرصہ بعد تک وہ زندہ رہے ہوں لیکن سعید خاں ۹۰۳ھ سے پیشتر فوت ہو چکے تھے' ان کی اولاد اس زمانہ میں نہ صرف عاقل و بالغ بلکہ

اس وجاہت کی موجود تھی کہ لوگ وشاہزادت پران کی گواہی کراسکتے تھے اور یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ دادا سے پہلے پوتے نہ صرف صاحب عقل وشعور بلکہ صاحب اثر وبا وجاہت ہو جائیں اس لیئے سعید خاں بن سید مجھو کا عبدالستار بن میر علی کا پوتا ہونا بھی ثابت نہیں الغرض سادات محلہ لکڑہ کے مورث سید سعید خاں کے دونوں سلسلہ ہائے نسب منقطع وغیر متصل ہیں اور جیسا کہ ظاہر کیا جا چکا ہے "میر علی خاصہ" سے اوپر کے وسائط نامعلوم ہیں پس ان وجوہ سے یہ سلسلہ نسب شاہ ولایتؒ تک متصل نہیں ہوتا صرف شہرت یا خاندانی روایت کے لحاظ سے ان لوگوں کا شاہ ولایتؒ کی نسل میں شمار ہو سکتا ہے لیکن سلسلہ نسب کے اعتبار سے اس خاندان کو صحیح النسب خاندانوں میں شامل نہیں کیا جا سکتا زیادہ سے زیادہ مشہور النسب کہہ سکتے ہیں ؛

اولاد سید عزیز اللہ سید عزیز اللہ پسر خورد شاہ ولایتؒ کی اولاد کا سلسلہ نسب، جو مطبوعہ شجروں میں درج ہے، باعتبار تعداد وسائط غیر منقطع ومتصل ہے اور اس وجہ سے بمقابلہ ان خاندانوں کے جو شاہ ولایتؒ کے بڑے بیٹے سے اپنا سلسلہ نسب ملاتے ہیں، بالخصوص سادات محلہ لکڑہ کے سلسلہ نسب کے مقابلہ میں جو شاہ ولایتؒ سے متصل نہیں ہوتا سید عزیز اللہ کی اولاد خصوصاً سید محمد میر عدل وسید مبارک کے خاندان کا سلسلہ نسب صحیح اور درست ہے اور اس لیئے اصطلاحاً یہ خاندان صحیح النسب ہیں البتہ عوام میں جو روایت مشہور ہے اور مولف واسطیہ وغیرہ نے بتغیر الفاظ اس کو بیان بھی کیا ہے کہ سید عزیز اللہ کا عقد مناکحت خلجی یا تغلق خاندان کے کسی بادشاہ کی بیٹی سے حضرت شاہ ولایتؒ کے خلاف مرضی ہو گیا تھا اور عزیز اللہ مذکور اپنے گرامی قدر باپ کی بد دعا سے ہلاک ہوئے، شاہزادی جو حاملہ تھی حضرت ممدوح کی خدمت میں مرحومہ حاضر ہوئی اسی اثنا میں حمل ساقط ہوا جو آپ کے ایما سے "ہنڈیا" میں رکھا گیا اور آپ کی دعا سے مدت معینہ پر اس "ہنڈیا" سے جیتا جاگتا بچہ مثل شکم مادر کے برآمد ہوا اس سے نسل چلی جو "ہنڈیا" والے مشہور ہوئے روایتاً غلط بے بنیاد اور درایتاً مہمل وخلاف قیاس ہے. شادی کی روایت بھی زمانہ مابعد کے مہملات وموضوعات سے ہے کیونکہ سید کمال مولف اسرار یہ نے جو اپنی سید عزیز اللہ کی نسل سے

تھے اپنے خاندانی حالات کے سلسلہ میں جو تقریباً ۱۰۶۹ھ میں انہوں نے قلمبند کیئے تھے اس روایت کا اشارتاً وکنایتاً بھی مطلق ذکر نہیں کیا۔ اس بارے میں بسلسلۂ عطائے معافیات تاریخ امروہہ (حصہ اوّل) میں مفصل بحث کی جاچکی ہے۔[۱]

سید عزیز اللہ کے تین بیٹے ہوئے سید محمد ابدال جو لاولد رہے، سید مجد الدین اور سید راجیؔ۔ سید مجد الدین کے بیٹے سید معروف اور انکے سید چاند ہوئے۔ آخرالذکر صوفی مشرب و رقلیل المعاش تھے امروہہ کے قریب موضع بھوجپور میں جا رہے تھے۔ سنبھل کے ایک ذی وجاہت شخص، شیخ عمر شہ سے اتفاق ملاقات کا ہوا ان کی تحریک پر اس موضع کی سکونت چھوڑ کر مع اپنے دونوں بیٹوں سید حامد اور سید اکرم کے سنبھل چلے آئے۔ شیخ موصوف نے اپنی دختر کی شادی انکے فرزند سید حامد سے کر دی اور جہیز میں باغ و حویلی و املاک بھی دیں غرضیکہ اس طرح یہ خاندان سنبھل میں متوطن ہوا۔ صاحب اسرار یہ لکھتے ہیں کہ:۔

بی بی خدیجہ دختر عمر شہ بحبالۂ سید حامد درآمد و ازاں ملر حویلی و باغ و املاک بنام آں بی بی شدہ اتفاق توطن افتاد۔ امروز ازاں باغ چند درخت انبہ ماندہ کہ مشہور بجندل پٹی است و آں حویلی

---

[۱] تاریخ امروہہ (حصہ اول) صفحہ ۲۸۸ پر سلسلہ بحث میں سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے چار بیٹوں کے نام جہاں درج کیئے گئے ہیں وہاں بادشاہ کے چاروں داmادوں کے نام بھی تحریر کیئے گئے ہیں ان میں الغ خاں کے نام میں کتابت کی غلطی سے واو عطف تحریر ہو گیا ہے جس سے بجائے ایک کے دو نام ہو گئے ہیں حالانکہ الغ خاں الماس بیگ ایک ہی شخص کا نام و خطاب ہے، چوتھا نام ملک معزالدین کا ہے بعض لوگ اس کو بھی الغ خاں الماس بیگ ہی کا نام سمجھتے ہیں جو از روئے تحقیق صحیح نہیں۔ حصہ اول کا جو مکمل صحت نامہ بعد طباعت کتاب، جداگانہ شائع کیا گیا تھا اس میں اس کی تصحیح کی جاچکی ہے اور بمزید احتیاط جلد دوم کے ساتھ بھی یہ صحت نامہ شائع ہوا ہے بہرحال سلطان مذکور کے دامادوں کے صرف یہی نام خواہ وہ چار ہوں یا تین یا اس سے بھی زائد کتب تاریخ میں ملتے ہیں بادشاہ مذکور کے کسی داماد کا نام عزیز اللہ یا عبدالعزیز یا عزیز الدین کسی تاریخ و تذکرہ میں نہیں لکھا ہے نہ خاندان تعلق و خلجی کے کسی اور بادشاہ کے داماد کا یہ نام کتب تاریخ میں پایا جاتا ہے۔

ہمیں سید دادہ است ؎

سید حامد کی نسل میں سید کمال ولد سید لال مولف اسرار یہ کا خاندان تھا جس میں اب کوئی فرد باقی نہیں رہا۔ سید حامد مذکور کے بھائی سید فیروز بانی قلعہ فیروز پور کا خاندان ہے۔ سید فیروز مذکور رستم خاں دکنی حاکم صوبہ سنبھل کے معزز عہدہ دار کچھ عرصہ انکے وکیل مطلق رہے، صاحب اسرار یہ کا بیان ہے کہ :-

روزگارے آں امیر رستم خاں دکنی امیر سید فیروز را وکیل مطلق خود کردہ بود و عنان کاروبار سرکار باختیار وے بردہ ؎

سنہ ۱۱۵۰ھ کی ایک تحریر (صورتحال نزد مولف) سے معلوم ہوتا ہے کہ سید فیروز رستم خاں موصوف کے حین حیات ملازمت سے دستکش ہو گئے تھے ؎

چوں دراپائے کہ سیادت و نقابت پناہ دیراں سید فیروز از سرکار غفراں پناہ نواب رستم خاں مرحوم جدا شدہ ؎

ترک ملازمت کے بعد غالباً سنہ ۱۱۵۵ھ میں سرتی اور سنبھل کے درمیان سوت ندی کے کنارے سید فیروز نے اپنی سکونت کے لیے ایک مختصر مگر خوشنما قلعہ تعمیر کرایا جس کی بعض عمارتیں یعنی قلعہ کا عالیشان دروازہ مسجد وغیرہ اب تک موجود ہیں لیکن اکثر عمارات منہدم ہو کر یہ قلعہ جو تقریباً نصف صدی پیشتر آباد تھا ویران و سنسان ہو گیا اور اب یاد رفتگاں میں مرثیہ کناں ہے سالگذشتہ خاکسار مولف نے اس مقام کو بچشم خود دیکھا تھا۔ سید فیروز کی نسل میں یہ روایت مشہور تھی کہ کوئی دفینہ قلعہ کے کسی مقام پر مدفون ہے بعض لوگوں نے اس کی تلاش میں عمریں صرف کر دیں جگہ جگہ سے زمین کھدوائی گئی دفینہ تو ہاتھ نہ آیا آبائی جائیداد البتہ ہاتھ سے نکل گئی، قلت معاش سے یہ لوگ پریشان روزگار ہو کر جابجا منتشر ہو گئے حکومت نے بھی کسی پتھر پر کندہ شدہ ایک تحریر کی بنا پر دفینہ کی تلاش میں اکثر مقامات سے زمین کھدوائی مگر دفینہ کا پتہ نشان نہ ملا اس وجہ سے اس مقام پر اور بھی ہو کا عالم ہے لیکن بانی قلعہ کی حیات میں جو حالت چہل پہل کی تھی اس کو صاحب اسرار یہ کے الفاظ میں سنیے :-

چہ جا ہاے خوشش وارد وچہ عمارات دباغ دلکش' ایں رباعی آنجا (فیروزپور) گفتہ شدہ ؎

فیروزپور است یا کہ فردوس بریں — معمورۂ ہند گشتہ و فخر زمین

ہر قصرے از قصر جہاں دارد نشاں — ہر باغ وے از باغ ارم بردہ رہین

قلعہ کے باغ کا کیوڑہ اس نواح میں اب تک مشہور ہے حالانکہ باغ کا صرف ایک کنواں اور چند درخت باقی رہ گئے ہیں سید فیروز کو حسب فرمان مجریہ ۲ شہر صفر ۲۳ سنہ جلوس شاہجہانی ایکہزار بیگہ اراضی مدد معاش میں ملی۔ فرمان مذکور کی ابتدائی عبارت یہ تھی:-

چوں عمدۃ الملک رستم خاں بہادر فیروز جنگ بعرض مقدس معلی رسانید کہ سید فیروز نوکراں فدوی ہموارہ درخدمات بادشاہی (درہ بندہ درہ) خلایق پناہ مصدر تردہ گشت و در لیاق توران و ایران ہمہ جا حاضر بودہ و تردّدات نمایاں بظہور آوردہ امیدوار ست کہ موازی یکہزار زمین نخچہ وطن از پرگنہ سنبھل سرکار دریاے سوت نزدیک پل بہ او با فرزندان مرحمت شود الی آخرہ

سید فیروز نے اپنے معمرہ قلعہ کے تہ خانہ میں جو خزانہ دفن کیا تھا اس کی تفصیل ایک پتھر پر کندہ ہے یہ پتھر لکھنؤ کے میوزیم میں موجود ہے وہ عبارت یہ ہے" دوازدہ لک درم مع گوہر و جواہر و ۲ دو قبضہ شمشیر در پیش محل اندرون تہ خانہ نہادند۔ سید فیروز ۴ شعبان سنہ ۲ جلوس۔

امروہہ میں سید علی ذکی ولد سید علی نقی کا خاندان کچھ عرصہ سے اقامت گزین جو اپنے کو سید فیروز کی نسل میں بتاتے ہیں انکے بھائی سید علی سخی جنہوں نے اپنا نام بدر الوحید تبدیل کر لیا ہے ریاست ٹونک میں ملازم مذہباً سنّی ہیں انکے فرزند سید علی ریاست رامپور میں افسر خزانہ ہیں۔

سید مجدالدین کے دوسرے بھائی سید راجی بن سید عزیز اللہ مذکور کے ۲ دو بیٹے بیان کیے جاتے ہیں ایک سید یاسین جن کی نسل میں ارزانی پوتہ ساکنان محلہ بنگلہ کا خاندان مشہور ہے اور دوسرے سید منتجب سید یاسین کی اولاد میں بعد چند واسطوں کے ۲ دو خاندان متفرع ہوئے ایک سید حاتم بن سید عبدالرحیم کا اور دوسرا انکے برادر حقیقی سید باقر کا۔ سید حاتم کے مکانات محلہ چھبوڑہ میں تھے جو منہدم ہو کر نیست و

نابود ہوئے اس نسل میں مولوی حاجی سید امداد علی بن سید امام بخش صاحب صلاح دلقوی مرید خاص حضرت شاہ عبدالحق مولانا امام الدین نخشبی کے داماد سُنی مذہب تھے محلہ نخشبی میں ساکن تھے انکے بیٹے نسیم اولاد حسن کے اولاد نہ ہوئی. مولوی امداد علی کے بھائی سید سردار علی نے جبلپور میں سکونت اختیار کرلی تھی انکے بیٹے سید ناظم حسین و اعجاز حسین و ظہور حسین وہیں سکونت رکھتے ہیں اسی نسل میں اُستاد ولادر علی وغیرہ کا خاندان محلہ چھپرہ میں ساکن ہوا جس میں سید خورشید حسین سید ممتاز حسین پسران سید نثار حسین اور سید ابراہیم علی بن شہریار علی بن شہسوار علی بن استاد سرفراز علی مذکور کا خاندان ہے:

سید باقر بن سید عبدالرحیم مذکور کے دو فرزند تھے ایک سید ابوالخیر جنکے بیٹے سید عمر[۹۱] نے محلہ دانشمندان متصل جہاں اب اُسکے ایک حصہ میں مفتی کی عمارت ہے پختہ احاطہ کھینچکر مکانات مسکونہ تعمیر کرائے تھے مگر بسبب لاولد ہونے کے وہ مکانات منہدم ہوکر نیست و نابود ہوگئے لیکن اس مقام کا ایک حصہ کچھ عرصہ پیشتر تک "عمر کے گھیر" سے موسوم و مشہور رہا. دوسرے بیٹے سید باقر موصوف کے سید چھوٹے تھے جنکے کئی بیٹے ہوئے ان میں سے ایک بیٹے محمد تقی کے چار بیٹے سید جواد. سید داؤد و شاہ محمد اور عطا نظام الدین ہوئے. سید داؤد کی نسل سے جنکا نام بعض تحریرات میں علی داؤد بھی لکھا ہے اور بعد میں علی داد ہوگیا ساکنان محلہ نگینہ ہیں. انکے بیٹے محمد باقر کی اولاد میں انور حسن وغیرہ پسران ضیا علی بن شرافت علی محلہ چھپرہ میں ساکن ہیں تیسرے فرزند شاہ محمد کی نسل میں ایک خاندان محمد شاہ کا ہے جس میں کچھ لوگ اپنے آبائی مذہب سنت والجماعت کے متبع رہے انکے فرزند سید ابن علی جو محلہ کوٹ میں جا رہے ہیں مذہباً سُنی ہیں انکے دوسرے بھائی محمد شریف بن محمد شاہ کا بیٹا محمد تبارک عرصہ انگلستان میں مقیم ہے دوسرا خاندان نبی بخش فلسفی کی اولاد کا ہے جس میں نجم الحسن و سید مختار احمد و سید ابرار احمد وغیرہ ہیں:

سید نجیب بن سید راجی بن سید عزیز اللہ مذکور کی نسل میں باعتبار تعداد اور اعزاز و اقتدار اولاد حضرت شاہ ولایت[۹۲] سب سے زیادہ ہے. اس نسل کا تفصیلی تذکرہ منصبداران امروہہ کے ضمن میں کیا گیا ہے

---

[۹۱] صاحب تاریخ اصغری نے ان کو سید علی داد بن محمد تقی نبیرہ سید باقر کا بیٹا لکھا ہے جو صحیح نہیں ۱۲

[۹۲] ملاحظہ ہو جلد سوئم تاریخ امروہہ ۱۲

شجرہ اولاد سید شرف الدین حسن شاہ ولایتؒ امروہہ

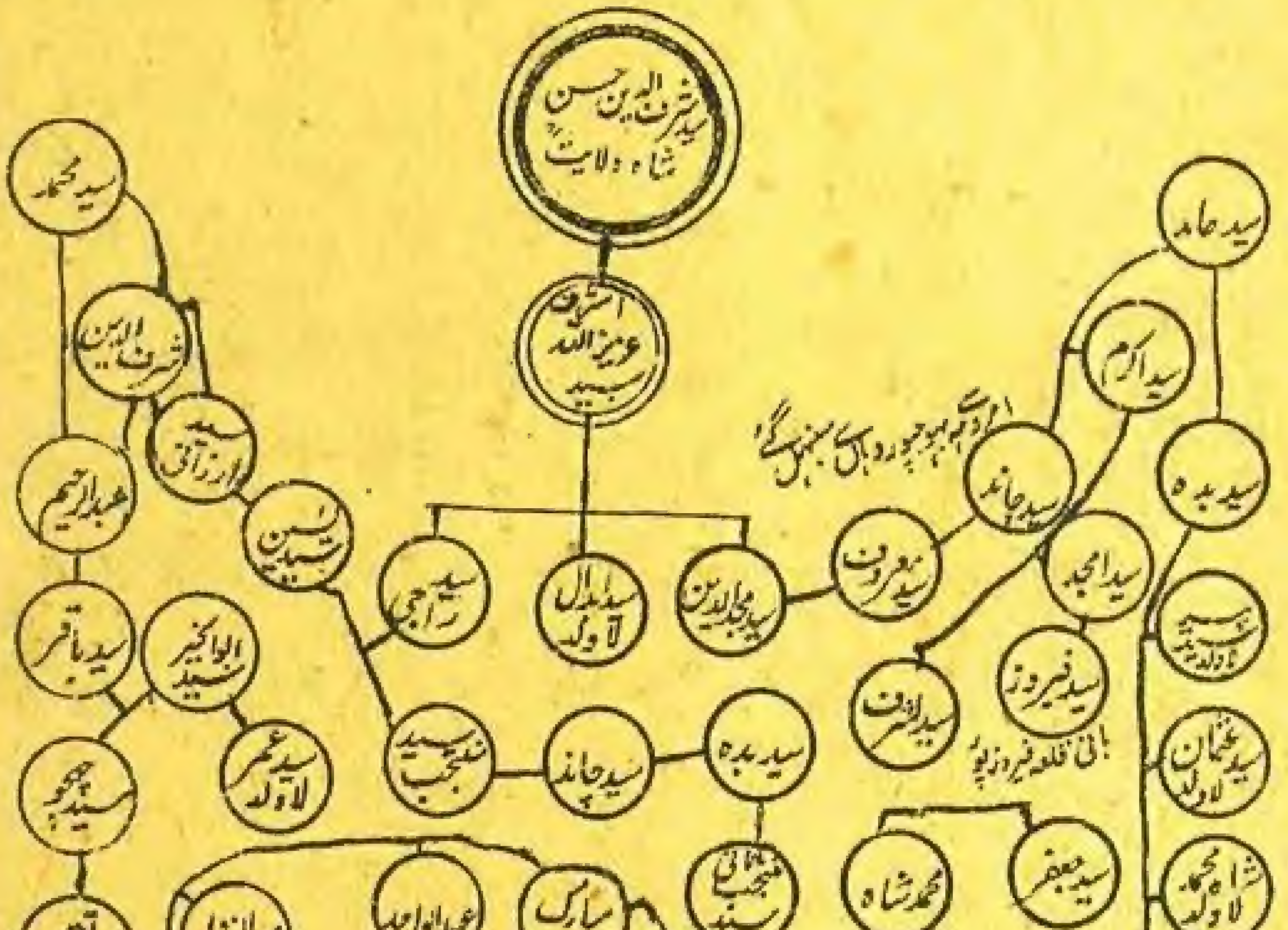

شجرہ اولاد سید غلام مرتضیٰ بن سید دیوان محمود بن سید عبدالماجد بن سید عبدالخالق بن سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل

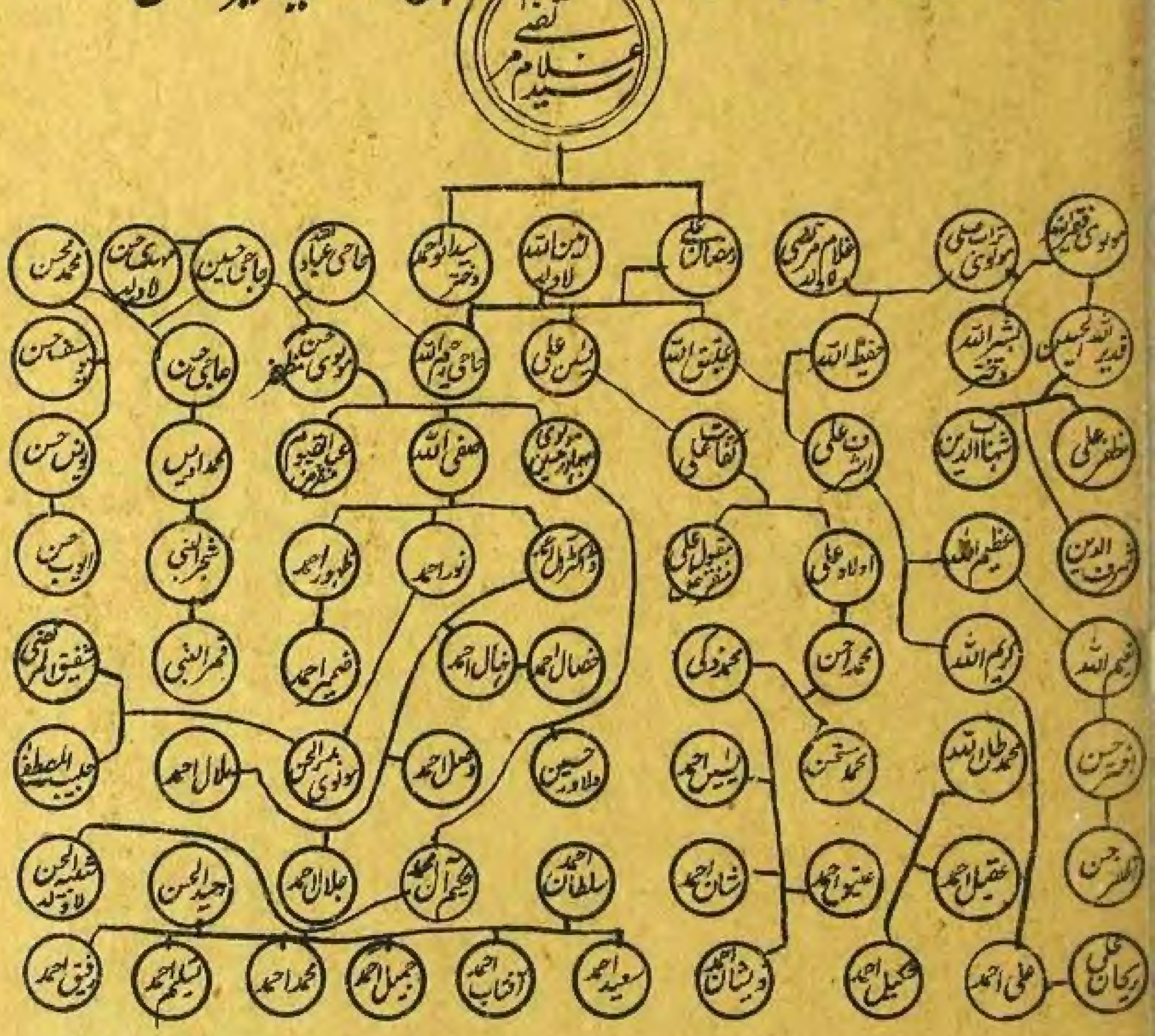

شجرہ اولاد سید محمد باقر بن سید عبد الرحیم نبیرہ سید ارزانی

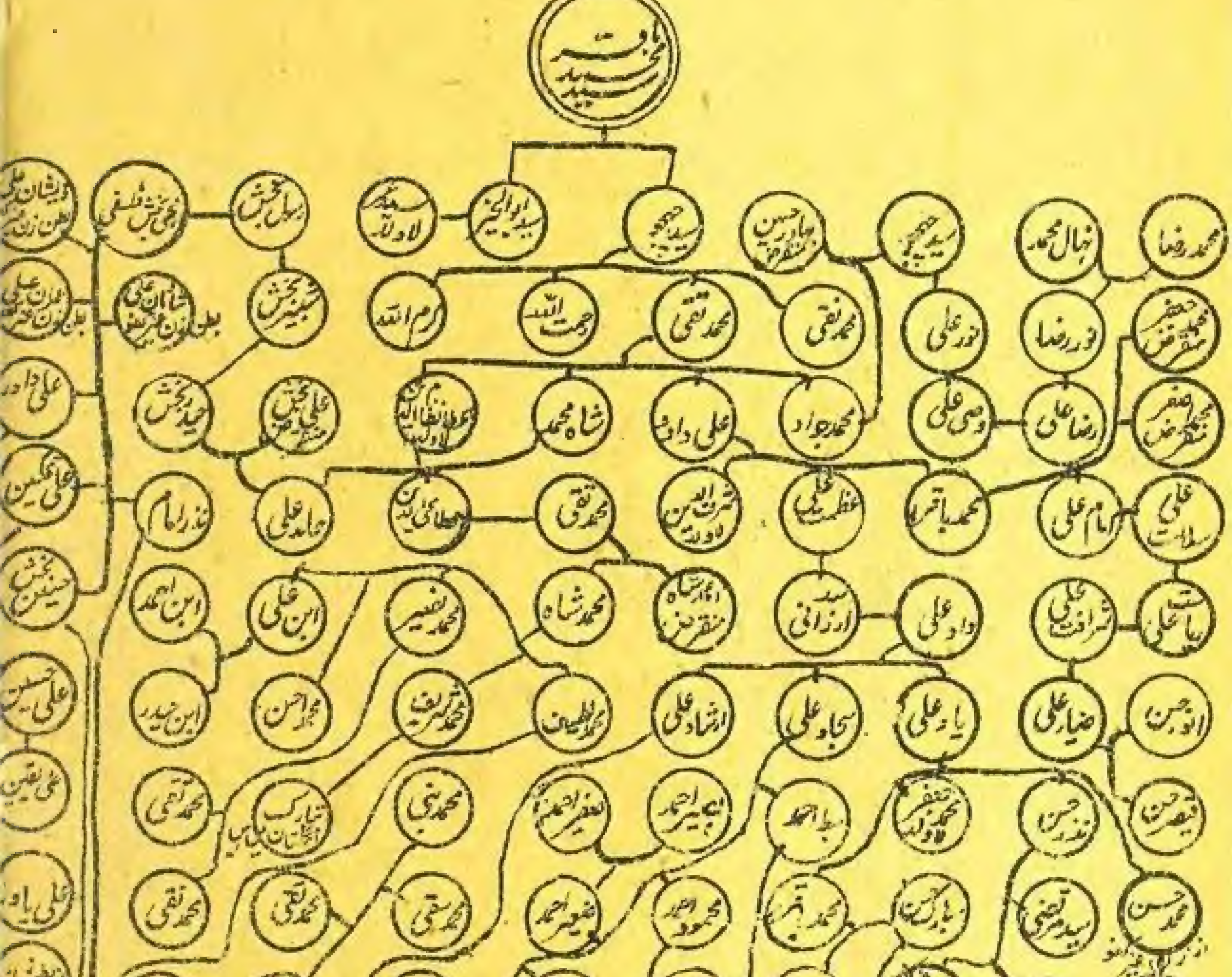

شجرہ اولاد سید ابوالفضل بن

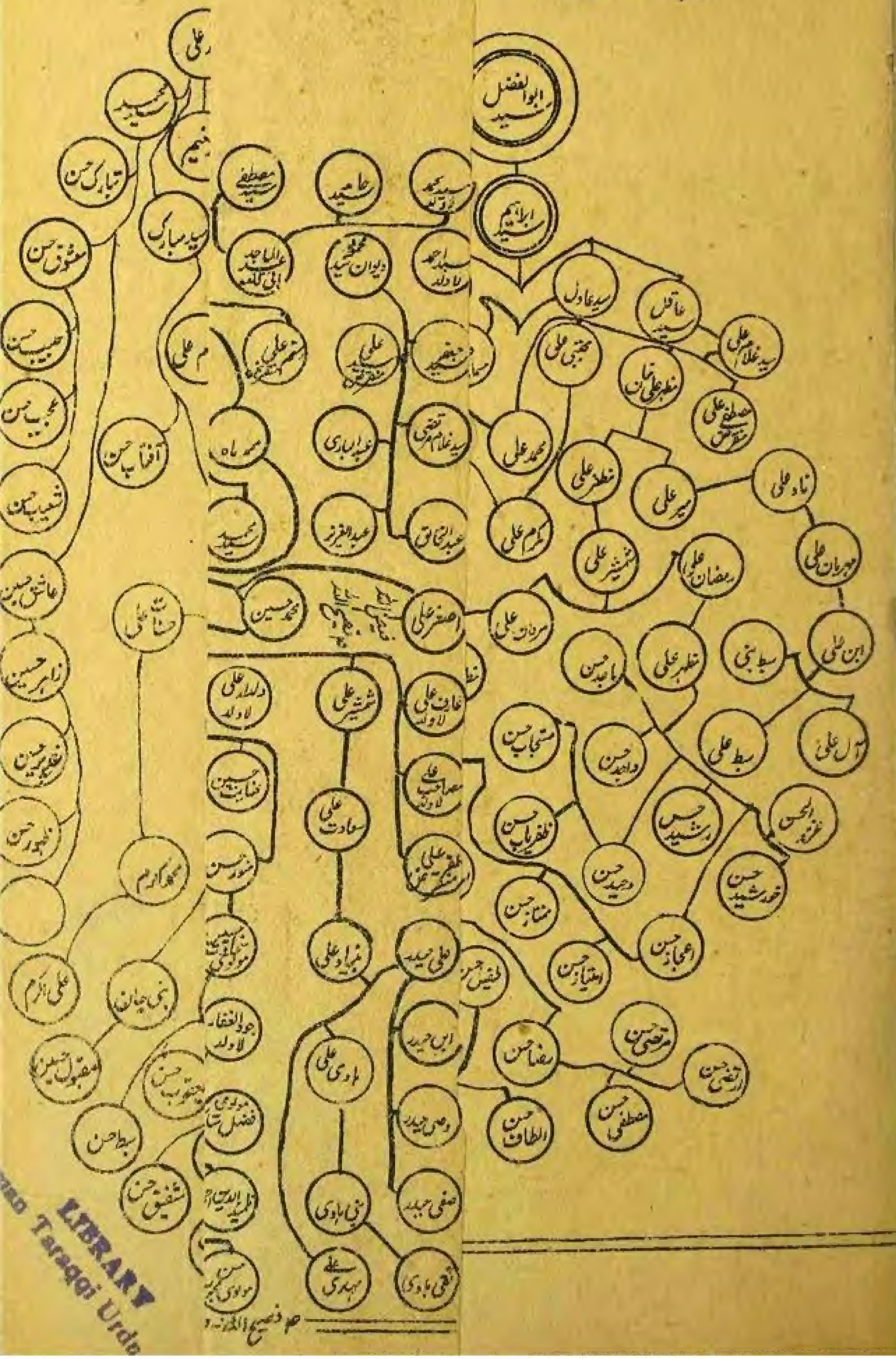

LIBRARY
Taraqqi Urdu

شجرہ اولاد سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل

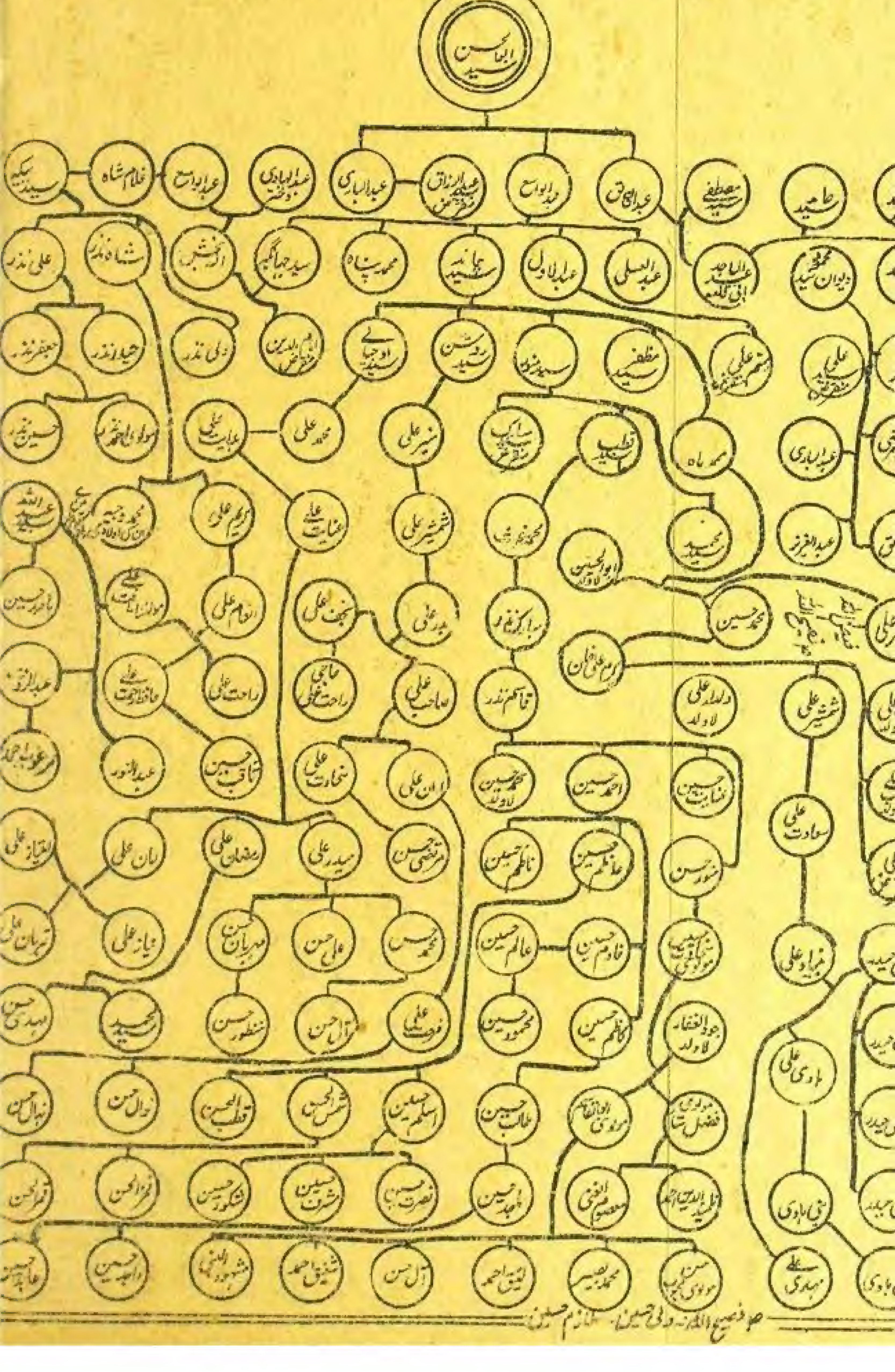

شجرہ اولاد دیوان سید محمود بن سید عبدالماجد

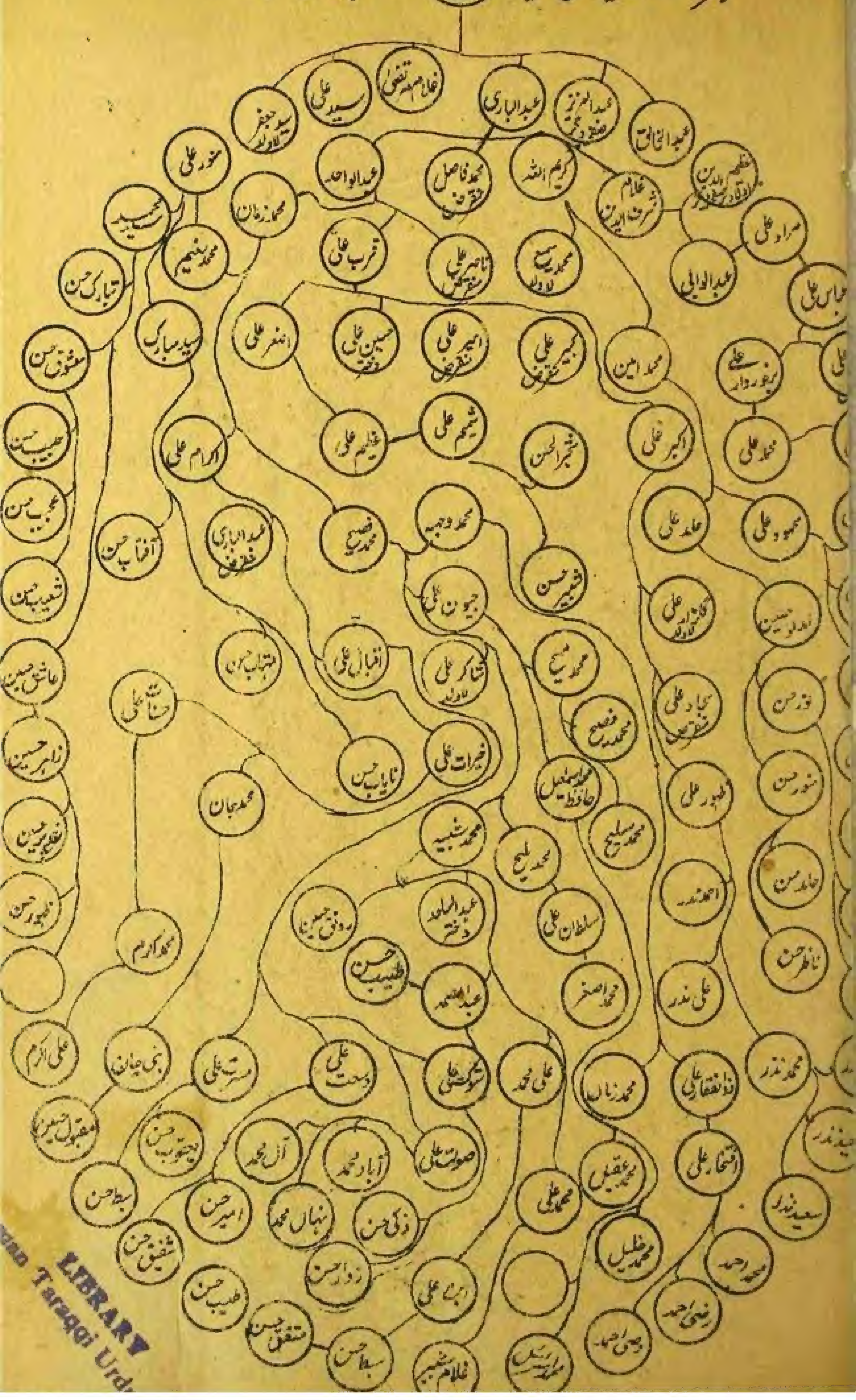

LIBRARY
... Taraqqi Urdu

شجرہ اولاد سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود

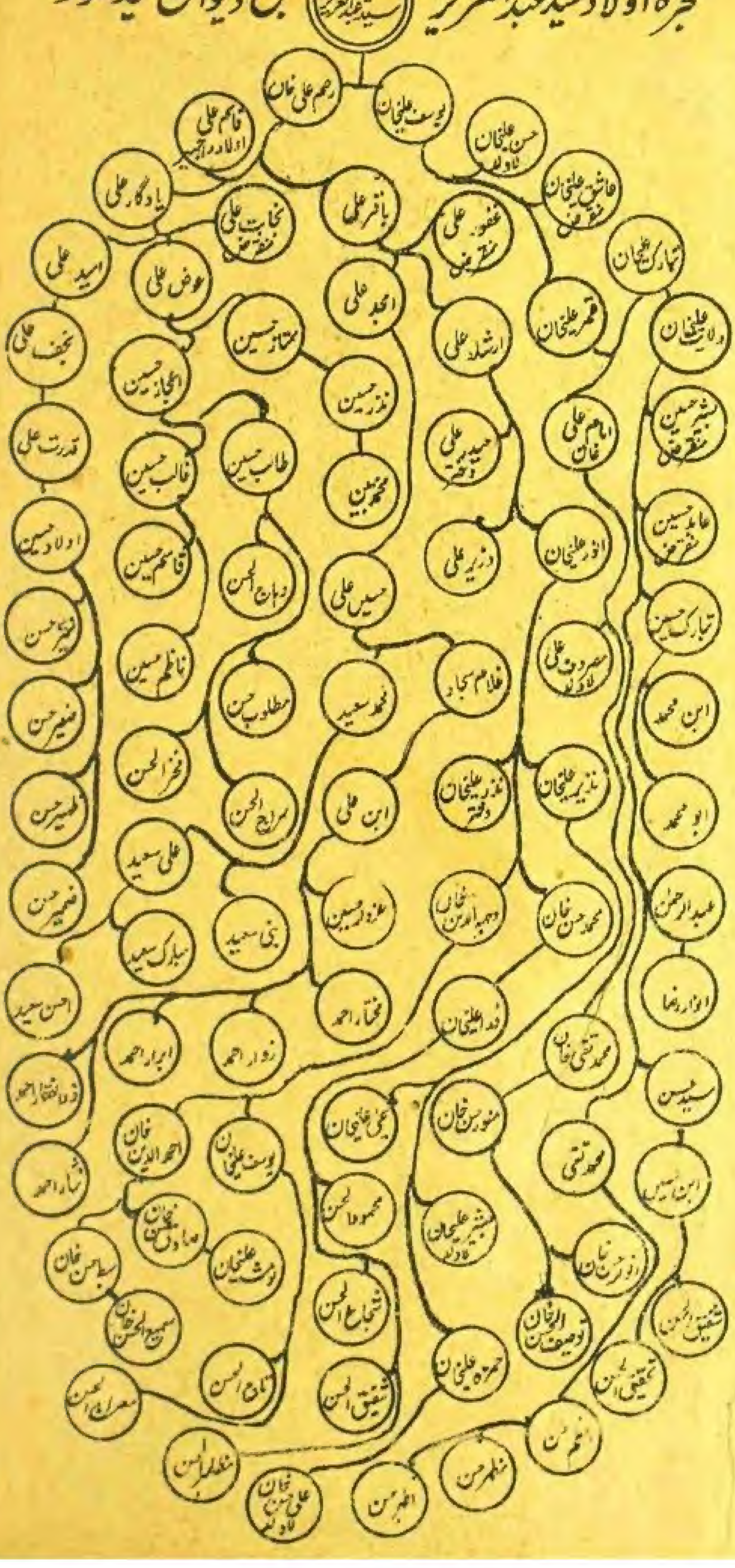

شجرہ اولاد سید دوست علی بن سید عظیم الدین ساکنان محلہ گنگوئی

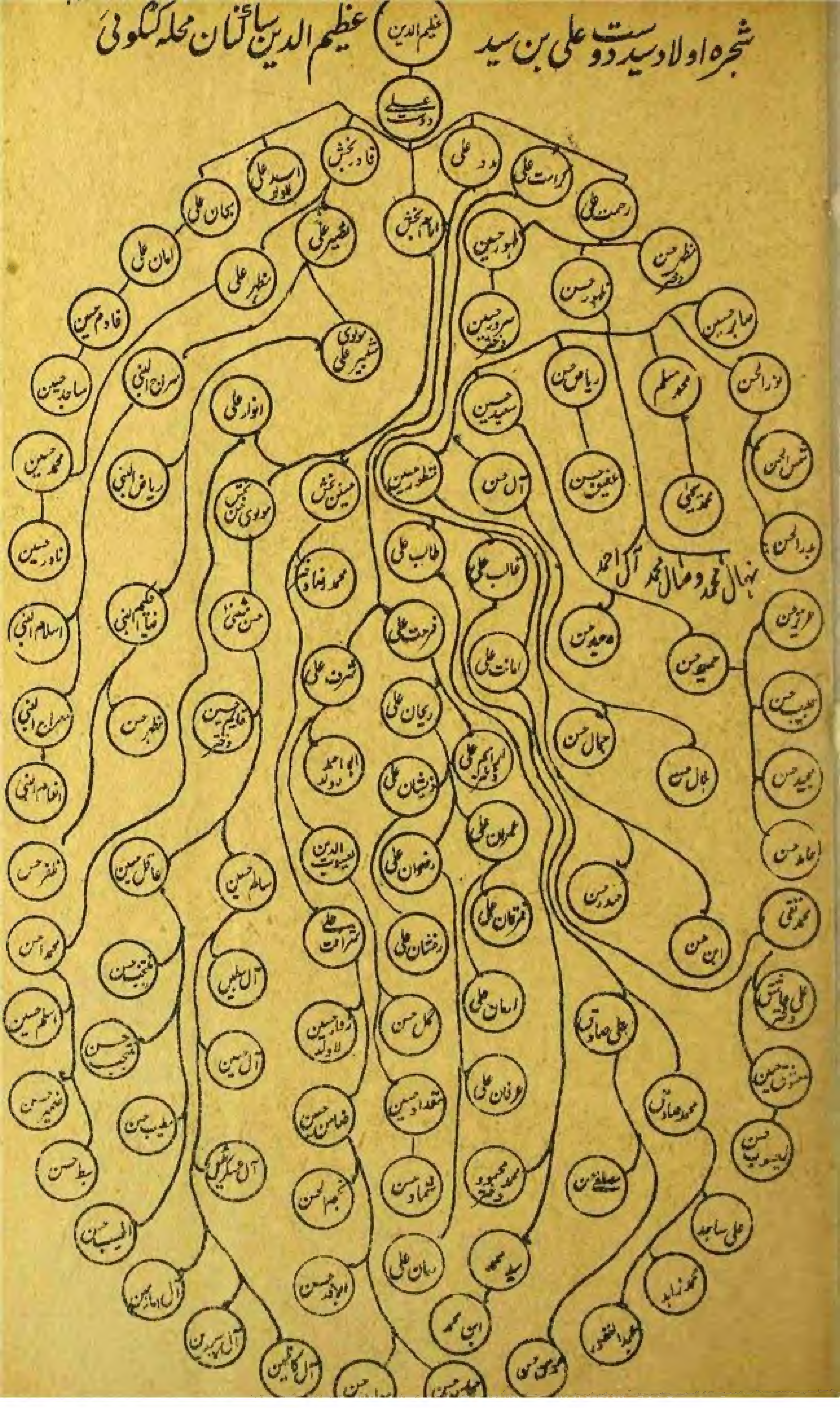

شجرۂ اولاد سید مبارک (سید مبارک) بن سید منتجب

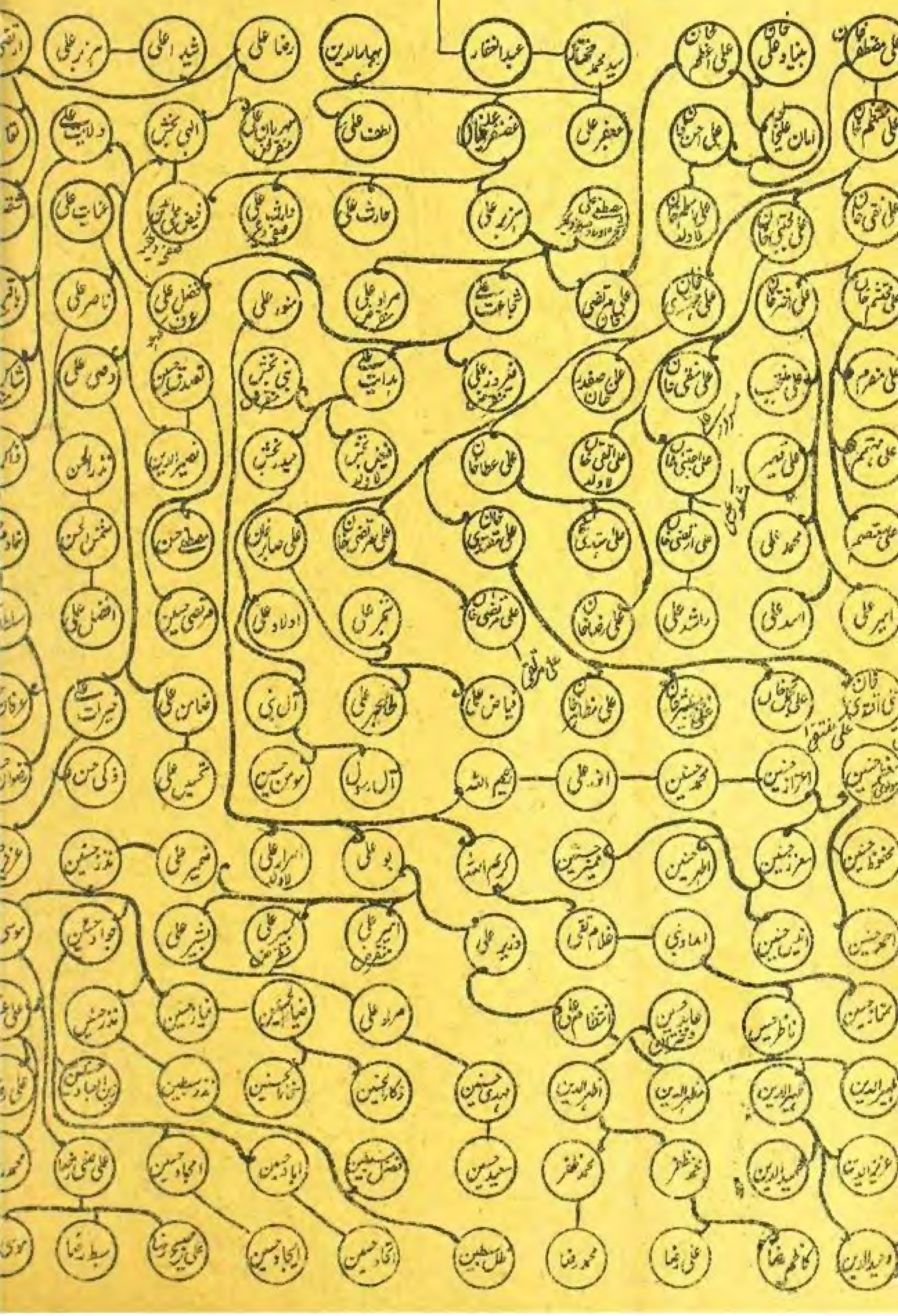

شجرۂ اولاد سید راجو بن سید محمد صادق شہید ہزبر علی

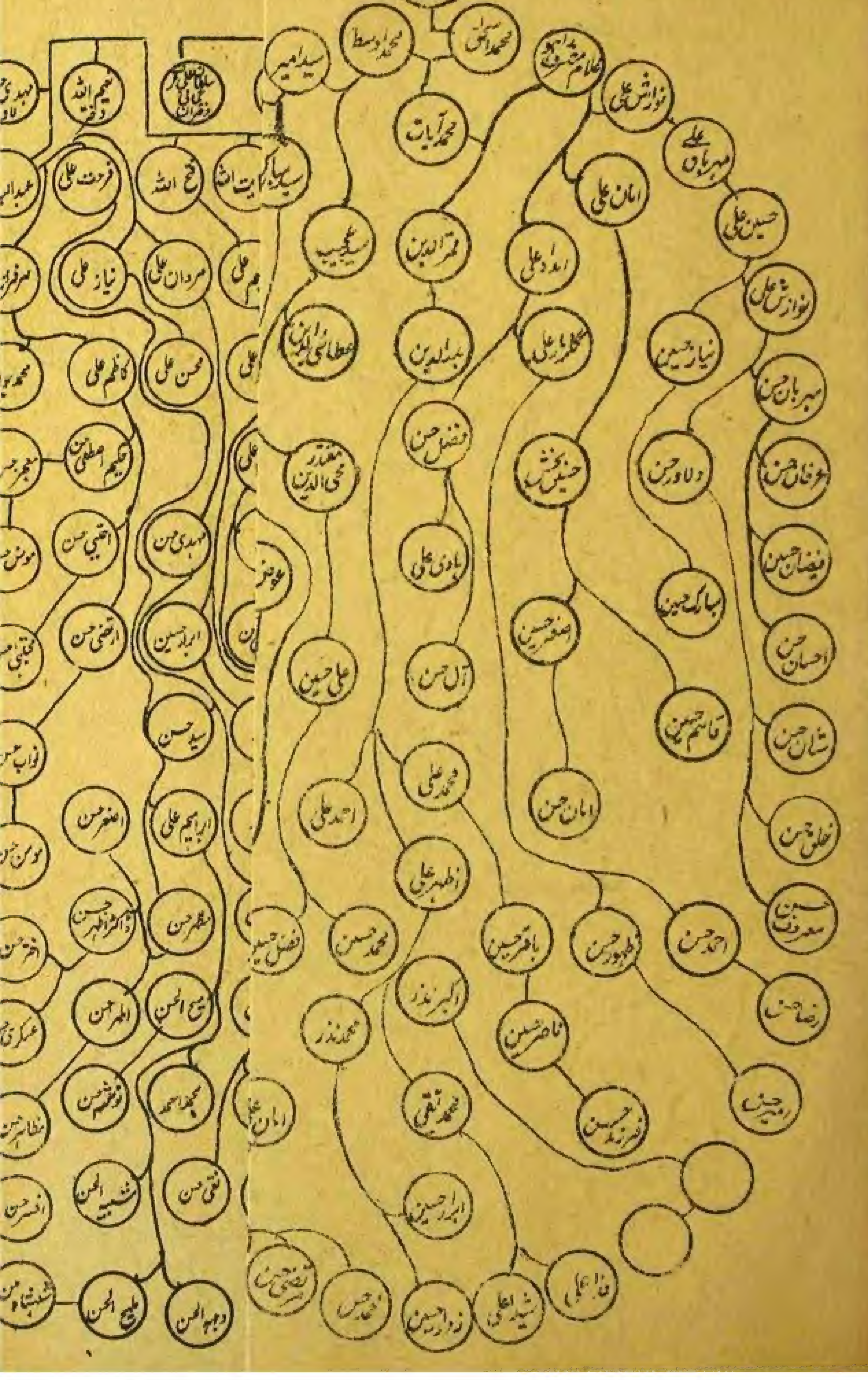

شجرہ اولاد سید غضنفر علی بن سید محمد مختار نبیرہ سید مبارک

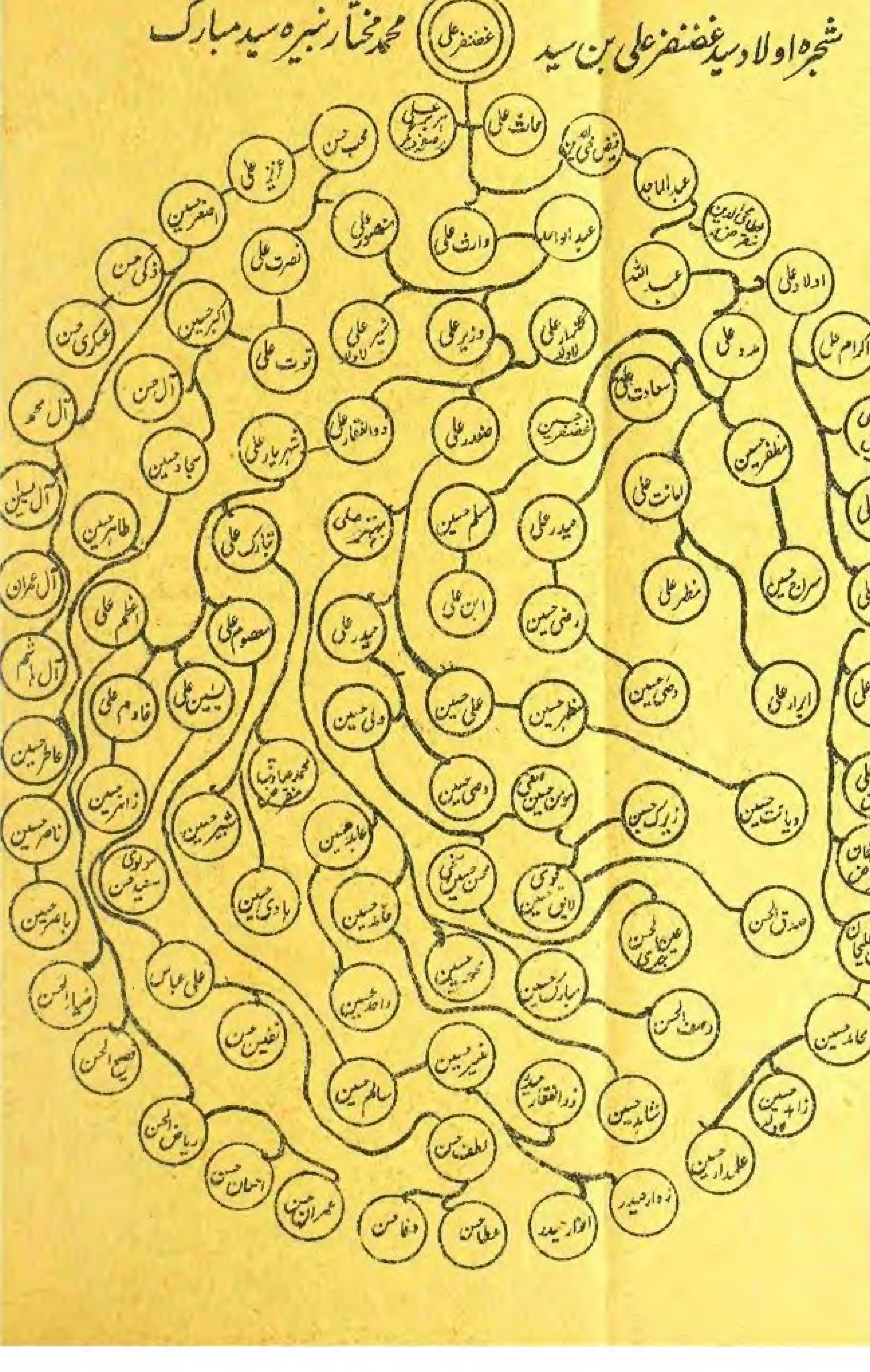

شجرہ اولاد سید مصطفیٰ علی بن سید ہزبر علی

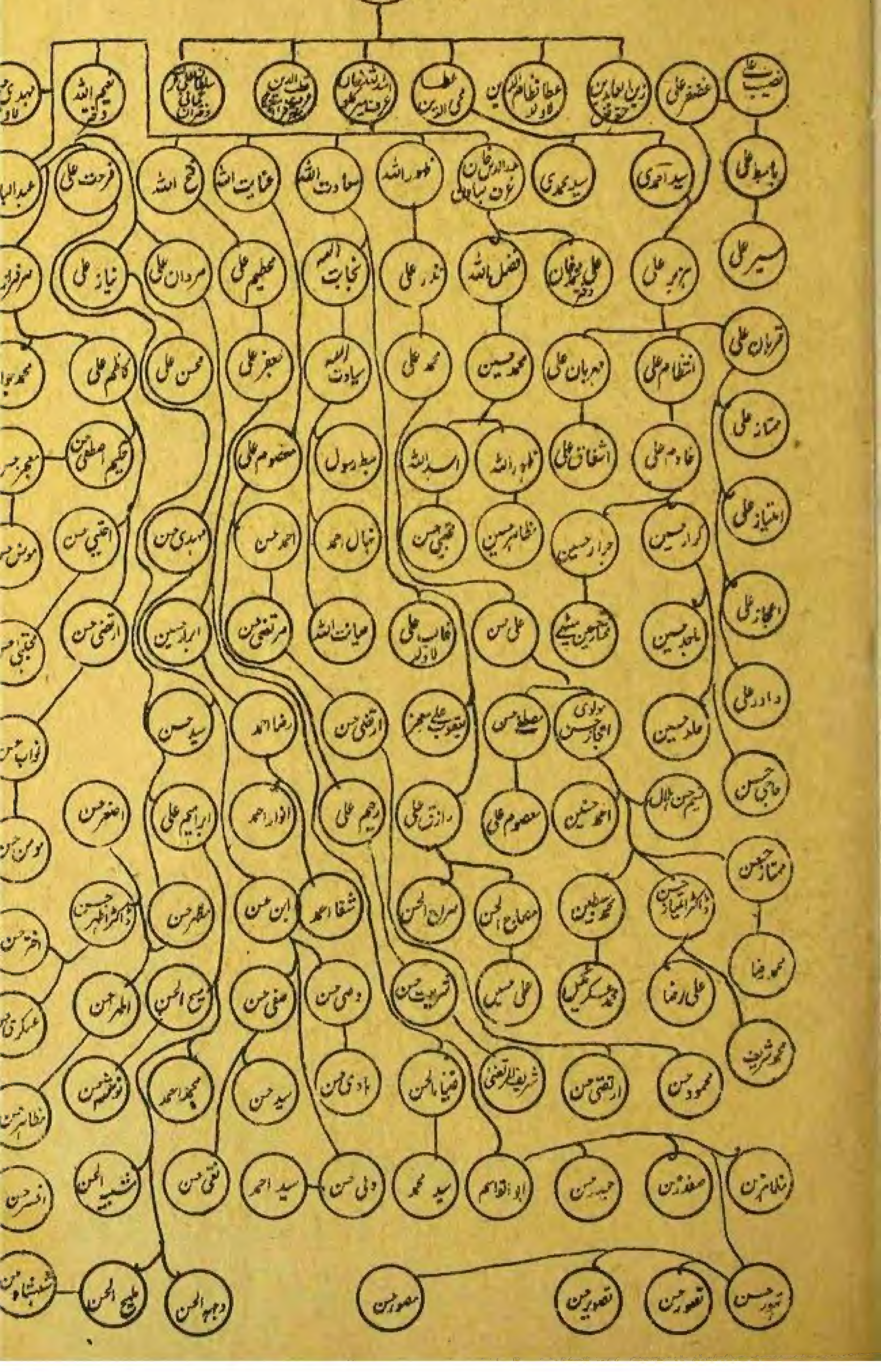

شجرہ اولاد سید وجیہ بن سید ابابکر بن سید محمد بن قاضی سید امیر علی

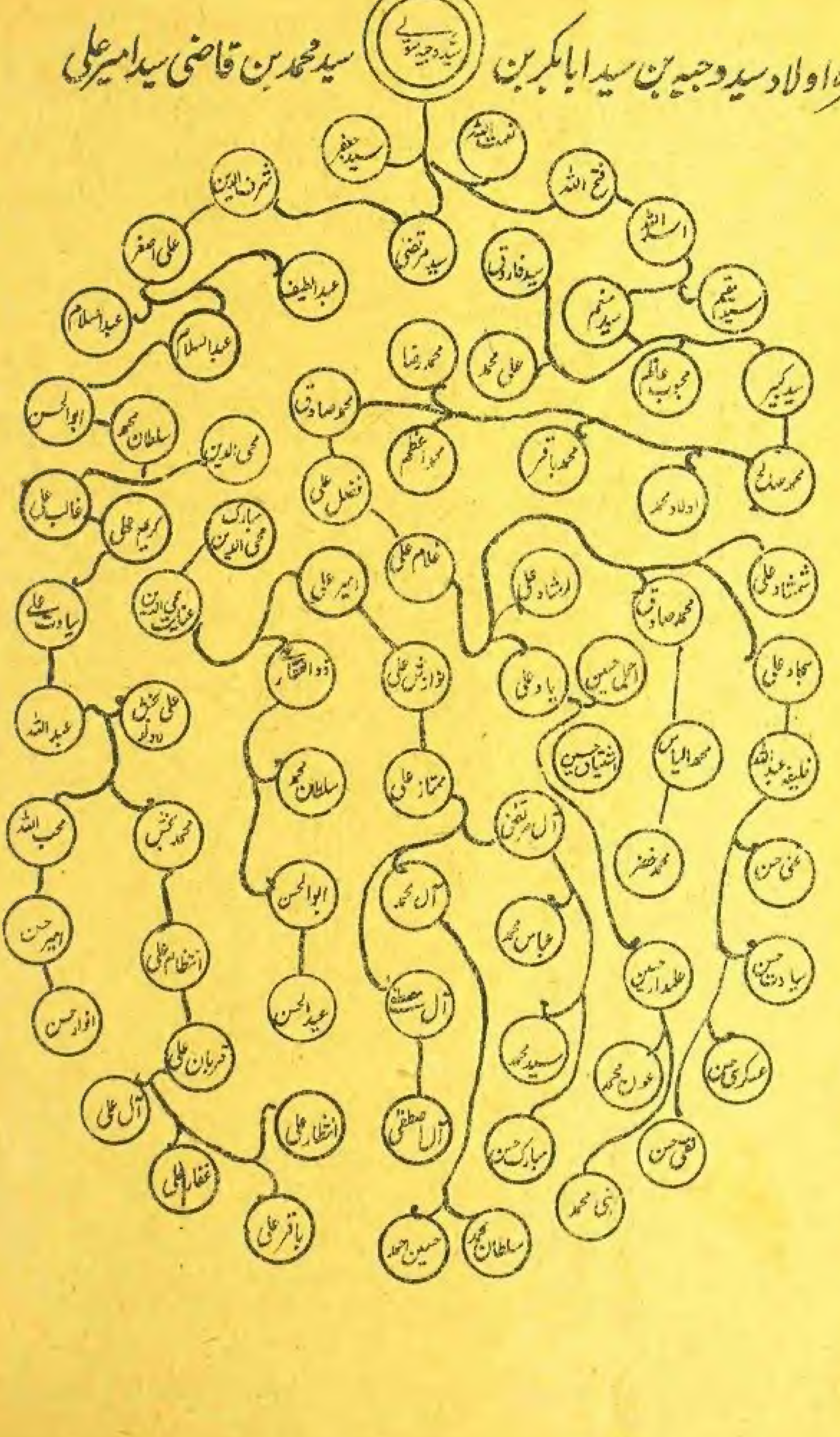

قاضی زادگان

اس خاندان کے مورث اعلیٰ سید بدہ علوی الحسینی تھے ان سے اوپر کا سلسلہ نسب تحقیق نہ ہوسکا تاریخ واسطیہ کی اشاعت کے زمانہ یعنی ۱۳۲۲ھ سے پیشتر تک قاضی زادگان کے سن رسیدہ حضرات اپنے کو سید شرف الدین حسنؒ کے بھائی کی اولادیں کہتے تھے مگر عام طور ان لوگوں کو شاہ ولایتؒ کے خاندان سے جدا سمجھا جاتا تھا۔ مولف واسطیہ نے جو نسباً قاضی زادگان سے تھے اپنی جدت طرازی سے اپنے خاندان کا سلسلہ نسب شاہ ولایتؒ کے بڑے بیٹے قاضی امیر علی سے جا ملایا ہے جو از روئے تحقیق صحیح نہیں۔ اس خاندان کے نسبی حالات پر غور کرنے وقت غالباً یہ مناسب ہوگا کہ ان بیانات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو تاریخ واسطیہ کے علاوہ امروہہ کی دیگر کتب تاریخ و انساب میں وقتاً فوقتاً انکے نسب کے متعلق تحریر کیے گئے ہیں۔

نام کتاب ومصنف وسنہ تالیف	عبارت
(۱) خلاصۃ الانساب مولفہ سید ارشاد علی راقم سنہ تالیف ۱۲۸۶ھ	اب شروع کرتا ہوں حسب و نسب سادات قاضی زادگان امروہہ کے کہ اظہار انکے سے پایا جاتا ہے اور یہی راویان صادق الروایات سے خوب معلوم ہوا کہ یہ صاحب اولاد سید محمود نام کے کہ بھائی حضرت ولایت آئے ہیں، کہ وہ اپنے بھائی سید شرف الدین صاحب سے پیشتر تشریف فرمائے خطہ امروہہ کے ہوئے اور ایک صورت ریاست کی پیدا کی۔ الی آخرہ۔
(۲) آئینہ عباسی مولفہ مولوی محب علی خاں عباسی سنہ تالیف وطباعت ۱۲۹۱ھ	ایک گروہ ملقب بہ قاضی زادہ۔ انکے بزرگ پہلے سید صاحب یعنی سید شرف الدین حسنؒ سے باہمراہ یہاں آئے اور سید صاحب سے عقیدت حاصل کی۔ صفحہ ۲۳
(۳) تاریخ اصغری مولفہ سید اصغر حسین نقوی	میر علی بزرگ جو قاضی القضات ہند (۹) تھے اور اپنے سبب

سال طباعت ۱۸۸۹ء

ان کی اولاد ملفظ قاضی زادہ فخریہ مشہور ہوئی۔ انکے بیٹے سید محمود سالار جو سید شرف الدین کے حقیقی بہائی تے بعد وفات اپنے پدر بزرگوار کے منصب قضا پر سرفراز ہوئے کہ ان کی اولاد میں نسلاً بعد نسلاً (؟) یہ عہدہ چلا آیا صفحہ ۱۳۲

(۴) نخبۃ التواریخ مولفہ مولوی آل حسن نخشبی سنہ طباعت ۱۲۹۷ھ

قاضی زادوں کا تذکرہ شاہ ولایتؒ کے خاندان سے جداگانہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

فصل دویم. در ذکر اعقاب سید محمود سالار کسیکہ از اولادش تا حال معقب است ابوالقضاۃ قاضی خداد بہ المعروف بقاضی سون بر سن بن سید علاء الدین بن سید برے بن سید ظہور الدین بن سید حسین بن سید محمود سالار است صفحہ ۵۵

(۵) بیاض مولوی سید اعجاز حسن

تا ایندم سن رسیدہ حضرات قاضی زادہ نیز میگویند کہ ما از اولاد برادر صاحب ولایت ہستند:-

برخلاف ان بیانات کے مولف واسطیہ اپنی تالیف مطبوعہ ۱۳۲۲ھ میں فرماتے ہیں کہ:-

"مخفی نہ رہے کہ سید میر علی بزرگ (؟) بن مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایتؒ حسب تحریر مورخین کتب (؟) ثمرات القدس و اسراریہ و جام جہاں نما و رسالہ سراج الدین احمد وغیرہم اقضی القضات ہند (؟) تھے بعضوں نے لفظ قاضی بھی لکھا ہے۔ انکے تین (؟) پسر عالی قدر تھے۔ اول سید محمود دویم سید شرف الدین ملقب بہ جہانگیر سویم سید تاج الدین۔ بعد وفات سید میر علی بزرگ (؟) ممدوح کے سید شرف الدین جہانگیر عہدہ منصب امر (؟) قضا پر بجائے والد ماجد خود باصرار سلطان زماں مقرر ہوئے انہوں نے منصب امر (؟) قضا کو اپنے بڑے بہائی سید محمود ممدوح کو دیدیا اور خود ترک دنیا کرکے بارادۂ عبادت رب العزت پہاڑ کو چلے گئے" کتب مذکورہ میں مورخین نے یہ حکایت متفق اللفظ بزبان فارسی تحریر کی

ہے برائے تصدیق بیان مذکور اصل عبارت کتاب اسراریہ سے نقل کی جاتی ہے، بحالت اتفاق مورخین ہر کتاب کی نقل جدا جدا کرنی موجب طوالت ہے" صفحہ ۳

اسکے بعد مولف واسطیہ نے وہ "اصل عبارت" نقل کی ہے جو صاحب اسراریہ نے بتغیر الفاظ ثمرات القدس کے حوالہ سے اپنی کتاب میں درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قاضی امیر علی (پسر شاہ ولایتؒ) کی خبر وفات سنکر بادشاہ وقت نے دریافت کیا کہ متوفی نے کیا اولاد چھوڑی ہے، جواب میں بتایا گیا کہ دو بیٹے چھوڑے ہیں جن میں سے ایک یہاں (دہلی) میں ہے اور دوسرا امروہہ میں۔ (اس موقع پر صاحب اسراریہ نے ثمرات القدس کی "اصل عبارت" نقل کرتے وقت چند الفاظ ترک کردیئے ہیں اصل و نقل دونوں عبارتوں میں بالمقابل درج کیا جاتا ہے،

عبارت اصل کتاب ثمرات القدس	عبارت جو کتاب اسراریہ میں نقل ہوئی
(بادشاہ گفت) از وے ہیچ خلفے ماندہ گفتند دو فرزند یکے از آں درشہر (یعنی دہلی) است و دیگرے درامروہہ و آنکہ در شہرست دریں نزدیکی تحصیل خود را تمام کردہ تعریف کمالات اوے را بسیار کردند	(بادشاہ) گفت از وے ہیچ خلفے ماندہ گفتند دو پسر است از آں یکے اندریں شہر است از تحصیل علوم فارغ شدہ و تعریف کمالات وے بسیار کردند۔

خط کشیدہ الفاظ ترک ہوگئے یا ان میں تغیر ہوگیا تاہم یہ امر دونوں عبارتوں سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ قاضی امیر علی مذکور کے صرف دو بیٹے تھے نہ تین جیساکہ مولف واسطیہ نے عمداً غلط بیان کیا ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے بہر حال روایت میں اسکے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے قاضی مذکور کے اس فرزند کو جو دہلی میں تھے یعنی سید شرف الدین جہانگیر کو اپنے پاس بلایا خلعت و فرمان عہدہ قضا کا عطا کیا جو انہیں قبول نہ تھا لیکن اولی الامر کے اتباع حکم میں خاموش ہورہے اور دہلی سے امروہہ کو روانہ ہوئے ادہر سے اُنکے بھائی بھی اسی غرض سے دہلی جارہے تھے۔ راستہ میں کسی مقام پر دونوں بھائیوں کی مڈبھیڑ ہوئی سید شرف الدین جہانگیرؒ کو جب اپنے بھائی کے سفر کی غرض و غایت کا علم ہوا انہوں نے وہ فرمان اور خلعت انہیں دینا چاہا مگر انکے بھائی نے قبول نہ کیا (صاحب ثمرات القدس نے اس موقع پر یہ چند الفاظ اور تحریر کئے

ہیں جنہیں صاحب استر آریہ نے نقل نہیں کیا ؀

برادر جاہل و نااہل بود از دیدن آں داعی فرمان و خلعت آتشے در وے اُفتاد ؀

انکے بہائی جاہل اور نااہل تھے (فرمان اور خلعت) کو دیکھکر انکے اندر آگ لگ گئی ؀

اور کہنے لگے مجھے تمہارے لائے ہوئے فرمان کی کچھ حاجت نہیں میں خود جاکر لاؤنگا اس پر سید شرف الدین جہانگیر نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوسکیگا انکے بہائی تو دہلی کو روانہ ہوگئے اور یہ امروہہ آئے یہاں پہونچکر وہ فرمان اور خلعت تو رشتہ داروں میں سے کسی کے سپرد کردیا اور یہ کہکر کہ بہائی صاحب جب دہلی سے ناکام پہریں تو انہیں دیدینا بذات خود عبادت آلہی کی غرض سے کسی پہاڑ پر چلے گئے اُن کے بہائی دہلی پہونچے مگر وہاں کسی نے ان کا اعتبار نہ کیا مجبور ہوکر امروہہ واپس آئے اور اسی فرمان وخلعت کے ذریعہ باپ کی جگہ بیٹھے اور "امر جلیل القدر قضا" میں مشغول ہوئے ؀

آپ غور کرینگے تو یہ روایت ہی مہمل ثابت ہوگی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے باصرار تمام سید شرف الدین جہانگیر کو بوجہ انکے کمالات علمیہ امروہہ[1] کا قاضی مقرر کیا خلعت و فرمان دیا ظاہر ہے کہ شاہان اسلام میں قاضی کا عہدہ محض نکاح خوانی کا عہدہ نہ تہا کہ جاہل شخص بھی دو بول نکاح کے پڑہا دیتا عہدہ قضا کے لیے علم وفضل لازمی شرط تھی اور تقررات اہلیت اور قابلیت کے اعتبار سے عمل میں آتے تھے نہ کہ وراثت اور ترکہ کے لحاظ سے۔ پس اس عہدہ پر اگر سید جہانگیر کا تقرر عمل میں آیا تہا تو وہ از خود اپنے بہائی کو جو جاہل اور نااہل بھی تھے اپنی جگہ کیونکر مقرر کرسکتے تھے اور اگر بالفرض انکے بہائی نے قاضی کا کام اپنے ہاتھ میں لے بھی لیا ہوتا تو حکومت ایسے بے ضابطہ تقرر کو کیوں کر جائز و برقرار رکھ سکتی تھی۔ فرمان تقرر میں قاضی کا نام بالتصریح تحریر ہوتا تہا تو ایسی صورت میں ایک کے نام کا فرمان خواہ وہ حقیقی بہائی کیوں نہو دوسرے کو کیوں کردیا جاسکتا تہا اور غیر شخص اس فرمان کی رو سے عہدہ قضا کا کام کیوں کر انجام دے سکتا تہا بہر حال اگر اس

[1] قاضی امیر علی امروہہ کے قاضی تھے ان کو اقضی القضات ہند کہنا جہل ہے۔ قاضی القضاۃ دارالسلطنت میں رہتا تہا معمولی قاضی ہزاروں تھے جو مختلف قصبوں اور پرگنوں کے قاضی ہوتے تھے ان ہی میں ایک قاضی یہ بھی تھے ۱۲

مہمل روایت کو قابل اعتنا بھی سمجھ لیا جائے، تو یہ وہ حکایت ہے جسے مولف واسطیہ نے بحوالۂ ثمرات القدس واسرار آریہ وغیرہ کتب تذکرہ مشائخ جنکے مولفین کو وہ نادانی سے "مورخین" کے زمرہ میں شامل کرتے ہیں، اس ثبوت میں اپنے ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے کہ مولف مذکور کے مورث اعلیٰ "سید محمود" سید شرف الدین جہانگیر کے بھائی، اور سید شرف الدین حسن شاہ ولایت کے "پوتے" تھے کیونکہ ان کے زعم میں یہ وہی شخص ہیں جن کا تذکرہ مندرجہ بالا حکایت میں کیا گیا ہے، اس حکایت کو جسے وہ فرماتے ہیں کہ "مورخین" نے "متفق اللفظ بزبان فارسی" تحریر کیا ہے، اپنے بیان کی "تصدیق" میں درج کرتے ہیں مگر اصل عبارت کتاب اسرار یہ سے "نقل" کرتے وقت ان سے یہ مذموم اور نازیبا حرکت سرزد ہوئی ہے کہ ان "مورخین" نے "اصل عبارت" میں جہاں جہاں سید جہانگیر" کے بھائی کا ذکر کیا ہے نام نہیں لکھا صرف برادر کے لفظ پر اکتفا کیا ہے وہاں مولف واسطیہ نے منجملہ سات مقامات کے "دو جگہ" لفظ برادر کے ساتھ اپنی جانب سے "سید محمود" نام کا اضافہ کر دیا ہے اور بقول خود بحالت اتفاق مورخین ہر کتاب کی جدا جدا نقل کرنی موجب طوالت "سمجھی ہے"۔

ثمرات القدس کے متعدد قدیم قلمی نسخے ہندوستان میں موجود ہیں جو تقریباً سب کے سب خاکسار مولف کی نظر سے گذرے ہیں، ان میں سے کسی میں کہیں ایک جگہ بھی لفظ برادر کے ساتھ کوئی نام تحریر نہیں ہے، صاحب اسرار یہ نے بھی اس روایت کو نقل کرتے وقت اگرچہ بعض جگہ لفظی تغیر کر دیا ہے لیکن لفظ برادر کے ساتھ کوئی نام تحریر نہیں کیا۔ انہی دو کتابوں کی عبارتیں صاحب جام جہاں نما نے جو بہت بعد کی تالیف اور سید سراج الدین احمد ولد سید نجیب الدین نے اپنے رسالہ میں جو زمانہ حال کی تالیف ہے درج کی ہیں مگر لفظ برادر کے ساتھ کوئی نام تحریر نہیں کیا اور اس وجہ سے نہیں کیا کہ اصل کتاب ثمرات القدس ہی میں کوئی نام تحریر نہیں۔ سیاق عبارت سے بھی اظہار نام کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر مولف واسطیہ نے اسرار آریہ کی عبارت نقل کرتے وقت یہ نام کہاں سے تحریر کیا ہے۔ اس کا صحیح جواب دشوار ہے۔ تاہم خاکسار مولف کے پاس کتاب اسرار یہ کا وہ نسخہ موجود

ہے جو مولوی محب علی خاں عباسی کے کتب خانہ کا ہے اور صرف ایک یہ ہی قدیم ترین نسخہ اس کتاب کا ہے
اسی سے بعض دیگر نسخے بھی نقل کیئے گئے ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ واسطیہ کی تالیف کے وقت یہی نسخہ
مولف مذکور نے عاریتاً حاصل کیا تھا اس میں دو جگہ لفظ برادر کے بعد دوسری روشنائی اور دوسرے قلم
سے سطر سے اوپر کسی نے "سید محمود" نام کا اضافہ کر دیا ہے[۵] مگر ایسے بھدے طریقہ سے کیا ہے کہ اس جعل سازی
کا راز ایک ہی نظر میں افشا ہو جاتا ہے لیکن باوجود اس کارروائی کے بھی قاضی زادگان کو شاہ ولایت
کی اولاد میں ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ قاضی امیر علی کے خاندانی شجروں اور متذکرہ بالا روایت سے صرف دو
بیٹے ثابت ہیں، ایک سید اشرف (شرف الدین) جہانگیر اور دوسرے سید محمد جن کا نام خاندانی شجروں
وغیرہ میں تاج الدین تحریر کیا ہے ان میں سے صرف ایک بھائی یعنی سید محمد (تاج الدین) سے نسل چلی۔
قاضی مذکور کے کسی بیٹے کا نام "سید محمود" کہیں سے ثابت نہیں ہوتا برخلاف اسکے سید محمود سالار کو شاہ
ولایت کا بھائی بتایا جاتا ہے امروہہ کی کتب تاریخ و انساب میں ان ہی سے قاضی زادگان کا نسب
متصل کیا گیا ہے لیکن قدیم دستاویزات اور خود قاضی زادگان کے اجداد کی مستند تحریرات سے ان کے
مورث اعلیٰ کا نام "سید محمود سالار" بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ سید بُدّہ ثابت ہوتا ہے۔

قاضی سید کبیر اور ان کے فرزند و جانشین سید عبدالرسول موجودہ نسل سے آٹھ اور نو پشت اوپر
ہوتے ہیں، ان دونوں باپ بیٹوں کے جو یکے بعد دیگرے قاضی شہر ہوئے سجل اور مہریں صدہا
دستاویزات پر ثبت ہیں وہ اپنی سجلات میں اپنے آبا و اجداد کے نام اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

(۱) سجل قاضی سید کبیر ولد قاضی سید سالار جو دستاویز موسومہ سید عبدالغفار بن سید مبارک (بن سید
منتجب) مرقومہ ۷ رجب ۹۸۹ھ پر ثبت ہیں۔

---

[۵] حال میں بعض نسخے اس اضافہ کے بعد نقل ہوئے ان میں سید محمود نام ہی نقل کرنے والے نے تحریر کر دیا ہے لیکن
جب یہ نام نہ اسرار یہ کے قدیم ترین نسخہ میں موجود تھا اور نہ قرات القدس کے کسی نسخہ میں ہے تو ظاہر ہے کہ کسی ایسے
نسخہ میں جو پندرہ بیس برس پہلے کا نقل شدہ ہو اس نام کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔

صح الخط عند اضعف العباد کبیر بن سالار بن حسین بن ظہیر بن اشرف بن منیر بن بدہ العلوی الحسینی الحاکم

مہر میں یہ الفاظ کندہ تھے :۔ راجع بدرگاہ رحمان یقینی قاضی کبیر بن سالار حسینی حاکم امروہہ ؞

(۲) سجل قاضی سید عبد الرسول بن قاضی سید کبیر جو ۱۰۲۰ھ سے تقریباً نصف صدی بعد تک کی صدہا دستاویزات پر ثبت ہیں ؞

ثبت عند اضعف العباد عبد الرسول بن کبیر بن سالار بن حسین بن ظہیر بن اشرف بن منیر بن بدہ العلوی الحسینی الحاکم ؞

مہر میں یہ الفاظ کندہ تھے "العبد قاضی عبد الرسول بن قاضی سید کبیر حسینی" ؞

ان سجلات کے عکس بھی جداگانہ شائع کیے جاتے ہیں۔ قاضی سید کبیر جیساکہ ان کی مہر سے ثابت ہے، ۹۸۳ھ میں عہدہ قضا پر مامور ہوئے انہوں نے اپنے اجداد کے جو نام اپنے قلم سے سجلات میں تحریر کیے ہیں اُن میں آخری نام سید بدہ ہے جو قاضی مذکور سے ساتویں پشت میں ہوتے ہیں گویا سید بدہ مذکور کا زمانہ تقریباً ۷۸۳ھ کا شمار میں آتا ہے نیز قاضی سید کبیر کے چچا قاضی سید اشرف ثانی بن قاضی سید حسین کے دستخط ۹۶۶ھ کی دستاویز پر ثبت ہیں قاضی اشرف بھی سید بدہ سے چھٹی پشت پر ہوتے ہیں اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سید بدہ کا زمانہ قاضی امیر علی بن سید شرف الدین حسن شاہ ولایتؒ کے زمانہ سے متصل تھا۔ قاضی زادگان کے اجداد میں عہدۂ قضا عہد تغلقیہ سے متوارث رہا اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ قاضی امیر علی کے بعد جو شخص امروہہ کے قاضی مقرر ہوئے وہ قاضی زادگان کے مورث اعلیٰ سید بدہ تھے مگر شاہ ولایتؒ کے بیٹوں پوتوں میں یا ان کے بھائیوں میں کسی کا نام سید بدہ کسی طرح ثابت نہیں لہذا قاضی زادگان کے مورث نہ شاہ ولایتؒ کی نسل سے تھے اور نہ انکے بھائی تھے۔ وہ علوی حسینی ضرور تھے مگر یہ معلوم نہیں کہ امام حسینؑ تک ان کا سلسلہ نسب کس طریق پر متصل ہوتا ہے آیا وہ نسباً نقوی تھے یا رضوی ؟ زیدی تھے یا موسوی لیکن مندرجہ بالا وجوہ سے یہ امر بخوبی ثابت و متحقق ہے کہ مولف تاریخ واسطیہ نے اپنے خاندان قاضی زادگان

کا جو سلسلہ نسب شاہ ولایتؒ سے متصل کیا تھا وہ غلط اور سراسر غلط اور بے اصل ہے اس اتصال نسب کا جو نقشہ مولف مذکور نے اپنی تالیف کے صفحات پر کھینچا تھا اور ان کارروائیوں کی بنیاد پر جن کا اشارہ اوپر کیا گیا ہے اپنے خاندان کو سادات نقوی میں شامل کرنے کی جو بنیاد ڈالی تھی اور اثبات نسب کی بزعم خود جو شاندار اور مستحکم عمارت قایم کی تھی وہ خود ان ہی کے مورثوں اور اس خاندان کے بزرگوں کی تحریرات سے یکایک منہدم ہو گئی ۔

قاضی سید بدھ کی اولاد میں مختلف خاندان ہیں ایک خاندان قاضی سید عبدالرسول کا جس میں شروع عہد انگلشیہ تک عہدہ قضا متوارث رہا اس خاندان کا شجرہ ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔ ان میں سید علی حسن بن قاضی ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ صدو و سید ارتضی حسن و اصطفے حسن پسران سید رضا حسن ساکن محلہ مجاپوتہ وغیرہ ہیں دوسرا خاندان ساکن محلہ بہو کا جس میں حضرت شاہ جعفر کا خاندان ہے اس میں سید محمد عسکری ولد سید شاکر حسین وغیرہ ہیں تیسرا اولاد سید محمد شاہم ولد سید محمد ہاشم کا جس میں سید سبط محمد ولد سبط علی و سید سبط رسول و سبط پیمبر و سبط اصطفے و سبط مصطفے ابنائے سید سبط حسن وغیرہ نیز سید سبط صفدر ولد سبط احمد ساکنان محلہ ترپولیہ ہیں چوتھا خاندان اولاد سید عبدالمجید کا جس میں سید علی اصغر رئیس کا گھرانا نصف صدی قبل تک متمول خاندان تھا ان کی ریاست تلف ہو گئی ان میں سید علی اصغر ولد سید ارشاد علی وغیرہ ہیں۔ انکے علاوہ بعض اور متفرق خاندان ہیں مثلاً سید امانت علی ولد سید ہیبت علی خویش میر بنیاد علی دبیر زادہ تھے۔ جنہوں نے محلہ پیرزادگان میں سکونت اختیار کر لی تھی انکے تین بیٹے ہوئے سید امتیاز علی منصف و ممتاز علی و انتظام علی موخرالذکر بقید حیات ہیں اور شملہ پر رہتے ہیں۔ یہ سب بھائی اور انکے اجداد سنی مذہب کے پابند رہے ۔

قاضی زادگان کے علاوہ ایک گروہ قاضی خیل کہلاتا ہے جو خاندان بنی قضاۃ کے متوسلین وغیرہ کی اولاد ہیں اور بوجہ امامیہ مذہب ہونے کے وہ بھی گروہ سادات میں شامل ہیں اور بعض کی قرابتیں بھی ان سے ہوتی ہیں لیکن انکے نسب کا حال تحقیق نہ ہو سکا ۔

شجرہ اولاد سید بدھ علوی الحسینی

مورث قاضی زادگان

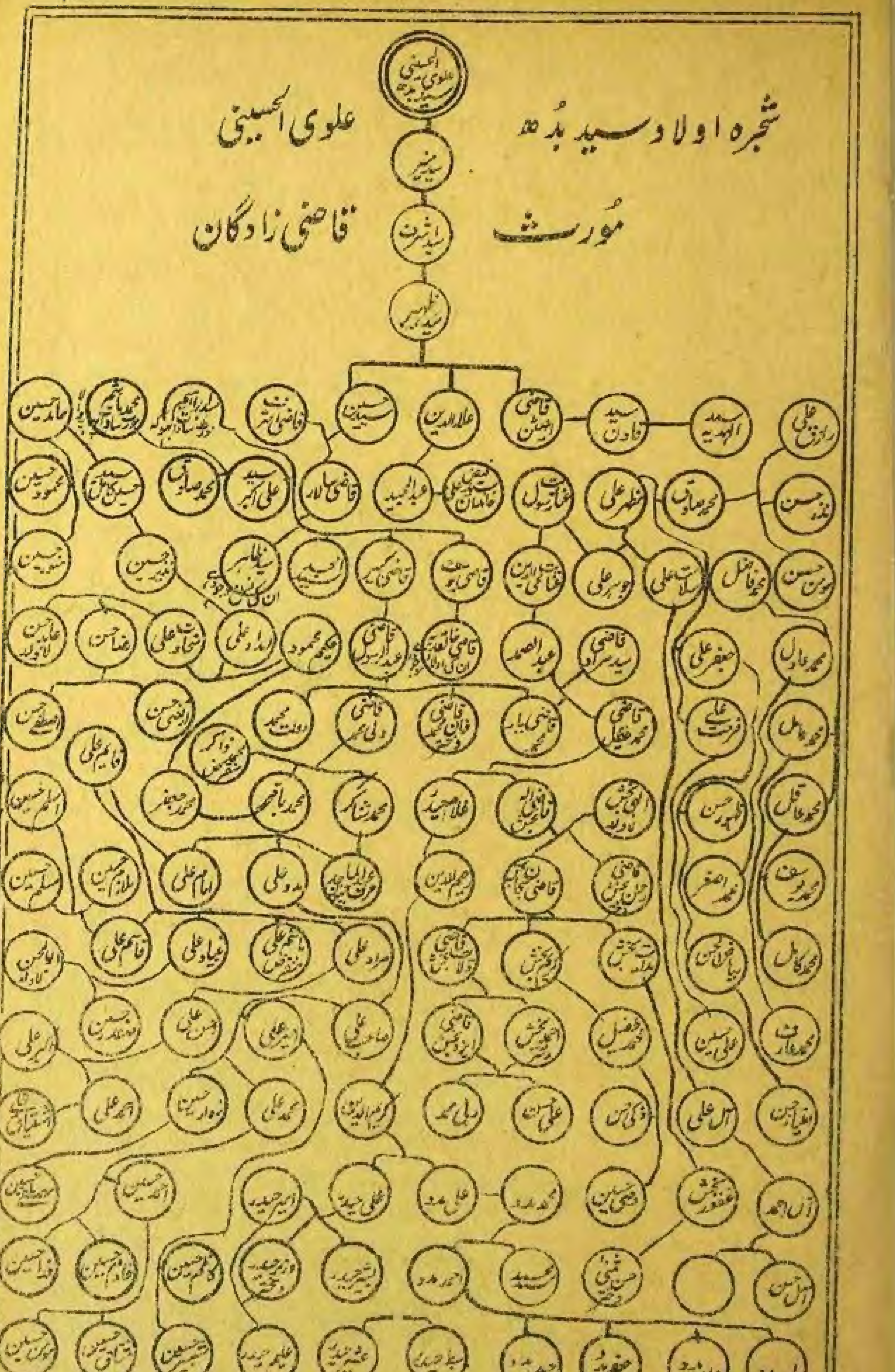

متفرق سادات

مندرجہ بالا خاندانوں کے علاوہ چند مختصر خاندان اور بھی ہیں جو سادات حسینی میں شامل سمجھے جاتے ہیں مثلاً:۔

(۱) دلّی والے سیّد۔ انکے مورث اعلیٰ خواجہ ولی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ دہلی سے امروہہ آئے سلسلہ نسب ۱۰ واسطوں سے عباس بن امام جعفر صادق سے متصل کیا جاتا ہے لیکن حسب تصریح کتب انساب امام موصوف کا عقب سوائے امام موسیٰ الکاظم، اسمعیل الامام علی العریضی محمد الدیباج اور اسحٰق الموتمن کے کسی اور فرزند سے باقی نہیں رہا۔ ان میں اُستاد سرفراز علی کا خاندان ہے جو دربار کلاں میں ساکن تھے۔ (شجرہ اولاد خواجہ ولی)

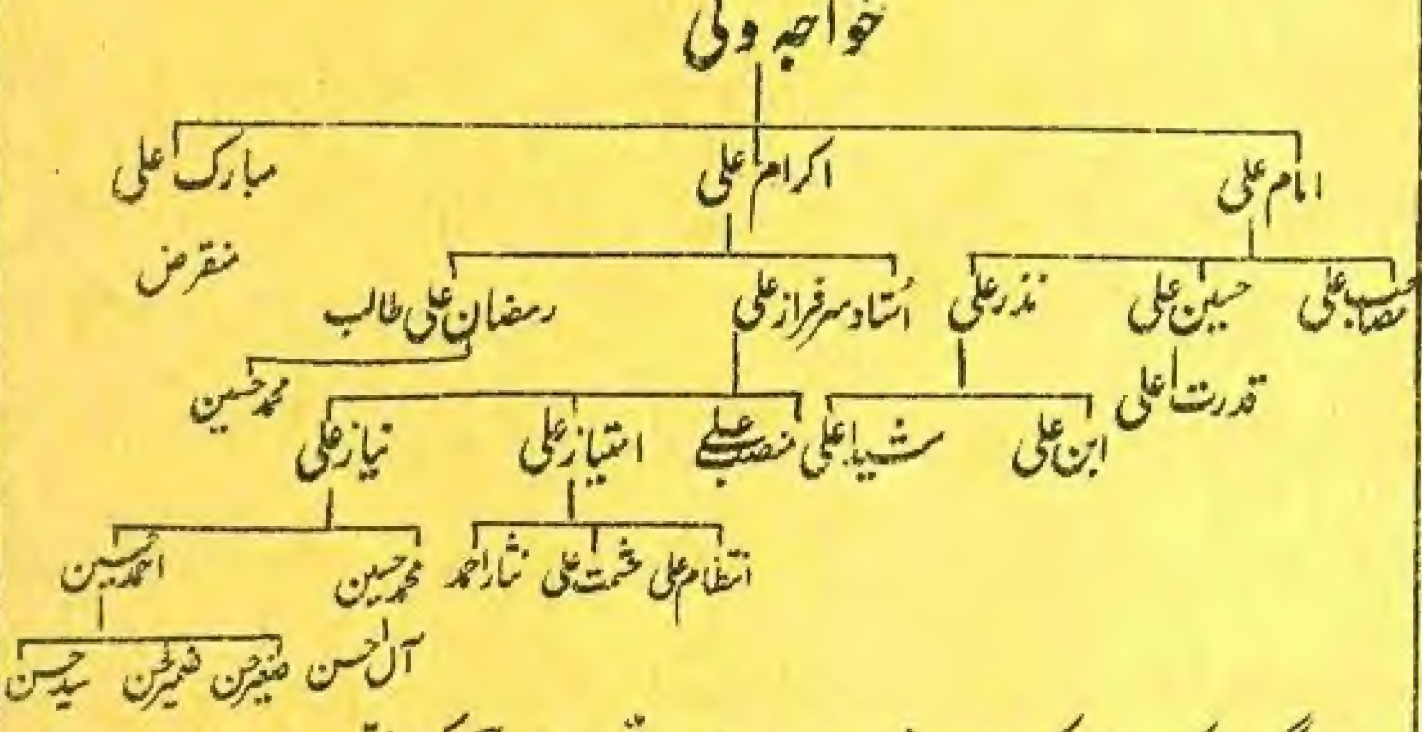

چند لوگ ساکنان محلہ کمبوہان (شاہی چبوترہ) بھی دلّی والے سیّد کہے جاتے ہیں جن میں سید شیدا علی ولد صادق علی بن محمد علی و سید شبیر علی بن محمد علی مذکور و سید مظاہر حسین وغیرہ ابنائے امداد علی بن احمد علی وغیرہ سنی حنفی ہیں

(۲) ہمدانی۔ اس خاندان کے مورث سید احمد شاہ نواب محمد علی خاں والی رامپور کے یہاں ملازم تھے وہاں سے امروہہ آئے سلسلہ نسب سید علی ہمدانی سے متصل ہوتا ہے۔ سید احمد شاہ سُنی مذہب گنڈہ تعویذ میں مشہور تھے اُن کی اولاد میں بھی ۲ و پشت تک اپنے آبائی مذہب پر قایم رہے بعد میں چند لوگ بوجہ قرابت شیعہ ہو گئے ڈاکٹر محمد حمید وغیرہ ان میں ہیں:۔

(شجرہ اولاد سید احمد شاہ مذکور)

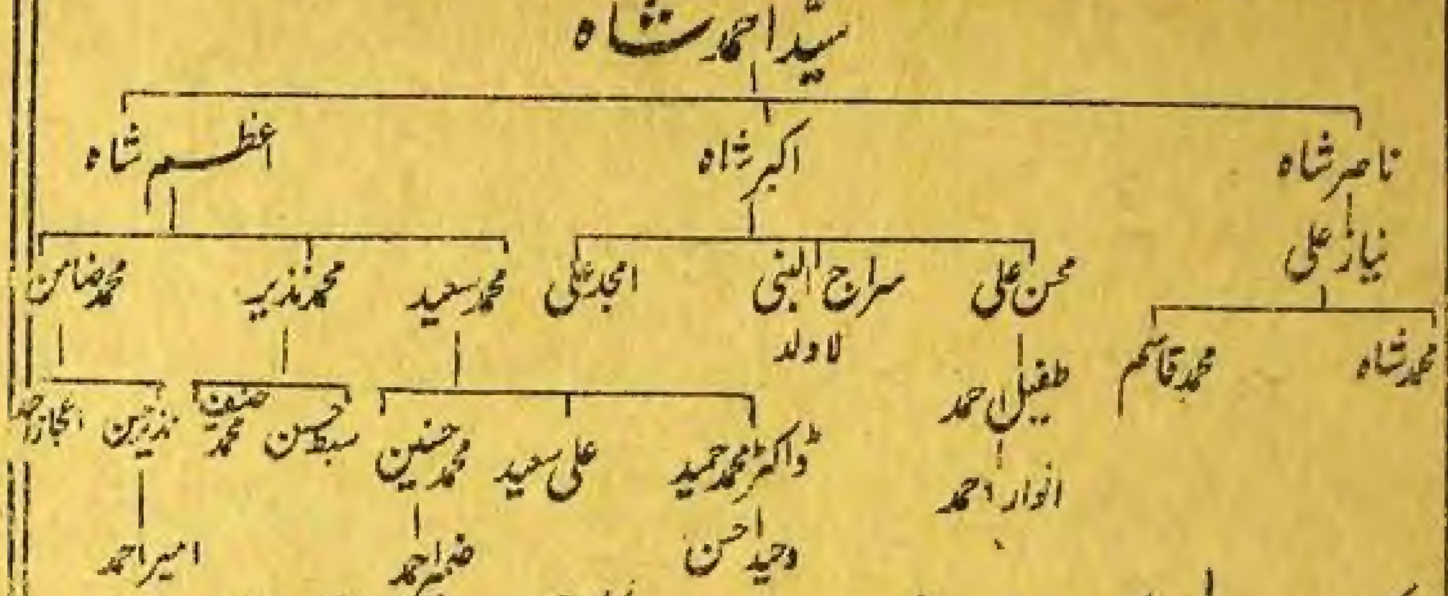

دکنی سید | یہ لوگ باشندگان پشین میں سے ہیں۔ محلہ کنکوئی میں سید مکارم علی کا خاندان ہے جس میں اب سید فخار علی ولد امتیاز علی بن نیاز علی بن حسن علی و سید ممتاز علی بن سید نیاز علی مذکور ہیں اور دربار کلاں میں سید معجز حسین ولد سید فرحت علی بن میر فتح علی و سید ماجد حسین ولد سید مبارک حسن بن میر مہدی حسن نیز سید آل علی بن سید کریم علی بن سید نبی بخش وغیرہ ہیں۔ دکنی سیدوں میں زیادہ تر اشخاص سنی مذہب رہے ہیں۔

(۴) سادات ساکنان محلہ چکلی اولاد سید ببر علی جو اپنا سلسلۂ نسب اسمٰعیل بن امام جعفر صادق سے متصل کرتے ہیں ان میں منشی واجد علی ولد سید جعفر علی وغیرہ ہیں۔

(۵) پانچواں خاندان اولاد سید عبدالرشید کا ہے جو اپنے کو نقوی سید کہتے ہیں صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ:۔

"چند اور اشخاص بھی یہاں (یعنی محلہ بارہ پوتیاں) میں رہتے ہیں جو آپ کو نقوی سید بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مورث اعلیٰ ہمارے سید عبدالرشید مقام کہیری لہرپور متصل لکھنؤ سے یہاں آئے جس کو تخمیناً دو سو برس ہوئے ان میں بنیاد علی مسجد اشرف المساجد کے موذن ہیں" سید بنیاد علی مذکور کے رشتہ دار مہدی حسن تھے جن کے فرزند سید ظہیر حسن مالک دارالفلاح دہلی ہیں۔

(۶) محلہ قریشی میں خاندان سید حمایت علی بھی سید مشہور رہے جنکا شجرہ حسب ذیل ہے۔

سید حمایت علی

محبوب علی — حبیب علی

محبوب علی: حکیم فضل حق، شان حق

شان حق: حسین الحق

حبیب علی: باسط علی، ریاست علی

باسط علی: الطاف علی، عنبر علی، واجد علی

انکے علاوہ محلہ دربار کلاں میں ایک اور خاندان جو اپنے مورث کا فیض آباد سے امروہہ آنا بیان کرتے ہیں اور اپنے کو حسینی سید کہتے ہیں۔ ان میں سید محمد الطاف وغیرہ ہیں انکا شجرہ حسب ذیل ہے:-

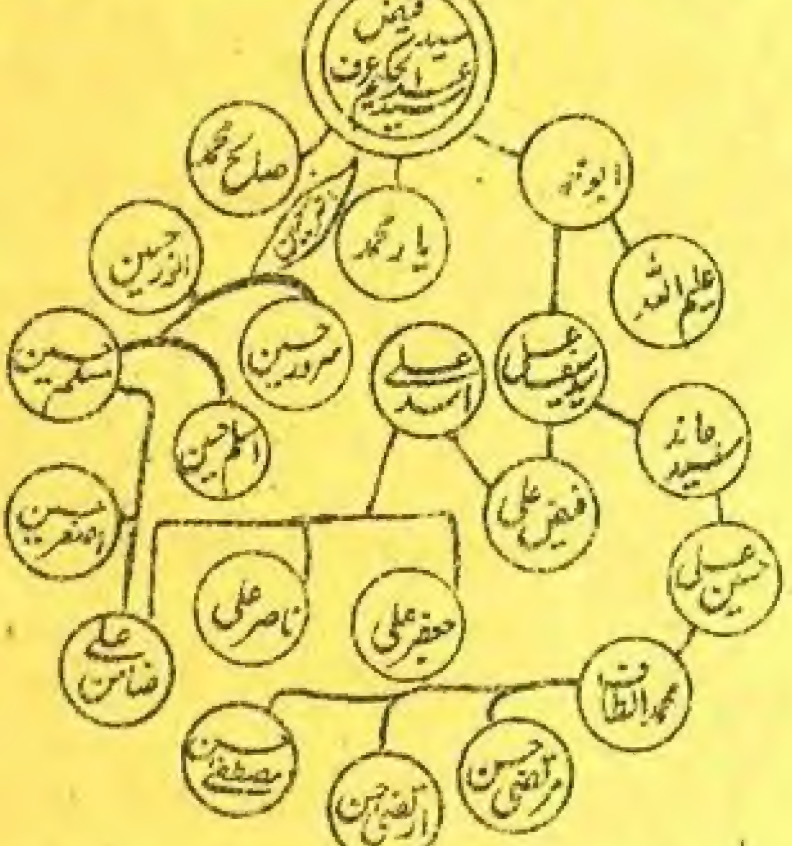

سادات علوی اہل ہند کی موجودہ اصطلاح میں حضرت علی کے مشہور فرزند امام محمد بن الحنفیہ کی اولاد علوی کہلاتی ہے امام محمد موصوف کی والدہ خولہ بنت جعفر بن قیس بن سلمہ بن عبداللہ بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن الدئل بن حنفیہ تھیں قبیلہ مادری سے منسوب ہونے کی بنا پر ابن الحنفیہ کہلائے خلقتاً نہایت طاقتور اور جری تھے واقعہ کربلا کے بعد شیعیان اہلبیت کے جو فرقہ ہاشمیہ و کیسانیہ سے موسوم ہیں آپ ہی امام تھے۔ مختار بن ابی عبیدہ جس نے قاتلان امام حسین سے بدلہ لینے کے لیے یزیدیوں کے خلاف خروج کیا اور ابن زیاد کو قتل کیا آپ ہی کی امامت کا داعی تھا عبداللہ بن زبیر کے زمانہ تسلط میں آپ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس طائف میں پناہ گزین ہوئے ۶۶ھ میں آپ وہیں مقیم تھے۔

حضرت ممدوح کا انتقال ہوا آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی عبدالملک اموی کے زمانہ میں آپ طائف سے مکہ میں واپس آئے اور ۸۱ھ میں انتقال فرمایا۔

امام محمد الحنفیہ کثیر اولاد تھے نسابین نے ۱۴ لڑکے اور دس لڑکیاں کل ۲۴ اولادیں بتائی ہیں ان میں سے جو نام کتب انساب میں ملتے ہیں یہ ہیں: ابو ہاشم عبداللہ اکبر عبداللہ اصغر حمزہ علی جعفر الاکبر جعفر الاصغر عون قاسم ابراہیم ملقب بعشرۃ اور الحیثم جو مجنون تھے مگر باوجود کثیر اولاد ہونے کے آپ کی نسل صرف دو بیٹوں علی و جعفر سے چلی بعض نے عبداللہ اصغر کو بھی معقب لکھا ہے لیکن آپکے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہ اکبر جو آپ کی وفات کے بعد شیعیان اہلبیت کے امام تھے اور جن سے بیعت خلافت و امامت بنی عباسؓ کی طرف منتقل ہوئی غیر معقب ہیں ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ ولیس لابی هاشم عقب ابن خلکان نے ان کو غیر معقب بتاکر لکھا ہے کہ اسی وجہ سے اپنے انتقال کے وقت امامت حضرت محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کو سپرد کی۔ عمدۃ الطالب میں ہے کہ ابوهاشم عبداللہ الاکبر امام الکیسانیہ وعنه انتقلت البیعة الی بنی عباس فنقرض۔

امروہہ میں سادات علوی کا ایک خاندان حضرت شاہ عبدالمجید علوی کا خاندان تھا لیکن تقریباً ایک صدی سے اس خاندان کا کوئی فرد یہاں باقی نہیں رہا شاہ موصوف کے برادر حقیقی شیخ فیض اللہ علوی کی اولاد میں تقریباً ڈیڑھ ایک صدی قبل پیرجی عنایت حسین محلہ لکڑہ میں ساکن تھے انکے ایک دختر جو سید محمد شاد بن محمد تقی ارزانی پوتہ کی زوجہ تھیں اور سید علی حسن و حاجی سید احمد حسین دو بیٹے تھے۔ اول الذکر کے فرزند سید رضا حسن سہالی نزد بلاری میں سکن گزین ہوئے اور حاجی موصوف مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے۔ شاہ بہاء الدین نقشبندی کا خاندان البتہ "سنگرہ علوی حنفی" مشہور ہے۔ لفظ سنگرہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق تاریخ امروہہ حصہ اول میں مختصراً اظہار خیال کیا جا چکا ہے[۱] ابھی شاہ ضیاء الدین احمد خلف حضرت شاہ بہاء الدین نقشبندیؒ نے خاکسار مولف کو صوبہ پنجاب دسرحد کے ایک جغرافیہ میں مقام سنگر دکھایا اور فرمایا کہ ہمارا خاندان اسی

---

[۱] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۰ تاریخ امروہہ حصہ اول ۱۲

اسی مقام کی نسبت سے سنگڑہ مشہور ہے ممکن ہے کہ سنگڑہ کی وجہ تسمیہ یہی ہو لیکن نسبت مکانی کے اظہار میں سنگڑہ سے سنگڑہ نہیں سنگڑی یا سنگڑوی ہونا چاہیے تھا۔ قطع نظر اسکے شاہ صاحب نے اپنی تالیف مراۃ الانساب میں جو شجرہ اپنے خاندان کا شائع کیا ہے اس میں سلسلہ نسب ابو ہاشم عبد اللہ اکبر بن امام محمد الحنفیہ سے متصل کیا ہے جو جملہ نسابین و مورخین کے نزدیک غیر معقب یا منقرض النسل ہیں۔ اور اگر سلسلہ نسب ابو ہاشم مذکور کے علاوہ انکے کسی اور بھائی علی و جعفر یا عبد اللہ اصغر سے متصل ہوتا ہے تو پھر بھی یہ قباحت باقی رہتی ہے کہ اس سلسلہ نسب میں سالار مسعود غازی کا نام بھی آتا ہے جنکے اولاد ہونا تو درکنار کسی معتبر تاریخ و تذکرہ سے ان کی شادی ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا عوام میں بالے میاں مشہور ہیں مجھے اس خاندان کی علویت سے انکار نہیں لیکن جو شجرہ شائع کیا گیا ہے وہ بوجوہ متذکرہ بالا ہرگز صحیح نہیں۔ کہنہ دستاویزات اور دیرینہ تحریرات سے شاہ بہاء الدین کے خاندان کا کوئی تعلق حضرت شاہ عبد المجید کے خاندان سے ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں حضرت ممدوح کے خاندان سے امروہہ کے بعض دیگر خاندانوں کی قرابت رہی جس کی بنا پر حضرت کے روضہ کی متعلق اراضی و باغ وغیرہ میں ان کو ترکہ ہی ملا مگر شاہ صاحب کے خاندان کو ترکہ ملنا درکنار ان کے قبرستان ہی نہ کبھی یہاں تھے نہ اب ہیں۔ بہر حال جہاں تک کہنہ دستاویزات سے نا معلوم ہوسکے اس کے مطابق شجرہ حسب ذیل ہے۔ صاحب مراۃ الانساب نے اپنے آبا کے جو نام تحریر کئے ہیں ان میں بھی متعدد اغلاط ہیں۔ مثلاً شیخ محمد عارف کے فرزند کا نام محمد عاقل تحریر کیا ہے حالانکہ وہ انکے پوتے تھے انکے فرزند شیخ چھجو تھے جس کی تائید میں متعدد دستاویزات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔ شجرہ … میں چند نام اس خاندان کے اسلاف کے از روئے دستاویزات درج ہیں۔ لیکن ان کی اولاد کا کچھ حال تحقیق نہ ہوسکا۔

شجرہ اولاد شیخ چجو بن شیخ محمد عارف

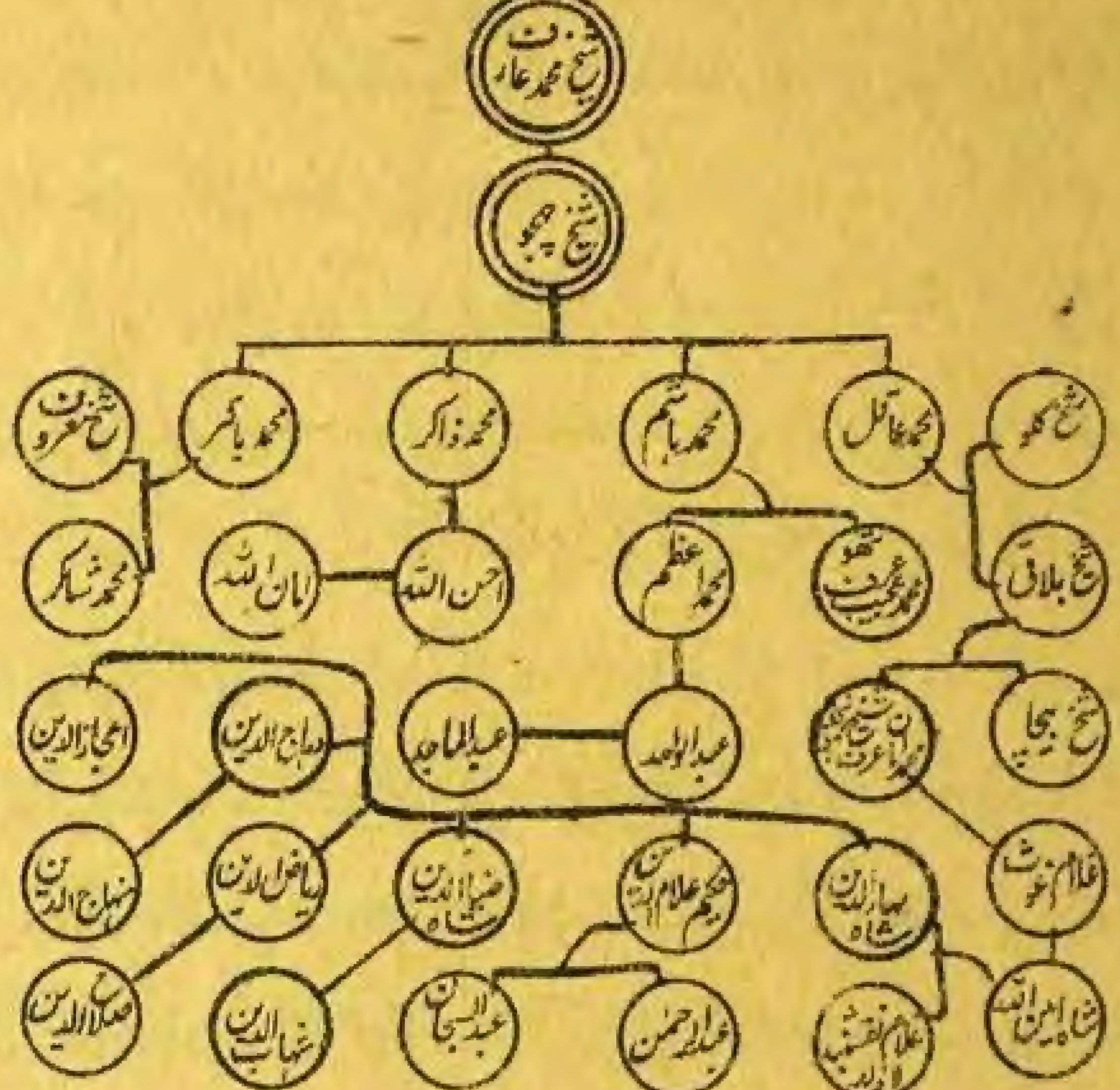

سادات جعفری

سادات جعفری اولاد حضرت جعفر طیارؓ ابن ابی طالب کے تین جداگانہ خاندان ہیں یعنی خاندان حضرت شاہ عضد الدین محمدؒ خاندان مولوی سید محمد حسین و خاندان چودھری صاحبان

ذوالجناحین حضرت جعفر طیارؓ اپنے بھائی حضرت علیؓ سے عمر میں دس سال بڑے اپنے عم محترم حضرت عباسؓ کے پرورش یافتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شبیہ اور مقرب خاص تھے۔ ہجرت کرکے عرصہ تک ملک حبشہ میں رہے انکے تین۳ صاحبزادے عونؓ و محمدؓ و عبداللہؓ وہیں پیدا ہوئے ۷ھ میں واپس آئے۔ غزوہ موتہ (۸ھ) میں ملک شام میں شہادت پائی جسم پر تلواروں اور برچھیوں کے نوّے زخم آئے تھے جو سب سامنے کی جانب تھے پشت کی جانب کوئی زخم نہ تھا آپ کی اولاد کا تذکرہ مختلف کتب انساب میں پایا جاتا ہے خواجہ محمد پارساؒ نے جو نسباً جعفری تھے اپنی تصنیف فصل الخطاب میں بحوالہ کتاب المعتقد لنسفیؒ نیز کتاب الانساب امام عبدالکریمؒ کتاب الانساب السادات اہل النبوۃ کتاب

انساب سمعانی کتاب تہذیب اسماء الانساب والمعارف ابن قتیبہ میں اس خاندان کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ سمرقند و بخارا وغیرہ میں جعفریوں کے متعدد خاندان موجود ہیں۔ عمدۃ الطالب میں یہی سلسلہ اعقاب مندرج ہے۔

آپ کی زوجہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ تھیں۔ انکے بطن سے آٹھ فرزند ہوئے، عبداللہ، عون، محمد الاکبر، محمد الاصغر، حمید، حسین، عبداللہ الاصغر، عبداللہ الاکبر الجواد۔ سوائے آخر الذکر عبداللہ الجواد کے اور سب کی نسل منقطع ہو گئی۔ عبداللہ الجواد کثیر الاولاد تھے۔ بروایات مختلف ان کے بیس یا چوبیس فرزند ہوئے جن میں زیادہ مشہور علی الزینبی، اسحٰق العریضی، اسمعیل الزاہد اور معاویہ تھے۔ علی الزینبی حضرت زینب جناب فاطمہ زہرا کے بطن سے تھے [51]، باقی اولاد ام ولد کے بطن سے تھی۔ عبداللہ الجواد کی نسل صرف علی الزینبی، اسحٰق العریضی اور معاویہ سے باقی رہی۔ علی الزینبی کی شادی سیدہ لبابہ بنت حضرت عبیداللہ بن سیدنا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے ہوئی انکے بطن سے دو فرزند محمد الاریس اور اسحٰق الاشرف ہوئے۔ محمد الاریس کے ابراہیم اعرابی، عبداللہ، عیسیٰ اور یحییٰ ہوئے۔ ابراہیم اعرابی کے دس فرزند تھے جن میں عبداللہ بن ابراہیم کے محمد، جعفر اور ابراہیم ثانی ہوئے [52]۔ آخر الذکر کی اولاد میں امروہہ کا خاندان جعفری سکیٹی ہے۔

---

۵۱ عوام میں یہ غلط روایت مشہور ہے کہ زینب بنت فاطمہ زہرا کے صرف دو بیٹے عون و محمد تھے جو معرکہ کربلا میں شہید ہو گئے مگر کتب انساب کی تصریحات سے اس کی تکذیب ہوتی ہے۔ عمدۃ الطالب میں عون و محمد حضرت جعفر طیار کے بیٹے بتائے گئے ہیں نہ کہ پوتے اور لکھا ہے کہ یہ دونوں اپنے چچا زاد بھائی امام حسین کے ساتھ یوم الطف میں شہید ہوئے۔ تاریخ کامل ابن اثیر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ عون اور محمد حضرت زینب کے بیٹے نہ تھے۔ اس کے علاوہ کہیں اس کی تصریح نہیں ملتی کہ علی الزینبی حضرت زینب کے فرزند نہ تھے اس لئے یہ روایت محض افسانہ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

۵۲ فصل الخطاب میں ان کا نام سلسلہ اولاد عبداللہ بن ابراہیم اعرابی درج ہے۔

۱۔ **خاندان شاہ عضدالدین محمدؒ:** اس خاندان کا مکمل شجرہ نسب خاکسار مولف کو دستیاب نہ ہو سکا۔ لیکن ان کی سیادت جعفری علی وجہ الشہرۃ وتواتر مسلّم ہے۔ اس موقع پر ۱۱۸۲ھ کی مرقومہ ایک دستاویز صورتحال کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا جس کی اصل اور فوٹو بھی شاہ علاءالدین جعفری کے پاس موجود ہے۔

نقل

صورتحال بہر قاضی سید الہٰ بخش وسید دوست علی وسید نور عالم وسید علی اکبر ودیگر سادات اولاد حضرت شاہ ولایت ودیگر ساکنان امروہہ

ذکر لیست در بیان آنکہ موضع سرتہ خمار در دلبست وشانزدہ لبوہ موضع رائے پور خورد وموضع شاہ پور در دلبست دیہات پرگنہ امروہہ وجہ ال تمغا باسم متعلقان شاہ درویش محمد مدنی وشاہ محمد کی فرزندان حضرت شاہ محمدی فیاض قدس اللہ سرہ العزیز کہ از اولاد محمد[1] بن عبداللہ نبیرہ حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ وفاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا ونبیرہ حضرت جعفر طیار رضؓ باکثر سادات نسبت قرابت تحقق میدارند بموجب فرمان عالیشان از عہد حضرت فردوس آرامگاہ محمد شاہ بادشاہ غازی و پروانہ غفران آب نواب وزیرالممالک بہادر نواب صفدر جنگ مرحوم بموجب قدیم تا حال بحال و برقرار است و در جماعت سادات عظام ہمیشہ معاف ومرفوع القلم ماندہ درینولا متصدیان خان صاحب میر محمد وجیہ الدین خان بہادر باظہار بعضے خلاف گویاں نوعے تعرض می نمائید چوں فرزندان حضرت جعفر طیار داخل فرقہ سادات عظام اند کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی ہاشم۔ حرم علیکم غسالۃ الناس (اے بنی ہاشم خدا نے تم پر لوگوں کے دھوون کو یعنی زکوٰۃ وصدقات کو حرام کردیا۔ مولف) ہر کہ بر صحت ایں حال وصدق ایں مقال آگاہے واطلاع داشتہ باشد مہر گواہی خود ثبت نماید تا عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور گردد۔"

اس خاندان کی اکثر قرابتیں حضرت شاہ ولایتؒ کی اولاد اور سادات حسنی وغیرہ سے ہوتی رہیں

[1] علی بن عبداللہ ہونا چاہیئے۔

سید ابوالفضل ولد سید محمد میر عدل کی نسل میں سید اکبر علی اور سید غلام علی حسینی تخلص حکیم سید جلال الدین جعفری کے نواسہ تھے۔ امروہہ کے ان متعصب اور تنگ خیال شیعہ حضرات کو جو بنی ہاشم میں سے غیر بنی فاطمہ کو مستحق سیادت نہیں سمجھتے' اپنے بزرگوں کی مندرجہ بالا تحریر پر غور کرنا چاہیے کہ حضرت جعفر طیار کی اولاد کو نہ کہ صرف علی الزینبی کی اولاد کو بر بنائے "ہاشمیت" داخل فرقہ سادات عظام تسلیم کیا اور زکوٰۃ و صدقات کے بنی ہاشم پر حرام کیے جانے کو دلیل سیادت نسبی میں پیش کیا۔ صاحب خلاصۃ الانساب شیعی مذہب نے بھی اس خاندان کا تذکرہ منجملہ سادات امروہہ کیا ہے :-

"سادات جعفری یعنی اولاد حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب . . . . . مثل خاندان شاہ محمدی فیاض کہ عہد اپنے میں رئیس العلماء اور سر آمد مشائخین با صفا سے تھے . . . . اور اسی ذیل اور زمرہ میں خاندان شاہ عضدالدین صاحب کا ہے۔ الی آخرہ"

اس خاندان میں اب صرف مجی شاہ علاء الدین جعفری ہیں۔ جو شاہ عضد الدینؒ کی نسل سے ہیں ملاحظہ ہو شجرہ مندرجہ تذکرۃ الکرام :-

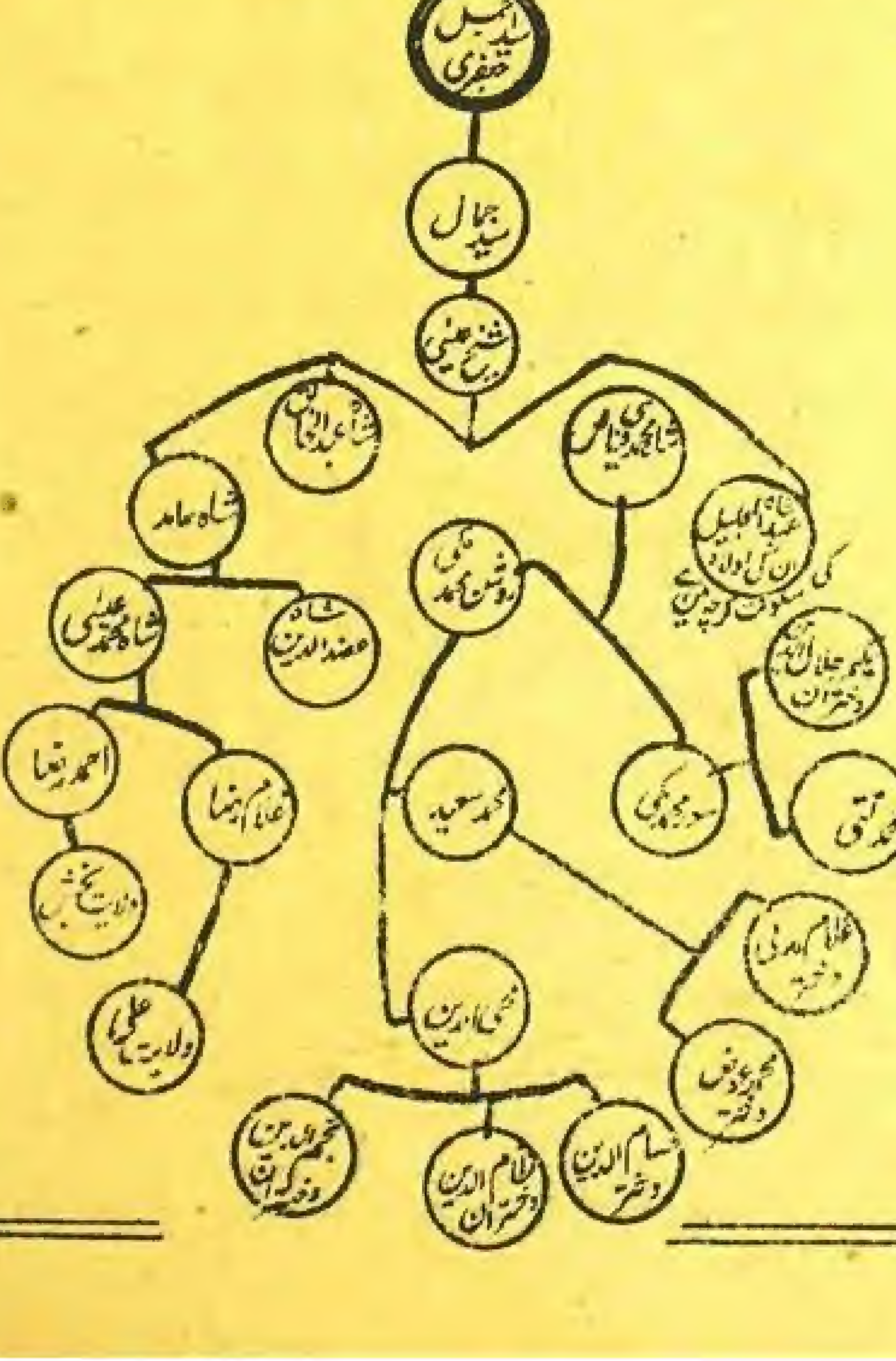

۲۔ خاندان مولوی سید محمد حسین جعفری۔ اس خاندان کا سلسلہ نسب ابراہیم بن عبداللہ بن ابراہیم اعرابی کے واسطے سے علی الزینبی سے متصل ہوتا ہے بایں طریق۔ مولوی سید محمد حسین بن مظفر حسین بن غلام حسین بن عبدالحفیظ بن عبدالحکیم بن سید فرید بن عبدالمومن بن محمد یعقوب بن محمد جعفر سکیٹی بن عبدالفتاح بن عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن احمد خراسانی بن حور شاہ سمرقندی بن ابوسعید بن عبدالحمید بن ابوتقی بن عبدالعلی بن محی الدین حسن بن شاہ ابوتراب بن شاہ عبدالقدوس بن علی شاہ بن زید شاہ بن سلطان محمد یحییٰ بن قطب الدین بن ابونصر بن ابوزید بن ابراہیم مذکور۔

مورث اس خاندان کے لودیوں کے زمانہ میں قصبہ سکیٹ سے امروہہ آئے۔ اس خاندان کے نسبا جعفری زینبی ہونے کے متعلق صاحب نخبۃ التواریخ لکھتے ہیں کہ:۔

"و زینبیۃ اجداد او (اعنی مولوی سید محمد حسین موصوف) از اسانید تحریر موثقہ دیرینہ ممہورہ ہم بخوبی ثابت و محقق است چنانچہ در یکے[۵] بدیں عبارت مصرح است کہ سیادت پناہ نجابت دستگاہ سید عبدالحکیم بن سید فرید جعفری زینبی"۔

اس خاندان کی قرابت و مصاہرت سادات فاطمی اولاد شاہ شرف الدین حسن ساکنہ محلہ سرائے کہنہ و اولاد حضرت شاہ شکر اللہ دستار سیاہ و خاندان دانشمندان اور سادات موسوی ساکنہ محلہ گنگوئی سے ہوتی رہی ہے مولوی سید علی زینبی عربک لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی اسی خاندان سے ہیں۔ شجرہ اولاد مولوی سید محمد حسین

مولوی سید محمد حسین جعفری

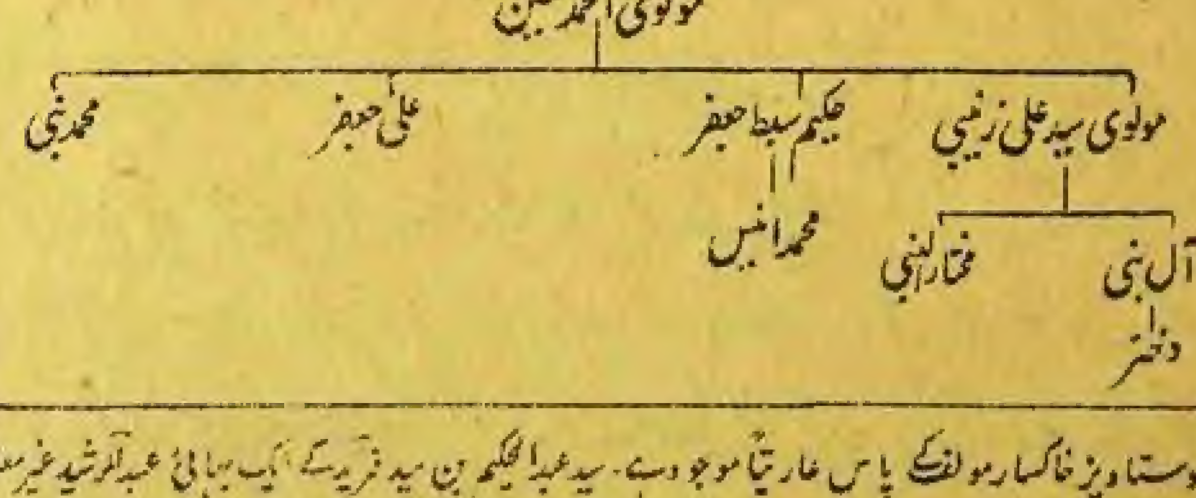

---

[۵] یہ دستاویز خاکسار مولف کے پاس عاریتاً موجود ہے۔ سید عبدالحکیم بن سید فرید کے ایک بھائی عبدالرشید غیر معقب رہے ۱۲

۳۔ خاندان چودھری صاحبان یہ خاندان بھی حسب تصریح تاریخ اصغری ونخبۃ التواریخ مولوی محمد حسین جعفری اور شاہ عضدالدین محمد کے خاندانوں کا ہمجد یعنی علی الزینبی کی نسل سے ہے انکے مورث بھی قصبہ سکیٹ سے امروہہ آئے۔ صاحب نخبۃ التواریخ لکھتے ہیں کہ:۔

"دو کس از اجداد ایشاں درزماں لودیان در امروہہ بمحلہ نخشی آمدند و سکونت کردند یکے جداعلیٰ مولوی محمد حسین بن مظفر حسین .... دو دیگرے جدے از اجداد شیخ عبدالقادر بن شیخ منگا بن شیخ محمد قاسم جعفری زینبی .... و سیادت جعفری زینبی ایں جماعہ بدرجہ شہرت معتبرہ است و از قدیم بزرگان ایشاں معزز وممتاز بودند (صفحہ ۹۹)"

صاحب تاریخ اصغری بھی محلہ نخشی کے حالات میں تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"اور کچھ اشخاص جعفری بھی اس محلہ کے ایک حصہ میں سکونت پذیر ہیں جن کے مورث مقام سکیٹ سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہذا ان کو سکیٹی کہتے ہیں۔ یہ لوگ خاندان شاہ موج کے ہمجدی ہیں محمد اکبر اور جان محمد اور عبدالحیٔ بن مبارک اور مبارک ولد عبدالقادر اس گروہ میں نامور شخص اور معزز عہدہ دار شاہی گذرے ہیں۔ الی آخرہ (صفحہ ۱۰۱)"

اس خاندان کی قرابت ومصاہرت زیادہ تر خاندان فاروقی فریدی ونخشی وقریشی سے ہوتی تھی۔ خاندان چودھری نرکمان سے بھی اکثر قرابتیں ہوئیں اور اسی وجہ سے عہدۂ چودھرایت بھی آخر میں ان میں رہا جس کی بنا پر یہ حضرات چودھری مشہور ہیں۔ ان میں سید سبط علی سابق آنریری مجسٹریٹ، سید سبط نبی سکریٹری میونسپل بورڈ سنبھل، چودھری غلام صادق چودھری سید حسن و منشی انوارالحق و منشی شفیع الدین وغیرہ نمودار ہیں۔ رستم علی بن جلال الدین نے بوجہ تعلق قرابت محلہ مولانا میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی اولاد میں آل نبی بن خادم حسین وغیرہ ہیں۔

ان خاندانوں کے علاوہ امروہہ میں کوئی دوسرا جعفری خاندان نہیں ہے۔ خاندان چودھری صاحبان کی قرابتیں خاندان پیرزادگان نیز عباسیوں اور فاروقیوں وغیرہ سے ہوتی ہیں

شجرۂ اولاد سید ابوالقاسم جعفری مورث خاندان چودھری صاحبان

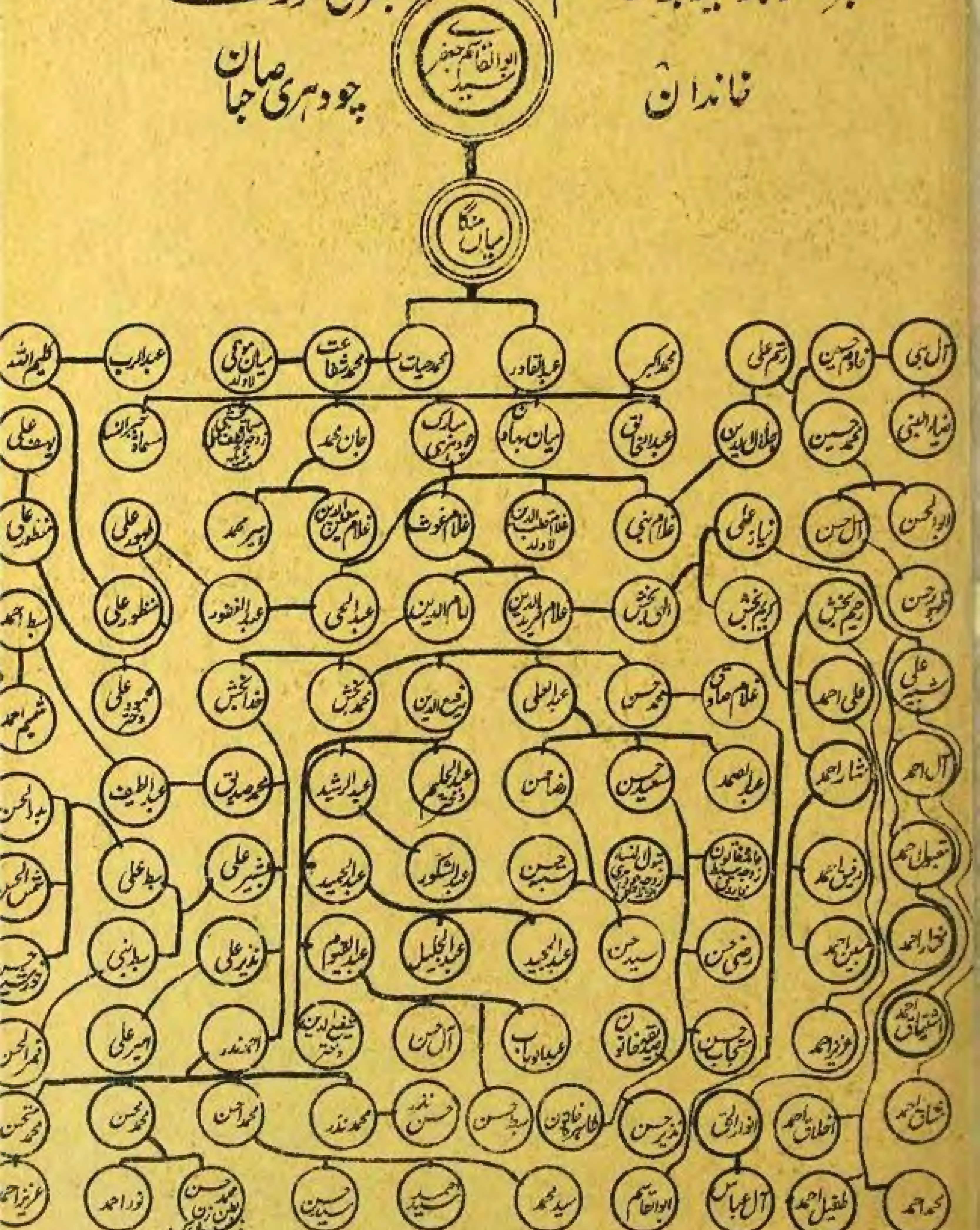

سادات عقیلی

حضرت عقیلؓ ابن ابی طالب کی اولاد جن کی کنیت ابویزید تھی عقیلی کہلاتی ہے اپنے بھائیوں میں منجھلے انساب عرب قریش کے ماہر بڑے حاضر جواب تھے۔ جنگ بدر میں اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ جنکے پرورش یافتہ تھے یہ بھی اسیر ہوئے حضرت عباسؓ نے فدیہ دیکر آزاد کرایا۔ خلافت کے جھگڑوں میں اپنے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ سے جدا و حضرت امیر معاویہؓ کے شریک حال رہے چنانچہ جنگ صفین میں ان ہی کے ساتھ تھے وہیں جان بحق ہوئے۔ آپکے پانچ صاحبزادے تھے۔ مسلم عبداللہ عبدالرحمن جعفر اور محمد۔ ان میں سے صرف محمد بن عقیل سے نسل باقی رہی۔ مسلم بن عقیلؓ ۶۰ھ میں کوفہ میں شہید ہوئے اور عبداللہ و جعفر کربلا میں ؞

امروہہ میں سادات عقیلی کا خاندان اطبا کا خاندان تہا جس کی سکونت ۱۸۵۷ء تک سادات عباسیہ کے محلہ مولانا میں رہی مورث انکے حکیم رکن الدین حاذق غالباً آگرہ سے امروہہ آئے ان کی اولاد میں نسلاً بعد نسل طبیب ہوتے رہے جو اپنے ناموں کے ساتھ لفظ حاذق لکھتے تھے۔ دو تین پشت پیشتر خاندان کے سب افراد سنی مذہب تھے۔ ننو شاہ جن کا مزار درگاہ سید اعزالدینؒ میں ہے اسی خاندان سے تھے اب معدودے چند افراد باقی ہیں جو گردش زمانہ سے پریشان روزگار ہیں ؞

تاریخ واسطیہ نے اس خاندان کا سلسلہ نسب عبداللہ بن مسلم بن عقیل سے متصل کیا ہے حالانکہ مسلم مذکور سے کوئی نسل باقی نہیں رہی حضرت عقیل کا عقب اُن کے صرف ایک بیٹے محمد سے باقی رہا جو حضرت علی کے داماد تھے اُن کے تین بیٹے ابو محمد عبداللہ قاسم اور عبدالرحمن ہوئے آخرالذکر دو بھائی منقرض ہیں۔ ابو محمد عبداللہ کا عقب محمد اور مسلم سے باقی رہا۔ محمد مذکور کے پانچ بیٹے قاسم عقیل علی طاہر اور ابراہیم ہوئے اور مسلم مذکور کے تین بیٹے عبدالرحمن محمد اور عبداللہ تھے۔ شاید امروہہ کے خاندان عقیلی کا سلسلہ نسب مسلم بن عبداللہ بن محمد بن عقیلؓ متصل ہوتا ہو نہ جیساکہ واسطیہ نے لکھا ہے مسلم بن عقیل سے واللہ اعلم۔ اس خاندان کے بعض اشخاص نے شیعوں سے قرابت کی بنا پر امامیہ مذہب اختیار کر لیا تہا ان کی اولاد بھی شیعہ ہے غالباً اسی بنا پر مولف واسطیہ نے جو بنی ہاشم میں سے غیر بنی فاطمہ کو زمرہ سادات میں شامل نہیں کرتے عقیلیوں کی سیادت کو تسلیم کر لیا ہے

چنانچہ یہ لوگ امروہہ کے شیعہ سادات کی برادری میں شامل ہیں اور ان سے ان کی قرابت و مصاہرت بھی ہے۔ شجرہ نسب کے بعض اسماء جو دستاویزات سے معلوم ہوئے ذیل میں درج ہیں مفصل شجرہ دستیاب نہیں ہوا۔

شجرہ نسب حکیم رکن الدین حاذق عقیلی

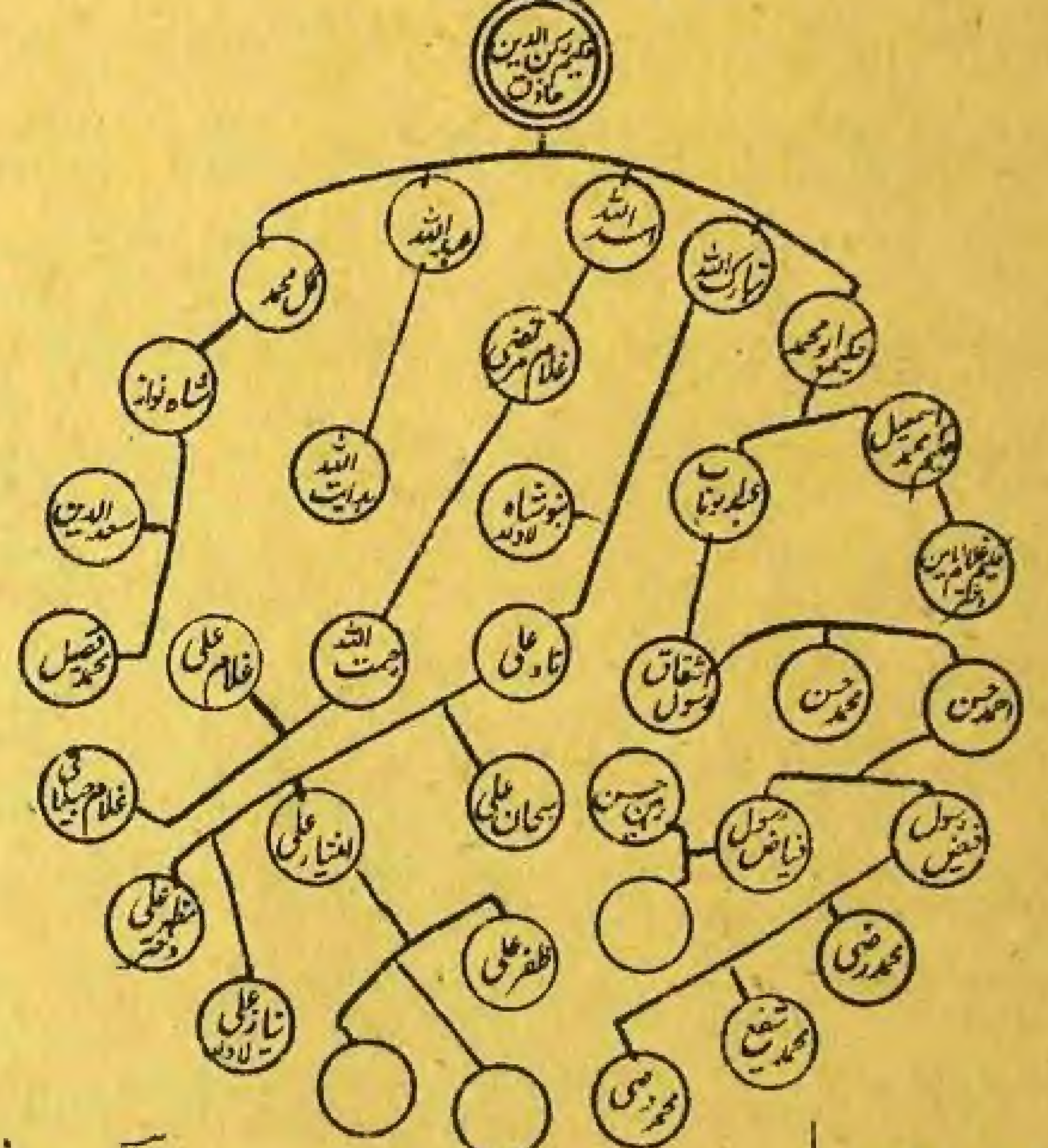

سادات عباسی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جد امجد عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے صرف حضرت عباسؓ اور سیدنا حمزہ مشرف باسلام ہوئے۔ جناب ابو طالب اگرچہ بروایات معتبرہ بھتیجے کے دین پر ایمان نہ لائے لیکن مرتے دم تک آنحضرتؐ کی حمایت وکفالت کرتے رہے۔ سید الشہداء حضرت حمزہ غزوہ احد ۳ھ میں شہید ہوئے آپکے اولاد ذکور نہ تھی۔ آنحضرتؐ کے اعمام میں صرف حضرت عباسؓ اور ابو طالب کی نسل دنیا میں باقی رہی انہی کی اولاد بنی عباس اور آل ابو طالب (علوی و جعفری و عقیلی) آنحضرتؐ کے اہلبیت و آل محمدؐ ہیں یہ

مطلبی وہاشمی ہیں یہی ذوی القربیٰ اور خمس کے مستحق ہیں ان ہی پر صدقہ وزکوٰۃ حرام ہے اور یہی سیّد و شریف کے لقب سے ملقب ہیں۔

حضرت عباسؓ کی ولادت ۵۶۶ء میں ہوئی آپ کی والدہ معظمہ نتیلہ بنت جناب بن کلیب بن مالک بن عمرو بن عامر بن زید مناۃ بن عامر ضحیان بن سعد بن خزرج تھیں[۵۱] مادری سلسلہ نسب ۱۶ واسطوں سے عدنان تک پہونچتا ہے حضرت عباسؓ کے اجداد مادری بہت دولتمند اور ملک کے ایک حصہ پر حاکمانہ اقتدار رکھتے تھے۔[۵۲] چنانچہ مادری ترکہ سے آپ کو مال و دولت کا کافی حصہ ملا تجارت کے ذریعہ اس پر معقول اضافہ کیا اس لیے اپنے سوتیلے بھائیوں میں آپ سب سے زیادہ متمول تھے۔ اسی بنا پر رفادۃ وسقایۃ اور بیت الحرام کی دیگر خدمات جو بحیثیت متولی کعبہ آپ کے اجداد انجام دیتے تھے اور جن میں زائرین کے کھانے پینے کا بھی انتظام کرنا ہوتا تھا۔ آپکے بھائیوں نے بالآخر آپ ہی کے سپرد کردی تھیں۔ آپ شروع سے آنحضرتؐ کی اعانت میں سرگرم رہے اور بعد وفات اپنے بھائی ابو طالب کے آنحضرتؐ کے مشیر خاص اور معاون و مددگار رہے۔ صاحب استیعاب لکھتے ہیں "کان العباسؓ انصر الناس لرسول اللہ بعد ابی طالب (یعنی ابو طالب کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ معاون و مددگار رہتے) تبلیغ اسلام وغیرہ اہم امور میں آنحضرتؐ آپ سے مشورہ فرماتے اور راز کی باتیں آپ سے کہہ دیتے چنانچہ ابتداءً جب اہل مدینہ کے وفد نے آنحضرتؐ سے مدینہ تشریف لے چلنے کی خواہش ظاہر کی حضور نے اپنے عم محترم سے مشورہ کیا حضرت عباسؓ نے اہل وفد بالخصوص حضرت سعد سے گفتگو کی اسے ایک شیعی مذہب مصنف نے ان اشعار میں بیان کیا ہے[۵۳]:

چنیں گفت عباسؓ بیدار ہوش ۔۔۔ وزاں پس آں قوم اخلاص کوش
محمدؐ بزرگ است و عالی تبار ۔۔۔ کہ اے نامداران یثرب دیار
کہ دارمش از جاں خود دوست تر ۔۔۔ عزیز است در پیش ما ایں قدر

۵۱ طبری صفحہ ۱۱۲۲ والمختصر فی اخبار خیر البشر مطبوعہ مصر ۵۲ استیعاب صفحہ ۴۹۰ والکمال لصاحب المشکوٰۃ صفحہ ۶۲

درین مدت اعدائے ملت زکیں | شب و روز بودند اندر کمیں
نمودند بسیار سعی و تلاش | بسے چارہ جستند پنہاں و فاش
کہ یابند دست تسلط مگر | رسانند ناگاہ اورا ضرر
ولے سینہ را ما سپر ساختیم | بیاری دہی سر برافراختیم

غرضیکہ آنحضرتؐ کے ساتھ شروع سے آپکے انس و محبت نصرت و حمایت اور خدمت اسلام کے واقعات سے جو کتب تاریخ و سیر میں مذکور ہیں ثابت ہے کہ حضرت عباسؓ بہت پہلے سے عقیدۃً مسلمان تھے، آپ کی زوجہ محترمہ ام الفضل پہلی خاتون تہیں جو حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام لائیں چنانچہ ابو رافع جو حضرت عباسؓ کے غلام تھے اور آپنے ان کو آنحضرت کی خدمت میں دیدیا تہا فرماتے ہیں کہ میں (حضرت) عباسؓ بن عبدالمطلب کا غلام تہا اسلام ہمارے گہر میں آگیا تھا (حضرت) عباسؓ اسلام لے آئے تھے ان کی زوجہ ام الفضل ایمان لے آئی تہیں اور میں مسلمان ہوگیا تہا[1]۔ تاہم بعض مجبوریوں اور مصلحتوں کی بنا پر جن میں آپ کی مالی ذمہ داریاں زیادہ موثر تہیں، آپ اعلان و اظہار میں تامل کرتے تھے، ابوطالب کی وفات کے بعد طالب و عقیل نیز عتبہ و شیبہ بلکہ کل کنبہ کا بار تنہا آپ ہی کی ذات پر آپڑا تہا، تجارت کے سلسلہ میں مال کا زیادہ حصہ قریش پر بٹا ہوا تہا، حضرت عباسؓ اسی حالت میں تھے کہ جنگ بدر کا واقعہ پیش آگیا، قریش میں باہم عہد و پیمان ہوگیا، خاندان ہاشمی نے آنحضرتؐ کی حمایت میں قریش کے ہاتوں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کی تہیں اور قریش علی العموم ان سے بدظن تھے ان میں سے کوئی شخص ذرا بھی مخالفت یا تامل کرتا فوراً قتل کردیا جاتا۔ ابوجہل کی شرارت سے حضرت عباسؓ مع اپنے بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور دوسرے ہاشمی نوفل بن حارث وغیرہ کے طوعاً و کرہاً بلکہ قہراً و جبراً کافروں کے ساتھ میدان جنگ میں لائے گئے، آنحضرت کو چونکہ اپنے چچا کے دلی خیالات کا بخوبی علم تہا اور یہ معلوم تہا کہ وہ جبراً آئے ہیں اس لئے حضور نے مسلمانوں کو یہ حکم دے رکھا تہا کہ من لقی العباسؓ فلا یقتلہ (یعنی جو شخص (حضرت) عباسؓ سے ملے ان کو قتل نہ کرے) بالآخر حضرت عباسؓ و عقیل یہ دونوں چچا بھتیجے اسیر ہوئے اور یہ اسیری ہی اعلان و اظہار اسلام کا بہانہ بن گئی

---

[1] طبقات جلد ۴ صفحہ ۵

اسکے بعد آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق ہزاروں کافروں کے درمیان آپ مکہ میں محض اس وجہ سے مقیم رہے کہ خاندان نبوتؐ کے صاحبِ وقار شخص کا وہاں موجود رہنا کافروں کی نقل و حرکت کی بروقت اطلاع یابی کا موجب ہوگا. اس زمانہ کے متعدد واقعات کتب سیر و تاریخ میں مذکور ہیں فتح خیبر کے زمانہ میں آپ مکہ معظمہ میں تھے کہ حجاج بن علاط تاجر نے جو مسلمان ہوگئے تھے اور جن کا مال قریش کے پاس تھا اپنا مال جلد وصول کرنے کی خاطر فتح کفار کی غلط خبر مشہور کردی تھی لیکن حضرت عباسؓ سے بعد میں اصل واقعہ بیان کیا جس کو صاحب حملہ حیدری شیعی مذہب نے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سے

نجندید حجاج از خرمی ۔۔۔ بدو گفت اے سید ہاشمی
میفگن دل خویش را در قلق ۔۔۔ کہ فتح نبیؐ شد ز تائید حق
پس آں داستاں را بہ بسط تمام ۔۔۔ ز اول بیان کرد تا اختتام
چو پرداخت از شرح حال یہود ۔۔۔ ز اسلام خود نیز ظاہر نمود
دگر باعث شہرت آں خبر ۔۔۔ چنین گفت کاے سید نامور
گرفتم بریں ابلہاں ایں اصول ۔۔۔ کہ زرہائے خود را نمودم وصول
چو عباسؓ شد آگہ از اصل کار ۔۔۔ دلش گشت خرم تر از نوبہار
عم مصطفیٰ بعد آں نیک رائے ۔۔۔ نیامد برون تا دو روز از سرائے
چو روز سوم گشت آں ارجمند ۔۔۔ بتن جامۂ قیمتی در فگند
بسر بست عمامۂ پُر بہا ۔۔۔ بدوشش ز برد یمانی ردا
گرفتہ زعود و قمارے بخور ۔۔۔ شد از خانہ سوئے حرم با سرور
خراماں ہمی رفت آں نامدار ۔۔۔ قضارا بجائے فتادش گذار
کہ سفیان و چندے دگر از قریش ۔۔۔ بیکجائے بودند با کام و عیش

سلہ حجاج مذکور نے حضرت عباسؓ سے خواہش کی تھی کہ میرے یہاں سے روانہ ہونے کے دو روز بعد تک شرکین پر اصل حقیقت کا اظہار نہ ہو اس لیے آپ دو روز تک مکان سے باہر تشریف نہ لائے ۱۲

چو دیدند عباسؓ را مشرکاں | کہ آمد بداں زینت و فرّ و شاں
بطعن و کنایت بہ پیش آمدند | کہ رندانہ در پردہ داغش کنند
بگفتند با خندہ و خرّمی | کہ اے نامور سیّد ہاشمی
گر مژدۂ فتح خیبر رسید | کہ از خوشش دلی کردی امروز عید
بپاسخ چنیں گفت آں نامور | کہ نشنیدہ اید ایں خبر را مگر
بتائید پروردگار قوی | ظفر یافت بر اہل خیبر نبیؐ الی آخرہ

فتح مکہ سے قبل حضرت عباسؓ نے حسب خواہش آنحضرتؐ مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ آنحضرتؐ اپنے چچا کا احترام واکرام کرتے اور ان کو اپنے آبا کی نشانی فرماتے کان العباسؓ اعظم الناس عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ لیعترفون العباسؓ بفضلہ ویشاورونہ ویاخذون بہ رایہ (یعنی آنحضرتؐ کے نزدیک حضرت عباسؓ سب آدمیوں سے زیادہ بزرگ تھے اور صحابہ آپ کی بزرگی کے معترف تھے وہ آپ سے مشورہ لیتے اور آپ کی رائے پر کاربند ہوتے)[۱] ۱۸ھ میں بزمانہ خلافت فاروقی جب حجاز میں سخت قحط پڑا امیر المومنین حضرت عمرؓ نماز استسقا کے لیے اہل مدینہ کو ساتھ لیکر شہر سے باہر گئے تو حضرت عباسؓ کا ہاتھ پکڑ کر انکے وسیلہ سے جناب باری میں دعا مانگی اور یہ الفاظ فرمائے جن کو کتب سیر و رجال میں محفوظ رکھا گیا ہے۔[۲]

اللّٰھم انا نتقرب الیک بعم نبیک و بقیۃ اٰبائہ واکبر رجالہ فانک تقول و قولک الحق واما الجدار فکان لغلامین یتیمین فحفظتھما بصلاح اٰباءنا فاحفظ اللّٰھم نبیک فقد دلونا بہ الیک

اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی کے چچا اور اُن کے آبا کی یادگار کو وسیلہ بناکر لائے ہیں تونے دو یتیموں کو جن کا واقعہ سورہ کہف میں مذکور ہے ان کے آبا کی نیکوکاری کی وجہ سے محفوظ رکھا تو اس امت کو رسول اللہ کے چچا کے طفیل محفوظ رکھ ہم تیرے

---

[۱] اصابہ ۲۷۲

[۲] بخاری و استیعاب و اصابہ ینابیع المودۃ و کامل ابن اثیر وغیرہ ۱۲

مشتشفعین مستغفرین ٭	جناب میں ان کو سفارشی بنا کر مغفرت کے طالب ہیں ۱۲

اس قسم کے چند اور الفاظ فرمائے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا[۱] :-

ایھا النّاس ان رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وَسَلّمَ کان یری العبّاس مَا یَرَیٰ الولد لوالدہ یعظمہ یُفخمہُ ویبرقسمہ فاقتدوا	اے لوگو! رسول خدا (حضرت) عباس کو اپنے والد کی جگہ جانتے اور اسی طرح آپ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے جیسے اپنے والد کی۔ آپ کی قسموں کو پورا کرتے تھے
ایھا النّاس لرسُول اللہ فی عمہ العباس وَ اتخذ وہ وَسِیلَۃً الیٰ رَبّکم فیما نزل بکم ٭	اے لوگو! پیروی کرو رسول اللہ کی انکے چچا حضرت عباس کے بارے میں اور ان کو اپنے پروردگار کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر اس مصیبت کے دفعیہ کی جو تم پر نازل ہوئی ہو دعا کرو

لوگوں نے دعائیں مانگیں خود حضرت عباسؓ نے جو بہت مسن ہو گئے تھے اور روتے جاتے تھے جناب باری میں دعا فرمائی، رحمت باری جوش میں آئی، بارش ہونے لگی، لوگ حضرت عباسؓ کی دست بوسی کو یہ کہکر دوڑتے جاتے تھے ھنیئاً لکَ یا ساقی الحرمین۔ فضل بن عتبہ ہاشمی نے اُسی وقت یہ اشعار کہے ؎

بعمی سقی اللہ الحجاز واھلہ — عشیۃ یستسقی بشیبتہ عمر
توجھہ بالعباسؓ فی الجدب راغباً — الیہ فما ان رام حتی اتی المطر
وَمِنّا رسول اللہ فینا تراثہ — فھل فوقَ ھذا للمفاخر مفتخر

ترجمہ :- میرے چچا کے ذریعہ خدا نے حجاز و اہل حجاز کو اس روز پانی پلایا! جب حضرت عمرؓ نے ان کی پیری کے ذریعے دعا مانگی وہ حضرت عباس کی جانب متوجہ ہوئے اور اس توسل کا . . . . نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں سے ہٹنے ہی نہ پائے تھے کہ بارش ہونے لگی۔ ہم میں رسول اللہ ہیں اور ہم میں ان کی وراثت ہے پس اس سے زیادہ فخر کرنے والوں کے لیے افتخار کا کون موقع ہوگا،

حضرت حسان بن ثابت نے بھی اسی وقت حضرت عباسؓ کی شان میں یک قصیدہ کہا جسکے تین شعر یہ ہیں ؎

سال الامام وَقد تتابع جدبنا — فسقَی الغمام بغرّۃ العبّاس رضی

[۱] کنز العمال صہ۔۔

ورث النبيّ بذاك دون الناس	هم النبيّ وصنو والده الذي
محضرة الا جناب بعد الياس	احی الاله به البلاد فاصبحت

(ترجمہ:- امیرالمومنین نے پے درپے قحط سالی کے ہونے پر حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگی جس کی برکت سے فوری بارش ہوئی۔ عباسؓ کون ہیں؟ وہی جو نبی کریمؐ کے چچا اور ان کے باپ کے بجائے ہیں۔ نبی کریم کا یہ ورثہ صرف عباسؓ ہی کو ملا ہے۔ کھیتیاں شاداب ہوگئیں خشک سالی دور ہوگئی (حضرت عباسؓ کا وسیلہ کس درجہ مقبول بارگاہ ہوا)

حضرت عباسؓ کے مناقب بے شمار ہیں کتب تاریخ و سیر میں جنگ حنین و فتح مکہ وغیرہ میں آپ کے کارنامے اور دیگر اسلامی خدمات کے واقعات بالتفصیل درج ہیں۔ آپ سخاوت و صلہ رحمی میں بےنظیر بڑے کنبہ پرور تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ آپ کی وفات پر بنی ہاشم کی بیبیوں نے سال بھر تک زیب و زینت ترک کردی تھی۔ اٹھاسی سال کی عمر میں ۱۲ رجب ۳۲ھ کو بروز جمعہ وفات پائی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے قبر میں اُتارا۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئے آپ کے بعد اسی قبہ میں جو "قبہ اہلبیت" سے موسوم و مشہور ہوا۔ امام حسنؑ امام زین العابدینؑ محمد الباقرؑ جعفر صادقؑ اور دیگر اہلبیت مدفون ہوئے۔ نجدیوں نے اپنے زمانہ تسلط میں دیگر قبہ جات کی طرح اس قبہ کی عمارت کو بھی منہدم کرادیا ہے۔

قطعہ تاریخ وفات

در جہاں آنکہ بود خیر الناس	نام نامی آں بگو عباسؓ
آں فروغ چراغ مطلبی	عم دیار محمد عربی
روز آدینہ نقل فرمودہ	ہفدہم از مہ رجب بودہ
سال عمر شریف آں مسعود	ابن جوزی دو کم نود فرمود
سال فوتش ز درد و غم برخواں	ماند آفاق خالی از سلطاں

حضرت عباسؓ کی زوجہ محترمہ حضرت لبابۃ الکبریٰ ام الفضل ام المومنین حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن پہلی خاتون تھیں جو عورتوں میں حضرت خدیجہ کے بعد اسلام لائیں۔ آنحضرتؐ کو اپنی چچی سے خاص موانست تھی اور اُن کو اپنی والدہ معظمہ کی جگہ سمجھتے تھے۔ استیعاب میں زید بن علی بن امام حسینؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے بعد نبوت سر مبارک کسی عورت کی گود میں نہیں رکھا سوائے اپنے چچا حضرت عباسؓ کی زوجہ محترمہ حضرت ام الفضل کے ÷

حضرت عباسؓ کی اولاد امجاد حضرت عباسؓ کے بروایات مختلف گیارہ یا بارہ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں یعنی حضرت فضل حضرت عبداللہ (ابن عباس) حضرت قثم عبدالرحمن اور معبد یہ چھ فرزند اور ایک دختر ام حبیبہ حضرت ام الفضل کے بطن طاہرہ سے ہوئے اور حارث کثیر عوف تمام اور صبیح یہ پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں آمنہ اور صفیہ دیگر ازواج کے بطن سے تھیں روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ام الفضل کے بطن سے جو چھ فرزند تھے ان پر مع اپنے عم محترم حضرت عباسؓ کے آنحضرتؐ نے کسا رمبارک ڈالی اور ان سب کی جانب اشارہ کرکے بارگاہ رب العزت میں بالفاظ ذیل دعائے مغفرت مانگی[۵۱]:-

هذا عمّی وصنوابی وهولاء اهل بیتی — یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے مثل ہیں اور یہ لوگ
وعترتی فاسترهم من النّار کسترهم — میرے اہلبیت اور عزیز ہیں۔ خدایا! ان کو نار دوزخ سے
ایاهُم ÷ — اسی طرح چھپانا جس طرح میں نے انہیں اپنی چادر میں چھپایا ہے

حضرت عباسؓ کے بڑے بیٹے حضرت فضل جنکے نام کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالفضل ہوئی حسن وجمال کے علاوہ شجاعت وسخاوت میں مشہور تھے۔ فتوحات بہنسا (ملک شام) میں آپکا بھی نمایاں حصہ تھا قلعہ بہنسا میں جب فاتحانہ داخل ہوئے فخریہ اشعار پڑھتے جاتے تھے ان میں کا ایک شعر یہ تھا[۵۲]۔

الا اننا السادات من آل هاشم — لیوث کرام طیبون العزائم

جو لوگ نہ جانتے ہوں وہ جان لیں کہ ہم سادات بنی ہاشم ہیں — مانند بزرگ شیروں کے جو اچھے ارادہ والے ہوں

---

[۵۱] مدارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۵ مطبوعہ ناصری ۱۲ [۵۲] سیرۃ العباس

آپنے ملک شام میں شہادت پائی۔ اولاد میں ایک دختر تھیں جو حضرت ابو موسیٰ اشعری کی زوجہ تھیں
منجھلے صاحبزادے حضرت عبداللہ (ابن عباس) کا تذکرہ آگے آتا ہے۔ ان سے چھوٹے حضرت عبیداللہ
دیگر صفات کے علاوہ سخاوت میں بے مثال تھے۔ ان تینوں بھائیوں کے متعلق ملک عرب میں بطور
ضرب المثل یہ قول مشہور تھا:۔ من اراد الجمال والفقه والسخاء فلیأت دار العبّاس (یعنی جو
شخص حسن، علم و سخاوت کو ایک جگہ دیکھنا چاہے وہ حضرت عباسؓ کے گھر چلا جائے) حسن و جمال حضرت فضل کا
علم و فضل حضرت عبداللہ ابن عباس کا اور جود و سخا حضرت عبداللہ کا مشہور تھا۔ حضرت عبیداللہ نے تقریباً اسی
سال کی عمر پاکر مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ سے نسل باقی رہی۔ ان سے چھوٹے حضرت قثم ہم شبیہ
پیغمبر صلعم تھے بزمانہ خلافت مرتضوی مکہ و مدینہ و طائف کے حاکم رہے، سمرقند میں وفات پائی جہاں آپکا مزار
مزار شاہ[۱] کے نام سے مشہور اور زیارتگاہ خلایق ہے ان سے چھوٹے دو بھائی حضرت عبدالرحمٰن اور
حضرت معبد بزمانہ خلافت امیرالمومنین حضرت عثمان غنیؓ بغرض جہاد افریقہ گئے اور دونوں بھائیوں نے
وہیں جام شہادت نوش فرمایا۔ تہذیب الاسماء اور معارف ابن قتیبہ میں مذکور ہے کہ ایک ماں کے بیٹے
جن کی قبریں ہزاروں کوس کے فاصلہ پر ہوں حضرت ام الفضل کے صاحبزادے ہیں کیونکہ حضرت فضل
کی قبر یرموک (ملک شام) میں، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا مرقد انور طائف میں، حضرت عبیداللہ کا
مدفن مدینہ منورہ میں، حضرت قثم کا مزار سمرقند میں اور حضرت عبدالرحمٰن و حضرت معبد ملک افریقہ میں
مدفون ہیں۔ آخرالذکر کے پانچ فرزند تھے جن کی نسل بعد چند پشتوں کے منقطع ہوگئی ؛

[۱] کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ جب خلافت عباسیہ کا چنگیزیوں کے ہاتھوں خاتمہ ہوگیا۔ خاندان عباسیہ کے ہزاروں افراد کو کفار نے تہ تیغ کیا امیرالمومنین کی بھتیجی تاتاریوں کے ہاتھ گرفتار ہوئی قافلہ تاتار جب سمرقند پہونچا عفیفہ نے مزار شاہ کو دیکھکر فاتحہ خوانی کی اجازت مانگی اور مزار پر آکر بارگاہ رب العزت میں یوں ملتجی ہوئی کہ اے قادر توانا! اگر صاحب مزار تیرے پیارے رسول کے بھائی اور تیرے مقرب ہیں تو اس مزار کو شق فرمادے کہ میں اس میں سما جاؤں خدایا! خاندان نبوت کی ایک ناچار لڑکی کی عفت محفوظ اور خاندان رسالت کی لاج رکھ۔ قدرت خدا سے قبر شق ہوجاتی ہے اور اس میں وہ عفیفہ سما جاتی ہے ۱۲

حضرت ابن عباسؓ حضرت عباسؓ کے منجھلے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا جو ابن عباسؓ کے عرف سے زیادہ مشہور ہیں، علم و فضل صحابہ رسولؐ میں مسلم تھا۔ آپ کو بدعائے حضرت رسول خدا صلعم فہم معانی قرآن میں خداداد ملکہ تھا[۱] اور آپ کی ذہانت و ذکاوت تمام عرب میں مشہور تھی۔ آپ مفسر بھی تھے اور محدث بھی، فقیہ بھی تھے اور مورخ بھی، خطیب بھی تھے اور ادیب بھی، مہندس بھی تھے اور شاعر بھی۔ تبحر علمی کی بنا پر آپ حبر الامۃ کے لقب سے ملقب تھے آپنے کئی ہزار چھ حدثیں روایت کی ہیں جن میں سے بخاری اور مسلم پچانوے ۹۵ حدیثوں میں متفق ہیں اور اکثر میں منفرد۔ جمال باطنی کیساتھ جمال ظاہری کی نعمت بھی آپکو مبدائے فیاض سے عطا ہوئی تھی۔ اعمش سے یہ قول منقول ہے کہ :-

کان ابن عباسؓ اذا رایته قلت اجمل الناس فاذا تکلم افصح الناس فاذا حدث قلت اعلم الناس ۔	میں جب (حضرت) ابن عباسؓ کو دیکھتا تو دل میں کہتا کہ یہ سب آدمیوں سے زیادہ خوبصورت ہیں جب باتیں کرتے تو کہتا کہ یہ تمام آدمیوں سے زیادہ فصیح ہیں اور جب حدیث بیان کرتے تو میں کہتا کہ یہ تمام آدمیوں سے زیادہ عالم ہیں ۔

امام الحرمین نے تاریخ الطائف میں حضرت ابن عباسؓ کا طویل تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

الحبر البحر ترجمان القرآن مفسر الصحابة و عالمهم بدقائق كلام الله سيدنا عبد الله ولد بشعب بنی هاشم حين حصرهم قريش قبل الهجرة بثلاث سنين فحنكه رسول الله بريقه واذن فی اذنه اليمنى واقام فی اليسرى ومسح راسه وضمه اليه وسماه عبد الله واخبرانه من خيار هذه الامة ودعی له بالفقه والحكمة والعلم بكتاب الله	علامہ زماں، ترجمان قرآن، صحابہ میں مفسر اور سب سے بڑھ کر دقائق قرآن کے عالم سیدنا عبد اللہ (ابن عباسؓ) کی پیدائش شعب بنی ہاشم میں اس زمانہ میں ہوئی جب قریش نے ہاشمیوں سے ترک تعلق کر رکھا تھا یعنی ہجرت سے تین سال قبل۔ جب یہ پیدا ہوئے تو رسول اللہ نے اپنا لب ان کے تالو میں لگایا داہنے کان میں اذان دی اور بائیں میں اقامت۔ سر پر ہاتھ پھیرا گود میں لیکر سینہ سے لگایا عبد اللہ نام تجویز فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میری امت کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا دعا دی کہ فقہ و حکمت قرآن اور اسکے

[۱] استیعاب صفحہ ۳۴۲

وَتَاوِیْلِه وَان یزیده فهمًا وعلمًا وَ یبارک فیه — مطالب بیان ہیں اور علم و فہم اور برکت نصیب ہو۔

اسی مصنف نے حضرت علی کا یہ قول لکھا ہے کہ:-

وَکَانَ علیؓ یقول ابن عباسؓ انه لینظرُ الی الغیب من ستر رقیق بفضله وفطنه — حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ (حضرت عبداللہ) ابن عباسؓ تو رموز غیبی گویا اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

روائیوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ پیدا ہوئے تو بعد غسل سرور کائنات نے گود میں لیکر اپنا آب دہن اُنکے مُنہ میں لگایا اور تین مرتبہ مُنہ اور سینہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا ابو الفقہا پھر، ۳ مرتبہ پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا ابو الخلفا اس روایت کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے[۱]

آں عبد اللہ ابن عباسؓ — کان بود امام نیک انفاس
فرزند عم نبیؐ کلاں است — تاج جناب او جہاں است
یعنی چو آمدن ز مادر — بشنید نوید چوں پیمبرؐ
پیش نظرش طلب نمودہ — با شفقت عاطفت ستودہ
گفتہ پسرم کہ ذی جمال است — لاریب کہ جامع کمال است
بگرفت بشوق در کنارش — کردہ بعطا امید وارش
بر پشت و رخش کف عنایت — مالید بہ لطف بے نہایت
چوں دست نہاد بر حد آں — فرمود ورا ابو الفقہا ن
کف سود بہ پشت پیش شرفا — گفتش پدر ملوک خلفا ر
ایں لفظ نوبت ثلاثین — ہم سجع بگفت آں شہ دیں
گرداند بہ پشت دست ہر بار — می کرد بایں کلام تکرار
بایں بشارت پیمبرؐ — شد ہر دو مناصبش میسر

[۱] مثنوی نگار محمود مولفہ سالم علی فاروقی ۱۲

باعلم ستودہ امام است — در دین امام ہر امام است
از پشت مبارکش بعالم — سی ہفت خلیفۂ معظم
گشتند شہان ملک آفاق — با داد و شجاعت و باخلاق
با دولت و دیں شدند ممتاز — در گیتی و آخرت سرافراز
غازی وغا چو شیر بودند — بر فتح جہاں دلیر بودند

آپکے علم و فضل کی بنا پر حضرت عمرؓ آپ کی نہایت قدر و منزلت فرماتے اور اپنی علمی مجلسوں میں جن میں قدمائے صحابہ شریک ہوتے حضرت ابن عباسؓ کو باوجودیکہ اس وقت بالکل جوان تھے، برابر شریک کرتے۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں یمن و بصرہ و کوفہ حاکم رہے۔ جنگ جمل و صفین و جنگ خوارج میں اپنے برادر عمزاد حضرت علیؓ کے سپہ سالار و سردار لشکر تھے۔ آخری ایام میں بمقام طائف مسکن گزین رہے تشنگان علم یہیں آکر سیراب ہوتے۔ خاندان بنی ہاشم کے اکثر بزرگوں یعنی جناب عبدالمطلب و حضرت عباسؓ کی طرح آخر عمر میں آپ کو بھی نزول الماء کا عارضہ ہوا ایک دن امیر معاویہؓ نے آپسے مزاحاً کہا انتم یا بنی ھاشم تصابون فی ابصارکم (یعنی اے بنی ہاشم تمہاری بصارت اکثر جاتی رہتی ہے) آپنے اس کا ایسا برجستہ جواب دیا کہ امیر معاویہؓ سے کوئی جواب بن پڑا۔ آپنے فرمایا انتم یا بنی امیہ تصابون فی بصائرکم (یعنی اے بنی امیہ تم میں سے اکثر کی بصیرت زائل ہوجاتی ہے) اکہتر سال کی عمر میں بمقام طائف ۶۵ھ میں وفات پائی۔ امام محمد بن الحنفیہ نے جو ان ایام میں آپ ہی کے پاس پناہ گزیں تھے، نماز جنازہ پڑہائی۔ مزار مقدس طائف میں زیارتگاہ خلایق ہے میر غلام علی بلگرامی جو مزار فائض الانوار پر حاضر ہوئے تھے لکھتے ہیں کہ :۔

اے صبا رو بمزار پسر عم نبیؐ — خاک آں روضہ بہ از عنبر تر نشناسی
کردہ ام خوب تماشا چمن طائف را — نہ رسد ہیچ گلِ او بہ گلِ عباسی

آپ کی زوجہ محترمہ زرعہ بنت مشرح الکندیہ کے بطن سے چھ بیٹے اور ایک بیٹی متولد ہوئے امام علی سجاد، عباس، محمد، فضل، عبدالرحمن اور عبیداللہ دختر کا نام لبابہ تھا آپ کی دوسری صاحبزادی

اسمار ام ولد کے بطن سے تہیں ۔

امام علی سجاد عباسیؒ حضرت ابن عباسؓ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے عالم فاضل حسن و جمال میں مشہور، فصیح و بلیغ، عابد و زاہد تھے۔ رات دن میں ہزار رکعتیں پڑھتے، کثرت عبادت کی وجہ سے آپکا لقب سجادؔ[۵۱] پڑگیا تہا۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھاہے کہ :۔

علی بن عبداللہ بن العبّاسؓ کَانَ سَیِّدًا شَرِیفًا بَلِیغًا ھواصغر اَوْلَادِ ابیہ وَکَانَ اجمل قرشی علی وَجہ الارض واوسمھم وَاَکْثَرھُمْ صلوٰۃ وَکَانَ یُدعٰی السَجَّاد ۔	(امام) علی بن عبداللہ بن عباسؓ سید و شریف اور بلیغ و فصیح تھے یہ اپنے والد کے چھوٹے بیٹے تھے اور تمام قریش میں سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والے تھے اسی وجہ سے لوگ ان کو سجاد کہتے تھے ۔

آپ ۴۰ھ میں اس شب میں پیدا ہوئے جس میں حضرت علیؓ نے شہادت پائی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے نام پر آپکا نام علی رکھا اور اپنا آب دہن انکے منہ لگاکر دعا دی اور فرمایا خذ ابا الاملاک (یعنی بادشاہوں کے باپ کو لے جاؤ) آپ شیعان اہلبیت[۵۲] میں

---

[۵۱] امام علی زین العابدین حسینی اور امام علی سجاد عباسی دونوں ہمزمانہ اور عابد و زاہد تھے۔ دونوں بزرگ بوجہ کثرت سجود سجاد کے لقب سے ملقب تھے ۔

[۵۲] خلافت و امامت کے مسئلہ میں شیعوں کے بہت سے فرقے ہیں جنہوں نے سیاسی اغراض پر مذہبی رنگ چڑھاکر پروپگنڈا کیا۔ علامہ ابن خلدون نے ان میں سے خاص فرقوں کے عقاید کو بیان کیا ہے :۔

(۱) **امامیہ** :۔ آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؓ کی امامت و خلافت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اولاد علیؓ میں امامت منتقل ہونے کے قائل ہیں۔ ان کے بھی دوگروہ ہیں (الف) اثنا عشری۔ یہ بارہ اماموں کی امامت کے قائل ہیں اور امام دوازدہم محمد بن حسن العسکری کو مہدی کہتے اور اُن کے خروج کی اُمید رکھتے ہیں وہ ان کے عقیدہ میں اپنے گھر کی سرداب میں مع اپنی والدہ کے غائب ہوگئے اور وہیں نہاں ہیں۔ زمانہ قرب قیامت میں ظاہر ہونگے ان کو امام منتظر کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ہر نماز مغرب کے بعد اس سرداب پر مع مرکب جاکر کھڑے ہوتے ہیں اور

سے فرقہ راوندیہ کے چوتھے امام تھے۔ بنی اُمیّہ خلافت کے معاملات میں آپ سے بہت مشتبہ اور خائف تھے۔ عبدالملک بن مروان خلیفہ اموی نے آپ پر طرح طرح کی سختیاں کیں حتیٰ کہ جسم مطہر پر کوڑے لگوائے

(بقیہ حاشیہ) امام کا نام لے کر پکارتے ہیں اور ظہور کی استدعا کرتے ہیں یہاں تک کہ اندھیرا ہو جاتا ہے' تارے چھٹک آتے ہیں اس وقت اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اور معاملہ کو دوسری شب کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں (ب) اسماعیلیہ یہ فرقہ کہتا ہے کہ امام جعفر صادق نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو بہ نص صریح امام مقرر کیا تھا وہ اگرچہ اپنے والد کی حیات میں وفات پا گئے لیکن اس نص کے ذریعہ سے امامت ان کی اولاد میں باقی رہی ان کے نزدیک امام موسیٰ الکاظم امام نہیں ہوئے بلکہ اسمٰعیل مذکور کے بیٹے محمد مکتوم امام ہوئے جو ائمہ مستورین کے پہلے امام ہیں یہ لوگ باطنیہ بھی کہلاتے ہیں حسن بن صباح اس فرقہ کا لیڈر رہتا ہے۔

(۲) **زیدیہ** یہ فرقہ زید شہید بن امام زین العابدین کی طرف منسوب ہے۔ اُن کے عقیدہ میں امام کا تقرر اہل حل وعقد کی رائے پر ہے نہ کہ احکام منصوصہ کے ذریعہ سے' وہ حضرت علی وامام حسن وحسین وزین العابدین کے بعد زید شہید کی امامت کے قائل ہیں۔ زید اپنے بھائی امام محمد باقر سے مناظرہ کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ امام کے لیے ضروری شرط ہے کہ وہ داعی امامت بن کر خروج کرے۔ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کی خلافت کے قائل تھے اور تبرے سے اپنے پیروں کو اجتناب رکھنے کی تاکید کرتے بعض لوگوں نے اسی بنا پر آپ کی پیروی ترک کر دی تھی جو فرقہ روافض سے موسوم ہوئے

(۳) **ہاشمیہ**۔ یہ لوگ امام حسین کے بعد ان کے بھائی امام محمد ابن الحنفیہ کی امامت کے قائل ہیں اور ان کے بیٹے امام ابوہاشم کے اور ان کے بعد امام محمد بن علی سجاد بن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے۔ اس فرقہ کو کیسانیہ بھی کہتے ہیں

(۴) **غالی شیعہ** یہ لوگ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کی قدح کرتے ہیں ان میں ایک گروہ ائمہ کی الوہیت کا قائل ہے ان میں بھی دو فرقے ہیں ایک کہتا ہے کہ ائمہ صفات الوہیت سے متصف ہیں اور دوسرے کا اعتقاد ہے کہ خدا تعالیٰ ائمہ کی بشری ذات میں حلول کر گیا ہے۔ ان ہی میں ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ جب کسی امام کی وفات ہوتی ہے تو اس کی روح دوسرے امام کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ ان کا فرقہ واقفیہ صرف ایک ہی امام کو مانتا ہے یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوام حیات کے قائل ہیں بعض اشخاص آپ کے فرزند امام محمد حنفیہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اب تک جبل رضوی پر موجود ہیں

زراوندیہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بعد وفات نبی کریم امامت وخلافت کے مستحق حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب

اور بالآخر جلاوطن کرکے مقام حمیمہ[۵] میں مع اہل و عیال کے نظربند کردیا وہیں اسی یا اناسی سال کی عمر پا کر ۱۱۹ھ میں وفات پائی آپکے ۱۲ بیٹے اور بارہ بیٹیاں گویا کل تئیس اولادیں تہیں *

امام محمد عباسیؓ۔ امام علی سجاد عباسیؓ کے بڑے صاحبزادے ۶۲ھ میں ولادت ہوئی مشہور عالم اور اجلہ تبع تابعین سے تھے آپ شیعہ عباسیہ سبعیہ راوندیہ اور شیعہ ہاشمیہ کے امام تھے۔ خدا تعالےٰ نے قیادت و امامت کی جملہ صفات سے آپ کو متصف کیا تہا۔ آپنے حصول خلافت کی زبردست کوششیں کیں خراسان و ماوراالنہر و عراق میں اپنے دعاۃ و نقیب مقرر کیے جنہوں نے خلافت بنی اُمیہ کے مخالف اور بنی عباسؓ کی موافقت میں پروپیگنڈا کیا۔ ان میں ابو مسلم خراسانی کی شخصیت نمایاں تھی یہ عجمی النسل خراساں کے خاندان بنی عجل کا مولی تہا ۱۲۳ھ میں جب امام محمد عباسیؓ بغرض ادائے حج مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے حسن بن قحطبہ کے ساتھ حاضر خدمت ہوا آپنے اس موقع پر جو تقریر فرمائی مورخین نے اسکے فقرات نقل کیے ہیں اس میں آپنے ابو مسلم کے ہاتھ سے بنی اُمیہ کی ہزیمت مقام مرو سے سیاہ جھنڈوں کا بلند ہونا اور خلافت عباسی کا قایم ہونا بطور پیشین گوئی کے بیان فرمایا تہا۔ ماہ ذیقعدہ ۱۲۵ھ میں وفات پائی آپکے سات فرزند ہوئے۔ سیدنا ابراہیم امام عبداللہ عیسیٰ عبدالصمد صالح داؤد اور اسمٰعیل *

امام ابراہیم عباسیؓ۔ امام محمد عباسیؓ کے بڑے صاحبزادے ۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور بعد وفات پدر بزرگوار ۱۲۵ھ میں شیعیان بنی عباس کی امامت آپ کو حاصل ہوئی۔ آپ وارث علوم اجداد عابد و زاہد نہایت فیاض و سخی تھے ابن اثیر کا قول ہے[۵۲] کان ابراہیم الامام خیراً فاضلاً کریماً۔ آپکے پاس خمس کا روپیہ بتعداد کثیر آتا جو آپ بنی ہاشم کو دریادلی سے تقسیم فرما دیتے۔ ایک مرتبہ امام جعفر صادق کو ہزار عبداللہ بن حسن بن امام حسن کو پانسو اور دیگر اہلبیت کو اس قدر اشرفیاں دیں۔ اپنے دعاۃ کو اپنے

(بقیہ حاشیہ) تھے کیونکہ وہ ہی رسول اللہ کے وارث اور عصبہ تھے۔ یہی عقیدہ شیعیان بنی عباسؓ کا ہے جن میں ابو مسلم خراسانی سلیمان بن کثیر و ابو سلمہ وغیرہ شامل تھے جنہوں نے لشکر جرار فراہم کرکے بنی اُمیہ کی خلافت کا خاتمہ کیا *

[۵] حمیمہ ملک شام کا سرحدی مقام علاقہ بلقا سے متصل تہا۔ حصول خلافت تک عباسی خاندان یہاں نظربند رہا۔ امام محمد عباسی اور ابراہیم امام عباسی کے زمانہ میں یہی مقام حصول خلافت کی کوششوں کا مرکز بنگیا [۵۲] تاریخ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۵۸

لوا محمدی جس کا نام ظل تہا اور دوسرا علم سحاب جسکا رنگ سیاہ تہا اور بالآخر یہی خلفاء عباسیہ کا خاندانی شعار ہوگیا تہا مع ہدایات بہیجے دعاۃ نے پرجوش پروپگینڈا کیا۔ حکومت نے آپکو محبوس کرکے شہید کر دیا۔ یہ سانحہ ۱۳۲ھ میں پیش آیا اسی سال بنی اُمیہ کی خلافت کا بہی خاتمہ ہوگیا۔ مزار شریف حرّان میں ہے ابراہیم بن علی بن سلمہ قریشی نے دردناک مرثیہ لکہا ہے جسکے بعض شعر یہ ہیں ؎

قد کنت أحسبني جلدا فضعضعني ۔۔۔ قبر بحرّان فيه عصمة الدين

فيه امام وخير الناس كلهم ۔۔۔ بين الصفائح والاحجار والطين

فيه الامام الذي عمّت مصيبته ۔۔۔ وعيّلت كل ذا مال ومسكين

فلا عفا الله عن مروان مظلمة ۔۔۔ لكن عفا الله عمن قال آمين

(ترجمہ :- میں خیال کرتا تہا کہ میں بہت چست و چالاک ہوں مگر مجہکو اس قبر نے جو مقام حرّان میں ہے اور جس میں دین الٰہی کی حفاظت کرنے والا مدفون ہے سست کر دیا۔ اس قبر میں وہ امام ہیں جو تمام آدمیوں سے بہتر ہیں جو تختوں اور پتہروں اور مٹی کے نیچے مدفون ہیں۔ اس امام کی موت معمولی موت نہ تھی اس نے ہر مالدار اور مسکین کو یتیم کر دیا پس خدا معاف نہ کرے مروان کے اس ظلم کو لیکن خدا اس کو معاف کر دے جس نے میری دعا پر آمین کہی)

آپ کی شہادت کے واقعہ نے بنی ہاشم و بنو عباس کے قلوب پر اس درجہ اثر ڈالا تہا کہ حصول خلافت کے بعد جب امیر المومنین عبداللہ السفّاح نے ملک شام کا سفر کیا اور ایک موقع پر تقریبًا اسّی یا نوّے بنی اُمیہ مجلس میں حاضر تھے۔ شبل بن عبداللہ شاعر نے جو بنی ہاشم کا آزاد شدہ غلام اور امویوں کا دشمن تہا، خلیفہ کو جوش دلانے کی غرض سے ایک پرجوش نظم فی البدیہ پڑہی جس میں سیدنا ابراہیم امامؒ کی شہادت کے واقعہ کو سانحہ کربلا اور زید بن علی حسینی و یحیٰی بن زید حسینی کے واقعات شہادت کے ساتھ بیان کیا گیا تہا۔ اس نظم کے چند اشعار جن سے متاثر ہوکر بنی امیہ کو قتل کر دیا گیا۔ یہاں نقل کرتا ہوں ؎

اصبح الملك ثابت الاساس ۔۔۔ بالبهاليل من بنى عباس

طلبوا وترها شم فلقوها　　بعد میل من الزمان ویاس
لاتقیلن عبد الشمس عثارا　　واقطعن کل رقلة وغراس
ذلها اظهر التودد منها　　وبها منکم کحد المواسی
ولقد ساءنی وساء سوائی　　قربهم من نمارق والکراسی
انزلوها بحیث انزلها اللہ　　بدار الھوان والاتعاس
واذکروا مصرع الحسین وزید　　وشهید بجانب المهراس
والقتیل الذی بحران اضحیٰ　　ثاویا بین غربة وتناس

ترجمہ خلافت کی بنیاد بنی عباس کے سرداروں کے ذریعہ مضبوط ہوگئی انہوں نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (بنی) ہاشم کا خون بہا طلب کیا جسے ایک مدت اور ناامیدی کے بعد حاصل کر لیا۔ بنو عبدالشمس (یعنی بنو امیہ) کو ہرگز معاف نہ کرنا ان کے چھوٹے بڑے درخت اور پودوں کو کاٹ ڈالو۔ ان کی ذلت وخواری ان سے اظہار محبت کرا رہی ہے حالانکہ وہ تمہارے لیے استروں کی دھاریں ہیں۔ ان کا کرسیوں اور قالینوں پر بیٹھنا مجھے اور میرے سوا دوسروں کو رنجیدہ ہے۔ ذلت وخواری کے جس مقام پر خدا نے انہیں رکھا ہے وہی جگہ تم انہیں دو حسین اور زید کی شہادت اور مقام مہراس کے شہید (حمزہ) اور حران میں مقتول ہونے والے (ابراہیم امام) کو یاد کرو جو غربت اور فراموشی کی حالت میں دفن ہوئے)

ابراہیم امامؒ کے دو فرزند محمد اور عبدالوہاب تھے جو دیگر بنو عباس کے ساتھ مقام حمیمہ سے کوفہ کو روانہ ہوئے آپ نے اپنے بھائی ابو العباس عبداللہ کو شیعیان بنی عباسؓ کی امامت تفویض کی تھی جو بعد ہزیمت بنی امیہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲ھ کو دار الامارۃ کوفہ میں بروز جمعہ خلفاء بنی عباسؓ کے پہلے خلیفہ ہوئے

خلافت عباسیہ: ابن جریر طبری کا قول ہے کہ کان بدؤ امر بنی عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم العباس عمہ ان الخلافۃ تؤل الی ولدہ فلم یزل ولدہ یتوقعون ذٰلک (یعنی خلافت آل عباسؓ کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو اس امر کی اطلاع دی تھی کہ خلافت آپ کی اولاد میں ہوگی اسی وجہ سے آل عباسؓ خلافت کی توقعات رکھتے تھے)

ہاشم اور عبدالشمس پسران عبدمناف ان دو حقیقی بھائیوں کی اولاد یعنی ہاشمی اور اموی ملک عرب کی سرداری اور حکومت کے لیے ایک دوسرے کے بہت پہلے سے مدمقابل اور حریف تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی کا واقعہ شہادت امویوں کے لیے پروپیگنڈے کا بہانہ ہوگیا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو اس میں متہم کیا[۵۱] امیر معاویہ رضی نے ملک شام میں اپنا اقتدار قایم کرلیا۔ امام حسنؓ نے ان کے حق میں دست کشی کرکے مسلمانوں کے دو گروہوں کو ایک دوسرے کا خون بہانے سے باز رکھا۔ امیر معاویہ رضی نے یزید کو اپنا جانشین کرکے فتنہ خوابیدہ کو بیدار کردیا' حضرت عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن زبیر اور امام حسین نے بیعت یزید سے انکار کردیا بعض نے خروج ہی کیا' واقعہ کربلا[۵۲] نے بنی ہاشم میں امویوں کی

[۵۱] یہ اتہام قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے' حضرت علیؓ نے تو اپنے دونوں صاحبزادوں امام حسنؓ و امام حسینؓ کو حضرت عثمانؓ کے مکان کی حفاظت کے لیے متعین کیا تھا کہ بلوائی حملہ آور نہ ہوسکیں' یہ حضرات اور دیگر اصحاب دروازہ مکان پر بلوائیوں کو روک رہے تھے کہ پیچھے سے چند بلوائی موقع پاکر مکان میں داخل ہوگئے اور حضرت عثمانؓ کو شہید کردیا اس سانحہ ہوش ربا کو سنکر حضرت علیؓ اور دیگر اکابر صحابہ بعجلت تمام دوڑ پڑے۔ جناب عثمانؓ کے لاشہ کو دیکھکر حضرت علیؓ بیخود ہوگئے اور کمال غیظ و غضب میں امام حسن کے منہ پر طمانچہ مارا اور امام حسینؓ کے سینہ پر گھونسا' محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو سخت سست کہا کہ حفاظت میں ایسی غفلت کیوں کی گئی' لیکن مشیت ایزدی یوں ہی تھی محافظوں کو خبر تک نہ ہوئی اور قاتل شقی اپنا کام کرگیا۔ ان حضرات کا دامن شک و شبہ سے قطعاً پاک ہے۔

[۵۲] کوفیوں کے پیہم اصرار پر جب امام حسینؓ نے مکہ سے کوفہ کا قصد کیا تو آپکے بزرگوں اور ہمدردوں نے آپ کو بہت سمجھایا اور کوفہ جانے سے روکا مگر آپنے نہ مانا۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم و عقد الفرید وغیرہ میں یہ حالات بالتفصیل مذکور ہیں اور لکھا ہے کہ عمرو بن عبدالرحمن بن الحرث بن ہشام آپکے پاس آئے اور کوفہ جانے سے روکا آپنے جواب دے کر ٹالدیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ تشریف لائے فرمایا۔ میں تم کو کوفہ جانے سے روکتا ہوں تم ان میں اس وقت تک نہ جاؤ' جب تک وہ اپنے امیر کو قتل نہ کر ڈالیں' اس کے مال کو نہ لوٹ لیں اگر محض ان کے بلانے پر جاتے ہو اور ان کا امیران میں موجود ہے تو یہ سمجھ رکھو کہ تم کو لڑائی کے لیے بلاتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم کو وہ لوگ دھوکا دینگے۔ جھٹلائینگے تمہاری مخالفت کرینگے اور سب سے زیادہ تمہارے وہی دشمن بنینگے"۔ آپنے جواب دیا کہ میں آج شب

خلاف سخت جوش پیدا کر دیا اولاً امام محمد حنفیہ نے اور انکے داعی مختار نے خروج کیا حکومت کے زبردست ہاتھ نے ان کو کچل دیا پھر عرصہ بعد زید بن امام زین العابدین نے اور انکے بعد ان کے فرزند یحیٰ نے پھر معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار رض نے خروج کیا مگر ان سب حضرات کی کوششیں جو یکے بعد دیگرے حصول خلافت و سلطنت کے لیے کی گئیں قطعاً ناکام رہیں۔ اسی دوران میں بنی عباس رض بالخصوص امام

(بقیہ حاشیہ) کو استخارہ کروں گا دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا حکم دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رض یہ سنکر تشریف لے گئے پھر عبداللہ بن زبیر آئے انہوں نے چلے جانے کی رائے دی پھر کچھ سوچ سمجھکر کہا بہتر ہوتا کہ آپ حجاز میں قیام کرتے اور اس کام کو یہیں سے انجام دیتے۔ عبداللہ بن زبیر کے چلے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر تشریف فرما ہوئے اور نصیحانہ کہنے لگے کہ تم بیعت لینے اور امارت حاصل کرنے کے لیے مکہ معظمہ سے باہر نہ جاؤ اللہ جل شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا و آخرت دونوں میں سے ایک اختیار کر لینے کا مختار کیا تھا۔ آپنے آخرت منظور فرمائی تھی چونکہ تم آپکے ایک جز ہو۔ دُنیا کی طلب نہ کرو اور اس کے گرد و غبار میں اپنے دامن کو آلودہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض یہ کہکر رو پڑے، امام حسین رض کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے مگر اس نصیحت پر آپنے عمل نہ کیا مجبوراً حضرت عبداللہ بن عمر رض رخصت ہو کر چلے گئے۔ اگلے دن پھر دوبارہ حضرت عبداللہ بن عباس رض تشریف لائے اور سمجھانے لگے "بھتیجے! مجھے بغیر نصیحت کیے چین نہیں پڑتا مجھے اس کا خوف ہے کہ اس میں تم ہلاک ہو جاؤ گے تمہارا خاندان تباہ و برباد ہو جائے گا آپنے انکو مخاطب کرکے یہ الفاظ فرمائے یا ابن اخی اما ادرکت الا مقتولاً و مخذولاً (بھتیجے! میں تمہیں نہیں دیکھتا مگر مقتول اور شکست خوردہ) اہل عراق بڑے بیوفا عہد شکن اور مکار ہیں تم ان کے قریب نہ جاؤ۔ اسی شہر میں قیام کرو۔ اور اگر اہل عراق اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ان کو لکھ بھیجو کہ تم اپنے امیر کو نکال دو بعد اس کے تم ان کے شہر میں جاؤ اور اگر تمہارا جی مکہ سے بغیر نکلے ہوئے نہیں مانتا یمن کی طرف چلے جاؤ وہ بہت وسیع زمین ہے پہاڑی گھاٹیاں بکثرت ہیں قدرتی محفوظ قلعے ہیں وہاں سے تم اپنے دعاۃ اطراف و جوانب میں بھیجو اور لوگوں سے بیعت لو" امام حسین رض نے اس نصیحانہ کلام کے جواب میں کہا کہ میں تو مصمم قصد کر چکا اب کسی طرح نہیں رک سکتا" حضرت عبداللہ بن عباس رض نے فرمایا خیر اگر جاتے ہی ہو تو اپنے لڑکوں اور عورتوں کو تو نہ لے جاؤ، مجھے اندیشہ ہے کہ عثمان رض کی طرح تم قتل نہ کیے جاؤ اور تمہارے لڑکے اور عورتیں دیکھتی رہیں" آپنے اس کا

علی سجادؒ امام محمد عباسیؒ اور ابراہیم امام عباسیؒ کے حسن تدبر اور تدبیر نیز شیعیان بنی عباسؓ کی مساعی کی بدولت بنی امیہ کی خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔

ہاشمیوں کی باہمی خانہ جنگی بنو ہاشم اور بنو امیہ کا جب تک مقابلہ رہا ہاشمیوں کی سب شاخیں آپس میں متحد رہیں لیکن جب ان میں سے ایک شاخ کو یعنی بنی عباسؓ کو اپنی مساعی جمیلہ کی بدولت حکومت وسلطنت حاصل ہوگئی تو اپنی کے بھائی بند اور ہجدآتش رشک و حسد سے جلنے لگے۔ حصول خلافت کے لیے اہل بیت کے استحقاق اور قرابت رسولؐ کا نام لیکر بنی امیہ کے خلاف جو پروپیگنڈا متفقہ طور پر کیا گیا تھا اسی کے تیر آپس میں چلنے لگے اور دولت و ثروت دنیا کی خاطر سے جھوٹ موٹ کے بہانے بنا بنا کے نئے نئے جھگڑے اور لڑائیاں ہونے لگیں۔ قرابت کے اعتبار سے علوی و عباسی برابر کے دعویدار رسول اللہ صلعم کے دو چچاؤں کی اولاد تھے۔ علویوں میں سے بنو فاطمہ کی جانب سے جزویت رسول اللہؐ کا نیا شاخسانہ کھڑا گیا۔ اسی کمبخت زمانہ میں شیعیان علی کے نئے فرقہ نے زور پکڑا اور امامت کا جدید مسئلہ مسلمانوں کا خون

(بقیہ حاشیہ) کچھ جواب نہ دیا حضرت ابن عباسؓ مایوس ہوکر چلے آئے (بعض شیعہ تعریضاً کہتے ہیں کہ معرکہ کربلا میں کوئی عباسی شریک نہ تھا مگر وہ یہ نہیں سوچتے کہ جب حضرت ابن عباسؓ نے امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے روکا بار بار نصیحت فرمائی اور نتیجہ سے باخبر کیا۔ عورتوں اور لڑکوں کے ساتھ لے جانے سے باز رکھنا چاہا تو وہ اپنی اولاد کو اس حالت میں کہ آپ کو اس کا یقین تھا کہ حسینؓ بن علیؓ اس خروج میں ناکام رہینگے اور شہید ہو جائیں گے کس طرح ساتھ جانے کی اجازت دے سکتے تھے۔ مولف)

لہ ابن خلدون (جلد ۲، صفحہ ۲۱) میں دولت عباسیہ کا آغاز اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ شیعوں کے بعض فرقے کیسانیہ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو بعد حضرت علیؓ کے محمد بن حنفیہ کی امامت کے قائل ہیں اور بعد ان کے اُن کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ کو امام مانتے ہیں اور بعد ان کے امام محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کی امامت کے معتقد ہیں بعد ازاں ان کے بیٹے ابراہیم امام کو بعدہ ان کے بھائی ابو العباس سفاح کو امام کہتے ہیں شیعیان بنو عباس میں سے جو خراسان میں رہتے تھے ایک فرقہ راوندیہ کے نام سے مشہور ہے جن کا زعم یہ ہے کہ بعد نبی صلعم امامت کے مستحق حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ہیں کیونکہ یہ رسول اللہ صلعم کے وارث وعصبہ ہیں بدلیل (قولہ تعالیٰ) ولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ ۱۲

پٹنے کے لیے شائع کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتوحات عرب جو طوفان کی طرح تمام دُنیا کو اپنے سامنے سے بہالئے چلی جاتی تھیں۔ یکایک بند ہوگئیں اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا ٹکرا کے پست اور شل ہوگئی امام حسنؓ کی اولاد میں سے محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؓ نے امیرالمومنین ابوجعفر عبداللہ المنصور عباسیؓ پر خروج کیا' امیرالمومنین نے محمد حسنی مذکور کو جو المہدی کے لقب سے ملقب تھے ایک مکتوب بھیجا جس میں خدا اور رسول کا واسطہ دیکر لکھا تھا کہ "میں تم کو اور تمہاری اولاد اور بھائیوں اور خاندان والوں اور ان لوگوں کو جنہوں نے تمہاری اتباع کی ہے امان دیتا ہوں" مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے دعوے سے باز آجائیں لیکن اس تحریر کا جواب میں محمد المہدی نے اپنا استحقاق جتایا اپنے نسب و شرف کا راگ گایا اور لکھا کہ"؛-

بنو ہاشم میں کسی شخص کا سلسلۂ قرابت ایسا نہیں ہے جیسا کہ ہمارا سلسلہ قرابت سابقیت اور فضل کا ہے۔ ہم زمانہ جاہلیت میں فاطمہ بنت عمرو اور رسول اللہؐ کی اولاد سے ہیں اور اسلام میں آپ کی لڑکی فاطمہؓ کی نسل سے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے ہم کو برگزیدہ کیا۔ نبیوں میں ہمارے والد محمد صلعم ہیں جو سب سے افضل ہیں اور سلف میں علیؓ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور بیبیوں میں سب سے بہتر خدیجہؓ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور لڑکیوں میں بہترین دختران رسولؐ فاطمہؓ سیدہ نساء عالمین اور اہل جنت ہیں اور مولودین اسلام میں حسنؓ و حسینؓ سردار جوانان جنت ہیں بیشک ہاشم سے علیؓ کا دوہرا سلسلہ قرابت ہے اور عبدالمطلب سے حسنؓ کا بھی دوہرا سلسلہ قرابت ہے اور بے شک رسول اللہ صلعم سے میرا بھی بجانب حسنؓ و حسینؓ دوہرا سلسلہ قرابت ہے اور بلا شبہ میں باعتبار نسب کے بہترین بنی ہاشم ہوں اور میرا باپ انکے مشاہیر میں سے ہے مجھ میں کسی عجمی کا میل نہیں ہے اور نہ مجھ میں امہات اولاد کی کوئی نزاع ہوئی ہے ہمیشہ سے میرے آباد امہات جاہلیت و اسلام میں ممتاز رہے یہاں تک کہ میرے لیے خیرالاشرار کو منتخب کیا میں بیٹا ہوں اسکا جسکا جنت میں سب سے بڑا درجہ ہوگا۔ (یعنی رسول اللہ صلعم) اور بیٹا ہوں اس کا جس پر دوزخ میں کمتر عذاب ہوگا۔ (مراد ابو طالب سے ہے) الی آخرہٖ"۔

امیرالمومنین نے محمد المہدی حسنی کی ان نسبی تعلّیوں کا جواب ترکی بترکی دیا جس کو تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے

تاریخ کامل ابن اثیر صفحہ ۲۵۲ جلد پنجم مطبوعہ مصر سے یہاں نقل کرتا ہوں:-

ترجمہ مکتوب امیر المومنین ابو جعفر عبد اللہ المنصور عباسیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امابعد مجھے تمہاری باتیں معلوم ہوئیں اور میں نے تمہارا خط پڑھا۔ تمہارے فخر کا دارو مدار عورتوں کی قرابت پر ہے جس سے جہال اور بازاری دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چچاؤں باپوں عصبہ اور ولیوں کی طرح نہیں بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چچا کو باپ کا قایم مقام بنایا ہے اور اپنے صحیفہ میں اس کو قریب ترین ماں پر مقدم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عورتوں کی قرابت کا اگر پاس و لحاظ کرتا تو آمنہ (مادر رسول اللہ صلعم) ان میں سے نہایت قریب عزیز اور بڑی حق والی ہوتیں اور جنت میں داخل ہونے والیوں میں اولیٰ ہوتیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں سے جو گذر گئے ہیں اپنی مرضی کے مطابق پیدا اور برگزیدہ کیا (نہ کہ جیسا تم سمجھتے ہو) اور تم نے جو فاطمہ ام ابی طالب اور اس سے پیدا ہونیکا ذکر کیا ہے تو اس کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کسی لڑکے اور کسی لڑکی کو اسلام نصیب نہیں کیا اور اگر اللہ تعالیٰ مردوں میں سے کسی کو بوجہ قرابت دائرہ اسلام میں داخل کرتا تو عبد اللہ (پدر بزرگوار رسول خدا صلعم) کو اور بیشک وہ ہر طرح سے دنیا و آخرت میں بہتر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لیے جس کو چاہا اختیار کیا فرماتا ہے کہ "بے شک جس کو تو چاہتا ہے۔ ہدایت نہیں کر سکتا مگر اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے" اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپکے چار چچا اس وقت موجود تھے پس اللہ عزوجل نے آیۂ کریمہ وَاَنذِر عَشِیرَتَکَ الاَقرَبِینَ (اور ڈراؤ اپنے قریب ترین عزیزوں کو) نازل فرمائی چنانچہ آپؐ نے ان لوگوں کو عذاب آلہی سے ڈرایا' دین حق کی طرف بلایا' ان میں سے دو نے اس دین کو قبول کیا۔ ازاں جملہ ایک میرا باپ تھا (یعنی حضرت عباسؓ بن عبد المطلب) اور دوسرے سیدنا حمزہؓ اور دو نے دین حق قبول کرنے سے انکار کیا ان میں ایک تمہارا باپ تھا (یعنی ابو طالب) اور دوسرا

ابولہب ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا سلسلۂ ولایت آپ سے منقطع کر دیا اور آپ میں اور ان دونوں میں کوئی قرابت و ذمہ اور میراث نہ قایم کی (چنانچہ ابوطالب کے انتقال کے بعد آنحضرت نے ان کا ورثہ حضرت علی و حضرت جعفر کو نہیں لینے دیا) تمہارا یہ زعم ہے کہ تم ایسے شخص کے بیٹے ہو جو دوزخیوں میں سب سے کمتر عذاب میں ہوگا اور تم خیر الاشرار کے لڑکے ہو تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے میں کوئی صغیر نہیں ہوتا اور عذاب میں خفیف اور آسان نہیں ہوتا اور شر میں کوئی بہتر نہیں ہوتا کسی مرد مومن کو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو یہ مناسب نہیں ہے کہ دوزخی ہونے پر فخر کرے اور عنقریب تم خود دوزخ میں جاؤگے اور قریب ہے کہ جان لینگے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے کہ کس کروٹ وہ الٹے پلٹے جائینگے جس کی بابت جو تم نے یہ لکھا ہے کہ عبدالمطلب سے ان کا دوہرا سلسلہ قرابت ہے اور پھر تم کو رسول اللہ صلعم سے دو طرفہ تعلق قرابت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خیر الاولین و آخرین رسول اللہ صلعم ہیں ان کو ہاشم و عبدالمطلب سے صرف ایک پدری تعلق تہا اور تمہارا یہ زعم کہ تم بہترین بنو ہاشم ہو اور یہ کہ تمہارے باپ و ماں ان میں زیادہ مشہور تھے اور یہ کہ تم میں عجمیوں کا میل نہیں ہے اور یہ کہ تم میں کسی کنیزک کا لگاؤ نہیں ہے میں دیکھتا ہوں کہ تم نے کل بنو ہاشم سے اپنے کو متفوق بنا دیا ہے۔ غور کرو تم پر تف ہو۔ کل اللہ تعالےٰ کو کیا جواب دوگے۔ تم نے اپنے کو حد سے متجاوز کر دیا ہے اور تم نے اس سے اپنا فخر جتایا ہے جو تم سے ذاتاً وصفاتاً بہتر ہے یعنی ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہ صاحبزادے ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور ماریہ قبطیہ کو بادشاہ نجاشی آپ کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تہا۔م) بالخصوص تمہارے باپ کی اولاد میں سوائے بنو امہات کی اولاد (کنیزک زادوں) کے بہتر اور با فضل نہیں ہے۔ بعد وفات رسول اللہ صلعم تم میں علی بن حسین (امام زین العابدین) سے افضل کوئی شخص نہیں پیدا ہوا اور وہ ام ولد (کنیزک) کے لڑکے تھے اور بلا شبہ تمہارے دادا حسن بن حسن سے بہتر ہیں اور کوئی شخص تم میں بعد ان کے محمد بن علی کی طرح نہیں اور ان کی دادی ام ولد تہیں اور ہر آئینہ وہ تمہارے باپ سے بہتر ہیں اور نہ کوئی مثل ان کے لڑکے جعفر کے ہے اور ان کی دادی بھی ام ولد

نہیں اور یہ تم سے بہتر ہیں اور یہ کہنا کہ تم رسول اللہ صلعم کے لڑکے ہو تو اللہ تعالےٰ تو اپنی کتاب میں یوں ارشاد فرماتا ہے وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ محمد تم لوگوں میں سے کسی شخص کے بھی باپ نہیں ہیں، البتہ تم اُن کی لڑکی کے لڑکے ہو اور یہ بیشک قرابت قریبہ ہے مگر اس کو میراث نہیں پہونچ سکتی اور نہ یہ ولایت کی وارث ہوسکتی ہے اور نہ اس کو امامت جائز ہے پس کیونکر اس قرابت کے ذریعہ سے تم وارث ہوسکتے ہو۔ تمہارے باپ نے ہر طرح سے اس کی خواہش کی تھی۔ فاطمہؓ کو دن میں نکالا اور در پردہ ان کو بیمار کیا اور رات کے وقت دفن کیا باں ہمہ لوگوں نے سوائے شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کسی کو منظور نہ کیا۔ اس طریقے سے مسلمانوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ نانا ماموں اور خالہ مورث نہیں ہوتے اور تم نے جو علیؓ اور ان کے سابق الاسلام ہونے کی وجہ سے فخر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بوقت وفات دوسرے کو نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا بعد ازاں لوگ ایک کے بعد دوسرے کو امام بناتے گئے اور ان کو منتخب نہ کیا حالانکہ یہ بھی ان چیدہ بزرگوں میں تھے لیکن سبھوں نے ان کو اس امر کے قابل نہ سمجھ کے چھوڑ دیا اور ان لوگوں نے اس میں ان کو حقدار نہ خیال کیا اور عبدالرحمن بن عوفؓ نے تو ان پر عثمانؓ کو مقدم کر دیا اور وہ اس معاملہ میں متہم بھی ہیں اور طلحہ و زبیر ان سے لڑے اور سعدؓ نے ان کی بیعت سے انکار کر دیا، دروازہ بند کر لیا بعد ازاں معاویہ کی بیعت کی اسکے بعد تمہارے باپ نے پھر خلافت کی تمنا کی اور لڑے مگر ان سے ان کے مصاحبین علیحدہ ہوگئے اور قبل حکم مقرر کرنے کے ان کے ہواخواہ ان کے مستحق ہونے کی بابت مشکوک ہوگئے پھر انہوں نے دو شخصوں کو برضامندی حکم مقرر کیا اور ان کو اللہ کا عہد و میثاق دیا۔ ان دو شخصوں نے ان کی معزولی پر اتفاق کر لیا (علیؓ) کے بعد حسنؓ خلیفہ ہوئے، انہوں نے حکومت و خلافت کو معاویہؓ کے ہاتھ کپڑوں اور دراہم کے بدلہ فروخت کر ڈالا اور حجاز چلے آئے اور اپنے ہواخواہوں کو معاویہؓ کے سپرد کر دیا اور حکومت کو نااہل کے حوالہ کر دیا اور بلا استحقاق و جواز مال لے لیا پس تمہارا اگر اس میں کچھ حق بھی تھا تو اس کو تم نے فروخت کر ڈالا اور قیمت وصول کر لی۔ پھر

تمہارے چچا حسینؓ نے ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر خروج کیا لوگوں نے برخلاف تمہارے چچا کے
اس کا ساتھ دیا تا آنکہ لوگوں نے تمہارے چچا کو قتل کر ڈالا ان کا سر کاٹ کر اس کے پاس لے
آئے پھر تم لوگوں نے بنوامیہ پر خروج کیا ان لوگوں نے تم کو قتل کیا، خرما کی ڈالیوں پر سولی
دی، آگ میں جلایا اور شہر بدر کر دیا یحییٰ بن زید کو خراسان میں قتل کیا تمہارے ذکور کو انہوں نے
مار ڈالا لڑکے اور عورتوں کو قید کر لیا اور بغیر فرش کے محملوں پر سوار کرا کے تجارتی لونڈیوں کی طرح شام
بھیج دیا یہاں تک کہ ان پر ہم نے خروج کیا اور ہم نے تمہارا معاوضہ طلب کیا چنانچہ تمہارے خونوں کا بدلہ ہم نے
لیا اور ہم نے تم کو ان کے ملک اور زمین کا مالک بنایا اور ہم نے تمہارے اسلاف کو بلند
کیا اور فضیلت دی۔ کیا تم اس کے ذریعہ ہم کو معقول کیا چاہتے ہو؟ شاید تم نے یہ گمان کیا ہے کہ
تمہارے باپ (علیؓ) کو حمزہؓ، عباسؓ اور جعفرؓ پر مقدم ہونے کی وجہ سے ہم ذکر کیا کرتے تھے حالانکہ
یہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تمہارا گمان ہے البتہ یہ لوگ دنیا سے ایسے صاف گئے ہیں کہ سب ان کے
مطیع اور ان کے افضل ہونے کے قائل تھے اور تمہارا باپ جدال و قتال میں مبتلا کیا گیا بنوامیہ
ان پر لعنت ویسی ہی کرتے تھے جیسی کہ کفار پر نماز فرائض میں کی جاتی ہے پس ہم نے جھگڑا کیا ان کے
فضائل بیان کیے، بنوامیہ پر سختی کی اور بوجہ حرکات ناشائستہ کے ان کی ہم نے گوشمالی کی۔ بےشک
تم جانتے ہو کہ ہم لوگوں کی بزرگی اور فضیلت جاہلیت میں وہ تھی کہ تمام عرب ہمارے زیر اثر تھا
یعنی سقایہ حجاج اور تولیت زمزم اور یہ عباسؓ کے بھائیوں میں سے صرف عباسؓ ہی کے
لئے مخصوص تھی۔ تمہارے باپ نے اس بابت ہم سے جھگڑا کیا عمرؓ نے ہمارے ہی حق میں اس کا فیصلہ
کیا پس اس کے برابر مالک جاہلیت اور اسلام میں ہم ہی رہے اور جن دنوں مدینہ منورہ میں قحط
پڑا تھا تو عمرؓ نے اپنے رب کی طرف توسل اور تقرب ہمارے ہی باپ (حضرت عباسؓ) کے ذریعہ
کیا تھا اور انہیں کے توسل سے پانی مانگا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا حالانکہ تمہارے باپ
(حضرت علیؓ) اس وقت موجود تھے ان کا توسل نہیں کیا اور یہ تم کو معلوم ہے کہ بعد نبی صلعم کے
بنی عبدالمطلب میں سے کوئی شخص سوائے حضرت عباسؓ کے باقی نہ تھا پس وراثت چچا کی طرف

منتقل ہو گئی پھر بنی ہاشم میں سے متعدد شخصوں نے خلافت کی خواہش کی مگر سوائے ان کی اولاد کے اور کوئی کامیاب نہیں ہوا۔ سقایہ تو اُن کا تہا ہی میراث بنی نہی ان کی طرف منتقل ہو گئی اور اور خلافت ان کی اولاد میں چلی آئی غرض دنیا و آخرت کا کوئی شرف اور کوئی عزت ایسی باقی نہ رہی کہ زمانہ جاہلیت و اسلام میں حضرت عباسؓ اس کے وارث اور مورث نہوئے ہوں اور جو بدر کا واقعہ بیان کیا ہے تو جب اسلام شائع ہوا اس وقت (حضرت) عباسؓ ابوطالب اور ان کے اہل و عیال کے کفیل تھے اور قحط کی وجہ سے ان کے خرچ سے ان کی دستگیری کرتے تھے اور اگر بدر میں باکراہ و جبر (حضرت) عباسؓ نہ جاتے تو تمہارے چچا طالب اور عقیل بہوکے مرجاتے یا عتبہ و شیبہ کی لگن چاٹتے مگر (حضرت) عباسؓ چونکہ اپنے عزیزوں کی پرورش کرنے والے اور ان کو کہانا کہلانے والے تھے پس تم سے ہر طرح ننگ عار کو دور کیا تمہاری آبرو رکھی تمہیں غلامی سے بچایا کہانے کپڑے سے تمہاری کفالت کرتے رہے پھر جنگ بدر میں عقیل کو فدیہ دیکے چھڑایا پس تم ہم سے کیا دون کی لیتے ہو اور بحیثیت نسب و حسب ہمارے مقابلہ میں کیا فخر کرسکتے ہو ہم نے تمہارے عیال کی جاہلیت میں بھی خبرگیری کی ہے تمہارا فدیہ دیا ہے تمہارے بزرگوں کی عزت و ناموس کو محفوظ رکہا ہے خاتم الانبیاء کے حقیقی وارث ہم ہیں نہ کہ تم۔ ہم ہی نے تمہارے خونوں کا بدلہ لیا ہے چنانچہ جس سے تم عاجز ہو گئے تھے اور جس کو تم اپنے لئے حاصل نہ کرسکے تھے اس کو ہم نے حاصل کر لیا۔ والسّلام علیکم +

امیرالمومنین ابو جعفر المنصور عباسیؓ کا مندرجہ بالا جواب اگرچہ تلخ و ترش تہا مگر واقعات اور حقایق پر مبنی ہے۔ غرضیکہ بھتیجے کے نواسے اور چچا کے پوتے قرابت رسول کی آڑ پکڑ کے دُنیا طلبی کے لئے مدت تک آپس میں لڑتے رہے۔ بنو فاطمہ میں سے بنو حسن نے البتہ بار بار خروج کیا مگر ناکام رہے بنو حسین میں سے امام جعفر صادق کے فرزند محمد ملقب بہ دیباجہ کو جو عالم و زاہد اور نیک سیرت تھے لوگوں نے طوعاً و کرہاً بیعت خلافت لینے پر آمادہ کیا مگر اپنے لڑکے علی کی بداعمالیوں[1] کی وجہ سے بعد میں معزول اور بالآخر خلیفہ

[1] مورخ ابن خلدون (جلد صفحہ ۱۱) لکھتے ہیں کہ محمد بن جعفر صادق کے لڑکے علی اور ابن افطس نے ہاتھ پاؤں نکالے

عباسی سے معذرت خواہ ہوئے۔ امام جعفر صادق وغیرہ حصول خلافت اور خروج کے لیئے اپنے عزیزوں کو ہمیشہ منع فرماتے تھے۔ چنانچہ اس نسل کے بعض لوگ خاموش رہے مگر اتنا ضرور ہوا کہ تلوار کی کمی زبان سے پوری کی جاتی تھی اور وہی باتیں مذہبی رنگ پکڑ لیتی تھیں۔ سارا جھگڑا دنیا طلبی کے لیئے تھا مگر بدنام ہیں غریب ابوبکرؓ و عمرؓ کہ خلافت غصب کرلی۔ ان پاک نفوس نے تو مسلمانوں کے بیت المال سے کبھی ایک کوڑی بھی نہیں لی۔ ابوبکرؓ کی بیوی مٹھائی کو مدتوں ترسیں لیکن بیت المال سے چار پیسے کی مٹھائی منگا کے انہیں نہ دی گئی عمرؓ نے ۳ ماشہ تیل پر جو بیٹے نے سر میں ڈال لیا تھا اس کا سر منڈا دیا اور پھر بھی حضرات شیعہ کے نزدیک غاصب ہیں!! برخلاف اُن کے بعض بنو فاطمہ نے بنو عباسؓ سے حکومت و سلطنت چھیننے کے لیئے ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا دیا۔ پھر بھی صبر نہ آیا طعن و تشنیع کی زبانیں زہر اگلتی رہیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے ان فاطمی و علوی دعویداران سلطنت کے کارناموں کا ایک موقع پر ان الفاظ میں مرقع کھینچا ہے (المامون ص[۴۲])

"ان لوگوں نے (یعنی امام جعفر صادق کے فرزند محمد دیباجہ و زید بن موسیٰ الکاظم وغیرہ نے) اپنی دو روزہ حکومت میں جو ظلم اور زیادتیاں کیں ان کے بیان کو ایک دفتر چاہیئے زید بن موسیٰ الکاظم نے بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی سیکڑوں خاندان تباہ کردیئے عباسیوں کے ہزاروں مکانات جلادیئے (اسی بنا پر زید النار مشہور تھے) حسین بن الحسن نے مکہ معظمہ کا دفتی خزانہ لوٹ لیا۔ محمد بن جعفر صادق کی حکومت میں جو چند روز کے لیئے مکے فرمانروا

(بقیہ حاشیہ) طرح طرح کی بداعمالیاں کرنے لگے۔ زنا اغلام اور سر بازار عورتوں کو بے عزت کرنا شروع کردیا حسین عورتوں کو اپنی عصمت کا بچانا دشوار ہوگیا۔ کوئی خوبصورت عورت یا لونڈا نظر آجاتا یہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے اور اپنی خواہش نفسانی پوری کرنے کی غرض سے جبراً پکڑ لے جاتے (کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۳) قاضی مکہ کے نوعمر حسین لڑکے اسحٰق تامی کا واقعہ ہے جسے علی بن محمد بن امام جعفر الصادق نے خراب کیا اور اسی بنا پر محمد مذکور معزول ہوئے)"

بن گئے تھے علویں اور آل فاطمہ کو وہ زور ہو گیا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اُٹھا دیا گیا۔ ابراہیم بن موسیٰ فاطمی یمن کے عامل تھے اور سفاکانہ قتل و غارت کی وجہ سے قصاب کہلاتے تھے۔ ماموں نے چاہا کہ صلح و آشتی سے ان لوگوں کو قابو میں لائے لیکن یہ کب رام ہو سکتے تھے لڑے اور شکست کھائی بعض گرفتار ہو کر مامون کے پاس حاضر کیے گئے مگر اُس نے ان کے عظمت نسب کا پاس کر کے چھوڑ دیا۔ خاندان عباسیہ پر عموماً سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے جو لوگ حجروں میں بیٹھکر اعتراض کے لیے قلم اُٹھاتے ہیں وہ معذور ہیں لیکن جو شخص پولیٹیکل ضرورتوں کا اندازہ داں ہے اس اعتراض کو مشکل سے تسلیم کریگا۔ سادات علویین کو دو دن کے لیئے زور ہو گیا تو ملک میں کیا قیامت برپا کی گئی۔ عباسی خاندان ان کی جانب سے کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا اور جو کچھ ان سے برتاؤ ہوا۔ اسی ضرورت سے ہوا"۔

مگر یہ بغاوتیں علویین ہی تک محدود نہ تھیں خود عباسیوں میں بھی نہ کبھی کوئی دعویدار خلافت اُٹھ کھڑا ہوتا اور جیسا کہ سلطنتوں کا ہر زمانہ میں آئین رہا ہے بغاوتوں کے فرو کرنے میں متشددانہ کارروائیاں عمل میں لائی جاتیں۔ خلیفہ ابو العباس سفاح نے اسی بنا پر اپنے حقیقی چچا عبداللہ بن امام علی سجاد کو قتل کرایا۔ معتصم کے خلاف عباس بن مامون رشید نے باغیانہ کوششیں کیں چچا نے ایک بھتیجے کی بغاوت پر مامون الرشید کی ساری اولاد کو قید میں ڈال کر مروا ڈالا۔ دُور کیوں جاؤ۔ خود ہندوستان میں دیکھو حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اسی سلطنت کی خاطر باپ کو نظر بند کیا بھائیوں سے لڑا انہیں قتل کرایا۔ ہر سلطنت کا یہی آئین یہی دستور رہے پھر عباسی خلفاء نے اگر بغاوت کرنے والوں مفسدوں خروج کرنے والوں فاسد عقیدہ پھیلانے والوں ملحدوں بدینوں کی تخریب کی سزائیں دلوائیں قید میں ڈالا قتل کرایا تو وہ سخت گیر اور ظالم کہلائے۔ ان کی سخت گیری سیاست اور ظلم و ستم کی فرضی داستانیں تراشی گئیں مبالغہ آمیز اور مصنوعی قصے بیان کیے گئے کتابوں کے ورق سیاہ ہوئے نہ صرف مخالفین بلکہ نادان اور ضعیف العقیدہ سُنی بھی اس زہریلے پروپیگنڈے سے جو سیاسی مقاصد کی آڑ میں شروع ہوا اور صدیوں سے جاری ہے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور یہ سمجھنے لگے کہ یہ لڑائیاں کوئی مذہبی حیثیت رکھتی

تھیں حالانکہ یہ دُنیا طلبی کے جھگڑے تھے۔ مسلمانوں کی سیاسی قوت کو ان خانہ جنگیوں سے اتنا شدید نقصان پہونچا کہ بعد میں پھر کبھی تلافی نہ ہو سکی۔

خانہ جنگیوں کے نتائج

یہی آپس کی لڑائیاں آگے چلکے مذہب بن گئیں اسی باہمی عداوت نے وحدت اسلامی کے پُرزے پُرزے کر ڈالے اور مسلمانوں کی سلطنت دُنیا سے اُٹھ گئی۔ اسی کمبخت شیعہ سُنّی کے جھگڑے نے ہلاکو کی خوں خوار اور خوں ریز فوج کو سلطنت عباسی کی بربادی کے لیئے بغدآد میں بلا لیا اور عباسیوں کی خلافت و سلطنت جو تقریبًا ساڑھے پانسو برس تک علوم اسلامیہ کی سرپرست رہی خاک میں مل گئی۔ خلافت عباسیہ کی تباہی اور بغدآد کی بربادی پر دردناک مرثیئے لکھے گئے ؎

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغدآد پر

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی اس ابتلائے عظیم پر جو اس زمانہ میں مسلمانوں پر نازل ہوئی تھی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں خون کے آنسو روئے ہیں فارسی مرثیہ کے چند شعر لکھتا ہوں ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین　　بر زوال مُلک مستعصم امیر المومنین
اے محمدؐ گر قیامت می برآری سر زخاک　　سر برآر و ایں قیامت درمیانِ خلق بیں
نازنینان حرم را خونِ خلق نازنین　　زاستاں بگذشت و ما را خونِ دل زآستین
زینہار از دورِ گیتی و انقلاب روزگار　　در خیال کس نہ گشتے کانچناں گردد چنین
دیدہ بردارے کہ دیدی شوکت بیت الحرام　　قیصرانِ روم سر برخاک و خاقاں بر زمیں
خونِ فرزندانِ عم مصطفیٰ شد ریختہ　　ہم برآں خاکے کہ سلطانان نہادندے جبین
وہ کہ گر بر خونِ آں پاکاں فرود آید مگس　　تا قیامت تلخ گردد بر دہانش انگبین
نوحہ لایق نیست بر خاکِ شہیداں زانکہ ہست　　کمترین دولت مر ایشاں را بہشت برتریں
لیک از روئے مسلمانی و راہ مرحمت　　مہرباں را دل بسوزد بر فراقِ نازنیں

عربی کا مرثیہ بہت طویل اور دردناک ہے انکے قصائد عربیہ میں پہلا کلام یہی ہے علوم اسلامیہ کی

بربادی پر خون کے آنسو بہاتے اور فرماتے ہیں ؎

بکت حیدر المستنصریة ندبة ❊ علی العلماء الراسخین ذوی الحجری

بعض اشعار کا ترجمہ ذیل میں لکھتا ہوں :-

ہائے کاش ایسا ہوتا کہ پہلے ہی مرجاتا پھر بغداد کی تباہی کی ہوا میری قبر پر سے گزرتی جب طبیب نے میری نبض پر ہاتھ رکھا تو میں نے اُسے جھڑک دیا کہ جا اپنا کام کر مجھے وہ مرض نہیں ہے، جسے تو اچھا کرے گا۔ بنی عباس پر جو قید کے دن مصیبت تھی اس کا حال یارو کچھ نہ پوچھو وہ بیان کی قید میں نہیں آسکتی۔ اس دن شراب مرگ کے جام گردش میں تھے اور کشتوں کے سراس طرح تڑپتے تھے گویا نشہ میں جھوم رہے ہیں۔ ہائے مدرسہ مستنصریہ کی دیواریں علمائے راسخین پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہیں۔ جو عقل و دانش کے مالک تھے۔ زمانہ کے یہ سخت ظلم ہیں کاش میں اس سے پہلے مرجاتا اور جاہلوں کا ظلم شریفوں پر نہ دیکھتا۔ میں نے شہر عباداں میں قیام کر کے دجلہ کے پانی کو دیکھا جو خون کبوترین کے سمندر کی طرف چلا جاتا تھا۔ شہر واسط کی مصیبت پر میرے آنسوؤں کا طوفان ایسا جاری ہے کہ خلیج فارس میں طغیانی ہوگئی یہ نہ سمجھنا کہ اب بغداد پھر آباد ہوگا اور وہاں کے علما کے چہرے غبار مذلت سے پاک کیے جائیں گے۔ ہائے وہ بنی عباس جن سے دُنیا کو فخر تھا اور جن کے اخلاق برگزیدہ جنکے چہرے نورانی تھے کدھر گئے اُن کا ذکر اب دُنیا کے لیے افسانہ ہوگیا کیسا افسانہ جو قیامت کے دن تک کانوں کو برچھیوں کی نوکوں سے چھید کے خون بہائے گا۔ افسوس ہائے افسوس اب منبروں پر خطبہ پڑھا جائے گا اور مستعصم باللہ کا اس میں ذکر نہ ہوگا۔ اے لوگو! کیا اس پر صبر آسکتا ہے کہ یونس تو پانی میں ڈوب جائے اور مینڈک پانی میں خوشی سے اچھلتے پھریں"۔ الی آخرہ

خاندان عباسیہ سے عقیدت

چوتھی صدی ہجری میں اگرچہ خلفائے دودمان عباسی کا سیاسی اقتدار بعض ممالک عجم پر کمزور پڑ گیا تھا۔ تاہم ترکستان، خوارزم، ہندوستان و افغانستان وغیرہ میں جو خودمختار سلطنتیں وقتاً فوقتاً قائم ہوئیں خلفائے عباسیہ کی مذہباً مطیع و منقاد اور فرمانبردار رہیں، بلکہ

اصلی حکومت خلیفۂ عصر کی ہوتی تھی' یہ تمام سلاطین اسکے نائب اور قائمقام کی حیثیت رکھتے تھے جب تک خلیفۂ عصر اور امام وقت سے بادشاہ بیعت نہ کرلیتا جمعہ وعیدین کی نماز بھی روانہ ہوتی سلطان محمود غزنوی اپنے زمانہ میں سب سے بڑا طاقتور سلمان حکمراں تہا مگر وہ بھی خلیفۂ عصر القادر باللہ عباسی کی اطاعت کو اپنا ضروری فرض سمجھتا ہر نئی کامیابی کا اطلاعنامہ دیوان خلافت میں بھیجتا' کسی نئے ملک قبضہ وتصرف کرنے کے لیئے دربار خلافت سے باقاعدہ اجازت حاصل کرتا' ہندوستان وغیرہ میں جو فتوحات ہوئیں' ان کے صلہ میں دربار خلافت سے خلعت آتے سلطان کو اس کی خوشی کسی نئے ملک پر فتح حاصل کرنے سے کم نہ ہوتی' اس کی کلاہ افتخار کا سب سے قیمتی طرّہ یہ تہا کہ ایوان خلافت سے اس کو **یمین الدولہ** کا خطاب عطا ہوا' ہندوستان کے باطنی شیعوں یا اسماعلیوں کے استیصال پر کہف الدولہ والاسلام کا خطاب عنایت ہوا. کتب تاریخ میں خلیفۂ عباسی کے دربار سے خلعت و فرمان آنے اور سلطان کے جشن منانے کے حالات بالتفصیل مذکور ہیں. اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا امیر مسعود سریر آرائے سلطنت ہوا تو القادر باللہ خلیفہ عباسی نے تقرر سلطنت کا فرمان اور خلعت بھیجا' سلطان مسعود اس وقت نیشاپور میں تہا' اہل نیشاپور نے اپنے شہر کے لیئے اس حسن اتفاق کو موجب تفاخر سمجہا. شہر آراستہ ہوا' علما ومشایخ کے حلقہ میں آکر قاصد نے جس کا نام سید ابو محمد ہاشمی تہا' فرمان پیش کیا' سلطان نے اکرام واحترام کے ہاتھوں لیا' تعظیماً بوسہ دیا' خلعت پہنا' دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی' ہزارہا درہم نچہاور کیئے' قیمتی تحایف وہدایا دے کر قاصد کو رخصت کیا. خلیفہ القادر باللہ کی وفات کے بعد جب قایم بامر اللہ خلیفہ ہوئے تو نئے خلیفہ کی بیعت لینے کے لیئے محمد بن محمد سلیمانی مع فرمان وخلعت بھیجے گئے. ابو الفضل بیہقی نے اپنی مشہور تصنیف میں خلیفہ کا مکتوب اور سلطان مسعود کا بیعت نامہ پورا نقل کیا ہے جو پڑہنے کے قابل ہے. امیر المومنین ابو جعفر قایم بامر اللہ عباسی نے سلطان کو عدل وانصاف کی نصیحت کرتے ہوئے لکہا تہا کہ تم اپنی رعایا کے حق میں باپ سے زیادہ شفیق اور ماں سے زیادہ مہربان رہو کیونکہ:-

فان امیر المومنین قد استرعاک لسیاستھم واستدعاک لایالتھم	کیونکہ امیر المومنین نے تمہیں ان کا نگہبان بنایا ہے' ان کی سیاست تمہارے حوالہ کی ہے اور ان کی حکومت کے لیے تمہیں مقرر کیا ہے

سلطان نے قاصد کا پہلے سے زیادہ اس مرتبہ اعزاز کیا جشن منایا اور طویل بیعت نامہ لکھکر دربار خلافت میں ارسال کیا۔ تاریخی دلچسپی کے لیے بیعت نامہ کے شروع کے چند الفاظ سینئے (تاریخ بیہقی مطبوعہ ص ۳۷۰)

بایعت سیدنا ومولانا عبد الله بن عبد الله
ابا جعفر الامام القایم بامر الله امیر المومنین
بیعة طوع واتباع ورضی واختیار واعتقاد
واضمار واسرار بصدق من نیتی واخلاص
من طویتی وصحة من عقیدتی وثبات من
عزیمتی طائعا غیر مکره ومختارا غیر مجبر
بل مقرا بفضله مذعنا بحقه معترفا ببرکة
معتمدا بحسن عائدته عالما بما عنده من
العلم بمصالح من فی توکید عهده من الخاصة
والعامة ولم الشعث وامر العواقب وسکون
الدهماء وعز الاولیاء وقمع الملحدین وکبت
انف المعاندین علی ان سیدنا ومولانا
الامام القائم بامر الله امیر المومنین عبد الله
خلیفته المفترضة علی طاعته ومناصحته الواجبة
علی الامة وامامته ولایته - الی آخره

بیعت کرتا ہوں میں سیدنا ومولانا عبد اللہ بن عبد اللہ
ابوجعفر امام قایم بامر اللہ امیر المومنین سے بیعت فرمانبرداری
پیروی کرنے کی اپنی مرضی واختیار سے اور اپنی خوشی کے
ساتھ دل سے سچی نیت کے ساتھ ظاہر وپوشیدہ صحت
عقیدے کے ساتھ مضبوط ارادہ کے ساتھ اخلاص باطن کے
ساتھ اپنی مرضی اور اختیار سے بغیر کسی جبر کے ان کے فضل
کا اقرار کرتے ہوئے ان کے حق کا یقین کرتے ہوئے ان کی
برکت کا اعتراف کرتے ہوئے انکی عادات اور خوبیوں
پر اعتماد کرتے ہوئے اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ وہ ان
تمام عام وخاص کے مصالح کو جو ان کی بیعت میں ہیں جانے
والے ہیں ان کی پراگندگیوں کی جمع کرنے والے اور ان کے نتائج
وعواقب سے خبردار ہیں اور انجام کار ان کی دشواریوں
کو تسکین دینے والے، دوستوں کو عزیز رکھنے والے ملحدین کا
قلع قمع کرنے والے اور معاندین کو ذلیل کرنے والے ہیں
بیعت کی ہے میں نے اپنے سردار اور مولا وامام قایم بامر اللہ
امیر المومنین عبد اللہ سے کہ وہ خلیفہ ہیں جن کی اطاعت ہمارے
اوپر واجب ہے، ان کی امامت اور ولایت ہم پر فرض ہے الی آخرہ

سلاطین غزنوی کے بعد غوریوں کا دور آتا ہے، سلطان علاء الدین غوری کس فخریہ لہجہ میں کہتا ہے
طبقات ناصری ص ۵

جہاں داند کہ من شاہ جہانم چراغِ دودۂ عباسیانم

ہندوستان میں سوائے باطنی شیعہ فرقہ کے جس کا کچھ عرصہ تک سندھ کے ایک حصّہ پر اقتدار رہا، جمہور مسلمین و سلاطین ہند خلفائے دودمان عباسی سے انتہا درجہ کی عقیدت رکھتے اور ان کو اپنا دینی مقتدا پیشوا اور امام سمجھتے تھے۔ بشاری مقدسی جو چوتھی صدی ہجری میں ہندوستان آیا تھا، سندھ کے پایۂ تخت منصورہ کے حال میں لکھتا ہے:۔

واما المنصورہ نعلیھا سلطان من قریش یخطبون للعباسی ۔	منصورہ کا بادشاہ نسلاً قریش ہے، یہاں کے سلمان خلیفۂ عباسی کا خطبہ پڑھتے ہیں۔

ہندوستان کے بادشاہوں میں کوئی بادشاہ ایسا نہیں گذرا جس نے دربار خلافت سے اجازت و خلعت حاصل نہ کیا ہو۔ ۶۲۶ھ میں سلطان شمس الدین التمش کے لیے دربار خلافت سے خلعت و فرمان آیا۔ طبقات اکبری نے لکھا ہے کہ:۔

رسولاں عرب جامۂ خلافت جہت سلطان شمس الدین آوردند۔ سلطان انچہ شرط اطاعت و ادب بود بجا آوردہ و جامۂ دارالخلافت پوشید واز پوشیدن آں فرحت وبہجت بے نہایت در احوال سلطان محسوس می شد۔

ہندوستانی مورخین نے، جن میں بعض شیعہ تھے، یہ حالات بہت کم قلمبند کیے ہیں تاہم قدیم عمارتوں کے کتبوں اور بادشاہوں کے سکوں میں جو الفاظ کندہ ہیں ان سے اس گہری عقیدت کا اندازہ ہوسکتا ہے جو سلمانان ہند کو عموماً اور ہندوستان کے بادشاہوں کو خصوصاً خلفائے دودمان عباسی سے تھی ہر سکہ پر سلطان وقت کے نام کے ساتھ خلیفۂ زماں اور امام عصر کا نام بھی ثبت ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کی طرح ہندوستان کے تمام سلاطین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ بجائے خود مستقل بادشاہ نہیں ہیں بلکہ اُن کی حیثیت اپنی مملکت میں خلیفہ کے نائب اور قایمقام کی ہے بعض سکوں پر صرف خلفائے عصر کے نام ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ خلفائے عباسی کے مقابلہ میں اپنے کو مجازی بادشاہ بھی کہلانا نہیں چاہتے بعض سکوں پر سنسکرت حروف میں" سری ہمیرا" اور" سری خلیفہ

یا خلیفہ" منقوش ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر مسلم رعایا کو بھی یہ سمجھانا مقصود تھا کہ ملک کا اصلی حکمراں خلیفۂ وقت ہے "ہمیرا" لفظ امیر المومنین کی اور "شلیقہ" لفظ خلیفہ کی خرابی ہے۔ دہلی کے قطب مینار اور مسجد قطبی کے دروازوں اور محرابوں میں جو کتبے موجود ہیں انہیں غور سے پڑھیے۔ متعدد جگہ شہاب الدین غوری (محمد بن سام) اور شمس الدین التمش وغیرہ کے ناموں کے ساتھ قسیم امیر المومنین اور ناصر امیر المومنین کندہ نظر آئیں گے۔ امروہہ کے قریب گڈھ مکتیسر کی مسجد میں عہد بلبنی کا جو کتبہ ہے اس میں ناصر امیر المومنین موجود ہے۔ مدینۃ الاسلام بغداد کی تباہی کے بعد ہندوستان میں خلیفہ مستعصم باللہ کے جانشین کا حال نہ معلوم ہو سکا اس عہد کے سکوں پر صرف خلفائے راشدین کے نام کندہ ہوئے محمد تغلق کے سکۂ زر پر یہ الفاظ منقوش تھے ضرب ھذا الدینار الخلیفتی الدھلی فی شھور سنۃ احدیٰ ارلعین و سبعماۃ۔ فی زمان الامام المستکفی امیر المومنین ابو الربیع سلیمان خلد اللہ خلافتہ" اس میں بادشاہ کا نام کندہ نہ تھا۔ فیروز شاہ کے سکوں پر "نائب امیر المومنین" منقوش تھا۔ سلطان محمد تغلق جیسے فاضل بادشاہ کو جو اپنے کارناموں کی بنا پر شان امتیاز رکھتا ہے، دودمان عباسی اور خلفائے عباسی کے ساتھ جو عقیدت تھی اس کا حال ایک معاصر ضیا برنی مولف تاریخ فیروز شاہی کے الفاظ میں سنیئے:۔

در خاطر افتاد کہ سلطنت و امارت سلاطین بے امر داد خلیفہ کہ از آل عباس رض بود درست نیست و ہر بادشاہے کہ بے منشور خلفائے عباسی بادشاہی کردہ است و یا بادشاہی کند متغلب بودہ است و متغلب بود و از خلفائے عباسی سلطان بسیار تتبع می کرد تا از بسیار مسافراں شنید کہ خلیفہ از آل عباس رض در مصر برخلافت متمکن است و سلطان محمد با اعوان و انصار دولت خود باآں خلیفہ کہ در مصر است بعیت کردہ

سلطان کے دل میں آیا کہ خلیفہ عباسی کی اجازت کے بغیر سلطنت و حکومت جائز نہیں جن بادشاہوں نے خلفائے عباسی کے فرمان کے بغیر حکومت کی ہے یا آئندہ کریں وہ غاصب تھے اور غاصب ہونگے سلطان خلفائے عباسی کے حالات دریافت کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ بہت سے مسافروں سے اُسنے سنا کہ خلیفہ عباسی مصر میں متمکن ہے سلطان نے یہ سنکر خود مع تمام ارکان دولت خلیفہ مصر کی بعیت کی اور ایک وفد کیساتھ

ودو سہ ماہ در سرکدواری عرضداشت بجانب خلیفہ
سواری کرد واز ہر بابت چیزہا دراں می نوشت و
چوں در شہر آمد نماز جمعہ ونماز اعیاد را در توقف داشت
وسکہ نام خود دور کنانید و فرمود تا در سکہ نام ولقب
خلیفہ نویسند و در اعتقاد خلافت آل عباسؓ بالغتہا
کرد کہ آں بالغتہا در تحریر وتقریر نتواں گنجانید....
ودر اول جمعہ کہ نام خلیفہ بالائے منبر خواندند چندیں
طبقہا پر از تنکہ زر ونقرہ برآں نثار شد واز آں تاریخ
در ادائے نماز جمعہ واعیاد اجازت داد واز برائے حرمت
داشت نام خلیفہ کہ در خطبہ می خواندند چندیں جمعہ از
کوشک تا مسجد جامع سیری با جملہ ملوک وامرا واکابر
ومعارف پیادہ می رفت وفرماں داد تا در خطبہ سامی
بادشاہے رابخوانند کہ ایشاں از خلفائے عباسی
ماموروماذون بودہ اند وآنانکہ نبودہ اند نام ایشاں
را از خطبہ دور کنانید وایشاں را متغلب گویانید و
فرمود کہ در طراز جامہائے زربفت وقیمتی وشرفات
عمارتہائے بلند نام خلیفہ نویسند وبغیر نام خلیفہ دیگرے
نہ نویسند۔

سرکدواری سے جہاں وہ دو تین مہینہ رہا خلیفہ کی
خدمت میں عرضداشت بھیجا کرتا تھا اور اس میں تمام
باتیں لکھا کرتا تھا جب دار السلطنۃ پہونچا تو جمعہ اور
عیدین کی نماز (خلیفہ کے جواب آنے تک) بند کرادی
اور سکہ سے اپنا نام مٹا کر خلیفہ کا نام اور لقب کندہ
کرایا۔ سلطان کو آل عباسؓ کی خلافت کے متعلق جو
اعتقاد وعقیدت تھی اور اس میں اس درجہ غلو کرتا
تھا کہ وہ تحریر وتقریر میں نہیں سما سکتا......
جب پہلی مرتبہ جمعہ میں خلیفہ کا نام خطبہ میں لیا گیا
تو بہت سے طبق سونے اور چاندی کے سکوں سے
بھرے ہوئے نچھاور کیے گئے اس تاریخ سے جمعہ وعیدین کی
نماز کی اجازت دی اور خلیفہ کے نام کی حرمت کی
وجہ سے بہت مرتبہ جمعہ کو محل سے جامع مسجد تک تمام
اراکین دولت کے ساتھ پیادہ پا گیا اور حکم دیا کہ
خطبہ میں صرف ان بادشاہوں کے نام پڑھے جائیں
جن کو خلفائے عباسی کی جانب سے مامور و ماذون کیا
گیا تھا اور ان بادشاہوں کے نام جو خلفائے عباسی کی
جانب سے مامور نہ تھے خطبہ میں سے خارج کرادیے اور
ان کو غاصب ٹھرایا اور حکم دیا کہ جامہائے زربفت میں اور
بلند عمارتوں پر خلیفہ کا نام کندہ ہو اور خلیفہ کے نام کے
سوائے اور کوئی نام لکھا جائے۔

چنانچہ جب سنہ ۷۴۴ھ میں امیرالمومنین نے سلطان کے لیے مصر سے خلعت اور لوائے سلطنت اور فرمان بھیجا سلطان نے تمام ارکان دولت، علما، سادات اور مشائخ کے ساتھ شہر سے باہر نکلکر استقبال کیا، سواری سے اتر کر فرمان اور خلعت کو سر پر رکھا، قاصد خلافت کے پاؤں کو بوسہ دیا، تمام شہر میں جشن منایا گیا۔ اسی زمانہ میں ایک عباسی خلیفہ زادہ جس کا نام غیاث الدین تھا ہندوستان آیا، ابن بطوطہ نے اس کی آمد کے چشم دید حالات لکھے ہیں وہ لکھتا ہے کہ جب مخدوم زادہ عباسی ہندوستان کی سرحد پر پہونچا تو سلطان نے وہاں کے امرا کو استقبال کے لیے بھیجا جب سرستی تک سواری پہونچی تو قاضی القضاۃ صدر جہاں کمال الدین غزنوی اور دوسرے علما کو استقبال کے لیے روانہ کیا، اور جب دلی سے باہر مسعود آباد میں موکب ہمایوں پہنچا تو خود سلطان اکابر دربار کو لیکر نکلا اور ایک معمولی آدمی کی طرح پیادہ پا ہوکر مخدوم زادہ کی رکاب تھامی اور عرض کیا کہ "میں خلیفہ ابوالعباس کی بیعت نہ کرچکا ہوتا تو آپ کی بیعت کرلیتا" مخدوم زادہ نے جواب دیا کہ "میں بھی انہیں کی بیعت پر ہوں" غرض بڑے تزک و احتشام سے یہ سواری دلی پہونچی ایک ایوان شاہی قیام و سکونت کے لیے خاص کیا گیا؛

ازکمال حسن اعتقاد کہ در حق خلفاء عباسی داشت دہ لک تنکہ و خطہ قنوج و کوشک سیری و تمامی محصول درون حصار سیری و چندین زمینہا و حوضہا و باغہا مخدوم زادہ مذکور را انعام کرد (تاریخ فیروز شاہی)

اس انتہائی عقیدت کی وجہ سے جو خلفائے عباسی سے رکھتا تھا سلطان نے دس لاکھ تنکہ اور علاقہ قنوج سیری کا محل اور شہر سیری کے حدود کے تمام محصولات اور بہت سی زمینیں اور حوض اور باغ مخدوم زادہ کے کو عطا کیے۔

دربار میں جب مخدوم زادہ عباسی آتا تو سلطان خود اٹھکر تعظیم دیتا، اسی اثنا میں یہ واقعہ پیش آیا کہ غزنی کا ایک امیر جس سے مخدوم زادہ کا دل صاف نہ تھا دلی آیا، سلطان نے اسکے رہنے کے لیے جو مکان متعین کیا تھا وہ مخدوم زادہ کے قبضہ میں تھا مخدوم زادہ نے اس کو اپنی توہین سمجھا اور فوراً دربار میں آکر کہا کہ "سلطان سے کہدو کہ اسکے تمام ہدایا اور نذرانے میرے پاس بدستور رکھے ہیں وہ واپس منگوالے" اتنا کہکر آزردگی کی حالت میں دربار سے اٹھ آیا سلطان نے جب یہ سنا تو اسکے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے دوڑا ہوا مخدوم زادہ کے مکان پر گیا اور عام آدمیوں کی طرح اجازت لیکر پیادہ اندر داخل ہوا اپنے

قصور کی معافی چاہی مخدوم زادہ نے معاف کیا لیکن سلطان کے اس جوش عقیدت کو دیکھو عرض کرتا ہے کہ اے گوہر کان خلافت! مجھے اس وقت تک اپنی برأت کا یقین نہ آئیگا جب تک پائے مبارک میری اس ذلیل گردن پر نہو مخدوم زادہ عباسی نے کہا "مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا" لیکن سلطان کسی طرح راضی نہ ہوا اور زبردستی اپنا سر زمین پر ڈالدیا۔ آخر ایک امیر نے مخدوم زادہ کے قدم کو اُٹھا کر آہستہ سے سلطان کی گردن پر رکھکر اٹھا لیا۔ سلطان نے کہا اب مجھے حضور کی خوشنودی اور رضامندی کا یقین آیا +

محمد شاہ تغلق کے درباری شاعر بدر چاچ کے دیوان قصائد کا کوئی صفحہ کھولو سلطان کی مدح کے ساتھ دودمان عباسی کے خلیفہ اور امام عصر کی ستائش بھی موجود ہے چند متفرق شعر سنیئے :-

اوست شہنشاہ شریعت (آنحضرت صلعم) بود منشورش کتاب (قرآن) — ایں زماں قایم مقام او امام اکبرست

شاہ ابن احمد ابوالعباس امیر المومنین — آنکہ آل دودۂ عباس (خلیفہ عباسی) را سرد فترست

آفتاب شرع و ملت آسمان ملک و دین — آنکہ مر تخت خلافت را جمالش زیورست

جب خلیفہ عباسی نے مصر سے فرمان سلطنت اور خلعت بھیجا تو بدر چاچ نے اس تقریب میں حسب ذیل قصیدہ دربار میں پیش کیا :-

جبرئیل از طاق گردوں البشر وا گویاں رسید — کز خلیفہ سوئے سلطان خلعت و فرماں رسید

شاہ را بر کل عالم حکم مطلق داد امام — ایں خبر در ہفت کشور بر ہمہ شاہاں رسید

جاہ حاسد را چو چاہ یوسفی بے آب کرد — خلعت مصری کہ از کنعاں بہ ہندوستاں رسید

ملک را بازو قوی شد دیں سرفرازی نمود — شرع را حرمت فزوں شد رونق ایماں رسید

راست عید مومناں آمد کہ در سالے دو مہ — از امیر المومنین خلعت روے سلطان رسید

درد اسلامی کہ در سر داشت شاہنشاہ عصر — از ولی المسلمین ایں درد را درماں رسید

آسماں تا خلعت عباسیاں در بر کشید + — شاہ مشرق را چو مہ یک نوبت جولاں رسید

سلطان نے سفرائے خلافت کی پیشوائی کس طرح کی اس کا حال سنو :-

باستقبال فرمانے کہ از پیش امام آمد — برہنہ پا و سر کردہ چو ایماں شد ز اسلامش

خلایق پیش ویس پویان ملائک ذکر حق گویاں ... زجزع شه شده غلطاں گہر برنقرۂ خارش
چو شه پوشید خلعت را برنگ مردم دیده ... میاں روز دیدیم شب را بامه تابش

ایک اور قصیدہ میں کہتا ہے :۔

دوش آں زماں که خسرو زریں قبائے خور ... در می کشید خلعت عباسیان ببر
یعنی رسید خلعت و فرمان سلطنت ... از حضرت خلیفه بدارائے بحر و بر
والیٔ عصر، احمدِ عباس، امامِ حق ... دارائے دہر وارثِ پیغمبر بشر
ایں جشن شادیست که از حضرتِ امام ... آورده اند خلعت و فرمانِ معتبر
خلعت برنگ مردمکِ چشم داد امام ... تا نورِ شرع در دلِ مردم کند اثر
ابوالربیع سلیماں خلیفۂ بر حق ... که آستانِ درش آسمانِ عز و علاست
امام امت احمدؐ که خسروِ ہندش ... بجاں غلام و بتن چاکر و بدل مولاست

اخیر شعر پڑھیے سلطان ہند خلیفۂ عباسی کے ادنیٰ غلام و چاکر ہونے پر فخر کرتا ہے ایک اور شعر میں اسی خیال کا اظہار کیا گیا ہے۔

امامِ حق که شد او را محمدِ تغلق ... بدل غلام و بہ تن چاکر و بجاں مولا

اسی عہد میں علاء الدین حسن بہمنی نے جو سلطنت دکن میں قایم کی اس کے مراسم تاجپوشی میں خلفاء عباسی کا نشان تبرکاً سر پہ رکھا گیا:۔

در مسجد پادشاہ قطب الدین صبح روز جمعہ ۲۴ ربیع الاول ۷۴۸ھ تاج شاہی بر سر نازک او گذاشتند و چتر سیاہ که نشان خلفائے عباسی بود یمناً و تبرکاً بر سرش گرفتند (فرشتہ)

سلطان محمد تغلق کی وفات پر فیروز شاہ تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا دکن کی بہمنیہ سلطنت اور دلی کی حکومت میں رقابت پیدا ہوگئی تھی۔ خلیفہ عباسی نے سلطان فیروز کو ہندوستان کی حکومت کا جو فرمان اور خلعت بھیجا اس میں سلاطین بہمنیہ کے ساتھ رفق و مدارات کے برتاؤ کی تاکید کی ٭

درماہ ذی الحجہ سنہ مذکور (۷۵۶ھ) خلعت و منشور خلیفۂ عباسی مصر متضمن تفویض ممالک ہندوستان

وسفارش بادشاہ بہمنیہ دکن آمد (فرشتہ)

خلیفہ معتضد باللہ عباسی نے ۷۶۰ھ میں سلطان محمد بہمنی کے خطبہ و سکہ کی منظوری کا فرمان بھیجا سلطان فرمان و خلعت کو سر پر رکھکر قیام گاہ تک لایا شادیانے بجوائے بہمنیہ سلطنت کی خود مختاری کے اس اعلان سے فیروز شاہ تغلق کے اقتدار شاہی میں جو تزلزل پیدا ہوا اسکے لیے ضروری تھا کہ ہندوستان خاص کی بادشاہت کو خاندان تغلق سے متعلق ہونے کا اعلان خلیفہ عباسی کی جانب سے ہو چنانچہ جب دوسرا فرمان اور خلعت دربار خلافت سے صادر ہوا فیروز شاہ کی سلطنت میں سکون و قرار پیدا ہوگیا۔ اس بادشاہ کے درباری مورخ ضیار برنی تاریخ فیروز شاہی میں جداگانہ باب قائم کرکے لکھتا ہے کہ:۔

"مقدمہ ہفتم در بیان آنکہ از حضرت امیرالمومنین خلیفہ عباسی دو کرت خلعت اولوالامری و منشور و لوار بادشاہی بر سلطان عصر و زماں فیروز شاہ السلطان با صد اعزاز و اکرام رسیدہ است و بادشاہی و اولوالامری خداوند عالم بداں استحکام گرفتہ"۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین خلیفہ عباسی کے فرمان و خلعت کے صادر ہونے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"در مدت شش سال کہ اوایل عصر بادشاہی اوست...... دو کرت از امیرالمومنین خلیفہ عباسی منشور اولوالامری و خلعت بادشاہی و لوار سلطنت بدو رسید و حق جل و علیٰ بادشاہ دیندار پرور دیں پناہ مارا در عزت داشت منشور و خلعت و لوار امیرالمومنین و فرستادگان امیرالمومنین توفیق بخشید و شرائط حرمت مراحم امیرالمومنین بالغا مبلغ بجا آوردہ و ہم چنیں دانست کہ منشور و خلعت امیرالمومنین از آسمان منزل شدہ است واز درگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رسیدہ و عرضداشتے باتحفہ وہدایا در نہایت تواضع بندگی امیرالمومنین رواں کرد"

بادشاہ کے اس حسن اعتقاد کو دیکھئے حضرت امیرالمومنین خلیفہ عباسی کے فرمان کو دربار رسالت کا فرمان سمجھتا تھا اس فرمان کا جو اثر ملک و اہل ملک و عام مسلمانوں پر پڑا اس کی کیفیت سنو:۔

"واز میامن مناشیر و برکات خلعتہائے خلیفہ عباسی جہات و اعیاد عامۂ اہل اسلام تزاید پذیرفت

وازتاثیرات اذن واجازت عم زادہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فیض آسمانی دریں دیار متواتر منزل می گردد وابواب بلاہائے آسمانی از قحط و وبا مسدود گشتہ است واز حسن اعتقاد ودیں پروری ودیں پناہی بادشاہ اسلام شرطغات از بلاد وممالک او بکلی دفع شدہ است ودلہائے خواص وعوام اہالی مملکت باطاعت وانقیاد واخلاص ودولت خواہی درگاہ او گرائیدہ وامن وامان تمام پیدا آمدہ وتشتت وتفرق وتردد وترس از باطنہا رفتہ وازآبادانی وعمارت وکثرت زراعت وحراثت باغہا وزرہا جہاں از سر تازہ وشگفتہ شدہ است وعالم بنوی بہشتی گشتہ والحمد للہ علیٰ ذالک (تاریخ فیروز شاہی ص۵۹۸)

مسلمانان ہند کے اس حسن عقیدت کو دیکھئے کہ عم زادہ مصطفےٰ وامام عصر وخلیفہ عباسی کے ایک فرمان اور کاغذ کی چند سطروں نے بادشاہ کا وقار قایم کردیا بغاوتیں فرو ہوگئیں ملک میں امن وامان قایم ہوگیا۔ جمعہ وعیدین کی نمازوں میں ہجوم ہونے لگا آسمانی بلائیں ٹل گئیں اور ملک میں سرسبزی وشادابی کی لہر دوڑ گئی ۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے بحوالہ تاریخ گجرات ظفرو الہ اپنے رسالہ "خلافت وہندوستان" میں سلطان محمود خلجی کا جس نے مالوہ میں مستقل سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ ۸۷۰ھ میں مستنجد باللہ خلیفہ عباسی نے جب مصر سے سلطان مذکور کے فرمان سلطنت اور خلعت شاہانہ بھیجا سلطان نے مع اہل دربار اس کا استقبال کیا چند روز کے بعد سلطان نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا جلوس ہے اور میں بھی یہی خلعت پہنے ایک گھوڑے پر سوار اس جلوس میں شریک ہوں حاجب نے کہا کہ گھوڑے سے اتر جایئے اتر گیا آگے بڑھا تو ایک ابلق رنگ گھوڑا آسمان سے نیچے آترا حاجب نے مجھکو اس پر سوار کیا اور اب دیکھتا ہوں کہ دلی کے دروازے پر ہوں۔ ایک عرب نے آگے بڑھکر کہا کہ آپ اندر تشریف لیجائیے اندر جاکر دیکھا تو دربار لگا تھا تخت پر کچھ عرب سیاہ کپڑے پہنے بیٹھے تھے جکا رنگ میری خلعت ہی کے رنگ کا تھا اسی عرب نے مجھ سے کہا کہ یہ خلفائے دودمان عباسی ہیں۔ یہ منصور ہیں یہ مہدی ہیں یہ رشید ہیں میں نے سب کو سلام کیا انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ عرب نے کہا کہ یہ ہمارا دوست محمود شاہ ہے۔ یہ خواب ایک معمولی واقعہ تھا مگر

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان کے مسلمانوں پر عموماً اور سلاطین ہند کے دل و دماغ اور نفسیات پر خصوصاً خلفائے دودمان عباسی کا کیسا گہرا اثر تہا اور ان کو خاندان خلافت سے کس درجہ ارادت و عقیدت تھی اور یہ عقیدت اس وحدۃ اسلامی کے لیئے جس کو مخالفین ”پین اسلامزم“ سے موسوم کرکے خطرہ محسوس کرتے رہے ہیں کس قدر ضروری تھی۔ خلیفۂ وقت و امام عصر ایک ادنیٰ مسلمان کا اپنے کو نگہبان سمجھتا تہا۔ خلیفہ معتصم باللہ کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”ایک ہاشمیہ عورت کو رومی عیسائی کشاں کشاں لیئے جاتے تھے اور وہ وامعتصماہ وامعتصماہ کہتی جاتی تھی خلیفہ یہ سنکے بیقرار ہو جاتا ہے۔ لبیک لبیک کہہ کے سریر خلافت سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے (ابن خلدون) اور اس وقت تک چین نہیں لیتا جب تک ایک مسلمان عورت کے چھڑانے کی خاطر عیسائی سلطنت کے پرزے پرزے نہیں کر ڈالتا

عباسیان ہند یہ اسی عقیدت و ارادت کا نتیجہ تہا کہ خاندان عباسی کے جو بزرگ مختلف وقتوں اور مختلف زمانوں میں وارد ہند ہوئے یہاں کے سلاطین اور عام مسلمانوں نے غیر معمولی اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ ابتدائی عہد اسلامی میں اکثر یہی حضرات مسلمانان ہند کے مذہبی پیشوا دینی مقتدا قاضی و مفتی، امام و خطیب ہوتے، اور ادارات شرعیہ ان ہی کو تفویض ہوتیں۔ امیر المومنین ابو العباس عبداللہ السفاح کے عہد خلافت میں جب صوبہ سندھ گماشتگان عباسی کے زیر تصرف آگیا دیگر حکام کے ساتھ بعض شرفاء عباسی وقتاً فوقتاً یہاں کے قاضی و حاکم مقرر ہوئے۔ خلیفہ مہدی باللہ کے زمانہ میں قاضی محمد بن ابراہیم بن موفق بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن محمد بن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے عہدہ قضا پر مامور تھے ان کی اولاد میں بعد چند واسطوں کے تاج الدین ہوئے جنھوں نے بعہد تغلق راجہ بہوج پور کا علاقہ فتح کیا جو اب ضلع غازی پور سے موسوم ہے یہاں کی ریاست ان کو ملی ان کے دوسرے بہائی سراج الدین نے گوڑ (بنگال) کا کچھ علاقہ فتح کرکے وہاں اقامت اختیار کی ان کی اولاد وہاں موجود ہے (معارف اکتوبر ۱۹۳۱ء) تاج الدین مذکور کی نسل میں حضرت شاہ اجمل الہ آبادیؒ کا دودمان والا شان ہے جس میں نسلاً بعد نسل علماء و فضلا و شعرا مشائخ طریقت و ارباب باطن ہوتے رہے۔ صاحب تحفۃ الکرام (جلد ۳ ص) نے صوبہ سندھ کے ان اٹھارہ قبیلوں کی تشریح کی ہے جو عہد بنو امیہؓ و بنو عباسؓ میں یہاں آکر

متوطن ہوئے. وہ لکھتے ہیں کہ جب سلطان محمود غزنوی نے سندھ پر فوج کشی کی تو واماندگان عہد بنو امیہ و بنو عباس کی قلیل جماعت وہاں موجود تھی جو:۔

پابند عقالہ عیال واطفال بودہ کہ حالتے وفضیلتے داشتند بمناصب و ادارات شرعیہ ساکن شدند و ازاں ہژدہ قبیلہ ارباب انساب تحقیق کردند منجملہ آں . . . . . عباسیان و صدیقیان وفاروقیان وعثمانیان اند تاہنوز اسباط ایشاں در تمام سندھ ساکن اند"۔

سندھ کے طبقہ قضات قدیم کے متعلق جو نسباً عباسی تھے لکھتے ہیں کہ:۔

"طبقہ قضات کہ بوفور فضل وکمال اشہر انام مرجع خاص وعام بودند قاضی نعمت اللہ از قبیلہ قضات قدیم کہ نسب شان منتہی بآل عباس بشود منجملہ واماندگان عہد رفیع گماشتگان عباسیہ است . . . . . . اقدم علما و اکرام اتقیا بودہ"۔

اس خاندان کے اکثر بزرگوں کے علم و فضل، اتقا و بزرگی کی صاحب تحفۃ الکرام نے بہت کچھ ستائش کی ہے چنانچہ قاضی محمود علامہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ" در فضیلت وکمال از نوادر و در جامعیت علوم بغرابت اظہر صاحب تصانیف کثیرہ بود"۔ سندھ کے دیگر عباسی خاندانوں کے بعض بزرگوں کے نام کتب تذکرہ میں جا بجا ملتے ہیں۔ ٹھٹھ، سیوان، کراچی وغیرہ میں اب بھی بعض عباسی خاندان موجود ہیں جو ان بزرگوں کی اولاد سے ہیں، مثلاً مسٹر مولیدینہ عبدالستار عباسی بی اے ال ال بی وکیل ٹھٹھ، حکیم فتح محمد وغیرہ ساکنان سیوان موضع بوبک ضلع (سندھ) میں مخدوم زادگان عباسی کا ایک قدیم خاندان ہے جو زمیندار پیشہ ہیں۔ سندھی میں زمیندار کو جاموٹ کہتے ہیں یہ حضرات بھی اسی سے ملقب ہیں۔

لیکن عباسیوں کے اکثر بزرگ مدینۃ الاسلام بغداد کی تباہی کے بعد ہندوستان آئے، ۶۵۵ھ میں جب خلیفہ مستعصم باللہ عباسی کے ایک رافضی وزیر مویدالدین بن علقمی کی نمک حرامی سے تاتاریوں کے ٹڈی دل نے خلافت عباسیہ کے سرسبز گلشن کو پامال کیا جو اہل خاندان اور عباسی شہزادے زندہ بچے وہ ہلاکو کے دست ہلاکت خیز سے جان بچا کر مختلف دیار و امصار میں مثل بنات النعش منتشر ہو گئے، کچھ بلاد مغرب روم و شام و مصر پہونچے، کچھ حجاز چلے گئے اور کچھ وارد ہند ہوئے"۔

"در ہنگام حدوث فتنہ ہلاکو خاں و زوال دولت عباسیاں جمعے ازآں سلسلہ باقی ماندہ مانند نبات النعش از جفائے ابنائے زماں متفرق شدہ بعضے محمل ارادہ بسمت مغرب وگروہے ناقۂ توکل بطرف حجاز وجماعتے مرکب مقصد و سوئے ہندوستان راندہ متوطن گردیدند (تذکرہ والہ داغستانی)

غرضیکہ نواب ظفر جنگ میر علی قلی خاں عباسی تخلص بہ والہ کے اجداد ملک داغستان گئے اور وہاں قوم زنگی کی شمخالی یعنی سرداری وحکومت حاصل کی خلیفہ مستعصم باللہ کے چچا ابوالقاسم احمد مصر پہونچے' دوبارہ خلافت قایم کی المستنصر باللہ لقب ہوا لیکن اپنے بنی اعمام میں سے ابوالعباس احمد الحاکم بامراللہ کو خلافت سپرد کرکے مع جماعت کثیر کے تاتاریوں سے بدلہ لینے کی غرض سے مصر سے روانہ ہوئے مگر ۶۶۰ھ میں مع رفقا شہید ہوئے۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں فقتل جماعۃٌ من المسلمین وعدم الخلیفہ المستنصر فقیل قتل وقیل سلم وحرب فاضمرتہ البلاد (مسلمانوں کی جماعت شہید ہوئی خلیفہ المستنصر کے مفقود الخبری کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ شہید ہوگئے' بعض کا قول ہے صحیح وسلامت رہے اور لڑے اور ان ہی ممالک میں روپوش ہوگئے) ان کی اولاد میں شہزادہ احمد ثانی بن مزمل بن عقیل بن سہیل بن ابوالقاسم احمد مذکور مع چند آل عباسؓ کے مصر سے ہجرت کرکے کیچ ومکران ہوتے ہوئے سندھ پہونچے ان کے کئی بیٹے ہوئے' بڑے بیٹے ابوالنصر محمد عرف امیر ابنؒ کی اولاد میں میر عبدالقاہر معروف بہ کاہر خاں نے شہر کاہلیہ بسایا ان کے پوتے امیر حنیؒ خاں کے دو فرزند امیر مہدی اور امیر داؤد ہوئے۔ اوّل الذکر کی اولاد میں میاں آدم شاہ سندھ کے مشہور پیر طریقت تھے' مزار فائض الانوار بکری آدم شاہ میں سکھر[1] سے متصل ہے ان کی نسل میں ۱۷۸۲ء تک سندھ کی حکومت وسلطنت رہی جن میں نواب ثابت جنگ خدایار خاں عباسی' نواب غلام شاہ عباسی وغیرہ مشہور حکمراں گذرے یہ خاندان سندھ میں کلہوڑہ کے نام سے مشہور ہوا' قدیم دارالسلطنت خدآباد تھا' نواب غلام شاہ نے موجودہ حیدرآباد بسایا ۱۲۳۱ھ تک اس خاندان کا اقتدار سندھ کے بعض مقامات پر باقی تھا۔ عیدگاہ ٹھٹہ میں حسب ذیل کتبہ موجود ہے سے

---

[1] علی بن عیسیٰ نے جو سندھ میں خلیفہ مامون الرشید کا گورنر تھا جن کی کارروائیوں کی غرض دریا پر پل بنایا تھا اس کا "سکر الہند" کہا تھا اسی سے سکھر کہلایا ۱۲

چوں از بخش شہ آلِ عباس است   زیب ترمیم ایں مصلّی کرد
بے سر جدو جہد خوان سالش   کعبۂ اہلِ فضل زیبا کرد

خاندان کلہوڑہ کی آبادی اضلاع لاڑکانہ وغیرہ میں ہے۔ خان بہادر محمد پریل عباسی رئیس بالیشاہ ان میں منو دار ہیں۔ انہی کے بنی اعمام حاجی پور (نواح ملتان) کے قدیمی جاگیردار مذہباً شیعہ ہیں۔ پیرداؤد مذکور کی اولاد داؤد پوترہ کہلاتی ہے۔ امیر موصوف کی نسل میں نواب صادق محمد خاں اول ۱۱۴۲ھ میں بعہد محمد شاہ بادشاہ اس ریاست کے جو بعد میں اُن کے فرزند نواب بہاول خاں اوّل کے نام سے بہاولپور کہلائی والیٔ ملک تسلیم کیے گئے موجودہ حکمراں ہز ہائی نیس رکن الدولہ نصرت جنگ حافظ الملک مخلص الدولہ نواب سر سید صادق محمد خاں (خامس) عباسی کے۔ سی۔ وی۔ او خلد اللہ ملکہ ہیں۔

بہاولپور اور سندھ کے علاوہ صوبہ سرحد اور پنجاب کے بعض مقامات میں عباسی خاندان متوطن ہیں۔ مصطفےٰ آباد (ضلع انبالہ) میں مخدوم جبر الدین عباسی خلیفہ شیخ جلال الدین تھانیسری کی اولاد ہے۔ آپکا مزار بھی وہیں ہے اور آپ وہاں کے شاہ ولایت ہیں۔ اسی طرح جو کالیاں (ضلع گجرات) راہوں (ضلع جالندھر) اور بعض دیگر مقامات پر جنکے حالات زیر تالیف کتاب تذکرہ عباسیان ہند میں درج کیے گئے ہیں۔ عباسیوں کے خاندان ہیں۔ پنجاب کے علاوہ احمد آباد، بڑودہ، نوساری، جے پور، برہان پور میں نیز صوبہ بہار و بنگال اور صوبہ ممالک متحدہ میں چڑیاکوٹ (ضلع اعظم گڈھ) اکاکوری، الہ آباد و مضافات الہ آباد لہرپور (ضلع سیتاپور) بریلی، بدایوں، سنبھل وغیرہ میں سادات عباسی کے خاندان شاد و آباد ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تذکرہ عباسیان ہند)

خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ مخدوم زادہ محمد یوسف عباسی شروع عہد تغلق میں ہندوستان آئے۔ مسٹر ایچ آر نیول آئی سی ایس مولف ڈسٹرکٹ گزیٹر مرادآباد امروہہ کے قدیم اور تاریخی خاندانوں کے تذکرہ میں خاندان عباسی کا ذکر ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:-

سنہ ۱۲۵۶ء میں جب بغداد کے آخری خلیفہ عباسی مستعصم باللہ مغلوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے خاندان عباسیہ کے معدودے چند افراد زندہ بچے۔ ان میں سے محمد احمد (ابو القاسم احمد۔م) بھاگ کر مصر پہونچے اور وہاں خلافت کی بنیاد قایم کی۔ دوسرے شخص محمد یوسف براہ سمندر سندھ آئے سلطان غیاث الدین بلبن نے ہارون الرشید اعظم کی اولاد میں ہونے کی بنا پر ان کا اعزاز و اکرام کیا ص۱۶۹)

صاحب تاریخ فرشتہ نے غیاث الدین بلبن کے عہد سلطنت کے حالات میں لکھا ہے کہ چنگیزیوں کے ظلم و ستم سے بچکر ترکستان و ماوراء النہر و عراق و آذربائیجان و فارس و روم و شام سے پندرہ بادشاہزادے پایۂ تخت دہلی پہنچے اور علی قدر مراتب بساط عزت و امارت پر متمکن ہوئے، یہ سب شہزادے تخت شاہی کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے سوائے ان دو شاہزادوں کے جو خلفائے عباسی کی اولاد تھے، وہ بادشاہ کے پہلو بہ پہلو تخت شاہی پر بیٹھتے اس بادشاہ کو بھی دیگر سلاطین ہند کی طرح خلفائے عباسی کے ساتھ خاص ارادت تھی منجملہ ان وصایا کے جو سلطان مذکور نے اپنے ولیعہد کو کی تھیں جنکو صاحب تاریخ فیروز شاہی نے بالتفصیل درج کیا ہے آخری وصیت تھی:-

از برائے بادشاہی خود اجازت خلفائے عباسی بیار۔۔۔۔۔۔ و نماز جمعہ از اجازت خلیفہ گذارد ص۱۰۳)

بلبن بادشاہ شرفا کا بڑا قدردان اور صحت نسب میں محتاط تھا "در تصحیح نسب مبالغہ نمودے" (فرشتہ) فرشتہ کی مندرجۂ بالا عبارت سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے کہ عہد بلبنی میں خلفائے عباسی کی اولاد سے بعض بزرگ وارد ہند ہوئے مگر فرشتہ نے ان عباسی شہزادوں کے نام لکھے ہیں اور نہ کسی دوسرے مؤرخ نے اس کی تصریح کی ہے تاہم خاندانی روایات میں علی التواتر مذکور ہے کہ ایک شہزادہ کا نام محمد یوسف تھا جن کی اولاد میں خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ ہے:-

مخدوم زادگان عباسی کی اقامت کے لیئے دہلی قدیم میں جو ایوانات و قطعات اراضی مخصوص کیئے گئے وہ محلہ عباسی سے موسوم ہوئے، دو ڈھائی صدیوں تک یہ خاندان دہلی میں باعزاز و اکرام اقامت

گزین رہا ان کی نسلیں سلیں مناصب شاہی پر ممتاز ہوئے۔ وقتاً فوقتاً دوسرے عباسی شرفا شاہان ہند کی عقیدتمندی اور قدردانی کی بنا پر ہندوستان آتے رہے محمد تغلق نے جو بالفاظ ضیا برنی دودمان عباسی کا ارادتمند تہا اور اپنے نئیں امیرالمومنین خلیفہ عباسی" کا بندہ ترین ہمہ بندگان" سمجھتا اور عباسیوں کی بڑی قدر و منزلت کرتا تہا مخدوم زادہ ملک شرف الدین کو جو محمد یوسف مذکور کے پروتے تھے اپنا دبیر بنایا عمدۃ الملک[۵] کے خطاب سے سرفراز کیا۔ صاحب تاریخ فرشتہ نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد سلطنت کے حالات قلمبند کرتے ہوئے تقسیم مناصب خطابات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"امرا و ارکان دولت را بخطاب مناصب ارجمند سربلند گردانیدہ شیخ صدرالدین ولد شیخ بہاء الدین زکریا را خطاب شیخ الاسلامی و خداوندزادہ قوام الدین را خطاب خداوندخانی و عہدہ وکیلدری تفویض فرمود ملک تاتارخاں را نائب وکیلدر گردانید و سیف الملک را شکاربیگی و خداوند زادہ عماد الملک را سرسلاحداران کرد و دراں عصر ہرکہ از دودمان سلاطین غور بود خطاب خداوندزادہ می یافت وآنکہ از خاندان خلفائے عباسی بود بہ مخدوم زادہ ملقب می گشت" (فرشتہ ص[۱۴۲])

سطور بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق کے امراء ارکان سلطنت میں ایک معقول تعداد سلاطین غور کے پس ماندگان کی تھی اور دودمان عباسی کے افراد بھی معزز عہدوں پر مامور اور مخدوم زادہ کے لقب سے ملقب تھے۔ فیروز شاہ بڑا دیندار بادشاہ تہا اور جیسا کہ ضیا برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکہا ہے کہ "از حضرت امیرالمومنین عم زادہ رسول رب العالمین در جمیع مصالح بادشاہی واو الامری مجاز است (ص[۵۹۸])" اپنے کو مستقل بادشاہ نہیں سمجھتا تہا بلکہ خلیفہ عباسی کا نائب تصور کرتا تہا اپنے سکہ جات پر بھی الفاظ منقوش کرائے تھے اس لیئے بزرگان بنی عباس کے اعزاز و اکرام میں کوتاہی نہ کرسکتا تہا۔ ان حالات کی تفصیلات عام کتب تاریخ میں درج نہیں کیونکہ ہمارے ہندوستانی مورخین کی یہ عادت ہے کہ وہ صرف ان ہی واقعات کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں جو ملک کی سیاسی حالت یا جنگ و جدال بادشاہوں کے عزل و نصب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں کہیں کہیں علماء و مشائخ کا تذکرہ بھی ملتا ہے لیکن شرفا کے مشہور اور تاریخی خاندانوں او

[۵] ڈسٹرکٹ گزیٹر مرادآباد ص[۹] و تاریخ فیروز شاہی ص[۵۹۴]

ان کے مورخوں کا تذکرہ شاذ و نادر کرتے ہیں، ان حالات کو عام اور معمولی سمجھکر نظر انداز کر دیتے ہیں اس لئے مخدوم زادگان عباسی کے اسما گرامی اور ان کے خاندانی حالات ان کتب تواریخ سے معلوم نہیں ہوتے لیکن یہ کمی بعض کتب تذکرہ علما و مشائخ سے جن میں بعض عباسی بزرگوں کے حالات درج ہیں اور زیادہ تر خاندانی روایات سے پوری ہوتی ہے جو علی التواتر ان خاندانوں میں چلی آتی ہیں اور مختلف زمانوں میں ضبط تحریر میں لائی گئیں ہیں۔ شرفا ہند کے خاندانی حالات کا ماخذ اکثر و بیشتر یہی خاندانی روایات تھیں جنھوں نے مختلف زمانوں میں تحریری شکل اختیار کی اور یہ روایات اگر روایتاً صحیح اور درایتاً معقول تھیں تو انہیں بعد میں تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی۔ خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ کے خاندانی حالات کا ماخذ بھی سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کی طرح زیادہ تر یہی خاندانی روایات ہیں، ان میں بیان کیا گیا ہے کہ فتنہ تیمور سنہ۸۰۱ھ کے بعد اس خاندان کے افراد دہلی سے منتشر ہو کر اولاً پنجاب گئے جہاں کچھ مدت تک سکن گزین رہنے کے بعد ان میں سے ایک بزرگ امروہہ آکر متوطن ہوئے صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ:-

"پھر سلطنت تغلقیہ خراب ہوئی، دلی تباہ ہوئی، امیر منتشر ہوئے، ہمارے بزرگ بھی پنجاب و سندھ میں پھرتے رہے، چنانچہ دادا مولانا لال محمد پیدا کشیں پنجاب ہیں، ہندی نام ہے، اور ان کے والد مولانا مٹھے اور ان کے چچا مولانا بتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی عرصہ میں اسی مقام امروہہ میں کہ یہاں کے سکنائے سے ملاقات ہوئی، مسکن سادات و شرفا سمجھ دونوں بھائی یہاں آئے اور سکونت اختیار کی (ص۲۱)

صاحب تاریخ اصغری نے بھی اسی روایت کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ جب امیر تیمور نے دہلی کو فتح کیا یہ لوگ وہاں سے بھی جلا وطن ہو کر پنجاب میں جا رہے برخلاف اسکے صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹر ص۱۶۹ پر لکھتے ہیں کہ:-

"تیمور کے حملہ سنہ۱۳۹۸ء کے بعد جبکہ دہلی کے اکثر سربرآوردہ خاندان جا بجا منتشر ہو گئے شمس الدین (ابن شرف الدین عباسی) مع اپنے بیٹوں کے امروہہ میں سکن گزین ہوئے۔"

سنہ۸۰۱ھ میں فتنہ تیمور کے بعد دہلی سے اس خاندان کے ترک وطن کرنے کے متعلق تو مندرجہ بالا

روایتیں متفق ہیں البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ امروہہ میں ابتداً اس خاندان کے کون بزرگ آئے۔ صاحب آئینۂ عباسی و تاریخ اصغری کا یہ بیان درحقیقت صحیح نہیں کہ مولانا لال و مولانا بابن یہاں آئے کیونکہ مولانا لال کے جد امجد اور مولانا بابن کے پدر بزرگوار مولانا رکن الدین عباسی کی امروہہ میں موجودگی بزمانہ ہمایوں و اکبر دیرینہ تحریرات سے ثابت و تحقق ہے۔ صاحب نخبۃ التواریخ نے اس کی تائید کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"از تحریرات دیرینہ موثقہ بدرجہ تحقیق است کہ در زمانہ اکبر جلال الدین ملا لال و ملا بابن و ملا رکن الدین عباسی ہر سہ در امروہہ از معززان وقت بودند (ص۱۱)

اس سلسلہ میں اب صرف یہ سوال حل طلب باقی رہتا ہے کہ آیا مولانا رکن الدین عباسی بذات خود امروہہ تشریف لائے یا جیسا کہ صاحب گزیٹر نے تحریر کیا ہے اُنکے جد امجد مولانا شمس الدین یہاں آئے سلسلہ کے بعد مولانا شمس الدین اور انکے خاندان کا دہلی سے نکلکر پنجاب جانا اور انکے خاندان کا کچھ مدت تک پنجاب میں متوطن رہنا اس امر واقعہ سے بھی ثابت ہے کہ پنجاب کے بعض مقامات پر اس خاندان کی شاخیں اب تک موجود ہیں مثلاً سادات عباسی سکنہ جوکالیاں (ضلع گجرات) وغیرہ پس ایسی حالت میں مولانا شمس الدین کا براہ راست امروہہ آنا جیسا کہ ڈسٹرکٹ گزیٹر میں بیان کیا گیا ہے قرین قیاس نہیں زیادہ قرین صحت یہ ہے کہ انکے نبیرہ مولانا رکن الدین عباسی یہاں تشریف لائے۔ حسن اتفاق سے ایک پروانہ کی نقل سے جو عہد اکبری کی موثقہ و مصدقہ ہے یہ ثابت ہے کہ مولانا موصوف کو بعہد سکندر لودی امروہہ میں مدد معاش عطا ہوئی۔ عہد لودی سے قبل امروہہ میں اس خاندان کی موجودگی کا کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا۔ مندرجۂ بالا وجوہ سے یہ قیاس درجہ یقین کو پہنچتا ہے کہ مولانا رکن الدین عباسی جو فضلاء عہد سے تھے اسکندر لودی جیسے قدردان بادشاہ کے عہد میں جس کا قیام اس زمانہ میں عرصہ تک سنبھل میں رہا پنجاب سے مع اپنے اہل و عیال کے لیطلبے مدد معاش امروہہ آکر مسکن گزین ہوئے آپ اوپر پڑھ آئے ہیں کہ سلاطین ہند بالخصوص شاہان تغلقیہ کے نزدیک آل عباس کی کیسی کچھ قدر و منزلت تھی۔ بنی ہاشم و عمزادگان رسول رب العالمین اور خلفائے عباسی کی اولاد

اور قرابتدار ہونے کی وجہ سے اُنکا خاص ادب و احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا[۵۱] اس خاندان کے ارباب علم و فضل کو ادارات شرعیہ تفویض کیئے جاتے اور اکثر یہی حضرات قاضی و مفتی اور بادشاہوں کے معلّم وامام وخطیب ہوتے یہ کیفیت صرف ہندوستان ہی میں نہ تھی ممالک اسلامیہ میں بھی اس خاندان کے ادب و احترام کا یہی حال تھا۔ صاحب مراۃ دولتِ عباسیہ[۵۲] ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ :-

"بعضے بنو عباس بعد خروج از مصر وارد ولایت روم در شہر استنبول کہ پایۂ تخت روم است سکونت میدارند و سلاطین قیاصرہ روم وجود مسعود اوشان نہایت حرمت وتعظیم غنیمت می پندارند و ادب جناب اوشان قسمے کہ در عہد دولت خلفائے عباسیہ در دارالخلافت بغداد آدمی داشتند زیادہ از آں بجامی آرند و ہرگاہ سلطانے ازیں سریر فانی بسرائے جاودانی انتقال نماید ولی عہد او تا دستار از حضرت ایشان حاصل کردہ افسر افتخار نسازد بتاج قیصوری سرنمی افرازد"۔

چنانچہ بزرگان خاندان عباسیہ امروہہ ابتدائے عہد مغلیہ میں شہزادگان کے معلّم اور بادشاہ کے امام وخطیب سیدنا و مولانا سے مخاطب رہے حتیٰ کہ لفظ مولانا[۵۳] اس خاندان او قبیلہ کا لقب پڑگیا تحریرات اور دستاویزات میں بالعموم یہی لفظ تحریر ہوتا تھا جس کی تصدیق میں صدہا دستاویزات اور دیرینہ تحریرات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔ وسط عہد مغلیہ تک یہی خاندان امروہہ میں علما کا خاندان

---

[۵۲] مراۃ دولت عباسیہ قلمی۔ کتبخانہ ریاست بہاولپور ۱۲

[۵۳] بعض ناواقف عہد اکبری وجہانگیری اور اس کے مابعد کی دستاویزات و تحریرات میں قبیلہ مولانا محلہ مولانا یا دستخطوں میں مولانا لال محمد وغیرہ دیکھکر چونکتے ہیں حالانکہ وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اس خاندان کو جو خلفائے عباسی کی اولاد ہونے کے عام مسلمان اور سلاطین ہند کس عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے ادارات شرعیہ پر فائز ہونے کی وجہ سے سیدنا و مولانا سے مخاطب تھے جس طرح قاضی اور مفتی خاندان کے لوگ بالعموم قاضی اور مفتی کہلاتے تھے یہ خاندان لفظ مولانا سے ملقب تھا۔ ابن بطوطہ نے امام ابن تیمیہ کے شاگرد و فقیہ عبدالعزیز کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دن اس نے حضرت عباس اور انکی اولاد کے فضائل میں کچھ حدیثیں بیان کیں اور کچھ خلفائے بنی عباس کا ذکر کیا بادشاہ کو بہت پسند ہوا الخ۔

تہا، یہی حضرات مسلمانانِ شہر کے مذہبی مقتدا و پیشوا تھے زیادہ تر ان ہی کا افادہ درس جاری تہا اسکے بعد انحطاط و تنزل کا دور شروع ہوا علمائے ربانی کی جگہ فارسی داں معلّم اور مکتب کے مُلّا پیدا ہونے لگے، سادات و شرفا کے اکثر اشخاص اُنکے شاگرد تھے اس کی تصدیق ایک شیعی مذہب مصنف صاحب تاریخ اصغری ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

اکثر لوگ اس خاندان کے صاحب علم اور لایق ہوتے رہے ہیں اور بیشتر ساداتؐ امروہہ نے ان سے پڑہا لکہا ہے" (ص۱۴۹)

آخری دور میں یہ حالت بھی باقی نہ رہی، خاندان کے بعض گہرانوں میں، جن میں بفضل ایزدی اس عاجز کا گہرانا شامل ہے، علم کا چرچا البتہ باقی رہا ورنہ اکثر افراد آبائی جائیداد پر جو شاہان ہند سے مدد معاش میں بصورت عطیات معافی انکے بزرگوں کو وقتاً فوقتاً ملتی رہی، قانع ہو کر تحصیل علم و کسب کمالات سے بے پرواہ ہوگئے، ان میں سے بعض نے زراعت کو اپنا پیشہ بنا لیا تاہم میرے ہوش تک خاندان کی بعض شاخوں میں علمی چرچا اور علمی ذوق باقی تہا مگر اسکے بعد تو فقدان علم کی وہ بادِ سموم چلی کہ علما کی مجلسیں ویران اور علمی شعلین گُل ہوگئیں، بہت سے چراغ میری آنکھوں کے سامنے گُل ہوئے، شریفانہ صورتیں، شریفانہ اطوار، لانبے چوڑے قد و قامت پسندیدہ شوق، بکھے ہوئے ذوق، ہاشمی آداب، عباسی فضائل، متانت و سنجیدگی سبھی کچھ تہا مگر اب یہ سب خواب و خیال ہے ؎

ؐ صاحب تاریخ اصغری نے بقول خود اپنے خاندان کے اُستادوں اور اُستادزادوں کے مقام سکونت کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکہا ہے کہ "اسی وجہ ان کے مقام سکونت کو مُلّاؤں کا محلہ کہتے ہیں" لفظ مُلّا قدیم اصطلاح میں عالم و مجتہد کے لیے مستعمل تہا، اکثر علما اس لفظ سے ملقب تھے مثلاً ملا باقر مجلسی، مُلا نظام الدین موجد درس نظامیہ، مُلا عبدالقادر صاحب منتخب التواریخ فرقہ اسماعیلیہ شیعہ کے مذہبی مقتدا مُلا طاہر سیف الدین لفظ مُلّا سے مخاطب ہیں بعض لوگ اپنی جہالت سے لفظ مُلّا کو ادنیٰ لقب خیال کرتے ہیں، لیکن اہل علم کے نزدیک اسی قسم کا تعظیمی لفظ ہے جیسے مولانا۔ محلہ مولانا کی وجہ تسمیہ اگر لفظ مُلّا سے قرار دی جائے، تو صدہا دستاویزات میں محلہ مولانا بے معنی قرار پاتا ہے کثرت استعمال سے مولانا مُلّا نہ ہوگیا ۱۲ ء

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد   روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اب تو یہ نوبت پہونچی ہے کہ بعض لوگ اپنے نونہالوں کو میزان منشعب کے بجائے خانساماں گری کی مبادیات اور شمس بازغہ کے عوض بیراگری کی تعلیم دلانے کو بڑا کارنامہ سمجھنے لگے ہیں سہ

دادا کو دیکھا کہ عالم و فاضل تھے مستند   پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں

شجرہ نسب۔ خاندان عباسیہ امروہہ کے مورث مولانا رکن الدین عباسی کا سلسلہ نسب ۲۳ واسطوں سے بذریعہ ابو موسیٰ محمد الامین بن امیر المومنین ہارون رشیدؒ حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہوتا ہے (ملاحظہ ہو تذکرہ مولانا موصوف زمرۂ علماء مندرجہ تذکرۃ الکرام)

ابو موسیٰ محمد الامین ۱۷۰ھ میں جناب زبیدہ خاتون[۱] بنت جعفر بن ابو جعفر المنصور عباسی کے بطن سے متولد ہوئے' ماں باپ دونوں جانب سے ہاشمی اور نجیب الطرفین تھے۔ ۱۹۳ھ میں بعد وفات پدر بزرگوار خلیفہ ہوئے۔ ۴ سال ۷ مہینے اور ۱۸ دن تخت خلافت پر متمکن رہکر ۲۵ محرم ۱۹۸ھ کی شب میں بعمر ۲۸ سال طاہر سپہ سالار خلیفہ مامون الرشید کے سپاہیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ محمد الامین نے کسائیؔ سے جو فن ادب کے امام تھے' ادبیات کی تکمیل کی تھی' بڑے فصیح و بلیغ اور سخن سنج تھے۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ :۔ (المامون ص۳۴)

"امین میں جہاں سیکڑوں برائیاں تھیں' بہت سی خوبیاں بھی تھیں' علم دوست تھا' فیاض تھا' اسی کے ساتھ چونکہ صاحب کمال اور پایہ شناس سخن تھا' ہزاروں اہل فن اس کے خوان کرم سے فیضیاب تھے' عام ملک پر شاید اس کا قتل اتنا گراں نہ گذرتا مگر جن لوگوں نے خود اس کے

---

[۱] زبیدہ خاتون کی کنیت ام جعفر اور نام امۃ العزیز تھا' بڑی دیندار' سخی اور فیاض تھیں۔ ابن جوزی نے مرآۃ الزمان میں لکھا ہے کہ ۱۷۰ھ میں جب حج کی غرض سے حجاز تشریف لے گئیں تو سفر حج میں ایک کرور دینار (اشرفی) صرف کیے' اور مکہ و مدینہ کے علماء و مستحقین کی امداد اور نہر کی تیاری میں جو آپ کے نام سے نہر زبیدہ مشہور ہے اور ساکنان ارض مقدسہ کی آب رسانی کا خاص ذریعہ ہے ۲۰ کرور دینار خرچ کیے' یہی مصنف لکھتے ہیں کہ اس نیک صفات خاتون کے محلات میں سو کنیزیں ایسی تھیں جنکو قرآن شریف حفظ تھا' ہر کنیز ہر روز دس سیپارے سناتی تمام محلات میں کلام ربانی کی آوازیں سنائی دیتی ہیں ۲۱۶ھ میں بغداد میں وفات پائی ۱۲

عروج وحشم ناز ونعمت و شان و شوکت کا دلفریب تماشا دیکھا تھا ان کی آنکھوں کے سامنے تو زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا۔ شعرا نے جس دردناک لہجہ میں اس کا مرثیہ لکھا ہے کون ایسا سنگ دل ہے جو اس کو سنکر ضبط کا دعویٰ کر سکتا ہے"۔

امین الرشید عباسی کے دو فرزند تھے موسیٰ اور عبداللہ۔ ابن خلدون نے خلیفہ موصوف کے حالات میں ضمناً ان کے ان دونوں بیٹوں کا تذکرہ بھی بالفاظ ذیل کیا ہے:۔

"اوائل ۱۹۵ھ میں امین نے مامون کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کی ولیعہدی کی بیعت لی اور الناطق بالحق کے لقب سے ملقب کیا۔۔۔۔۔ اس کے بعد موسیٰ کو علی بن عیسیٰ کے آغوش تربیت میں دیا اور محمد بن عیسیٰ بن نہیک کو اس کی پولیس پر، عثمان بن عیسیٰ کو اس کے باڈی گارڈ پر اور علی بن صالح المصلی کو اس کے دفتر انشاء پر مامور کیا۔ اس کارروائی کے بعد خلیفہ نے اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ کو بھی موسیٰ کے بعد ولیعہد بنایا چنانچہ خطبوں میں پہلے امین کا نام لیا جاتا تھا بعد ازاں موسیٰ اور عبداللہ کے لیئے دعا کی جاتی تھی اور اس کو القائم بالحق کا لقب دیا تھا" (جلد، ص ۱۱)

مامون کے سپہ سالار طاہر نے جب بغداد کا محاصرہ کر لیا تو خلیفہ امین اپنی والدہ معظمہ اور خلیفہ زادوں کے مدینۃ المنصور میں پناہ گزین رہے لیکن بعد میں طاہر و ہرثمہ دونوں فوجی افسروں کے عہد و پیمان پر اپنے بھائی مامون کے پاس جانے کی غرض سے روانہ ہوئے تو "اپنے دونوں بیٹوں کو گلے لگایا، پیار کیا اور ان دونوں سے رخصت ہو کر کنارہ دریا پر آئے" اور دھوکے سے شہید کیئے گئے۔ اسکے بعد طاہر نے بغداد پر قبضہ حاصل کر کے:۔

"شاہی محلسراؤں کی حفاظت پر لوگوں کو متعین کیا اور زبیدہ خاتون مادر محمد امین اور امین کے دونوں بیٹوں موسیٰ اور عبداللہ کو بالائی زاب کے شہروں کی طرف شہر بدر کر کے بھیجدیا پھر چند دن کے موسیٰ اور عبداللہ کو مامون کے پاس بھیجدیا (ابن خلدون جلد، ص ۹)

مامون الرشید کو اپنے بھائی محمد امین الرشید کے اس طرح ہلاک ہونے کا جو صدمہ ہوا مورخین نے انکو بیان کیا ہے۔ یہ دونوں بھتیجے مقتول بھائی کی یادگار خلیفہ کی نظروں میں محبوب اور سیدہ زبیدہ خاتون کے لخت جگر و نور بصر تھے، ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت خاص اہتمام سے ہوئی۔ سنہ ۱۹۸ھ میں چونکہ خلافت ان کے گھرانے سے منتقل ہوگئی تھی اس لیئے مورخین نے اپنی عادت کے مطابق ان کا اور ان کی اولاد کا آئندہ کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ امین الرشید کے حالات میں ضمناً ان کا ذکر بھی آجاتا ہے مگر وہ زمانہ ان کے بچپن کا زمانہ تھا۔ موسیٰ عمر میں بڑے اور عبد اللہ چھوٹے تھے۔ مورخین نے ان کا سنہ ولادت بھی صراحت کے ساتھ تحریر نہیں کیا تاہم سنہ ۱۹۵ھ میں جب خلیفہ محمد امین نے اپنے ان دونوں بیٹوں کو یکے بعد دیگرے ولیعہد خلافت بنایا موسیٰ کی عمر زیادہ سے زیادہ چھ سات سال کی اور عبد اللہ کی تین چار برس کی تھی مسعودی نے مروج الذہب میں موسیٰ کے متعلق لکھا ہے "جب وہ ولیعہد بنائے گئے تو اتنے خورد سال تھے کہ ولیعہد خلافت کی حیثیت سے نہ کوئی حکم دے سکتے تھے اور نہ بھلے بُرے کی تمیز کر سکتے تھے"۔ ابن اثیر نے صرف اس قدر لکھا ہے کان موسیٰ طفلاً صغیراً یعنی موسیٰ اس وقت طفل صغیر تھے۔ وہ چونکہ اپنے باپ کی اکبر اولاد تھے اس لیئے ان کا سنہ ولادت سنہ ۱۸۹ھ یا سنہ ۱۹۰ھ قرار دینا جبکہ ان کے والد امین الرشید کی عمر ۲۰ یا ۲۱ برس کی تھی زیادہ قرین صحت ہوگا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سنہ ۲۲۰ھ یا سنہ ۲۱۸ھ میں موسیٰ کا عالم شباب میں انتقال ہوگیا اس لیئے انتقال کے وقت ان کی عمر انیس و بیس یا انتیس و تیس برس کی تھی جسٹس امیر علی نے تاریخ عرب[1] میں بیان کیا ہے کہ موسیٰ اور عبد اللہ کو مامون الرشید نے اپنے بیٹوں کی طرح پرورش کیا جب دونوں بھائی سن بلوغ کو پہنچ گئے انکی شادیاں بھی اپنی ہی دو صاحبزادیوں سے کردیں۔ عربی نژاد بالخصوص شہزادے ۱۵ ۱۶ برس کی عمر میں بالغ اور صاحب اولاد ہوجاتے تھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ موسیٰ کے چچا امیر المومنین معتصم باللہ کی عمر ۱۷ سال کی تھی جب ان کے پسر اکبر واثق باللہ پیدا ہوئے نیز عبد اللہ بن عمرو بن العاص اپنے والد سے صرف بارہ برس چھوٹے تھے اس لیئے موسیٰ کے ۱۹ یا ۲۹ سال عمر میں کئی اولادیں ہونگی۔ کم از کم انکے ایک فرزند محمد تقی سے سلسلۂ عقب باقی ہے یعنی عباسیان امروہہ کا سلسلۂ نسب ان سے متصل ہوتا ہے

---

[1] ہسٹری آف سیرسینز صفحہ ۲۶۲

خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ کے جد اعلیٰ مخدوم زادہ محمد یوسف کا سلسلۂ نسب جو بعد تباہی بغداد ہندوستان آئے دس واسطوں سے موسیٰ مذکور کے ذریعہ خلیفہ امین الرشید عباسی سے متصل ہوتا ہے بایں طریق:۔ مخدوم زادہ محمد یوسف بن محمد حمزہ بن محمد اسحٰق بن محمد اسمٰعیل بن محمد باقر بن علاء الدین بن قطب الدین بن محمد نقی بن محمد تقی بن موسیٰ بن امین الرشید۔ محمد امین موصوف کا سنہ ولادت ١٧٠ھ ہے اور مخدوم زادہ محمد یوسف کی عمر جبکہ تباہی بغداد کے بعد مختلف دیار و امصار میں ہوتے ہوئے تقریباً ۶۶۴ھ میں وارد ہند ہوئے اور سلطان بلبن نے امیر المومنین ہارون الرشید کے پوتے کی حیثیت سے اُن کا اعزاز و اکرام کیا یقیناً چالیس پچاس سال کی ہو گی اس لیے اِن دو بزرگوں یعنی امین الرشید اور محمد یوسف کے سنین ولادت کا درمیانی زمانہ تقریباً چار سو پچاس برس کا شمار میں آتا ہے پس ایک صدی میں تین واسطوں کے اوسط اس مدت میں تعداد وسائط تقریباً تیرہ ہونا چاہیے لیکن مندرجہ بالا سلسلہ میں صرف گیارہ واسطے مذکور ہیں گویا دو واسطوں کی کمی ہے لیکن ایسے اشخاص کے سلسلۂ نسب میں جنہوں نے دو مان عالیشان کی تباہی اور جفائے ابنائے زماں کی بنا پر ترک وطن پر مجبور ہو ہو کر بعض ناموں کا تقدم تأخر یا ایک دو ناموں کا ترک ہو جانا ایک ایسا امر ہے جو سادات و شرفاء ہند کے تقریباً تمام سلاسل نسب میں پایا جاتا ہے ماسوائے اسکے موسیٰ موصوف کے بعد اگر اس سلسلہ کے اکثر اشخاص نے طویل عمر پائی ہو جس کا اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے قوی امکان ہے تو دو صدیوں میں چار یا پانچ واسطوں کے اوسط سے اس سلسلہ میں کوئی کمی باقی نہیں رہتی۔ مخدوم زادہ موصوف کے بعد کا سلسلۂ نسب باعتبار تعداد وسائط صحیح و متصل ہے مولانا رکن الدین عباسی سے مخدوم زادہ محمد یوسف تک سات پشتیں ہوتی ہیں بایں طریق:۔ مولانا رکن الدین بن نظام الدین بن شمس الدین بن شرف الدین بن معین الدین بن تاج الدین بن محمد یوسف مذکور۔ مولانا رکن الدین عباسی کا زمانہ آمد امروہہ تقریباً ۸۹۸ھ اور مخدوم زادہ موصوف کا زمانہ ورود ہند ۶۶۴ھ ہے اور اِن دونوں سنین کا درمیانی زمانہ دو سو چونتیس برس کا ہوتا ہے اس مدت میں مندرجہ بالا سات پشتیں باعتبار اوسط تعداد صحیح و درست ہیں مولانا رکن الدین موصوف سے موجودہ نسل کے نوجوانوں تک چودہ اور پندرہ واسطے اور سن اشخاص بلکہ میرے جہنوں تک بارہ اور تیرہ واسطے شمار میں آتے ہیں جو بلحاظ مدت زمانہ صحیح اور درست نیز

مستند دستاویزی اور تحریری شہادتوں سے ثابت و محقق ہیں مثلاً خاکسار مولف کا سلسلہ نسب مولانا موصوف سے اس طریق پر متصل ہوتا ہے:۔ محمود احمد بن مولوی علی محمد بن حضرت شاہ احمد علی بن مولوی سعادت علی بن مولانا عبدالحی بن مولانا عبدالرحیم بن مولانا عنایت اللہ بن ملا نذر محمد بن حاجی محمد صالح بن مولانا محمد بن مولانا بابن بن مولانا رکن الدین عباسی۔ امروہہ کے قدیم خاندانوں میں سوائے خاندان عباسیہ صرف معدودے چند[۱] خاندان ایسے ہیں جن کا سلسلہ نسب اپنے اس مورث تک جو امروہہ آئے مستند دستاویزی شہادتوں سے ثابت و محقق ہو۔ اس لیئے علم الانساب کی اصطلاح میں یہ خاندان صحیح النسب خاندان ہے اور اس خاندان کی عباسیت اسی طرح مسلّم ہے جس طرح امروہہ کے بعض صحیح النسب فاطمی خاندانوں کی فاطمیت۔ چنانچہ صاحب نخبۃ التواریخ نے باوجود نسلی تعصب[۲] کے مولانا رکن الدین عباسی کا تذکرہ حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

وصل دوم۔ در ذکر اولاد ملا رکن الدین عباسی کہ تسلسل وے بواسطہ سلطان ہارون رشید بابو الخلفائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما منتہی می شود و ایشان اشہر ترین عباسیان و در رسم رواج مستند ترین جملہ شیوخ گویا اہل الحل والعقد اند و بسیارے از ایشان بعلم و صلاح و تقوی موصوف و در فارسی معروف بودند و از تحریرات دیرینہ موثقہ بدرجہ تحقیق است کہ در زمانہ اکبر جلال الدین ملا لاڈن و ملا بن و ملا رکن الدین عباسی ہر سہ در امروہہ از معززان وقت بودند (ص ۹۹)

صاحب تاریخ اصغری شیعی مذہب نے خاندان عباسیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

فصل تینتالیسویں ملاؤں کے بیان میں۔ اس محلہ میں کئی گروہ ہیں۔ ایک گروہ عباسیوں کا

---

[۱] مثلاً سادات رضویہ اولاد حضرت شاہ ابن بدرچشتی و سادات دانشمند اولاد مولانا سید اشرف و خاندان فاروقی اولاد حضرت شیخ المشائخ شیخ چاندہ فاروقی و حاجی عبدالغفور وغیرہم ۱۲

[۲] صاحب نخبہ نے اپنے خاندان کی مشتبہ سیادت کو ثابت کرنے کے ساتھ خاندان عباسیہ کا تذکرہ باوجود ہاشمی ہونے کے فاطمیوں بلکہ جعفریوں سے جداگانہ صدیقیوں فاروقیوں بلکہ دیگر شیوخ کے بعد کیا ہے جو ان کے نسلی تعصب کی روشن دلیل ہے

جو سلطان محمد امین خلیفہ ہفتم بغداد کی اولاد میں ہیں اور محمد امین کا نسب آٹھ واسطوں سے عموزادہ
حضرت شفیع الناس یعنی عبداللہ بن عباسؓ کا تک پہنچتا ہے (الی آخرہ)

صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹر بزرگان بنی عباسؓ متوطنہ امروہہ کا تذکرہ کرنے کے بعد جس کے بعض اقتباسات اوپر نقل ہو چکے ہیں، لکھتے ہیں کہ:-

"ان کے اخلاف اب تک امروہہ میں ساکن ہیں اور ان میں سے اکثر گورنمنٹ کی ملازمت میں ہیں اس قصبہ میں عباسیوں کی تعداد تقریباً دو سو ہے جو زیادہ تر محلہ ملانہ اور سرائے کہنہ میں ساکن ہیں (ص ۱۶۹)

• عباسیان امروہہ کے خاندانی حالات کا ایک جداگانہ تذکرہ **آئینۂ عباسی** موجود ہے جو نصف صدی قبل کا مطبوعہ ہے اس میں خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ کی جملہ شاخوں کا ذکر ہے اور منسلکہ شجرہ میں اس وقت کے ایک ایک فرد کا نام بھی شامل ہے زمانہ حال کی تصنیف مراۃ الانساب میں بھی صرف اسی خاندان کو نسباً عباسی تحریر کیا گیا ہے اور ان کا شجرہ بھی شامل کیا گیا ہے غرضیکہ امروہہ میں یہی خاندان عباسی خاندان ہے جو اشہر انام و مسلمہ عام ہے۔ خود اس خاندان کے بزرگ اپنی تحریرات اور دستخطوں میں ہمیشہ اپنے نسب کا اظہار لفظ "عباسی" یا "قریشی العباسی" سے کرتے رہے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں امروہہ کے اور کسی خاندان نے کبھی اپنے کو عباسی ظاہر نہیں کیا البتہ محلہ مولانا میں ایک مختصر گروہ "چڑیا عباسی" مشہور رہے۔ صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں کہ:-

"ایک گروہ ملقب بہ چڑیا عباسی کہتے ہیں، عظمت علی وغیرہ ان میں ہیں" ص ۵۹

صاحب تاریخ اصغری بنی عباسیان مسلمہ عام کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کی تعداد کو جو مولف مذکور کے زمانہ میں تھی ظاہر کرتے ہوئے، لکھتے ہیں کہ:-

"بالفعل اس گروہ میں ننانوے آدمی ہیں، باقی عباسی اس خاندان سے علحدہ ہیں کہ از انجملہ ایک شیخ عنایت اللہ ہیں جو سابق میں بمقام پنجاب پیشکار بندوبست تھے

صاحب تخمینہ نے بھی "چڑیا عباسیوں" کو عباسیان مسلمہ عام کا ہمجد تحریر کیا ہے مگر خاکسار مولف کو

باوجود تفحص و تلاش کے دیرینہ تحریرات سے اس کی تصدیق نہ ہوسکی "چڑیا عباسی" کی وجہ تسمیہ بھی تحقیق
نہ ہوئی اگر فی الواقع یہ خاندان نسباً عباسی ہے جیسا کہ خاکسار مولف کو بعض قرائن سے معلوم ہوا ہے تو بہت
ممکن ہے کہ انکے کوئی بزرگ کسی زمانہ میں جس کا حال تحقیق نہ ہوسکا قصبہ چڑیا کوٹ (ضلع اعظم گڈھ)
سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے۔ امروہہ آئے ہوں اور نسبت مکانی سے "چڑیا
عباسی" کہلائے ہوں۔ واللہ اعلم لیکن یہ حضرات شریف النسب ہیں اور ان کی قرابت و مصاہرت ہمیشہ
سے عباسیوں اور دوسرے شرفا سے ہوتی آئی ہے۔ مستند دستاویزات سے جو شجرہ اس خاندان کا مرتب
ہوا ہے وہ ذیل میں درج ہے۔ اس گروہ میں منشی عبدالجلیل ولد منشی محمد اسمٰعیل و منشی عبدالماجد ولد عبدالخالق
و منشی ابوالقاسم ولد حکیم مظہرالہادی وغیرہ ہیں۔ لیکن ان دو خاندانوں یعنی عباسیان مسلمہ عام اولاد مولانا
رکن الدین عباسی اور "چڑیا عباسیوں" کے علاوہ امروہہ میں نہ کوئی دوسرا عباسی خاندان ہے اور نہ کبھی
اور نہ صحیح النسب عباسیوں نے کسی اور شخص یا گروہ کو اپنا ہمجد و ہم نسب تسلیم کیا اور نہ کسی ایسے شخص یا خاندان سے ان
کی کبھی کوئی قرابت ہوئی مگر خدا مولوی آل حسن نجشی کو معاف فرمائے انہوں نے اپنی تالیف مطبوعہ ۱۲۹۶ھ
میں آئینۂ عباسی (تاریخ اصغری) کی تحریرات کے سراسر خلاف غالباً مماثلت اسمی کی بنا پر بشرطیکہ ان کی
کسی بدنیتی یا تعصب پر اس کو محمول نہ کیا جائے حضرت سید شرف الدین حسن شاہ ولایت کے خادم
شیخ نظام الدین کی اولاد کو جو درگاہ کے مجاور ہیں اور جن میں اب زیادہ سے زیادہ دو یا تین افراد
باقی ہیں آپکے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسی کی نسل میں لفظ "می گویند" کے ساتھ لکھ مارا۔ اس کے
متعلق تاریخ امروہہ (جلد اول) میں سلسلہ حالات مجاوران انکشاف حقیقت کیا جا چکا ہے اور اس موقع
پر بھی جبکہ عباسیان امروہہ کا نسبی تذکرہ کیا جا رہا ہے حقیقت حال کا اظہار ضروری ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت شاہ ولایت کے صرف چار خلفاء تھے منجملہ ان کے ایک حضرت
شیخ نظام الدین عباسی تھے شاہ ولایت کے کسی معاصر مصنف نے جب خود شاہ ولایت ہی کا کوئی تذکرہ
نہیں کیا تو ان کے خلفاء کے حالات اس زمانہ کی کسی تصنیف میں کیسے دستیاب ہوسکتے ہیں۔ صاحب ثمرات القدس
نے شاہ ولایت کے حالات میں ان کے خلفاء کا ضمناً بھی کوئی ذکر نہیں کیا اور غالباً اس وجہ سے نہیں کیا۔

ع علاوہ کسی بھی اور شخص یا خاندان کے عباسی النسب ہونے کی کوئی تصریح نہیں

کہ آپ صاحب سلسلہ نہیں ہیں۔ آپ کے خلفار کا ذکر جس کتاب میں اولین مرتبہ کیا گیا ہے وہ مقاصد العارفین ہے جو ۱۲۶۲ھ کی تالیف ہے یعنی شاہ ولایتؒ سے تقریباً چار سو برس بعد کی۔ پس شاہ ولایتؒ کے خلفار کے بارے میں صاحب مقاصد العارفین کے بیان کو اگر باور کیا جائے اور اسے کوئی تاریخی اہمیت دی جائے تو اس کا یہ طریقہ تو انصاف و دیانت پر مبنی نہ ہوگا کہ اپنے حسب مطلب چند الفاظ نقل کرکے ایسا مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو نہ اصل کتاب کی پوری عبارت سے پیدا ہوتا ہے اور نہ اس کے مصنف کی تحریر کا وہ مطلب و منشار ہے لیکن صاحب نخبہ نے اس معاملہ میں یہی طریقہ اختیار کرنا پسند کیا ہے یعنی انہوں نے بحوالہ مقاصد العارفین یہ تو لکھدیا کہ شیخ نظام الدینؒ مذکور شاہ ولایتؒ کے خلیفہ اور نسباً عباسی تھے مگر یہ نہ لکھا کہ بعد کسب کمالات وہ امروہہ سے ملتان چلے گئے جہاں جاکر سکونت بھی اختیار کی اور اپنے سلسلہ کا اجرا کیا۔ یہ جملہ صاحب نخبہ حذف کر گئے اور بجائے اس کے یہ تحریر کردیا کہ "کہتے ہیں کہ مجاوراں درگاہ ان کی نسل سے ہیں"۔ مقاصد العارفین کی اصل عبارت اور صاحب نخبہ کی تحریر کو بالمقابل پڑھنے سے غالباً ناظرین صاحب نخبہ کی مورخانہ دیانت کا صحیح اندازہ کرسکیں گے:۔

صاحب نخبہ کی تحریر	مقاصد العارفین کی اصل عبارت
و در ذکر شیخ نظام الدین در مقاصد العارفین می فرماید کہ وے از اجلہ خلفائے حضرت مخدوم سید شرف الدین صاحب ولایت بود و کمالات باہرہ و تصرفات ظاہرہ داشت ونسب وے بحضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ می پیوندد و می گویند کہ مجاوران درگاہ عالیجاہ مخدوم قدس سرہ . . . . از نسل وے اند۔	چہارم خلیفہ شیخ نظام الدین بود نسب او بہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ می پیوندد۔ او بجانب ملتان سکونت اختیار کردہ و گویند کہ سلسلہ جاری نمودہ اما عدم ظہور سلسلہ وے دلیل امر مخدوم است قدس سرہٗ و صدق قول مخدوم موجب عدم ظہور اثر آں سلسلہ۔ انتہی۔

مقاصد العارفین مطبوعہ نہیں ہے مگر اس کتاب کے متعدد مستند قلمی نسخے امروہہ میں اور خود مصنف

کے خاندان میں موجود ہیں، ہر نسخہ میں صرف یہی عبارت ہے جو اوپر نقل ہوئی۔ مندرجہ بالا دونوں عبارتوں کے تقابل سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ صاحب مقاصد العارفین نے شیخ نظام الدین عباسیؒ کی اولاد کا اشارۃً وکنایتاً بھی کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ صراحتاً یہ تحریر کیا ہے کہ وہ امروہہ سے ملتان چلے گئے، وہاں سکونت اختیار کی اور اپنے سلسلہ کا اجرا کیا لیکن بیان کیا گیا ہے کہ شاہ ولایتؒ نے چونکہ بنور باطن یہ معلوم کر لیا تھا کہ ان سے آئندہ سلسلہ جاری نہ رہیگا اس لیے اپنے خلفا کو بھی اسی کی ہدایت کی تھی چنانچہ شیخ نظام الدین مذکور کے اجرائے سلسلہ پر بھی اس کا اثر ظہور میں نہ آنا اُن کے پیر و طریقت کے صدق قول کی دلیل ہے، مقاصد العارفین کے مصنف حضرت شاہ عضد الدین محمد جعفریؒ کی سکونت اسی محلہ میں تھی جہاں مجاوران درگاہ قدیم الایام سے رہتے آئے ہیں پس اگر یہ لوگ واقعاً شیخ نظام الدین عباسیؒ کی اولاد ہوتے یا اس زمانہ میں ان لوگوں کو اس کا ادعا ہوتا تو صاحب مقاصد العارفین شیخ موصوف کے تذکرہ میں مجملاً یا اشارۃً ہی اس کا اظہار فرماتے لیکن انہوں نے اس کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں کیا کیونکہ وہ حقیقتِ حال سے واقف تھے اور نہ یہ لوگ اس زمانہ میں اس کا کوئی ادعا کرتے تھے بلکہ شیخ نظام خادم شاہ ولایت کو اپنا مورث سمجھتے تھے نہ کہ آپکے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسیؒ کو جو ملتان میں ساکن تھے اب سوال یہ ہے کہ صاحب نخبہ نے ان کو شیخ نظام الدین عباسیؒ کی اولاد میں کیوں اور کس بنا پر تحریر کیا؟ اس کا جواب مندرجہ بالا عبارتوں کے بالمقابل پڑھنے سے بآسانی مل سکتا ہے۔ صاحب نخبہ کا ماخذ جیسا کہ انہیں خود بھی تسلیم ہے "مقاصد العارفین" ہے مگر انہوں نے اسی ماخذ . . . . اور اسی کتاب کی عبارت کا وہ فقرہ جو اس بارے میں خاص طور سے اہم بلکہ جانِ سخن تھا یعنی "ہ بجانب ملتان سکونت اختیار کردہ" حذف کر دیا۔ کیوں حذف کر دیا؟ غالباً اس لیے کہ وہ اس امر واقعہ کا اگر اظہار کرتے، مقاصد العارفین کی پوری عبارت نقل فرماتے اور ناظرین کتاب کو بتاتے، جیسا کہ ایک مؤلف مورخ کو دیانتاً چاہیئے تھا کہ شیخ نظام الدین عباسیؒ امروہہ سے ملتان چلے گئے، وہیں سکونت اختیار کی اور وہیں اپنے سلسلہ کا اجرا کیا تو پھر وہ کس دلیل اور کس ثبوت سے امروہہ کے مجاوروں کا ان کی نسل میں ہونا ظاہر کر سکتے تھے۔ اگر فی الواقع اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر انہوں نے یہ فقرہ

حذف کیا کیونکہ بظاہر کوئی دوسری وجہ اس کارروائی کی سمجھ میں نہیں آتی، تو کیا اسے ایک مصنف و مورخ کی بدترین بددیانتی سے تعبیر نہیں کیا جائیگا؟ شاید ان کا ضمیر اور ان کا نشنش بھی بوقت تحریر ان کو ملامت کر رہا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے ان لوگوں کے شیخ نظام الدین عباسی کی اولاد ہونے پر اپنے یقین کا اظہار نہیں کیا بلکہ لفظ "می گویند" تحریر کرکے شک و شبہ کو بھی ظاہر کر دیا۔

لیکن اس سلسلہ میں صاحب نخبہ کی افتاد طبیعت کا ایک اور رُخ بھی سامنے آتا ہے اپنی کتاب کی پانچویں فصل میں اُنہوں نے عباسی خاندانوں کے حالات تحریر کئے ہیں۔ اس سے ماقبل فصلوں میں خاندان نخشبی کی مشتبہ سیادت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، فاطمی خاندانوں کا تذکرہ لکھا ہے، قوم ترکمان کو سیادت کا سرٹیفکٹ عطا کیا ہے، باوجودیکہ سادات جعفری اولاد حضرت جعفر طیارؓ کی سیادت انکو تسلیم ہے مگر ان ہی کے ہمجد عباسیوں علویوں اور عقیلیوں کو زمرہ شیوخ میں شامل فرمایا ہے اور اور ان خاندانوں کا تذکرہ بھی دوسرے ہاشمی خاندانوں سے جدا بلکہ شیوخ قریشی و صدیقی و فاروقی حتیٰ کہ بعض ایسے خاندانوں کے بعد کیا ہے جو نہ صدیقی ہیں اور نہ فاروقی، عباسیان امروہہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ دو جداگانہ خاندان "دو بطنوں" سے ہیں چنانچہ ان دونوں کا تذکرہ دو علحدہ وصلوں میں کرتے ہیں۔ "وصل اول" میں تو اُن لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جن کی عباسیت خود انکے نزدیک بھی مسلّم نہیں بلکہ مشتبہ ہے کیونکہ ان کا تذکرہ لفظ "می گویند" کے ساتھ کرتے ہیں مگر جس خاندان کی عباسیت اُنکے نزدیک مسلّم اور غیر مشتبہ ہے، جن کا سلسلہ نسب بواسطہ سلطان ہارون رشید "ابوالخلفاء" حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر منتہی ہونا خود انکو بھی تسلیم ہے، جس گروہ کو "اشہر ترین عباسیان" بیان کرتے ہیں جن لوگوں کو "رسم و رواج میں مستند ترین" کہتے ہیں جن کے بزرگوں کو "اہل الحل والعقد" بتلاتے ہیں جس خاندان کے بہت سے افراد کو "بعلم و صلاح و تقویٰ موصوف و در فارسی معروف" ظاہر کرتے ہیں اور جن کے بزرگوں کا امروہہ میں "بزمانہ اکبر جلال الدین" بادشاہ "معززان وقت" ہونا "تحریرات دیرینہ موثقہ" کی بنا پر ان کے نزدیک "بدرجہ تحقیق" ہے اسی خاندان، ان ہی "اشہر ترین عباسیان" اسی "مستند ترین" گروہ، ان ہی ارباب "حل و العقد" اور ان ہی "معززان عہد اکبری" کا تذکرہ وہ "وصل دوم" میں ان "می گویند" والوں کے بعد کرتے ہیں

جن کا نسباً عباسی ہونا تو درکنار ان کا شمار طبقہ شرفا میں بھی کبھی نہیں ہوا اور نہ اب ہے لیکن صاحب نخبہ نے اس اشہر ترین عباسی" خاندان کا تذکرہ ایسے ناموزوں طریقہ پر کیوں کیا؟ شاید اس غرض سے کہ صحیح النسب عباسی خاندان کا ذکر ایسے ناموزوں طریقہ پر کرنے سے وہ اپنے خاندان کی مشتبہ سیادت نبی کو ان لوگوں کی نظروں میں مقبول کرا سکیں جو بر بنائے جہالت و ناواقفیت یا غلو تعصب عباسیوں کی تنقیص ہی کو شیعیت یا فاطمیت کی روشن دلیل سمجھتے ہیں۔ پس ان فاد طبیعت کے مصنف سے کیا بعید تھا کہ وہ مقاصد لیغارین کی اصل عبارت سے اس فقرہ کو جس سے نظام الدین عباسی کا امروہہ سے ملتان چلے جانا ثابت ہوتا تھا اور اس اظہار حقیقت کے بعد وہ "می گویند" والوں کو ان کی نسل میں نہیں لکھ سکتے تھے قصداً و عمداً حذف کر دیا ہو۔ مگر باوجود اس نازیبا حرکت کے صاحب نخبہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکے 'نخبہ' کی اشاعت کے بعد ہی صاحب آئینہ عباسی کے لائق فرزند مولوی غلام نبی خاں عباسی تخلص بہ شاعر نے ان کی تردید میں "رد نخبہ" نام ایک پمفلٹ لکھا جس میں صاحب نخبہ کے ادعائے سیادت کی پرزور تردید کی گئی تھی اسکے بعض فقرات خاندان نخشی کے تذکرہ میں ملاحظہ ہوں۔ صاحب نخبہ نے اپنی اس حرکت پر نادم ہو کر مولوی غلام نبی خاں عباسی سے تحریری معافی چاہی اور ایک مجمع کے سامنے اظہار ندامت کیا لیکن تیر از کماں جستہ باز نمی آید مخالفین نے اس سے فائدہ اٹھایا مولف واسطیہ نے بوجہ غالی شیعہ ہونے کے اپنی کتاب میں امروہہ کے صرف شیعہ فاطمیوں اور انکے قرابتداروں کے خاندانی حالات لکھے ہیں ہاشمی سادات میں سے صحیح النسب عباسی یا جعفری یا سادات رضوی اولاد حضرت شاہ ابن وغیرہ خاندانوں کے حالات کا جواباً عن جدٍ سُنی ہیں مطلق تذکرہ نہیں کیا مگر باوجود اسکے اُسنے سادات محلہ لکڑہ کے حالات میں مجاوروں کا ذکر عمداً کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

اس محلہ کی جنوبی حد پر شیوخ مجاوران درگاہ جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت کی ہے جو مخدوم صاحب موصوف کی اولاد کی طرف سے جاروب کشی کی خدمت پر مامور ہیں اور اس کے صلہ میں چڑھاوے وغیرہ پاتے ہیں۔ مولف نخبۃ التواریخ نے انکو اولاد حضرت عباس بن عبدالمطلب تحریر کیا ہے صفحہ ۵۰

لیکن باوجود غلو تعصب کے جو غالباً اس غرض سے سطور بالا لکھنے کا محرک ہوا کہ امروہہ کے چند ایسے لوگوں کو جن کا شمار یہاں کے طبقہ شرفا میں بھی کبھی نہیں ہوا نسباً اس خاندان سے ظاہر کرے جو ہاشمی اور مطلبی ہونے کی وجہ سے تو اُن کا ہجو بہ مگر جس کے بزرگوں کی دشنام دہی کو غالی شیعہ مذہباً یا عادتاً ضروری سمجھتے ہیں مولف واسطیہ کو پھر بھی یہ جرأت نہ ہو سکی کہ اپنی ذاتی معلومات سے ان کو عباسی بتائے اس نے بھی مولف تحفہ ہی کا نام لیا کہ یہ حرکت ان ہی سے سرزد ہوئی ہے لیکن قطع نظر اسکے اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ شاہ ولایت کے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسیؒ امروہہ سے جا کر ملتان میں ساکن ہو گئے تھے مگر اجرائے سلسلہ کے عدم ظہور کی وجہ سے پھر امروہہ واپس آگئے اور ان ہی کی نسل سے مجاوران درگاہ ہیں تو غور طلب سوال یہ ہے کہ شیخ موصوف کا بعد کسب کمالات و اخذ خلافت امروہہ سے ملتان چلے جانا' وہاں سکونت اختیار کر لینا' اجرائے سلسلہ کرنا' اور "عدم ظہور اثر سلسلہ" کے بعد پھر امروہہ چلے آنا یقیناً ایسے زمانے میں ہو گا جب اُنکے پیر طریقت شاہ ولایتؒ کا وصال ہو چکا ہو گا تو ایسی حالت میں اُن کا امروہہ آنا کس کشش اور کس تعلق کی بنا پر تھا؟ ظاہر ہے کہ جو شخص بقول صاحب تحفہ "کمالات باہرہ و تصرفات ظاہرہ" سے متصف ہو اس کا اجرائے سلسلہ طریقت کرنا جلب منفعت کشید زر اور کسب معیشت کی خاطر تو ہرگز نہ ہو گا اور نہ کسب معیشت کی غرض سے وہ ملتان سے چل کر امروہہ آئے ہونگے اور نہ اب سے چھ سو برس پیشتر کے حالات کے لحاظ سے جبکہ عام مسلمانوں کو بھی معاش کی وہ تنگی نہ تھی جو اب ہے یہ کس طرح قابل قیاس ہو سکتا ہے کہ اُن جیسے صاحب کمالات' ولی اللہ اور شیخ طریقت کا ملتان جیسے صدر مقام سے امروہہ چلے آنا محض حصول معاش کی بنا پر تھا' پس اگر واقعاً وہ ملتان کی سکونت ترک کر کے امروہہ آئے تو اُن کا اس زمانہ میں ملتان جیسے دور دراز مقام سے یہاں آنا صرف مندرجہ ذیل تین وجود کی بنا پر قابل قیاس ہو سکتا ہے اولاً یہ کہ انکو یا انکے کسی فرزند کو کوئی جاگیر املاک مدد معاش وعطیات معافی عطا ہوئے تھے یا ادارات شرعیہ کا کوئی عہدہ قاضی ومفتی' متولی وخطیب کا تفویض ہوا تھا یا امروہہ کے کسی خاندان سے قرابت قریبہ کا کوئی تعلق ایسا دامن گیر تھا کہ ملتان جا کر اور سکونت اختیار کرلینے کے بعد بھی وہ اس تعلق سے امروہہ واپس آگئے. وجہ اوّل تو اس لیے قابل تسلیم نہیں ہو سکتی کہ جاگیر و املاک مدد معاش کے ہوتے

ہوئے خدمت مجاورت کی طرف کیوں التفات کرتے اور "جاروب کشی کی خدمت" کے صلہ میں چڑھاوے وغیرہ" حاصل کرنے کی جانب کیوں مائل ہوتے بالخصوص نسباً ہاشمی ہونے کی وجہ سے صدقہ و زکوٰۃ بھی اُنپر شرعاً اسی طرح حرام تھا جس طرح خود شاہ ولایتؒ اور اُن کی اولاد پر۔ نیز اُن کا زمانہ شاہان تغلقیہ کا عہد تھا اور اس عہد میں جیسا کہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں عباسیوں کی وہ قدر و منزلت تھی کہ نہ صرف جمہور مسلمین بلکہ امراء و سلاطین بھی اُن کا اس درجہ ادب احترام اور اعزاز و اکرام ملحوظ رکھتے تھے اور مدد معاش کے لیئے ان کو ایسے وسائل اور ذرائع حاصل تھے جو خود شاہ ولایتؒ اور اُنکے ہجدیوں کو بھی اس عہد میں حاصل نہ تھے پس کسی عباسی کا خصوصاً کسی ایسے بزرگ کا جو "کمالات باہرہ و تصرفات ظاہرہ" رکھتا ہو کسی مزار کی اور خاصکر شاہ ولایتؒ کے مزار کی جبکے سلسلہ کا بھی انقطاع ہو چکا تھا مجاورت کرنا جہاں کلاوہ کے سوت کی چند پندیوں اور نذر و نیاز کی چند چادروں اور بتاشوں اور ریوڑیوں کے چند دونوں کے سوائے اُن کے ہاتھ پلے "کچھ نہ پڑتا" ہرگز قابل قیاس نہیں ہو سکتا۔ وجہ دوم بھی قابل قبول نہیں کیونکہ وہ یا اُن کے کوئی فرزند امروہہ کے قاضی و مفتی متولی و خطیب تھے تو خدمت مفوضہ کیساتھ مخدوم صاحب کی اولاد کی طرف سے جاروب کشی کی خدمت" پر کیوں مامور ہوتے۔ آخری وجہ البتہ ضرور ایسی ہے کہ اس کا قوی امکان ہو سکتا ہے کہ ملتان جاکر وہ بذات خود یا اُنکے کوئی فرزند کسی تعلق قرابت کی بنا پر دوبارہ امروہہ واپس آگئے ہوں۔ پس اگر تعلق قرابت ہی امروہہ واپس آئے تو دیکھنا یہ ہے کہ اُن کی قرابت کس خاندان سے تھی یا ہو سکتی تھی۔ اس زمانہ میں کوئی عباسی یا جعفری یا عقیلی خاندان تو امروہہ میں موجود نہ تھا موجودہ صحیح النسب عباسیوں جعفریوں اور عقیلیوں کے مورث شاہ ولایتؒ اور اُنکے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسیؒ کے زمانہ سے بہت بعد یعنی تقریباً ڈیڑھ اور دو صدی بعد امروہہ آئے تھے۔ شیخ موصوف نسباً عباسی ہاشمی تھے لہذا امروہہ کا کوئی ہاشمی خاندان ہی بدرجہ اولیٰ اُن کا ہم کفو ہو سکتا تھا اور قرابتیں کلیتاً نہیں تو اکثر و بیشتر ہم کفو خاندانوں میں ہوتی تھیں۔ امروہہ کے قدیم خاندانوں کے حالات کو پیش نظر رکھکر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ خود حضرت شاہ ولایتؒ کے "خاندان کے سوائے کوئی دوسرا ہاشمی خاندان اس زمانہ میں یہاں ایسا موجود نہ تھا جو

اس عباسی بزرگ کا ہم کفو و ہمجد ہوتا جس سے وہ یا ان کے فرزند کا تعلق قرابت ہو سکتا۔ علاوہ ازیں شاہ ولایتؒ کے خاندان سے اُنکے تعلقات قربت و یگانگت کے بھی تھے، وہ ان ہی کے مرید ان ہی کے فیض یافتہ اور ان ہی کے خلیفہ تھے اور خلیفہ بھی باکمال و صاحب حال۔ مرید و خلفاء لفظاً ہی نہیں بلکہ حقیقتاً فرزندان معنوی ہوتے ہیں پس کیا عجب کہ قربت و یگانگت کا یہ تعلق قرابت و مصاہرت کا موجب ہوا ہو فرزند معنوی کے ساتھ فرزند نسبتی کا تعلق بھی قایم کرلیا گیا ہو اور وہ خود یا ان کے کوئی فرزند شاہ ولایتؒ کی کسی پوتی شاید قاضی امیر علی کی کسی دختر کو حبالۂ عقد میں لائے ہوں اور اس تعلق قرابت کی وجہ سے امروہہ سے ملتان چلے جائے اور کچھ عرصہ تک وہاں سکن گزین رہنے اور "عدم ظہور اثر سلسلہ" کی بنا پر امروہہ واپس آ گئے ہوں اور اسی تعلق سے یہاں سکن گزین ہوئے ہوں اور اُن کی اولادیں۔ کچھ لوگ ابتداءً محض عقیدت و خاندانی تعلق یا خاکساری کی وجہ سے مزار پیر کی خاکروبی و جاروب کشی کرتے رہے ہوں اور بعد میں ضیق معاش کی وجہ سے مجاورت بھی کرنے لگے ہوں ورنہ بغیر کسی ایسے تعلق قرابت کے محض مجاورت کا پیشہ کرنے کے لئے ملتان جیسے دور دراز مقام سے اس زمانہ میں جبکہ ذرائع آمدورفت نہایت دشوار تھے کسی صاحب کمال اور شریف النسب بزرگ عہد یا اس کی اولاد کا امروہہ آنا ہرگز قابل قیاس نہیں ہو سکتا۔ لیکن کیا ایسا ہوا؟ کیا شیخ نظام الدین عباسی امروہہ سے جاکر پھر واپس آئے؟ کیا اُن کا اور اُن کی اولاد کا تعلق قرابت شاہ ولایتؒ کے یا امروہہ کے کسی دوسرے ہاشمی و قریشی یا کسی اور شریف خاندان سے کبھی ہوا اور کیا ان کی اولادیں سے کسی نے مجاورت کا پیشہ کیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جو اس مسئلہ پر غور کرتے وقت قدرتاً پیدا ہوتے ہیں۔ شیخ نظام الدین عباسی اگر ملتان جاکر پھر امروہہ واپس آتے یا ملتان نہ جاتے اور یہیں سکن گزین رہتے تو ضرور تھا اور اُن کی شرافت نسبی، ذاتی اوصاف اور اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے لازم تھا کہ ان کی اور ان کی اولاد کی قرابتیں ان ہی کے ہم کفو خاندانوں یعنی ہاشمیوں، فاطمیوں یا صدیقیوں اور فاروقیوں سے ہوتیں قرابتوں میں حسب نسب دیکھا جاتا تھا عزت و امارت کا لحاظ نہیں کیا جاتا تھا علاوہ ازیں خود حضرت شاہ ولایتؒ درویش و پیر طریقت تھے، ان کی اولاد کو اس زمانہ میں امارت

کا بھی کوئی درجہ حاصل نہ تہا اور نہ امروہہ کے کسی دوسرے خاندان یعنی قاضی زادگان وغیرہ کو اپنے ہموطنوں میں کوئی درجہ امتیاز حاصل ہوا تہا اس لیے شیخ نظام الدین عباسی کا جو نسباً ہاشمی سلسلہ سہروردیہ کے شیخ طریقت شاہ ولایتؒ کے فرزند معنوی مرید و خلیفہ باکمال تھے ان خاندانوں میں قرابت کرنا ناموزوں نہیں بلکہ مناسب موزوں اور ضروری تہا۔ لہذا ان خاندانوں سے ان کی اور ان کی اولاد کی اگر کوئی قرابت تھی اور یہ خاندان یہیں متوطن رہا تو بعد میں بھی ان ہی خاندانوں سے قرابتیں ہوتی رہی ہونگی لیکن کیا ان قرابتوں کا کوئی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں پیش کیا جا سکتا کیونکہ انکا شمار کبھی طبقہ شرفا میں نہیں ہوا اور نہ اُن کی کوئی قرابت سادات و شرفا میں ہوئی اور نہ اب ہوتی ہے پس ہاشمی و فاطمی صدیقی و فاروقی یا کسی اور شریف خاندان سے جب اُن کی قرابتیں نہیں ہوئیں تو یہ ماننا پڑیگا کہ وہ شخص جن کی اولادیں مجاور ہیں نہ نسباً ہاشمی تھے اور نہ عباسی جو نظام الدین نسباً عباسی اور شاہ ولایتؒ کے خلیفہ باکمال تھے وہ حسب تصریح صاحب مقاصد العارفین امروہہ سے جاکر ملتان میں سکونت پذیر ہوئے اور پھر کبھی واپس نہ پلٹے۔ شاہ ولایتؒ سے کسب کمالات و اخذ خلافت کی غرض سے اور غالباً ان ہی کے ساتھ ملتان سے امروہہ آئے اور اخذ خلافت کے بعد ملتان ہی کو واپس گئے اور وہیں اپنے سلسلہ سہروردیہ کا اجرا کیا۔ وہ نہ امروہہ میں ساکن ہوئے اور نہ ان کی اولاد یہاں رہی جو شیخ نظام یا نظام الدین امروہہ میں رہے وہ شاہ ولایتؒ کے خلیفہ نہ تھے بلکہ خادم تھے اور ایک مقدس بزرگ کے خادم کی حیثیت سے وہ بھی یقیناً پاکباز و عبادت گذار ہونگے وہ ہی یہاں رہے اور یہیں مدفون ہوئے اور ان ہی کی اولادیں مجاوران درگاہ ہیں جو اپنی موروثی خدمت پر مامور ہیں۔ ان میں عبدالرشید ولد ہدایت بخش بن عباد اللہ و فریدالدین ولد احمد الدین بن غلام شرف الدین بن محمد عظیم بن عباد اللہ مذکور معدودے چند لوگ ہیں دیگر مجاوران سے علیحدہ ہیں ان کے پاس جو چند کہنہ دستاویزات ہیں ان میں مورث کا نام شیخ نظام اور بعض میں نظام الدین درج ہے عباسی کا لفظ کہیں تحریر نہیں ایک دستاویز کی نقل تاریخ امروہہ (جلد اوّل) میں شایع ہو چکی ہے۔ یہ لوگ بظاہر حالات اسی طبقہ سے ہیں جس سے امروہہ

کی دوسری درگاہوں اور مزارات کے خادم اور مجاور ہیں۔ مثلاً حضرت شاہ ابن بدرچشتی رح کے روضہ منورہ کے خادموں میں کئی جولاہوں کا ایک خاندان ہے جو اسی حیثیت سے حضرت ممدوح کے عرس میں بھی ایک وقت حصہ لیتے ہیں۔ عہد سلطنت اسلامی میں مختلف درگاہوں کے خادموں اور مجاوروں کو مدد معاش میں روزینہ اور اراضیات سلطنت اور امراکی عطیہ تھیں مثلاً محلہ بٹوال میں گداگری پیشہ فقیروں کا ایک خاندان ہے جن میں سے کچھ لوگ بعض مزارات کے خادم و مجاور بھی رہے ہیں ان کے پاس بھی پروانہ جات و کہنہ دستاویزات ہیں مجاوران درگاہ شاہ ولایت کو اپنے بعض اجداد کے نام معلوم ہیں لیکن شیخ نظام خادم شاہ ولایت رح سے اوپر کا کوئی شجرہ ان کے پاس نہیں ہے۔ مجاوران درگاہ کو جن کی اکثریت نہ عباسیت کی مدعی ہے، اور نہ قریشیت کی دعویدار اگر کوئی شخص نسباً عباسی و ہاشمی بتانے لگے اور ان کا کوئی ایسا امین و شفیق پیدا ہوجائے جو بظاہر ان کی دوستی اور درپردہ دوسروں کی مخالفت یعنی محبت علیؓ سے نہیں بلکہ بغض معاویہؓ کی بنا پر کسی جعلساز سے فرضی نسب نامہ وغیرہ تیار کرالے تو مندرجہ بالا واقعات اور حقایق کی روشنی میں ایسے مذموم اور غیر شریفانہ ہتھکنڈوں کی جو وقعت ہوسکتی ہے اسکے بیان کی حاجت نہیں۔

صحیح النسب عباسیوں کی قرابتیں

امروہہ کے صحیح النسب و مسلمہ عام عباسیوں کی قرابتیں زیادہ تر سادات رضوی اولاد قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن بدرچشتی سے ہوتی رہی ہیں امیرالمومنین امین الرشید کی اولاد ہونے کے اعتبار سے جنکی ہمشیرہ اور بھتیجی حضرت علی الرضا اور انکے فرزند محمد تقی کے حبالہ عقد میں آئیں اس خاندان کی قرابت و مصاہرت حضرت موصوف کی اولاد سے رہی اور شاید اسی اتحاد اور قربت و یگانگت کا ثبوت امیرالمومنین موصوف کے پوتوں اور پر پوتوں کے محمد تقی و محمد نقی و محمد باقر وغیرہ ناموں سے بھی پایا جاتا ہے۔ عراق و کرمان سے باوقات مختلف منتشر ہوکر یہ دونوں صحیح النسب ہاشمی خاندان صدیوں کے افتراق کے بعد پھر امروہہ میں یکجا ہوئے اور قدیم تعلقات قرابت کی تجدید کی اور شروع زمانہ ورود امروہہ سے قرابت و مصاہرت کا اس درجہ اتحاد رہا کہ یہ دونوں خاندان حقیقتاً ایک گروہ کی حیثیت رکھتے تھے اور اب بھی یہ سابقہ یگانگت ایک حد تک

قایم ہے۔ سادات رضوی کے علاوہ سادات عباسی کی قرابتیں صحیح النسب صدیقی اور فاروقی خاندانوں سے ہوتی آئی ہے۔ خاکسار مولف کے گھرانے کی قرابتیں بھی اپنے عباسی خاندان کے علاوہ سادات رضوی سادات جعفری زینبی نیز شیوخ صدیقی وفاروقی سے بالعموم ہوتی ہیں پچھلے دور انحطاط میں چند عباسیوں نے بعض غیر کفو خاندانوں میں بھی رشتے کر لیے ہیں جنکو برادری میں معیوب سمجھا جاتا ہے زنان غیر کفو یا کنیزوں سے جو اولادیں ہوئیں ان سے خاندان عباسیہ اور بالخصوص مولف کے گھرانے میں قرابتیں نہیں کی جاتیں ایسے اشخاص کی قرابتیں اپنے ہمجنسوں تک محدود ہیں۔

سیادت بنی ہاشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بنو اعمام سوائے اولاد ابولہب کے جو عدوے رسول تھا اور جس کی نسل بھی دنیا میں باقی نہیں آنحضرت کے اہلبیت وآل محمد کہلاتے ہیں ان ہی پر بوجہ اس شرف نسبی کے جو رسول اللہ کے قرابتدار وہجد ہونے کے ان کو دیگر قریشیوں پر حاصل تھا صدقہ اور زکوٰۃ حرام ہے یہی خمس اور ذوی القربیٰ کے مستحق ہیں اور اسی بنا پر یہ حضرات سید وشریف کے لقب سے ملقب ہیں بعض غالی شیعہ لفظ اہلبیت کا اطلاق حضرت علیؓ حضرت فاطمہ زہراؓ اور حضرات حسنینؓ پر کرتے ہیں لیکن جمہور مسلمین اہل سنت وجماعت وعلمائے راسخین کے نزدیک اہلبیت حقیقی آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات ہیں اور مجازاً آپکے وہ قریب ترین رشتہ دار ہیں جن پر صدقہ وزکوٰۃ حرام ہے اور جو خمس کے مستحق ہیں اس سلسلہ میں اصطلاحات اہلبیت وآل محمدؐ کی تحقیقات از روے کلام پاک و احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

اہل البیت۔ عربی لغت میں اہل البیت زوج وزوجہ کے لیے مستعمل ہے قرآن کریم میں یہ لفظ اسی معنی میں متعدد جگہ آیا ہے مثلاً سورہ ہود میں جہاں فرشتوں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زوجہ محترمہ سے خطاب کیا تھا:۔

قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ	وہ بولے کیا تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے اللہ کی رحمت اور
وبرکتہ علیکم اھل البیت ط	برکتیں تجھ پر اے اہل بیت (گھر والی یعنی زوجہ)

اسی طرح سورہ احزاب کی ۳۳ تینتسویں آیت میں آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کو جہاں مخاطب

کرکے فرمایا گیا ہے لفظ **اہل بیت** اسی معنی میں استعمال ہوا ہے:-

یٰنسآء النبی لستن کاحد من النساء	اے نبی کی عورتو! (بی بیو!) تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم متقی
ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع	رہنا چاہتی ہو تو کسی سے دب کر (نزاکت سے) بات مت کرو کیونکہ
الذی فی قلبہ مرض وقلن قولاً معروفاً	اس طرح وہ شخص طمع کریگا جس کے دل میں مرض ہو گا اور ہمیشہ بات
وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج	معقول کہو اور اپنے گھروں میں جم کر رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح
الجاهلیة الاولیٰ واقمن الصلوٰة واٰتین	نہ نکلنا اور نماز و زکوٰۃ کی پابند رہو اور اللہ اور اس کے رسول
الزکوٰة واطعن اللّٰہ ورسولہ انما یرید اللّٰہ	کی اطاعت کرو اللہ چاہتا ہے کہ تم سے اے اہل بیت (یعنی گھر والیو)
لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و	ہر قسم کی گندگی اور آلودگی دور کرے اور تم کو پوری طرح پاک
یطھرکم تطھیرا ٥	وصاف کرے۔

مندرجہ بالا آیت تطہیر کو مع ترجمہ یہاں اس غرض سے نقل کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکے کہ اس خاص موقع پر ہی لفظ البیت سے مراد حقیقتاً ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کسی شخص کے اہل بیت درحقیقت اُس کے قریبی رشتہ دار یعنی ازواج اور نابالغ اولاد ہوتی ہیں جن کا تکفل اخراجات و پرورش اسکے ذمہ ہو اولادکا بالخصوص بیٹی کا بالغ اور شادی ہو جانے کے بعد جدا گھر ہو جاتا ہے چنانچہ ایک اور جگہ فرمایا ہے:- من بیوت اباءکم ومن بیوت امھاتکم اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ والدین کا بیت (یعنی میکہ) بیٹی اور بیٹے کے گھر سے جدا ہوتا ہے۔ غرضیکہ اہل بیت حقیقی تو آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات ہیں اور ان ہی کی تطہیر میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ازواج مطہرات کے سوائے اس آیت کا اطلاق دوسروں پر کرنا ہرگز صحیح نہیں اور نہ سیاق کلام سے ایسا مفہوم پیدا کیا جا سکتا ہے البتہ اہل بیت مجازی آپکے اعمام کی اولاد ہیں۔ روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ جناب فاطمہ زہراؓ اور حضرات حسنینؓ پر کسا مبارک ڈالی اور آیۂ تطہیر تلاوت کرکے دعائے مغفرت فرمائی بعینہ اسی طرح دوسرے موقع پر جیسا کہ اس روایت کو مع حوالہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے اپنے عم محترم سیدنا حضرت عباسؓ اور آپکے ان چھ صاحبزادوں پر جو حضرت ام فضل کے بطن مطہرہ

سے تھے کسا رمبارک ڈالی اور اپنا اہل بیت کہکر دعائے مغفرت فرمائی گویا حقیقی اہل بیت تولدراج مطہرات ہی ہیں مگر آپنے اس طرح اپنی اولاد دختری اور بزاعمام کو بھی زمرہ اہل بیت میں داخل فرمایا۔ **اہلبیت بالواسطہ** آنحضرت صلعم کے وہ رشتہ دار تھے۔ جو بتعلق قرابت ومصاہرت گھر میں آتے جاتے تھے اور بیگانہ نہ تھے مثلاً خسر اور داماد جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جنکو آپکے خسر ہونے کا شرف حاصل تہا یا جیسے حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ جو آپکے دوہرے داماد تھے یا حضرت ابی العاص بن الربیع جنکے عقد میں آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ تہیں یا جناب ام کلثوم بنت حضرت فاطمہ زہراؓ کے شوہر ہونے کی حیثیت سے حضرت عمر فاروقؓ حضرت علیؓ کے اہل بیت بالواسطہ تھے **اہلبیت بحبت** جیسے حضرت سلمان فارسیؓ کے متعلق آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے:۔ سلمان منا اهل البیت۔

آل محمدؐ:۔ اہل بیت کی طرح آل محمدؐ کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ آل حقیقی یعنی اولاد ذکور جن سے انسان کی نسل چلتی ہے مثلاً آنحضرت کی اولاد ذکور میں حضرت قاسم وعبداللہ وابراہیم تھے مگر یہ تینوں صاحبزادے خوردسال فوت ہوئے ان سے کوئی عقب نہیں وما کان محمد ابا احدٍ من رجالکم آیۂ کلام اس پر ناطق ہے۔ آل مجازی جیسے حضرات حسنینؓ اور حضرت عبداللہ بن حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ جو آنحضرت کی صاحبزادی اور حضرت فاطمہ زہراؓ کی حقیقی بہن حضرت رقیہؓ کے بطن مطہر سے تھے۔ نواسے ہونے کی حیثیت سے مجازاً آپ کی آل ہیں لیکن نواسے آل حقیقی نہیں ہوتے البتہ پوتے آل حقیقی ہوتے ہیں۔ آل نسبی یعنی اعمام کی اولاد صاحب کشاف فات ذالقربیٰ حقہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں لا نفقة بالقرابة الا علی الولد والوالدین قاس سائر القرابات علی ابن العم لانہ لا ولاد بینھم (یعنی قرابت کا خرچ بیٹے اور والدین کے سوائے نہیں ہوتا مگر تمام رشتہ داری پر قیاس کرتے ہوئے چچا کے بیٹے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ اولاد میں داخل ہیں، آل مذہبی تمام افراد امت محمدی آنحضرت صلعم کی آل ہیں قرآن کریم کے الفاظ واغرقنا آل فرعون میں آل کا لفظ اسی معنی میں ہے کیونکہ فرعون کے اولاد صلبی نہ تھی۔ نیز اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد میں لفظ آل کل امت کے لیے ہے وعلی عباد الصالحین سے اسکا مزید ثبوت ملتا ہے۔

غرضیکہ مندرجہ بالا تصریحات کے لحاظ سے جہاں تک قرابت قریبہ و شرف نسبی کا تعلق ہے آنحضرت صلعم کے بنو عم یعنی اولاد سیدنا حضرت عباسؓ اور جناب ابو طالبؑ و آل حارث آپ کے اہل بیت ہیں اور مجازاً یہی آل محمد ہیں و ربوجہ اسی شرف کے صدقہ و زکوٰۃ ان سب حضرات کی اولاد پر شرعاً حرام ہے اور یہ سب بلا کسی تخصیص کے خمس و ذوالقربیٰ کے مستحق ہیں اور ان ہی پر لفظ سید و شریف کا اطلاق ہوتا ہے اس میں فاطمی وغیر فاطمی کی مطلق کوئی تفریق نہیں ہے۔ عہد سابق میں سید و شریف کے القاب تمام بنی ہاشم یعنی عباسیوں جعفریوں عقیلیوں علویوں و فاطمیوں کے لیے مستعمل تھے۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالہ زینبیہ میں اس کی تصریح کی ہو وہ لکھتے ہیں کہ:۔

اسم الشريف يطلق في الصدر الاول على كل من كان من اهل البيت سواءً كان حسنياً ام حسينياً ام علوياً من ذرية محمد بن الحنيفة او غيره من اولاد علي ابن ابي طالب ام جعفرياً ام عقيلياً ام عباسياً ولهذا تجد تاريخ الحافظ ذهبي مشحوناً في التراجم بذالك لقول الشريف العباسي الشريف العقيلي الشريف الجعفري الشريف الزينبي فلما ولي الفاطميون بمصر قصروا اسم الشريف على ذرية الحسن والحسين فقط واستمر ذلك بمصر الى الآن وقال الحافظ ابن حجر في كتاب الالقاب الشريف ببغداد لقب لكل عباسي وبمصر لكل علوي ولا شك ان المصطلح القديم

اسم شریف (یعنی لقب سید) کا اطلاق صدر اول میں تمام اہل بیت کے افراد پر ہوتا تھا عام اس سے کہ وہ حسنی ہوں یا حسینی ہوں یا علوی ہوں اولاد جناب محمد بن حنفیہ کی یا سوائے ان کے دیگر اولاد جناب علی بن ابی طالب کی ہوں یا جعفری ہوں یا عقیلی ہوں یا عباسی ہوں یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخ حافظ ذہبی میں دیکھتے ہیں کہ بھرے ہوئے ہیں لوگوں کے حالات میں یہ الفاظ کہ سید عباسی سید عقیلی و سید جعفری و سید زینبی لیکن جب فاطمیوں کی حکومت مصر میں قائم ہو گئی تو انہوں نے لقب سید اولاد جناب حسن اور جناب حسینؑ میں منحصر کر لیا فقط اور اب تک یہ دستور مصر میں جاری ہے حافظ ابن حجر کتاب الالقاب میں لکھتے ہیں کہ بغداد میں ہر عباسی کا لقب سید ہے اور مصر میں ہر علوی کا اس میں شک نہیں کہ قدیم مصطلحات بہتر ہیں اور وہ یہ کہ لقب سید کا اطلاق ہر علوی و جعفری

اولیٰ وھو اطلاقه علی كل علوی وجعفری وعقیلی وعباسی كما صنعة الذھبی كما اشار الیه الماوردی من اصحابنا والقاضی ابویعلی فراء من الحنابلة كلاھما فی الاحكام السلطانیه وبجوه قول ابن مالك فی الالفیة

وعقیلی و عباسی پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ذہبی نے تحریر اور جس طرح ماوردی نے جو ہمارے اصحاب میں سے ہیں اشارہ کیا ہے اور قاضی ابویعلی فرائے جو حنبلیوں سے ہیں احکام سلطانیہ میں ذکر کیا ہے اور یہی قول ابن مالک کا الفیہ میں ہے +

علامہ جلال الدین سیوطی کی مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی ثابت ہے کہ عہد سابق میں لقب سید[1] کا اطلاق تمام بنی ہاشم پر تھا اسکے استعمال میں فاطمی وغیر فاطمی کی تفریق نہ تھی۔ بعد میں یہ تفریق سیاسی اغراض کے تحت شروع ہوئی۔ فاطمیوں کے بعض سیاسی اشخاص نے جن کے صحت نسب میں بھی متقدمین نے شبہ ظاہر کیا ہے' سادات عباسی کے خلاف حکومت وسلطنت کے حصول کے لیے پروپیگنڈا کیا اور کچھ عرصہ کے لیے مصر میں سلطنت بھی قایم کرلی اسوقت عباسیوں کے مقابلہ میں اپنا استحقاق جتانے اور عوام کی ہمدردی اور امداد حاصل کرنے کی غرض سے ذریت وجزویت رسولؐ کا نام لیا گیا اور لقب سید کو اپنے لیے مختص کرنا چاہا مگر یہ رواج مصر تک محدود رہا ہندوستان میں البتہ ایک اور سبب اس رواج کی تقلید کا پیدا ہوا۔ ہمایوں بادشاہ جب شیر شاہ سے شکست کھا کر ایران چلا گیا۔ اور وہاں کی شیعہ سلطنت کی امداد سے جب دوبارہ تخت حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا اس وقت سے مغلیہ سلطنت میں ایرانی عنصر کو جو اکثر وبیشتر شیعی عقاید رکھتا تھا تقویت حاصل ہوئی ہندوستان کے مشایخ وصوفیہ میں بھی ان حضرات کی اکثریت رہی جو تفضیلہ عقاید رکھتے تھے' عوام پر ان کے اثرات زیادہ تھے ان وجوہ سے فاطمیوں کے ساتھ لفظ سید مخصوص کیا جانے لگا۔ اس سلسلہ میں ایک لطیفہ قابل تذکرہ ہے۔ خاکسار مولف کے جد میر شمس الدین عباسی تخلص بفقیر دہلوی جو حضرت شاہ محمد خیالی عباسیؒ کی اولاد عہد محمد شاہ بادشاہ کے مشہور مصنف' ادیب' شاعر اکابر دہلی سے تھے اور باوجودیکہ نسباً عباسی ہاشمی

[1] بطور لقب سادات بنی ہاشم لفظ شریف لفظ سید کے مرادف ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی حضرت شاہ ولایت کے پسر اکبر قاضی سید امیر علی کا نام "قاضی الشریف امیر علی" لکھا ہے۔ یہاں لفظ شریف سید ہی کے معنی میں ہے (ملاحظہ ہو سفرنامہ ابن بطوطہ بزبان عربی)

ہونے کے میر و سید کے لقب سے ملقب تھے ایک دن قاضی القضاۃ مستعد خاں کی ملاقات کو گئے وہاں انکے ایک شوخ طبع متعارف بھی موجود تھے جو مذہبًا شیعہ تھے انہوں نے میر موصوف کی سیادت پر اعتراض کیا میر صاحب نے اس کا دنداں شکن جواب دیا اور سیادت بنی ہاشم کے متعلق علمائے دہلی سے فتویٰ حاصل کیا۔ صاحب مخزن الغرائب نے میر موصوف کے تذکرہ میں اس لطیفہ کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ :-

میر شمس الدین عباسی فقیر دہلوی .... روزے در شاہ جہان آباد جہت دیدن قاضی القضاۃ مستعد خاں رفت وحکیم صدر الدین در آنجا نشستہ بود او بنہایت شوخ وخوش طبع بود رو بقاضی کردہ گفت امامت وخلافت کہ حق علی مرتضیٰ وحسن مجتبیٰ بود آنرا خلفائے عباسی گرفتند یک نام سیادت برحضرات باقی ماندہ بود آنرا ہم دریں روز ہا میر شمس الدین صاحب غصب کردند میر ازیں سخن رنجید وگفت حرف جاہلانہ مزن۔ آل عباس نیز داخل خمس ہستند چنانکہ بریں دعویٰ محضر تیار نمودہ بمہر علماء مسجل گردانید۔

سیادت بنی ہاشم کے متعلق تاریخ امروہہ (جلد اول) میں مجملاً بحث کی جاچکی ہے اس پر بعض شیعہ حضرات کی جانب سے دو رسالے بھی شائع ہوئے ہیں جن میں تقریبًا اسی طرح کی لاطائل ومہمل گفتگو ہے جو میر شمس الدین کے مخاطب نے دہلی میں کی تھی اور میر موصوف نے "حرف جاہلانہ" کے جواب میں سادات بنی ہاشم کے لیے حرمت صدقہ وزکوٰۃ وحق خمس کا تذکرہ کیا تھا اور اس سلسلہ میں علمائے دہلی سے فتویٰ بھی حاصل کیا تھا میں بھی اس بحث کو مختصر کرنے کی غرض سے اپنے ان بزرگ کی تقلید میں علمائے اہل سنت و جماعت اور مجتہدین شیعہ کے چند فتاوے "حرف جاہلانہ" کہنے والے اور عام ناظرین کی آگاہی کی غرض سے ذیل میں درج کرتا ہوں :-

نقل فتاوے دربارۂ سیادت بنی ہاشم

اس استفتاء کے جواب میں کہ سادات بنی ہاشم پر ازروئے شرع شریف صدقہ وزکوٰۃ حرام ہے اور وہ خمس کے مستحق اور اہل بیت میں داخل ہیں لقب سید وشریف کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟

علمار نے جو فتاوے تحریر کئے ہیں وہ "حقیقۃ السیادہ" نام سے عرصہ ہوا شایع ہو چکے ہیں بعض علمار کے جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) خیرالقرون تک حضرت علی حضرت عقیل حضرت جعفر اور حضرت عباسؓ کی آل اطہار پر بلا کسی تخصیص اور بغیر کسی نکیر کے یکساں لفظ سادات کا اطلاق جاری تہا اس کے بعد بھی کوئی نص مخص بسیادت بنی فاطمہ چونکہ پائی نہیں جاتی لہذا اس زمانہ میں بھی آل حضرت عباسؓ آل حضرت جعفر آل عقیل پر مثل آل حضرت علی کے لقب سادات کا اطلاق ہو تو بلا شبہ صحیح و درست ہے۔ اس کے علاوہ حرمت صدقہ وحقوق خمس آل حضرت علی سے مختص نہیں ہے جس طرح آل حضرت علی پر صدقہ حرام ہے اور خمس کے حصہ دار تھے اسی طرح آل حضرت عقیل آل حضرت جعفر اور آل حضرت عباس پر بھی بالعموم صدقہ حرام اور خمس میں علی السویہ اُن کا حصہ تہا پس اس صورت میں شرعاً کوئی وجہ تخصیص سیادت بنی فاطمہ یا کوئی نص خاصۃً سیادتِ آل علی پائی نہیں جاتی لہذا اس زمانہ میں اگر آل عباس و آل جعفر وغیرہم لقب سید سے ملقب کئے جائیں تو صحیح و درست ہے اور عرف کا شرعاً اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم علمہٗ واکمل واتم حررہٗ محمد یعقوب اسرائیلی (مولانا موصوف کے علاوہ مولانا ابو عبداللہ محمد بن یوسف السورتی مدرس جامعہ ملیہ دہلی و مولانا میر احمد اللہ صدر انجمن قامع الملحدین امرتسر و دیگر علمائے اہل سنت وجماعت دہلی و لاہور وغیرہ کے فتاوے ہیں)

(۲) نقل فتوی شمس العلمار مولانا سید عباس حسین سابق پروفیسر دینیات شیعہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

"جن سادات پر صدقہ واجبہ مثل زکوٰۃ وغیرہ کے غیر سید کا حرام ہے وہ اولاد حضرت ابو طالب وحضرت عباس و آل حارث ہیں۔ کما صرح بہ صاحب الشریعۃ

حررہٗ

العبدالفانی والجانی السید عباس حسین

(۳) نقل فتویٰ مولانا سید آقا حسین مجتہد لکھنؤ دربارہ سیادت آل حضرت جعفر طیارؓ

البتہ خاندان مذکورہ سادات میں شمار ہو سکتا ہے اور بنی ہاشم میں داخل ہونے کے سبب سے مستحق خمس بھی ہو سکتا ہے حررہ سید آقا حسین بقلم خود (مع مہر)

(۴) نقل فتویٰ مولانا سید علی الحائری مجتہد لاہور دربارہ سیادت آل حضرت جعفر طیارؓ

باسمہ سبحانہ صورت جواب مذکورہ میں اولاد حضرت جعفر طیارؓ کے متعلق علماء انساب میں خلاف ہے بعض نے ان کو سادات میں شمار کیا ہے منتہی یہ ہے کہ ان کو سادات بنی فاطمہ کے درجہ و مرتبہ میں سب سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ خادم الشریعۃ الطاہرہ علی الحائری (مع مہر)

مفتی سید **محمد عباس** مجتہد لکھنؤ بھی سیادت بنی ہاشم کے قائل تھے لیکن بنی ہاشم کی سیادت کا انحصار اُنکے نزدیک نسب پر نہیں بلکہ مذہب پر ہے۔ مفتی صاحب کے کلام موسومہ "جناس الاجناس" میں فی انتحال السیادۃ کے عنوان سے یہ دو شعر ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ خواہ کوئی شخص ہاشمی و منافی (یعنی فاطمی و عباسی وغیرہ) کیوں نہ ہو اگر وہ مذہباً شیعہ نہیں ہے بلکہ ناصبی گویا سُنی ہے تو اُسے سید مت کہو ؎

اینتحل السیادۃ ناصبی   وھل صدیقۃ الاصبی
وتفضل العدی امرمناف   لسوس ھاشمی او منافی

امروہہ میں بھی اس خیال کے شیعہ موجود ہیں مولف وآسطیہ نے بھی امروہہ کے عقیلیوں کو محض اس بنا پر زمرہ سادات میں شامل کر لیا ہے کہ وہ مذہباً شیعہ ہیں لیکن سادات رضوی اولاد حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ اور سادات جعفری و عباسی کو زمرہ سادات سے خارج کیا ہے کیونکہ وہ ابا عن جد سنی ہیں۔ معلوم نہیں کہ حضرت شاہ ولایتؒ کی اولاد میں سے وہ سُنی حضرات جن سے شیعوں کی قرابتیں چلی آتی ہیں مثلاً ہمارے کرم فرما سید علی تقی خاں و حاجی سید معظم حسین و مولوی سید فضل ستار

ومولوی سید عبدالرؤف وسید قدیر اللہ الحسین وغیرہم اس خیال سے شیعوں کے نزدیک زمرۂ سادات میں کب تک شامل رکھے جائینگے بعض غالی شیعہ جو بنی ہاشم کی سیادت کو تسلیم کرتے ہیں اور علویوں جعفریوں اور عقیلیوں کو جو مذہباً شیعہ ہیں زمرۂ سادات سے خارج نہیں فرماتے وہ عباسیوں کو شاید اس وجہ سے انکے قومی اور خاندانی لقب سید سے ملقب کرنا پسند نہیں کرتے کہ خلفائے عباسی کو بھی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرح غاصب سمجھتے ہیں۔ علامہ عبدالرحمن ابن خلدون نے جو فن تاریخ کے مشہور امام ہیں اپنے شہرہ آفاق تصنیف مقدمہ تاریخ میں ان ناپاک اتہامات کی سختی سے تردید کی ہے جو غالی شیعوں اور روافض نے اپنی عادت کے مطابق ان خلفائے عباسی پر بھی عاید کیے ہیں جن کا زہد و ورع مسلم ہے اور جو دین کے عالم اور امام تھے مثلاً امیرالمومنین ابوجعفر المنصور عباسیؒ کے متعلق ابن خلدون لکھتے ہیں کہ :۔

ابوجعفر المنصور کا خلافت سے پہلے اور اس کے بعد دین اور علم میں جو بلند مرتبہ تھا وہ ظاہر ہے انہوں نے امام مالکؒ کو موطا کی تالیف پر جب آمادہ کیا تو بایں الفاظ خطاب کیا کہ اے ابوعبداللہ تم جانتے ہو کہ اب اسلام میں مجھ سے اور تم سے زیادہ دین اور شریعت کا جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا ہے میں تو اس خلافت کے جھگڑوں میں گرفتار ہوں تم لوگوں کے لیے کوئی ایسی کتاب لکھو جس سے وہ فائدہ اٹھائیں اور اس کتاب میں حضرت ابن عباسؓ کے جواز اور حضرت ابن عمرؓ کے تشدد اور احتیاط کو نہ برتو اور لوگوں کے لیے تصنیف و تالیف کی ایک شاہراہ قایم کردو۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بخدا ابوجعفر نے مجھے یہ باتیں کیا کہیں تصنیف ہی سکھادی۔ ص۱۹

اس دیندار اور پاک نفس خلیفۃ المسلمین پر جس کے مرتبۂ علم وفضل کا اشارہ ابن خلدون نے سطور بالا میں کیا ہے بہتان تراشنے والوں نے کیا کچھ زہر نہیں اگلا۔ اسی طرح امیرالمومنین ہارون الرشیدؒ جیسے پاکباز اور عبادت گذار خلیفہ کو بدگویوں نے شراب نوشی سے متہم کیا۔ علامہ موصوف ان مفتریات کی

تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

حاشا و کلا ہمیں ان میں (یعنی ہارون الرشیدؒ میں) کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوتی۔ ان باتوں کو ہارون الرشیدؒ سے کیا نسبت! وہ دینداری اور عدالت گستری جو ایک خلیفہ مسلمین کو کرنا چاہیے پوری طرح کرتے علماء وصلحاء سے صحبت رکھتے فضیل ابن عیاضؒ ابن سماک عدویؒ سے ان کے مذاکرات علمیہ رہتے اور (حضرت) سفیان ثوریؒ سے خط وکتابت۔ وہ ان حضرات کے وعظ سنکر متاثر ہوتے گریہ کرتے۔ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے نہایت خضوع وخشوع سے دعائیں مانگتے۔ پابندی سے نماز پڑھتے اور نماز فجر اول وقت پر ادا کرتے۔ طبری اور دیگر مورخین لکھتے ہیں کہ وہ لزوم کے ساتھ روزانہ سو رکعت نافلہ پڑھتے ایکسال حج ادا کرتے اور دوسرے سال غزا وجہاد غرضیکہ وہ دین ومذہب کی سختی کے ساتھ پابند تھے....

.... نہ وہ شراب خالص کا استعمال کرتے اور نہ ان کو اس منکر عظیم سے متہم کیا جا سکتا ہے اور نہ ان روایات واہیہ کی تائید ممکن ہے بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی اہلبیت ایسے کبیرہ کا مرتکب ہو اور کسی کو اپنا رازدار بنائے یہ حضرات تو زیب زینت وضع لباس اور اپنے طور وطریق میں بھی اسراف بیجا اور تصنع لاطائل سے کوسوں دور تھے کیونکہ ان کی طبیعتوں میں ابھی تک بدویانہ اخلاق اور دین کی سادگی بدستور باقی تھی پھر وہ کیونکر اباحت کو چھوڑ کر حظر میں اور حلال سے حرام میں پڑنے لگے تھے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

ایسے دیندار اور عبادت گذار خلیفۃ المسلمین کی صحبتوں اور مجالس علمیہ کو دشمنوں نے شراب نوشی کی مجلسوں سے تعبیر کیا ہے اور امیرالمومنین ہارون الرشیدؒ کی حقیقی بہن سیدہ عباسہ جیسی عفت وعصمت مآب شہزادی پر ناپاک اتہام لگا کر اپنے خبث باطنی کا مزید ثبوت دیا ہے۔ علامہ ابن خلدونؒ نے ان لغویات کی پرزور تردید کرتے ہوئے جوش صداقت میں لکھا ہے کہ:۔

"یہ سب باتیں عباسہ کے مرتبہ سے بہت دور ہیں وہ خود دیندار اور دیندار باپ کی بیٹی عزت وجلال والی اور یہ باتیں! کبھی باور نہیں آ سکتا وہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی پوتی تھی اور

جلیل القدر برادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عباسہ تک حضرت چار پشتیں گذری تھیں اور اس کے وہ چاروں باپ دادا دین کے امام اور ملت کے رکن رکین تھے یعنی عباسہ خلیفہ المہدی ابن ابی جعفر المنصور بن امام محمد ابن امام علی السجاد ابن عبداللہ ابن عباسؓ عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھی وہ ایک خلیفہ کی بیٹی ہے، ایک خلیفہ کی بہن ہے، سلطنت کی عزت، نبی کی خلافت، رسول کی صحبت اور اس کی قرابت، مذہب کی امامت، وحی کا نور، ملائک کا نزول، یہ سب باتیں چاروں طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہیں وہ دین کی سادگی اور مضبوطی اور عرب کی اس بدویت سے قریب العہد اور عادت ناز و نعمت اور ایسے منکرات و فواحش سے مبرا ہے۔ جب عفت و عصمت اسی میں نہ ہو تو پھر کس میں ہوگی! اور جب ایسے گھر سے طہارت و پاکی ناپید ہو جائے تو پھر اور کہاں مل سکتی ہے!! اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس کا شرف نسب جعفر ابن یحییٰ سے قرابت کا متقضی ہو اور کس طرح اس کی عربیہ شرافت و سیادت ایک ایسے عجمی غلام کے پیوند سے آلودہ اور ناپاک ہو سکتی ہے جس کا دادا ایک پارسی غلام تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون)

باوجودیکہ امیرالمومنین عبداللہ المامون عباسیؓ نے علویین و عباسیین کے باہمی نزاعات کے دفعیہ کے لیے صلہ رحمی کی ایک بےنظیر مثال یہ قائم کی تھی کہ اپنی اولاد اور اپنے خاندان کے حقوق کو نظرانداز کر کے حضرت علی الرضاؓ کو اپنا ولیعہد بنایا لیکن دشمن انکو بھی متہم کرنے سے باز نہ رہے۔ ان پر حضرت ممدوح کو جن سے امیرالمومنین کو نہ صرف خاص انس تھا بلکہ وہ انکے بہنوئی تھے انگوروں میں زہر دلوانے کا جھوٹا اور بےبنیاد الزام لگایا اور یہ پروپگنڈا اس شدت کے ساتھ جاری رہا کہ بعض سادہ لوح سنّی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ اس موقع پر امیرالمومنین مامون الرشیدؒ کی وہ تحریر جو حضرت علی الرضاؓ کے ولیعہد بناتے وقت انہوں نے اپنے قلم سے لکھی تھی اور اس پر حضرت ممدوح نے خود اپنی طرف سے جو عبارت بطور عہد نامہ تحریر کی تھی ذیل میں درج کرتا ہوں۔ ان دونوں بزرگوں کے اپنے قلم کی ان تحریرات کے مطالعہ سے انصاف پسند ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو سکیگا کہ امیرالمومنین عبداللہ

المامونؒ جیسے فاضل اور نیک سیرۃ خلیفۃ المسلمین پر بھی دشمنوں نے کیسی بے بنیاد تہمتیں لگائی ہیں یہ تحریرات نواب سید صدیق حسن خاںؒ کی کتاب تشریف البشر بذکر الائمۃ الاثنی عشر سے نقل کی جاتی ہیں جنہوں نے کتاب نور الابصار سے جو مناقب ائمہ اثنا عشر میں سید شبلنجی المعروف سید مومنؒ کی تالیف ہے یہ تحریرات اپنی کتاب میں درج کی ہیں ان دستاویزات پر عہد مامونی کے مشہور قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم شاگرد امام مالکؒ مامون الرشید کے گورنر عبداللہ بن طاہر حماد بن نعمان (فرزند امام ابو حنیفہ) اور فضل بن سہل وزیر اور دیگر اعیان کی گواہیاں ثبت ہیں

دستاویز ولیعہدی کو امیر المومنین عبداللہ المامون الرشید عباسیؒ

اصل عبارت بزبان عربی	اردو ترجمہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم	یہ وہ دستاویز ہے جسے عبداللہ بن ہارون الرشید نے اپنے ولیعہد خلافت
ھذا الکتاب کتبہ عبد اللہ بن ھارون الرشید	علی بن موسیٰ بن جعفر کے حق میں تحریر کیا۔
لعلی بن موسیٰ بن جعفر ولیعھدہ اما بعد	بعد حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ اللہ عز و جل نے اسلام کو باعتبار دین
فان اللہ عزّ و جل اصطفی الاسلام دینا	برگزیدہ کیا اور اپنے بندوں میں سے نبیؑ اور رسولؑ منتخب کیے جو اس
واختار لہ من عبادہ رسلاً دالین علیہ	کی طرف ہدایت و رہنمائی کرنے والے ہیں، پہلے بعد میں آنے والوں کی بشارت
ھادین الیہ یبشر اولھم باخرھم و	دیتے ہے اور بعد میں آنے والے گزرے ہوؤں کی تصدیق کرتے رہے
یصدق تالیھم ماضیھم حتی انتھت	یہاں تک کہ نبوت الٰہی اس وقت جبکہ انبیاء و رسل کی بعثت رک
نبوۃ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ و	چکی تھی علم کے آثار مٹ گئے تھے وحی منقطع ہو گئی تھی اور قیامت
آلہٖ وسلم علی فترۃ من الرسل و	قریب آگئی تھی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منتہی
دروس من العلم وانقطاع من الوحی	ہوئی۔ آپ کو خدا نے خاتم النبیین اور ان کا شاہد و نگراں بنایا
واقتراب من الساعۃ فختم اللہ بہ	آپ پر وہ کتاب عزیز نازل فرمائی جس کے آگے پیچھے کہیں

النبیین وجعله شاهدا علیهم ومهیمنا و انزل علیه کتابه العزیز الذی لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید فلما انقضت النبوة وختم الله بمحمد صلی الله علیه وسلم الرسالة جعل قوام الدین ونظام المسلمین فی الخلافة و نظامها والقیام بشرائعها واحکامها ولم یزل امیر المومنین منذ افضت الیه الخلافة وحمل مشاقها وخبر مرارة طعمها وذاقها مسهرا لعینیه منصبا لبدنه مطیلا لفکره فیما فیه عز الدین وقمع المشرکین وصلاح الامة وجمع الکلمة ونشر العدل واقامة الکتاب والسنة ومنعه ذلک من الخفض والدعة ومهنا العیش محبة ان یلقی الله سبحانه وتعالی مناصحا له فی دینه وعباده ومختار الولایة عهده ورعایة الامة من بعده افضل من یقدر علیه فی دینه وورعه وعلمه وارجاهم للقیام فی امر الله وحقه مناجیا لله تعالی بالاستخارة فی ذلک ومسئلة الهامه ما فیه رضاه وطاعته فی آناء لیله ونهاره

باطل کا گذر نہیں بلکہ ایک دانا اور ستودہ ذات کی اتاری ہوئی ہے پس جب نبوت منقضی ہوئی اور رسالت کو خدا تعالیٰ نے حضور کی ذات پر ختم فرما دیا تو خلافت اور اس کے نظام اور قوانین و احکام کو قیام دین اور نظام مسلمین کے لیے ذریعہ قرار دیا۔

جب سے امیر المومنین (یعنی مامون الرشیدؒ) کو خلافت تفویض ہوئی ہے اور انہوں نے اس کے بارِ گراں کو اٹھایا ہے اس کے تلخ ذائقہ کو چکھا ہے وہ برابر راتوں جاگ کر جسمانی تکالیف برداشت کر کے ان امور میں غور کرتے رہے ہیں جو اعزازِ دین مشرکین کے قلع و قمع امت کی بہتری اجماع کلمہ نشر عدل اور اقامت کتاب سنت کا باعث اور اسے پستی اور کس مپرسی سے روکنے والے ہیں وہ برابر اس خواہش میں جان گھلاتے رہے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے حضور میں اس حال میں پہونچیں کہ اس کے دین اور بندوں کے متعلق نصیحت کرتے رہے ہوں اور ولایت عہد و نگہبانی امت کے لیے اپنے بعد ایسے شخص کا انتخاب کر چکے ہوں جو اس امر کی اہلیت رکھنے والے والوں میں بلحاظ دین ورع و تقویٰ علم و زہد سب سے افضل اور قیام امر الٰہی کے لیے زیادہ موزوں ہو۔ وہ شب و روز خدائے تعالیٰ سے اس معاملہ میں رہنمائی کے طالب اور اس بات کے خواہشمند رہے جو اس کی رضا اور طاعت کا سبب ہو۔ اپنے خاندان یعنی اولاد

عملا فكره ونظره في طلبه والتماسه في
اهل بيته وله عبد الله بن عباس وعلي
بن ابي طالب رضي الله عنهم مقتصرا ممن
علم حاله ومذهبه منهم على علمه بالغا
في المسئلة ممن خفي عليه امره جهده و
طاقته حتى استقصى امورهم معرفة و
ابتلى اخبارهم مشاهدة واستبرأ احوالهم
معاينة وكشف ما عندهم مساءلة وكانت
خيرته بعد استخارة الله تعالى واجهاده
نفسه في قضاء حقه في عباده وبلاده
في الفئتين جميعا علي بن موسى بن جعفر
بن محمد بن علي بن الحسين بن علي بن
ابي طالب رضي الله عنهم لما راى من
فضله البارع وعلمه الذائع وورعه
الظاهر الشائع وزهده الخالص النافع و
تخليه عن الدنيا وتفرده من الناس و
قد استبان له من لم تزل الاخبار عليه
منطبقة والالسنة عليه متفقة والكلمة
فيه جامعة والاخبار واسعة ولما لم يزل
يعرف به من الفضل يافعا وناشئا وحدثا

عبداللہ بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم میں
ایسے شخص کی طلب و تلاش میں برابر غور و فکر کرتے رہے جن کے
مذہب اور حالات سے واقف تھے یا جن کے حالات ان سے
پوشیدہ تھے ان کے متعلق تفتیش میں انہوں نے اپنی پوری
کوشش صرف کی یہاں تک کہ معرفت، مشاہدہ، طلب، تلاش کے
بعد ان کے تمام حالات اور امور و اخبار ان پر ظاہر ہوگئے۔ ملک
اور رعایا کے حقوق پورے کرنے کے لیے ان کی ذاتی
کوشش اور خدا کی رہنمائی سے ان دونوں جماعتوں (یعنی
علویوں اور عباسیوں) میں سے انہوں نے علی بن موسیٰ
بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب
رضی اللہ عنہم کا انتخاب ان کی بزرگی، علم و فضل، زہد
و تقویٰ، دنیا سے کنارہ کشی اور اہل دنیا سے یکسوئی کی بنا پر
کیا اور یہ ان کے متعلق تمام خبریں مطابق، تمام زبانیں
متفق اور کلمات جامع و واسع ہیں ان کی بزرگی و فضیلت
کا ہر چھوٹا بڑا، جوان و بوڑھا معترف ہے اس لیے ان کو
اپنے بعد ولیعہد خلافت مقرر کیا خدا کی بہتری پر بہرہ ور ہوتے
ہوئے کیونکہ وہ دانا ہے کہ امیر المومنین نے جو کچھ کیا ہے وہ
دین کے لیے ایثار اور اسلام و مسلمین کی بہتری پر نظر کرتے
ہوئے تمام محبت و سلامتی کی خواہش اور قیامت کے دن جبکہ لوگ
رب العالمین کے حضور میں کھڑے ہوں گے، نجات حاصل

وكهلا فلذلك عقد له بالعهد والخلافة من بعده واثقا بخيرة الله في ذلك اذ علم الله تعالى انه فعله ايثارا له وللدين ونظرا للاسلام والمسلمين وطلبا للسلامة و ثبات الحجة والنجاة في اليوم الذي تقوم فيه الناس لرب العالمين ودعا امير المؤمنين ولده واهل بيته وخاصته وقواده وخدمه فبايعه الكل مطيعين مسارعين عالمين بايثار امير المؤمنين طاعة الله على الهوى في ولده وغيره ممن هو اشبك رحما واقرب قرابة وسماه الرضا اذ كان مرضيا عند الله تعالى وعند الناس وقد آثر طاعة الله تعالى والنظر لنفسه وللمسلمين والحمد لله رب العالمين كتبه بيده في يوم الاثنين لسبع خلون من شهر رمضان المعظم سنة احدى ومائتين۔

کرنے کے لیے کیا ہے۔

امیر المؤمنین نے اپنی اولاد، خاندان، خواص سپہ سالاروں اور خدام کو طلب کیا، ان سب نے بعجلت اور برضا و رغبت ان کی (علی بن موسیٰؓ) کی بیعت کی۔ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ امیر المومنین نے اپنی اولاد اور قرابت داران قریبہ کے مقابلہ میں اپنی خواہش پر طاعت الٰہی کو اس معاملہ میں ترجیح دی ہے اور ان کو (یعنی علی بن موسیٰ بن جعفرؓ کو) الرضا کے لقب سے ملقب کیا کیونکہ وہ خدا اور بندوں کے نزدیک (مرضیا) پسندیدہ ہیں اور اپنے اور مسلمانوں کے حالات پر نظر کرتے ہوئے انہوں نے طاعت الٰہی کو ترجیح دی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ بتاریخ ۷ رمضان المعظم یوم دوشنبہ ۲۰۱ھ میں اپنے قلم سے تحریر کیا۔

نقل عہدنامہ نوشتہ حضرت علی الرضاؓ

اصل عبارت بزبان عربی

بسم الله الرحمٰن الرحيم الحمد لله الفعال

اردو ترجمہ

تمام تعریف اس ذات واحد کو سزاوار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے

لمن يشاء لا معقب لحكمه ولا راد لقضائه يعلم
خائنة الاعين وما تخفي الصدور وصلوته على
نبيه محمد صلى الله عليه وآله وسلم خاتم
النبيين وآله الطيبين الطاهرين اقول وانا
علي بن موسى بن جعفر ان امير المومنين عضده
الله بالسداد ووفقه للرشاد عرف من حقنا
ما جهله غيره فوصل ارحاما قطعت و
امن نفوسا فزعت بل احياها بعد ان كانت
من الحياة آيست فاغناها بعد فقرها وعرفها
بعد نكرها مبتغيا بذلك رضا رب العالمين
لا يريد جزاء من غيره وسيجزي الله الشاكرين
ولا يضيع اجر المحسنين وانه جعل الي عهده والامرة
الكبرى ان بقيت بعده فمن حل عقدة امر الله
بعد شدها او فصم عروة احب الله ايثاقها
فقد اباح حريمه واحل محرمه اذ كان بذلك
زاريا على الامام منتهكا حرمة الاسلام بخوفا
من شتات الدين واضطراب امر المسلمين وحذر
فرصة تنتهز وعقدة تبتدر وجعلت الله تعالى
على نفسي عهدا ان استرعاني امر المسلمين و
قلدني خلافة العمل فيه مع عامة وفي بني العباس

جس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں نہ جس کے فیصلہ کا کوئی رد کرنے والا ہے
جو آنکھ کی غمازی اور سینہ کے پوشیدہ رازوں سے واقف ہے
اور رحمت کاملہ نازل ہو خدا کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین
اور آپ کی آل پاک پر میں علی بن موسیٰ بن جعفر کہتا ہوں اور اقرار
کرتا ہوں کہ امیر المومنین نے خدا اصلاح کے ساتھ ان کی تائید اور
سبیل الرشاد کی توفیق انہیں عطا فرمائے ہمارے ان حقوق کو
پہچانا جسے دوسرے بھول چکے تھے پس انہوں نے وہ صلہ رحمی کی
جو قطع کر دی گئی تھی اور خوف زدہ نفوس کو امن ہی نہیں دیا بلکہ
انہیں جبکہ وہ زندگی سے مایوس ہو گئے تھے زندگی بخشی تنگی کے
بعد انہیں غنی کر دیا اور انکار کے بعد ان کا اعتراف کیا اور یہ سب
محض خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے کیا جس کا عوض وہ
سوائے اس کے کسی دوسرے سے نہیں چاہتے عنقریب خدا شاکرین
کو جزا دیگا اور محسنین کا اجر ضائع نہیں کریگا انہوں نے مجھے ولیعہد بنایا
ولایۃ عہد دی اور یہ امر جلیل میرے سپرد کیا اگر میں ان کے بعد بقید
حیات رہوں پس جس نے امر الہی کی گرہ کو اسکے بندھ جانے کے بعد کھولا
یا اس کڑی کو توڑا جس کا بندھا رہنا خدا کو پسند ہے بیشک اس نے اپنے
حریم کو مباح محرمات کو حلال کر دیا اس لیے کہ اس فعل سے امام
(یعنی خلیفہ وقت) کو تکلیف پہونچائی اور حرمت اسلام کی ہتک کی
دین آلہی میں تفرقہ اور حکومت اسلام میں بے چینی پیدا ہونے
کے خوف سے نیز حاصل کی جانے والی فرصت اور جلد پیدا ہونے

بن عبد المطلب خاصة ان اعمل فیھم بطاعة
الله وطاعة رسوله صلی الله علیه وسلم
ما اسفك دما ولا ابیح فرجا ولا مالا الا
ما سفکته حدوده واباحته فرائضه وان
اتخیر الکفاة جھدی وطاقتی وجعلت
بذلك علی نفسی عھدا موکدا یسالنی الله
عنه فانه عز وجل یقول واوفوا بالعھد
ان العھد کان مسئولا وان احدثت او
غیرت او بدلت کنت للعزل مستحقا و
للنکال معترضا واعوذ بالله من سخطه
والیه ارغب فی التوفیق لطاعته والحلول
بینی وبین معصیته فی عافیة لی وللمسلمین
والجامعة والجفر یدلان علی ضد ذلك
وما ادری ما یفعل الله بی ولا بکم ان الحکم
الا لله یقضی الحق وھو خیر الفاصلین لکنی
امتثلت امر امیر المومنین وآثرت رضاہ
والله تعالی یعصمنی وایاہ واشھدت الله

والی نافرمانی کے ڈر سے میں اپنے خدا سے اس بات کا عہد
کرتا ہوں کہ اگر اس نے مسلمانوں کی زمام حکومت میرے سپرد
فرمائی اور مسلمانوں میں عموماً بنی العباس بن عبدالمطلب میں خصوصاً
مجھے منصب خلافت عطا فرمایا تو میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ان پر حکمرانی کروں گا۔ نہ کوئی خونریزی
کروں گا سوائے اس کے جو حدود شرعی کے اندر ہو نہ کسی ناموس اور
مال پر ہاتھ ڈالوں گا بجز اس کے جو بموجب فرائض الٰہی مباح ہو۔ اس
ذمہ داری کو تا بقدر دسعی وطاقت پورا کروں گا اور میں اس امر پر
عہد واثق کرتا ہوں جس کا میں خدا کے روبرو جوابدہ ہوں کیونکہ
وہ فرماتا ہے اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا اگر
میں اس میں کوئی تجدید یا تغیر یا تبدیلی کروں تو میں مستحق عزل ہوں جب
سرزنش ولایق عقاب ہوں۔ میں خدا سے اس کے غضب سے پناہ چاہتا
ہوں اور ملتجی ہوں اس کی اطاعت کی توفیق کا اور اس امر کا کہ وہ
میرا اور گناہوں کے درمیان میری اور مسلمانوں کی عافیت کے لئے حائل
ہو جائے جامعہ اور جعفر اس کی ضد پر دال ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ خدا
میرا اور تمہارے ساتھ کیا کریگا ان الحکم الا لله یقضی الحق وھو
خیر الفاصلین لیکن امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کرتے

لہ شیعہ حضرات ائمہ کو معصوم کہتے ہیں وہ حضرت علی الرضا کی تحریر کی آخری سطور کا بغور مطالعہ کریں اس تحریر میں حضرت ممدوح نے بار بار خلیفہ وقت کو امیر المومنین اور امام کے لقب سے ملقب کیا ہے اور ان کے حکم کی تعمیل میں ان کی خوشنودی کو ترجیح دی ہے۔ جو لوگ مامون الرشید کو شیعیت سے متہم کرتے ہیں ان کے خیالات کی تردید بھی ان تحریرات سے بخوبی ہوتی ہے ۱۲

تعالى عن نفسي بذلك وكفى بالله شهيداً
وكتبت بخطي بحضرة امير المومنين اطال الله
بقاءه والحاضرين من اولياء نعمته وخواص
دولته هم الفضل بن سهل والقاضي
يحيى بن اكثم وعبد الله بن طاهر وثمامة
بن الاشرس وبشر بن المعتمر وحماد بن نعمان
وذلك في شهر رمضان سنة احدى ومائتين

ہوئے ان کی خوشنودی کو ترجیح دیتا ہوں۔ خدا مجھے اور انہیں
برائیوں سے بچائے اور میں خدا کو اپنے نفس پر شاہد مقرر کرتا ہوں
اور اس کی شہادت کافی ہے۔ اس اقرار کو میں نے امیر المومنین
کے خدا ان کو عرصہ تک سلامت رکھے نیز ان کے اولیا نعمت
خواص دولت فضل بن سہل، قاضی یحیی بن اکثم، عبد اللہ بن طاہر
ثمامہ بن اشرس، بشر بن المعتمر، حماد بن نعمان کے سامنے اپنے قلم
سے ماہ رمضان سنہ ۲۰۱ ہجری میں تحریر کیا۔

میں نے اس موقع پر مندرجہ بالا دستاویزات کو اس غرض سے نقل کیا ہے کہ ایسے نیک نہاد خلیفہ عباسی پر بھی سب و شتم کیا جاتا ہے جس نے خلافت و سلطنت جیسے اہم امر میں صلہ رحمی کی عدیم النظیر مثال قائم کی تھی۔ غرضیکہ خاندان عباسیہ کے خلاف دشمنوں کا یہ ناپاک پروپیگنڈا صدیوں تک جاری رہا جو اختلافات سیاسی مقاصد سے شروع ہوا تھا بعد میں اسے مذہبی رنگ دیدیا گیا اور اب سیادت نسب کی بنیاد بھی مذہب پر رکھی جانے لگی اور بعض غیر شیعہ بھی اس پروپیگنڈا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ بنی فاطمہ کے امتیاز نسبی کے لیے ایک اور انوکھا اصول یہ وضع کیا گیا کہ نسب کا سلسلہ باپ کے بجائے ماں سے چلتا ہے اس پر تاریخ امروہہ (جلد اوّل) میں ضمناً بحث کی گئی ہے۔ لیکن اس اصول کو صرف حضرات حسنینؓ کے مادری نسب تک محدود کیا جاتا ہے کیونکہ ان کی اولاد کے نسب میں اس کو اس لیے اہمیت نہیں دی جاتی کہ ان میں سے اکثر کی مائیں نسباً ہاشمیہ فاطمیہ تھیں نہ قریشیہ و عربیہ۔ حضرت امام حسینؓ کے فرزند امام علی زین العابدین کی والدہ معظمہ جناب شہر بانو جنگ میں اسیر ہو کر آئیں اور باعتبار شریعت ملک یمین کا ان پر اطلاق ہوا اس روایت کو اگر قبول بھی کر لیا جائے کہ حضرت علیؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا اور امام حسینؓ سے ان کا نکاح کرادیا تاہم وہ نسباً عجمیہ تھیں۔ سادات نقوی امروہہ کے سلسلہ نسب میں جعفر بن امام علی النقی تک منجملہ آٹھ اشخاص کے صرف دو حضرات کی مائیں عربیہ تھیں یعنی امام محمد الباقر کی والدہ معظمہ ام عبداللہ فاطمہ بنت امام حسن ہاشمیہ تھیں اور امام جعفر الصادق کی والدہ حضرت ابو بکرؓ صدیق کی پوتی ام فروہ بنت محمد قاسم بن محمد بن حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھیں جو اسما بنت عبدالرحمن بن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اور اس لیے امام جعفر صادق فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ ولدنی الصدیق مرتین یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مجھکو دوہرا سلسلہ قرابت ہے۔ ان دو حضرات کے علاوہ امام موسی الکاظم سے جعفر بن امام علی النقی تک سب کی مائیں غیر عربیہ اور ام ولد کنیزیں تھیں۔ برخلاف اسکے امام حسن کے فرزند حسن مثنیٰ کی والدہ خولہ بنت منظور عربیہ تھیں اور حسن مثنیٰ کے بیٹے عبداللہ المحض فاطمہ بنت امام حسین کے بطن سے پیدا ہوئے بوجہ نجیب الطرفین ہونے کے محض (یعنی خالص) مشہور تھے۔ خود امروہہ کے سادات نقوی میں متعدد خاندان ایسے ہیں جن کا مادری سلسلہ نسب غیر کفو اور ادنیٰ طبقہ کی عورتوں سے چلتا ہے پھر کیا وجہ کہ ایک نسل میں تو نسب کا سلسلہ ماں سے لیا جائے اور جب غیر کفو عورت یعنی کنیز وغیرہ کے بطن سے اولاد ہو تو اس اصول کو ترک کر دیا جائے۔ رہا جزویت رسول کا مسئلہ تو نواسہ رسول ہونے کے اعتبار جو حیثیت حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی ہے بعینہ وہی حیثیت آپ کی دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صاحبزادے قاسم اور عبداللہ جو طیب طاہر بھی کہلاتے تھے نیز آپ کی چار صاحبزادیاں زینب رقیہ ام کلثوم اور فاطمہ زہرا یہ چھ اولادیں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، انکے علاوہ ایک صاحبزادے ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی بی بی زینب رضی اللہ عنہا تھیں ان کی والدہ معظمہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حین حیات ان کا عقد اپنے بھانجے ابوالعاص بن الربیع بن عبدالعزی بن عبدالشمس سے کیا تھا اور جہیز میں اپنا ہار دیا تھا جو بعد میں انہوں نے اپنے شوہر کے فدیہ میں پیش کیا تھا اس کا قصہ تمام کتب تاریخ میں بالتفصیل مذکور ہے ان کے ایک دختر امامہ تھیں

لے بعض غالی اور جاہل شیعہ فاطمہ زہرا کے علاوہ آنحضرت صلعم کی دوسری صاحبزادیوں یعنی زینب و رقیہ و ام کلثوم کے جو فاطمہ زہرا کی حقیقی بہنیں تھیں بنات رسول ہونے سے منکر ہوئے ہیں حالانکہ شیعوں کی سب سے بڑی معتبر کتاب اصول کافی سے ان کا دختران رسول ہونا ثابت ہے ان کی دوسری کتابوں میں بھی بکثرت اسکے اعترافات ہیں خود قرآن مجید کی سورہ احزاب کی آیت سے بھی آنحضرت کی دو سے زیادہ صاحبزادیوں کا ہونا ثابت ہے قولہ تعالیٰ یا ایہا النبی قل لازواجک وبناتک جمع کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا ۱۲

جو بعد میں حضرت علیؓ کے عقد میں آئیں جناب رقیہ اور اُم کلثوم یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ کے عقد میں آئیں حضرت رقیہؓ کے بطن سے ایک صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے جو بروایات مختلف چھ سال کی عمر میں فوت ہو گئے غرضیکہ نواسہ ہونے کے اعتبار سے تو حضرات حسنینؓ و حضرت عبداللہ بن حضرت عثمان غنیؓ مساوی الحیثیت تھے لیکن حضرت عبداللہ ہاشمی نہ تھے اور اس لئے نہ خمس کے مستحق تھے اور نہ صدقہ و زکوٰۃ ان پر حرام تھا اور اگر حضرات حسنینؓ آنحضرت صلعم کے چچا کی اولاد یا ہاشمی نہ ہوتے تو یقیناً وہ اور اُن کی اولاد نہ خمس کی مستحق ہوتی اور نہ صدقہ اور زکوٰۃ ان پر حرام ہوتا صرف ہاشمی ہونے کی بنا پر شریعت نے حرمت صدقات و حق خمس کا یہ امتیاز اور شرف دیگر بنی ہاشم کے ساتھ ان کے اور ان کی اولاد کے ساتھ مخصوص کیا نواسہ رسول ہونے کی وجہ سے شریعت نے کوئی حق و امتیاز نہیں دیا پس ہاشمی اور غیر ہاشمی میں جو امر مابہ الامتیاز ہے وہ صرف حرمت صدقات و حق خمس ہے اور یہی امتیاز و شرف وجہ اطلاق سیادت ہے جزویت رسول کا کوئی تعلق بنی ہاشم کے اس امتیاز و شرف و اطلاق سیادت سے نہیں ہے۔ چنانچہ سادات جعفری اولاد حضرت شاہ محمدی فیاضؒ کی سیادت نسبی کو اس تحریر میں جو تقریباً دو سو برس قبل کی ہے جس پر اولاد حضرت شاہ ولایتؒ کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں اور جو خاندان جعفری کے سلسلہ میں نقل کی جا چکی ہے صرف حرمتِ صدقات اور حق خمس ہی کو دلیل سیادت قرار دیا گیا ہے۔ پس اگر اپنے بزرگوں کی اس تحریر کے خلاف شاہ ولایتؒ کی نسل میں سے کوئی صاحب سیادت کے امین ٹبوارہ بنکر بنی ہاشم میں سے جس کو چاہیں سیادت کا سرٹیفکیٹ عطا فرمائیں اور جن سے ناراض ہوں ان کو سیادت سے محروم فرمائیں اور کتب تاریخ و انساب کے اوراق کو بھی پیمائش کے گز سے ناپنے لگے ہیں تو کون صحیح العقل ان کے جہلات کو قابل توجہ قرار دے سکتا ہے۔

خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ کی مختلف شاخوں کے شجرے ذیل میں درج ہیں:۔

شجرہ اولاد مولانا رکن الدین بن مولانا نظام الدین بن مولانا شمس الدین بن مخدوم زادہ شرف الدین عباسیؒ

مولانا رکن الدین عباسی علیہ الرحمۃ

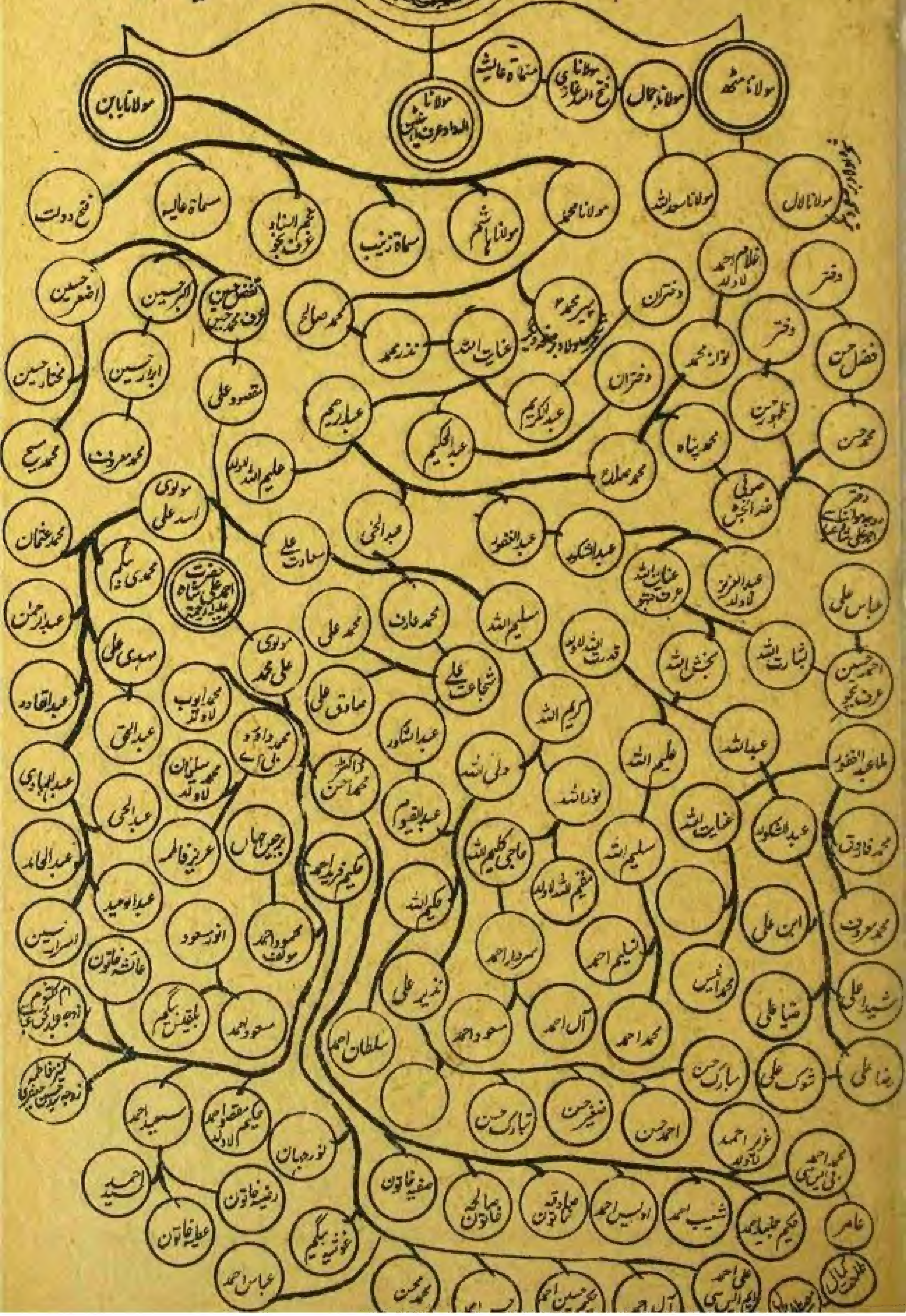

شجرہ اولاد مولانا پیر محمد بن مولانا محمد بن مولانا بابن بن مولانا رکن الدین عباسی

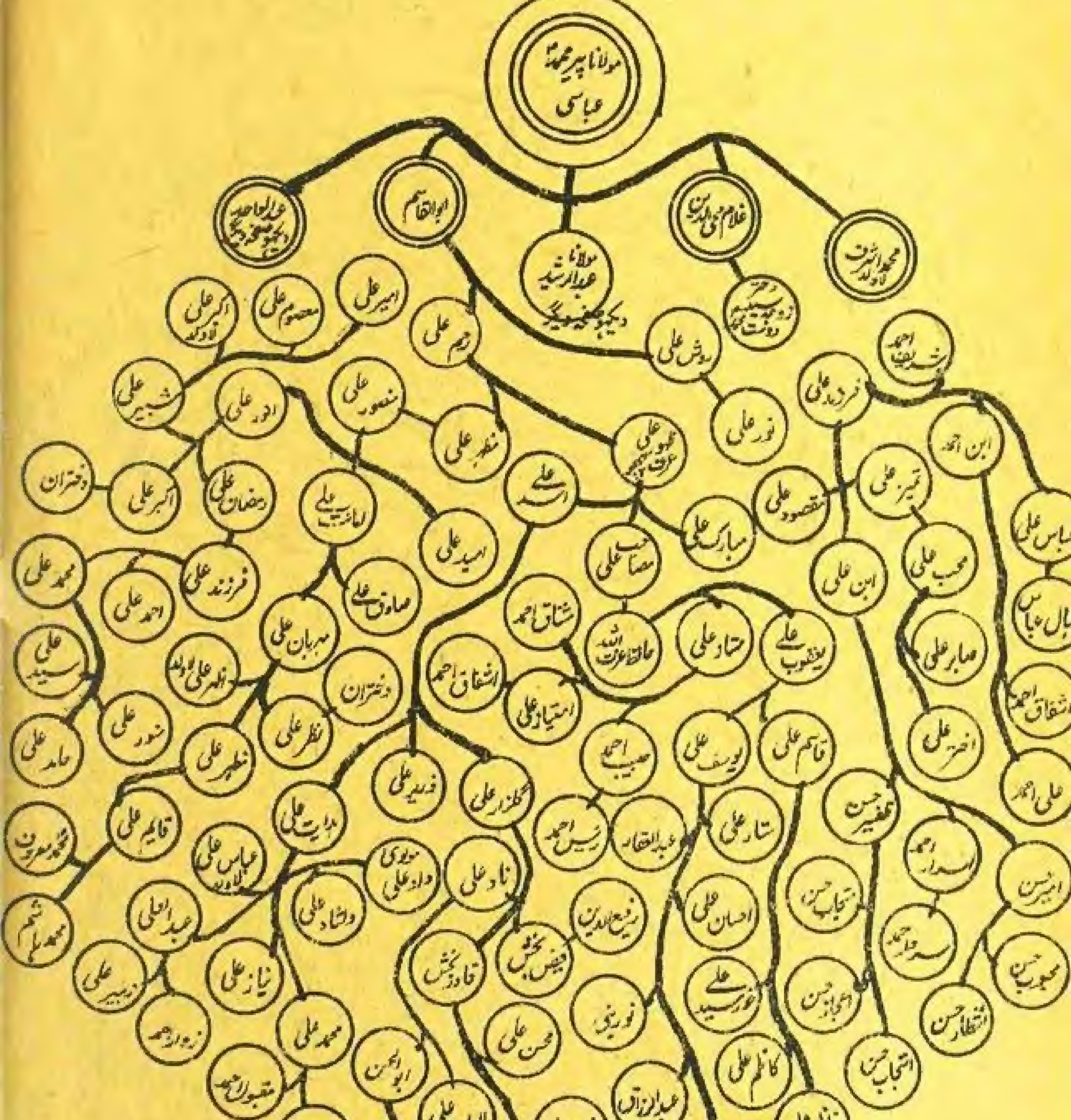

شجرہ اولاد مولانا عبدالرشید و مولانا عبدالواحد ابنائے مولانا پیر محمد عباسی

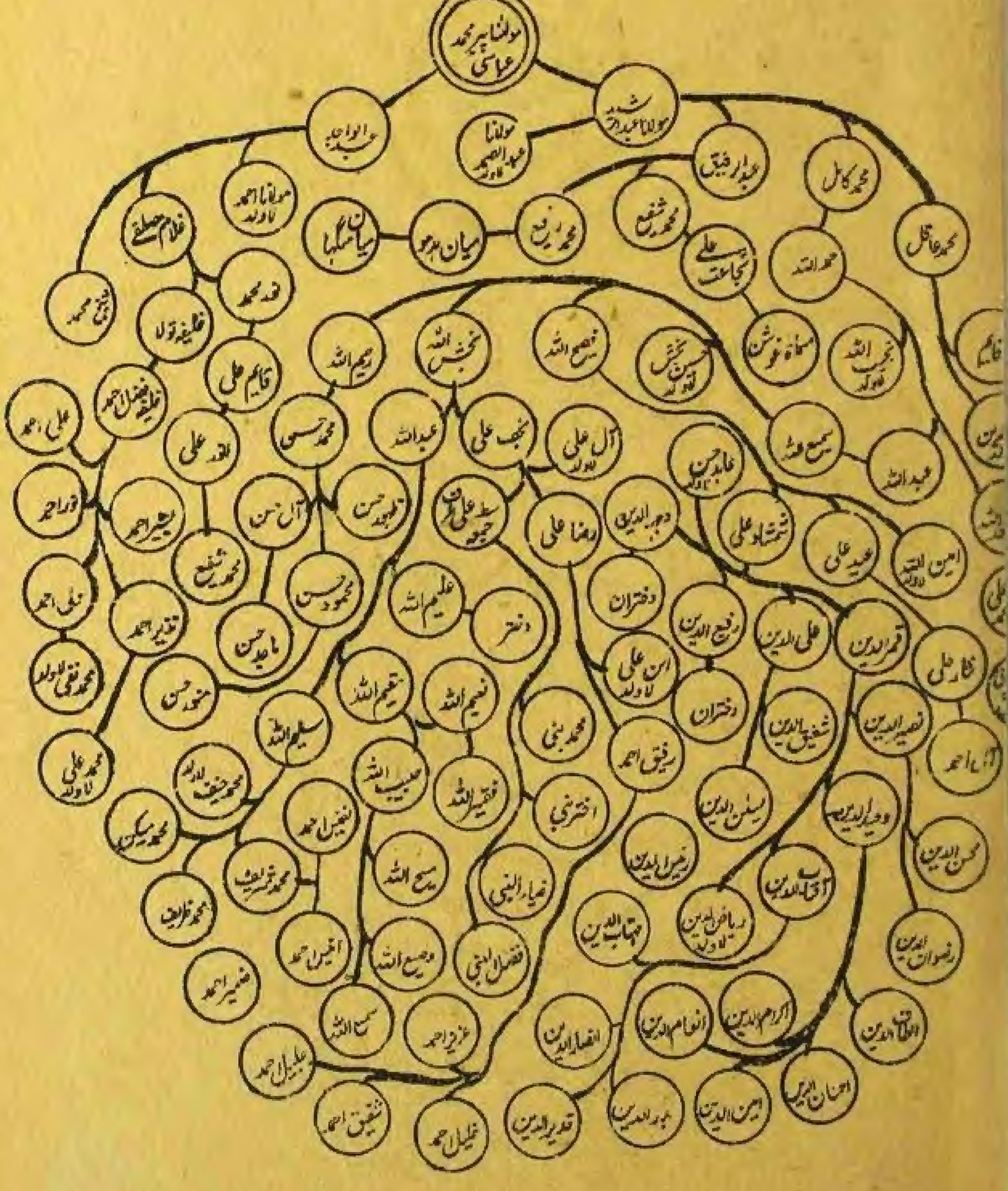

شجرہ اولاد مولانا لال بن مولانا مٹھ بن مولانا رکن الدین عباسی

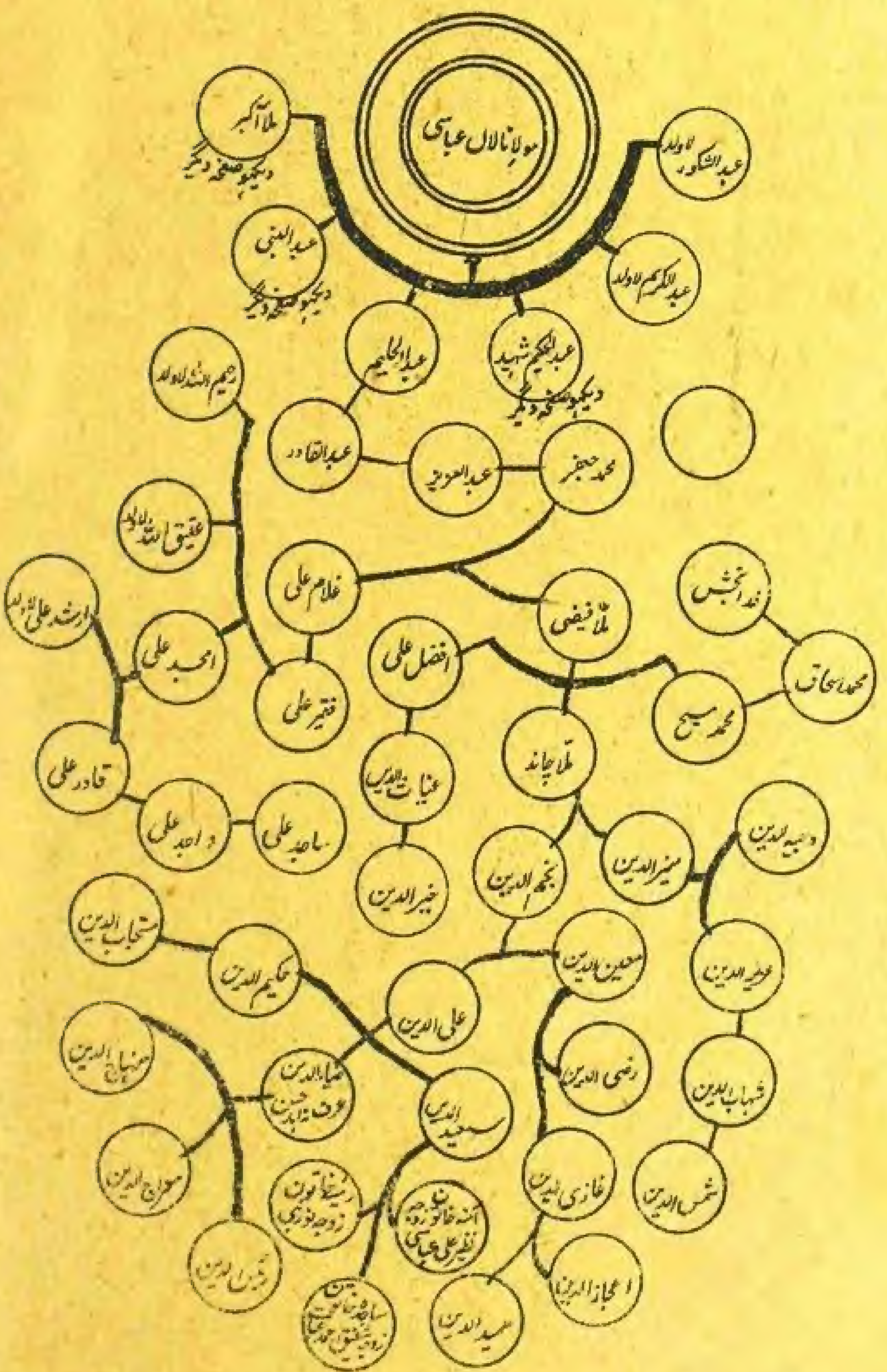

شجرہ اولاد مولانا اکبر بن مولٰنا لال بن مولٰنا مشہ بن مولٰنا رکن الدین عباسی

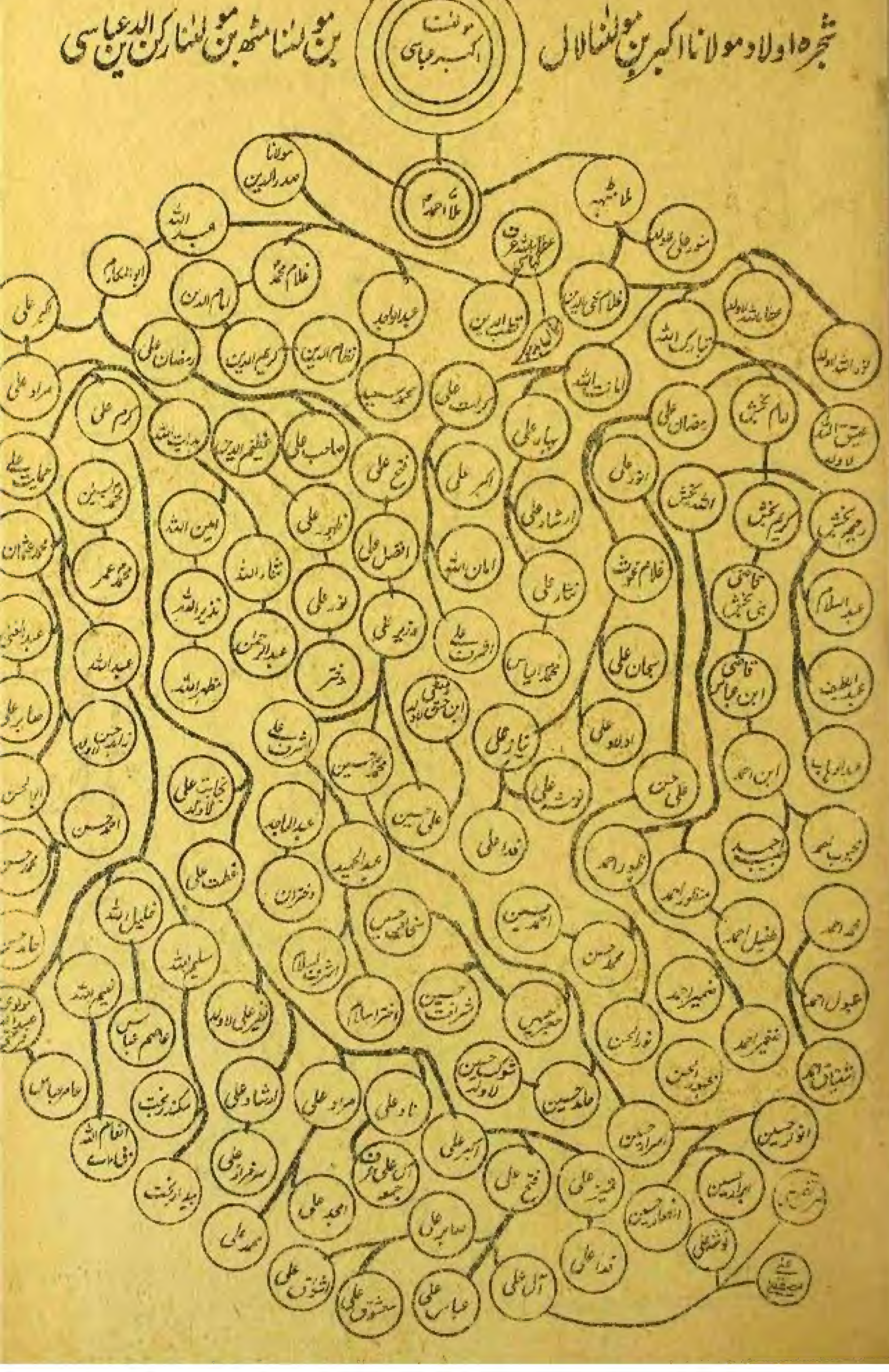

شجرہ اولاد مولوی صاحب علی نبیرہ مولانا عبدالنبی بن مولانا لال عباسی

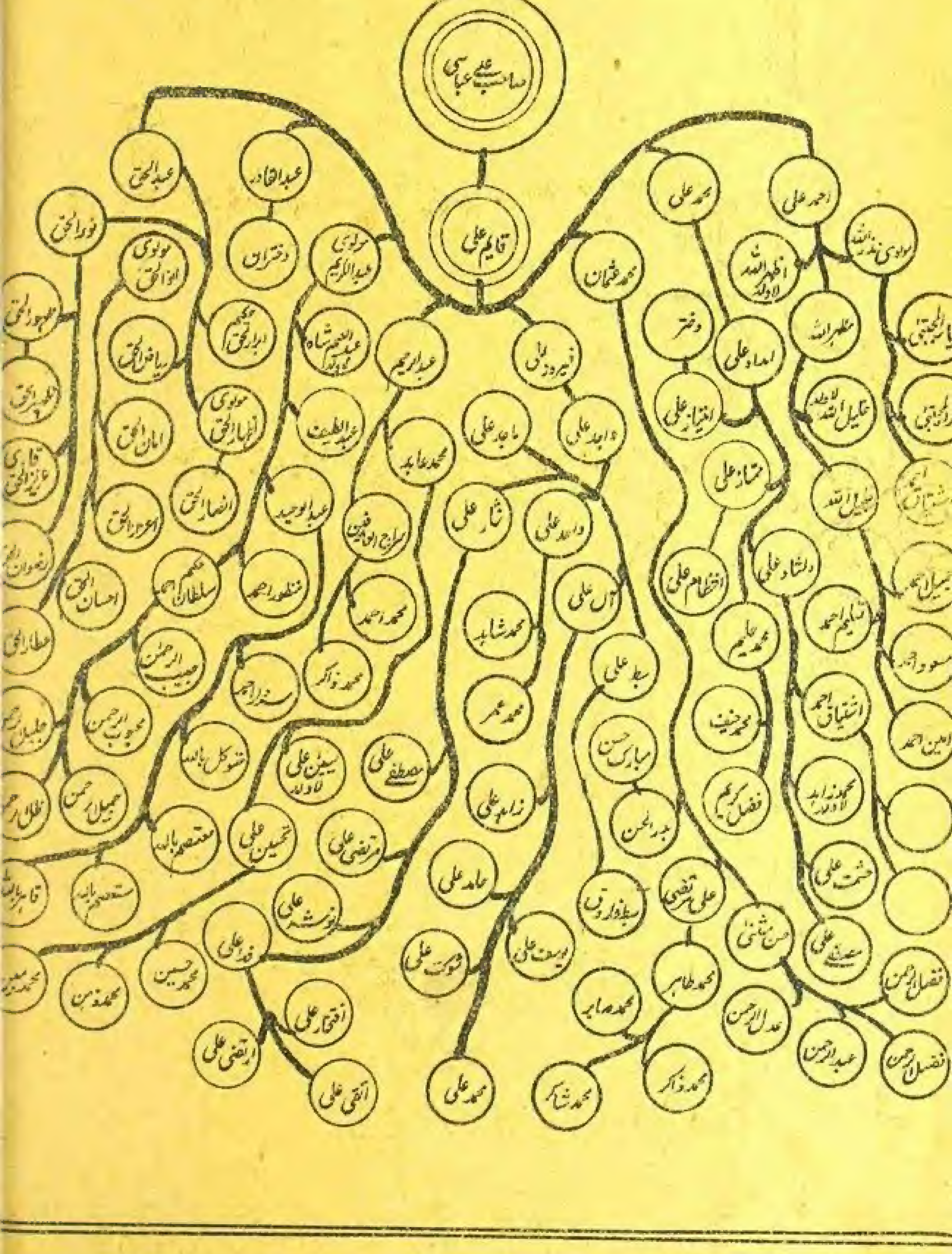

شجرہ اولاد محمد اکبر ملقب بہ چڑیا عباسی

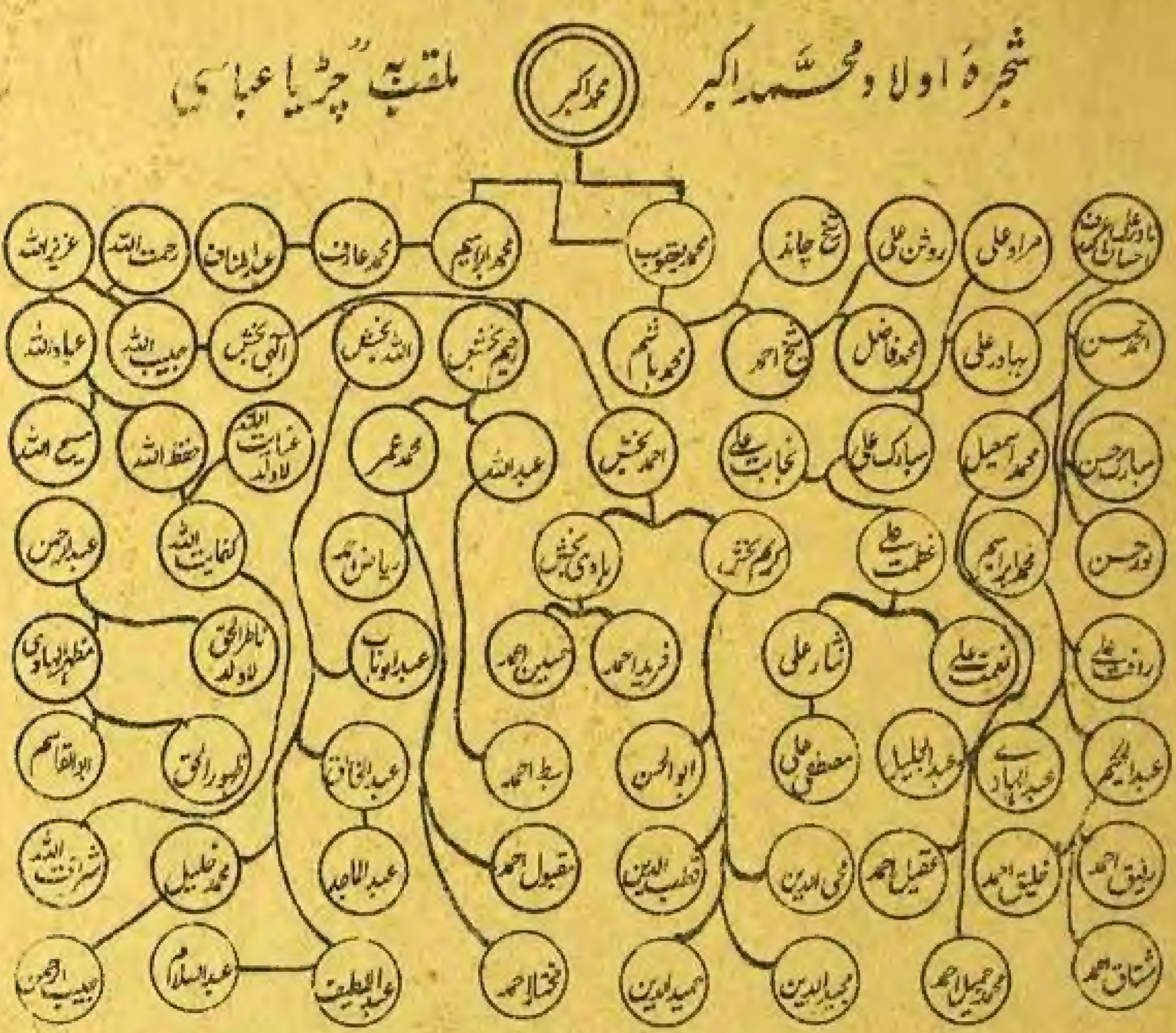

صدیقی | حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین جانشین خلیفہ اوّل اور خسر حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد صدیقی کہلاتی ہے۔ حضرت ممدوح نسباً قریشی تیمی ہیں صدیق و عتیق لقب۔ ابوبکر کنیت ایام جاہلیت میں نام عبدالکعبہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ تجویز فرمایا سلسلہ نسب یہ ہے:۔ عبداللہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب چھٹی پشت میں مرہ بن کعب پر پہونچکر آپ کا نسب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملجاتا ہے۔ آپکے والد ماجد مشرف باسلام ہوئے اور اس امر میں آپ خلفاء راشدین میں منفرد ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام الخیر سلمیٰ بنت صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم مذکور بھی قریشی تیمی تھیں اسلام سے مشرف ہوئیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ ایام جاہلیت اور عہد اسلام دونوں میں رئیس اور سربرآوردہ تھے تجارت ذریعہ معاش تھی بالغ مردوں میں آپ ہی سب سے اوّل مشرف باسلام ہوئے۔ شب ہجرت میں آپ

ہی حضور سرور عالم کے رفیق تھے تین دن تک غار ثور کے قیام میں ساتھ رہے۔ اسی رفاقت کا ذکر اس آیۂ پاک میں ہے :۔

ثانی اثنین اذھما فی الغار | دو میں کا دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے

آپ حضور سرور عالم کے اولین جانشین خلیفۂ اوّل۔ افضل البشر بعد الانبیا کے لقب سے ممتاز ہیں۔ قبول اسلام کے وقت مالی سرمایہ چالیس ہزار درہم تھا۔ اس سرمایہ کو خدمت اسلام میں صرف کرتے رہے جب ہجرت کر کے مدینہ کو چلے تو پانچ ہزار درہم باقی تھے سب ساتھ لے آئے وفات کے وقت ایک حبہ نہ تھا۔

سنہ ۱۳ھ دوشنبہ کا دن گزرنے پر عشاء مغرب کے درمیان ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں حضرت رسول خدا صلعم کی قبر مبارک کے قریب اس طرح دفن کیے گئے کہ آپکا سر آنحضرت صلعم کے شانہ کے برابر رہا۔ ایام خلافت دو برس تین مہینہ اور گیارہ دن آپکے چار شادیاں کیں دو زمانہ جاہلیت میں اور دو بعد اسلام۔ ایام جاہلیت کی بیبیاں قتیلہ اور ام رومان تھیں قتیلہ بنی عامر سے تھیں اسلام سے مشرف نہیں ہوئیں ان کے بطن سے آپ کی صاحبزادی اسما اور منجھلے لڑکے پیدا ہوئے۔ عبداللہ غزوہ طائف میں حضرت سرور عالمؐ کے ہمرکاب شریک تھے۔ تیر کا زخم پاؤں میں لگا سنہ ۱۱ھ میں انتقال ہوا ان سے کوئی نسل باقی نہیں۔ دوسری بیوی ام رومان مالک بن کنانہ کی اولاد سے تھیں اسلام سے مشرف ہوئیں ان کے بطن سے آپکے فرزند اکبر حضرت عبدالرحمن اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ متولد ہوئے تیسری بی بی اسمار بنت عمیس تھیں جو آپکے پہلے حضرت جعفر طیار بن ابی طالب کے نکاح میں تھی اور آپ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے عقد میں آئیں۔ ان کے بطن سے آپکے تیسرے صاحبزادے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے۔ چوتھی بی بی حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ تھیں ان سے صرف ایک صاحبزادی ام کلثوم آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ گویا اولاد میں تین لڑکے عبداللہ و عبدالرحمن و محمد اور تین صاحبزادیاں اسمار۔ ام المومنین حضرت عائشہ اور ام کلثوم تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ ازواج مطہرات میں حضرت سرور عالم صلعم کو زیادہ محبوب تھیں اُن کا علم و

فضل بھی مسلّم ہے۔ صاحبزادوں میں صرف عبدالرحمٰن و محمد بن ابی بکر سے سلسلہ نسل باقی ہے محمد بن ابی بکر کے اکلوتے فرزند قاسم اُمّ ولد سے تھے ۱۰۸ھ میں وفات پائی، فاضل وفقیہ تھے۔ شجرۂ اولاد :-

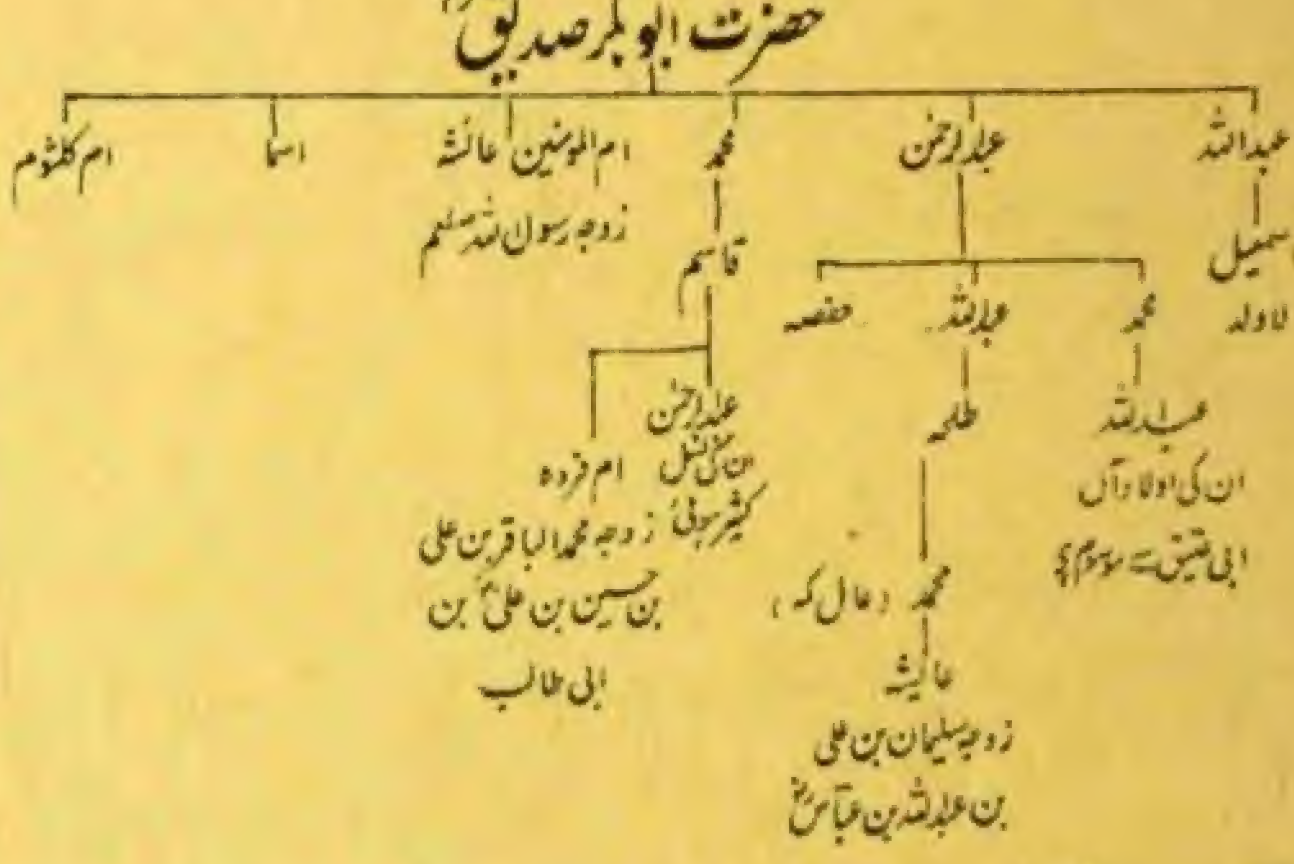

صدیقی اور صدیقی مسلمانان ہند میں اور بالخصوص صوبجات ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے مسلمانوں میں ایسے خاندان بکثرت شامل ہیں جو نسباً اپنے کو صدیقی کہتے ہیں لیکن حقیقتاً ان میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جنکے آباد اجداد مختلف زمانوں میں ہندوؤں کی اعلیٰ ذاتوں سے دین اسلام میں شامل ہوگئے تھے ہندو سے مسلمان ہوکر یہ لوگ صدیقی کہلائے یعنی دین حق کے ماننے والے صدقی سے رفتہ رفتہ صدیقی بن گئے، مسلمان شرفا کی بستیوں میں ایسے خاندان اکثر پائے جاتے ہیں جو مختلف زمانوں سے صدیقی بن بیٹھے ہیں امروہہ میں بھی ایسے خاندان ہیں :-

خاندان صدیقیان ملقب بہ قریشی صحیح النسب صدیقیوں میں سب سے قدیم خاندان اولاد قاضی نظام الدین قریشی ساکنان محلہ قریشیان ہے، اس خاندان کا سلسلہ نسب احمد بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق سے متصل کیا جاتا ہے لیکن قدیم کتب انساب میں قاسم بن محمد مذکور کے کسی فرزند کا نام احمد خاکسار مولف کو دریافت نہوا ممکن ہے کہ قاسم بن محمد کے نبیرگان میں کسی کا نام احمد ہو۔ بہرحال اس خاندان کی صدیقیت بیں علیٰ وجہ الشہرۃ و تواتر سماعی مسلّم ہے، اس خاندان کی مختلف شاخوں کے شجرے ذیل میں درج ہیں۔

شجرۂ اولاد قاضی نظام الدین صدیقی ساکنان محلہ قستریشی

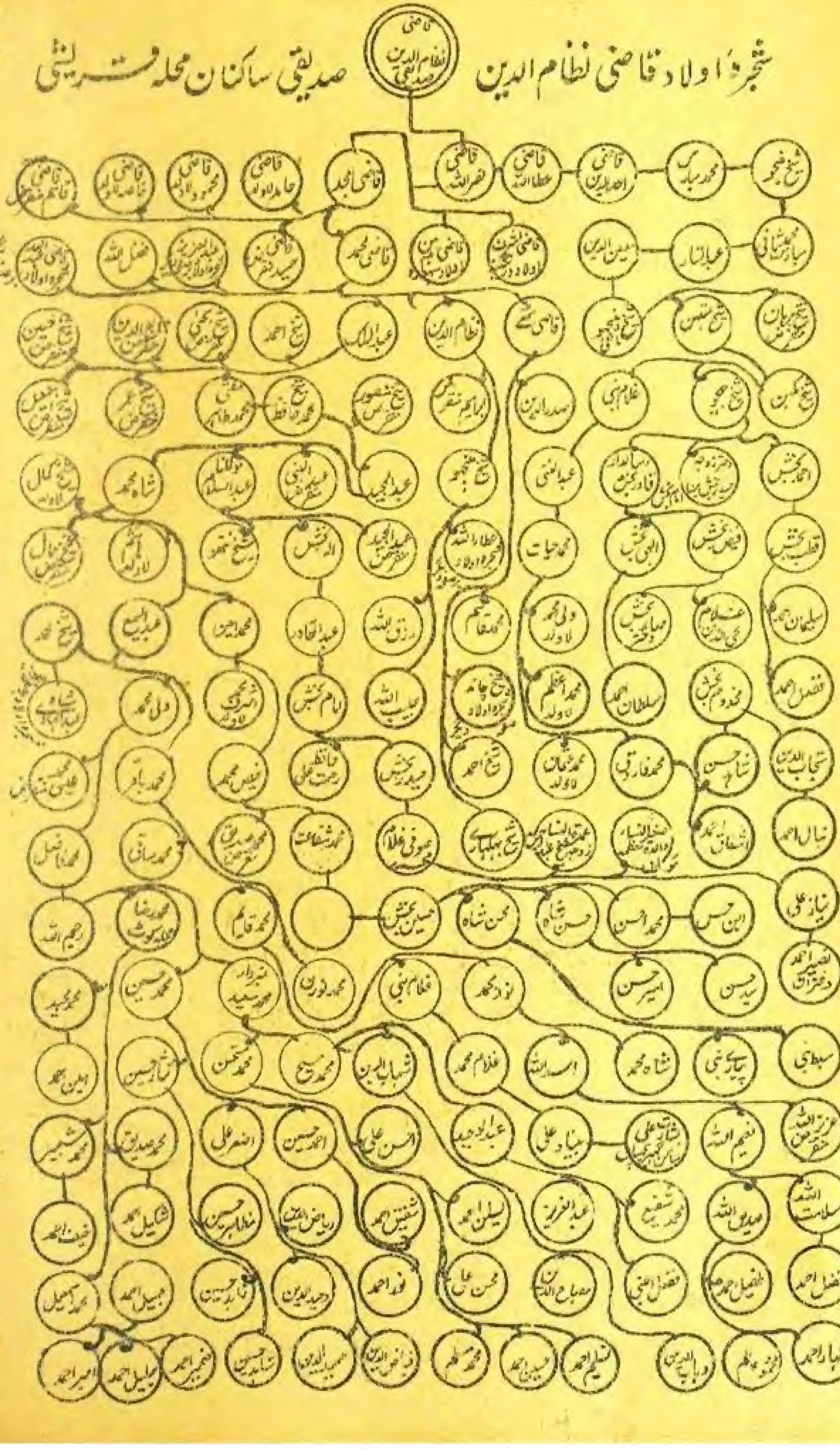

شجرہ اولاد شیخ نظام الدین بن قاضی محمد بن قاضی امجد نبیرہ قاضی نظام الدین صدیقی

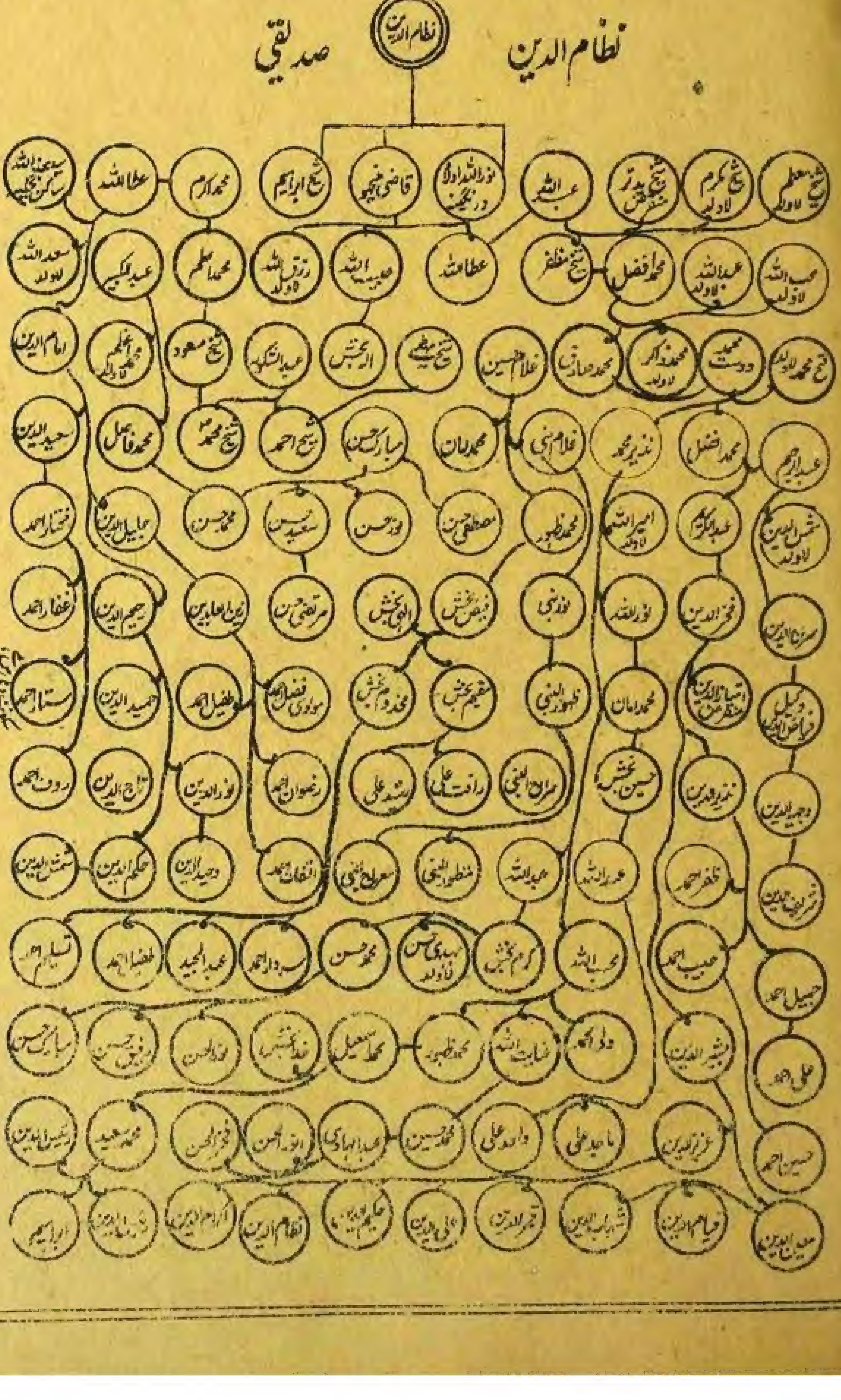

شجرہ اولاد قاضی عبداللہ بن قاضی محمد بن قاضی امجد بن قاضی نصر اللہ

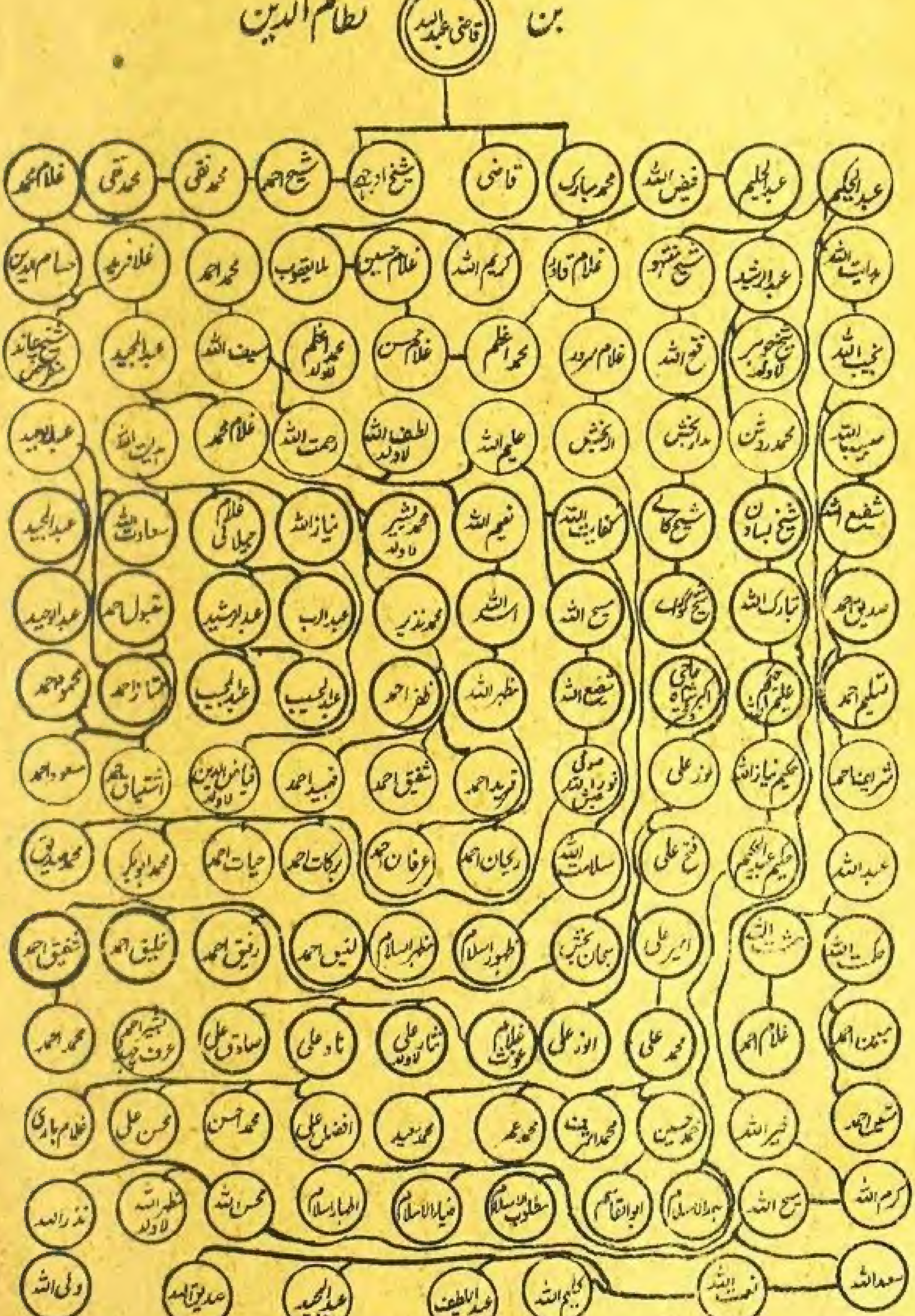

شجرہ اولاد شیخ چاند بن قاضی حسن بن قاضی مٹھے بن قاضی محمد صدیقیؒ

(بن قاضی حسن بن قاضی مٹھے بن قاضی محمد بن قاضی امجد بن قاضی نصر اللہ بن قاضی نظام الدینؒ)

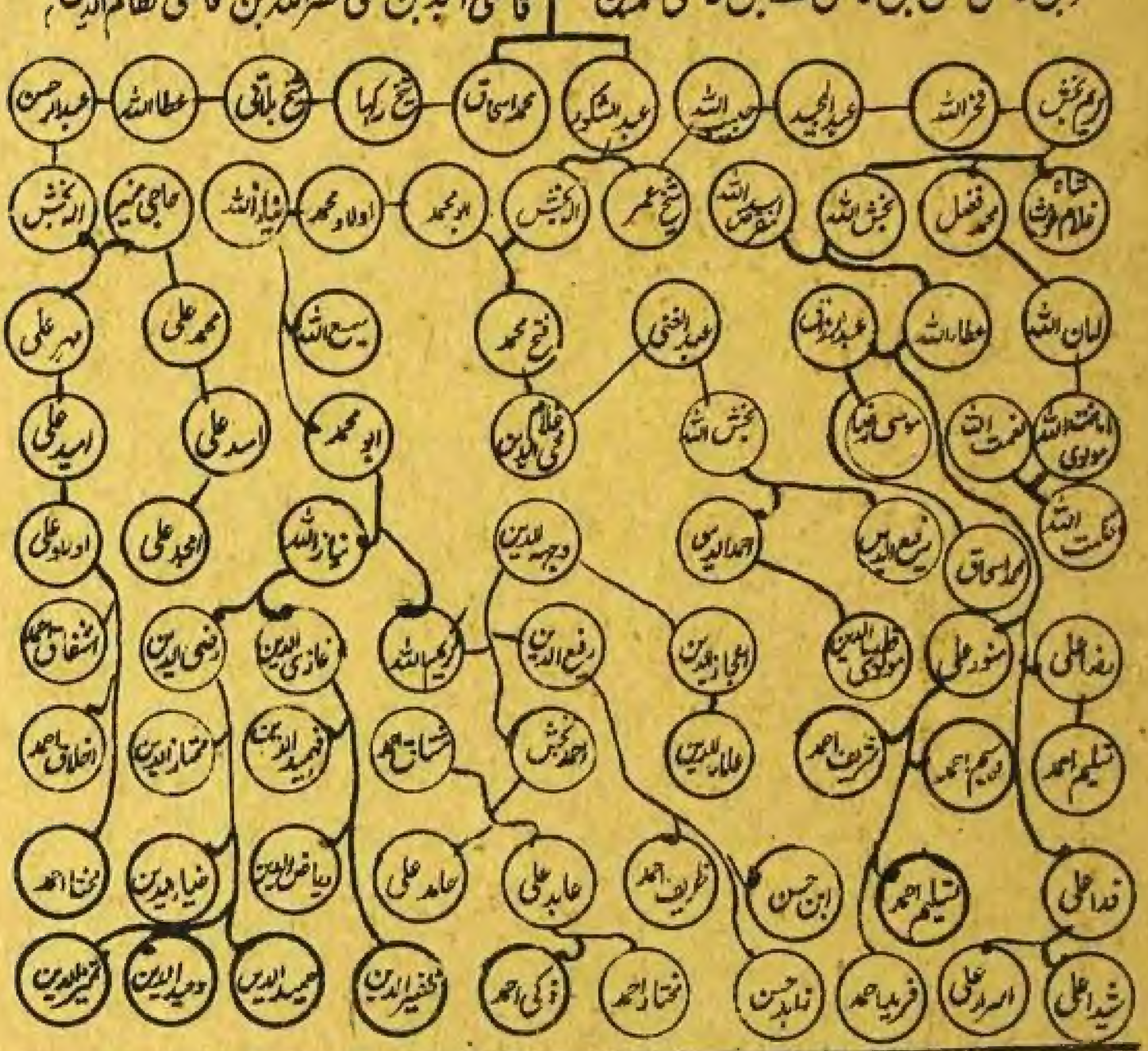

(بقیہ صفحہ ۲۰۳) محلہ ٹوال میں ایک خاندان فیض محمد بن احمد بخش بن امین اللہ کا ہے جو عرصہ تک ریاست اودے پور میں ملازم رہے اسکے نبیرہ منشی انتظار احمد ولد ابرار احمد کاتب ہذا کے کاتب ہیں۔ اسکے بنی اعمام میں منشی شمس النبی ولد آل نبی ساکنان محلہ کنکوئی ہیں دستاویزات سے جو شجرہ مرتب ہوا وہ حسب ذیل ہے۔

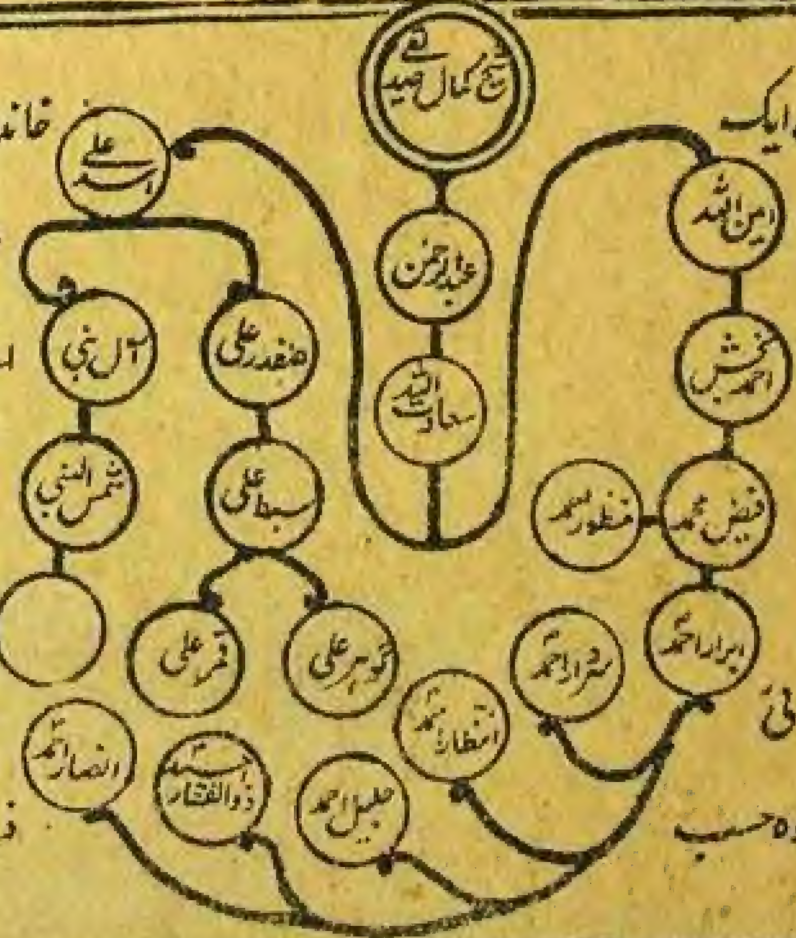

شجرہ اولاد قاضی عبدالعزیز بن قاضی محمد بن قاضی امجد بن قاضی نصراللہ بن قاضی نظام الدین صدیقی جو خاندان مولوی والا مشہور ہے

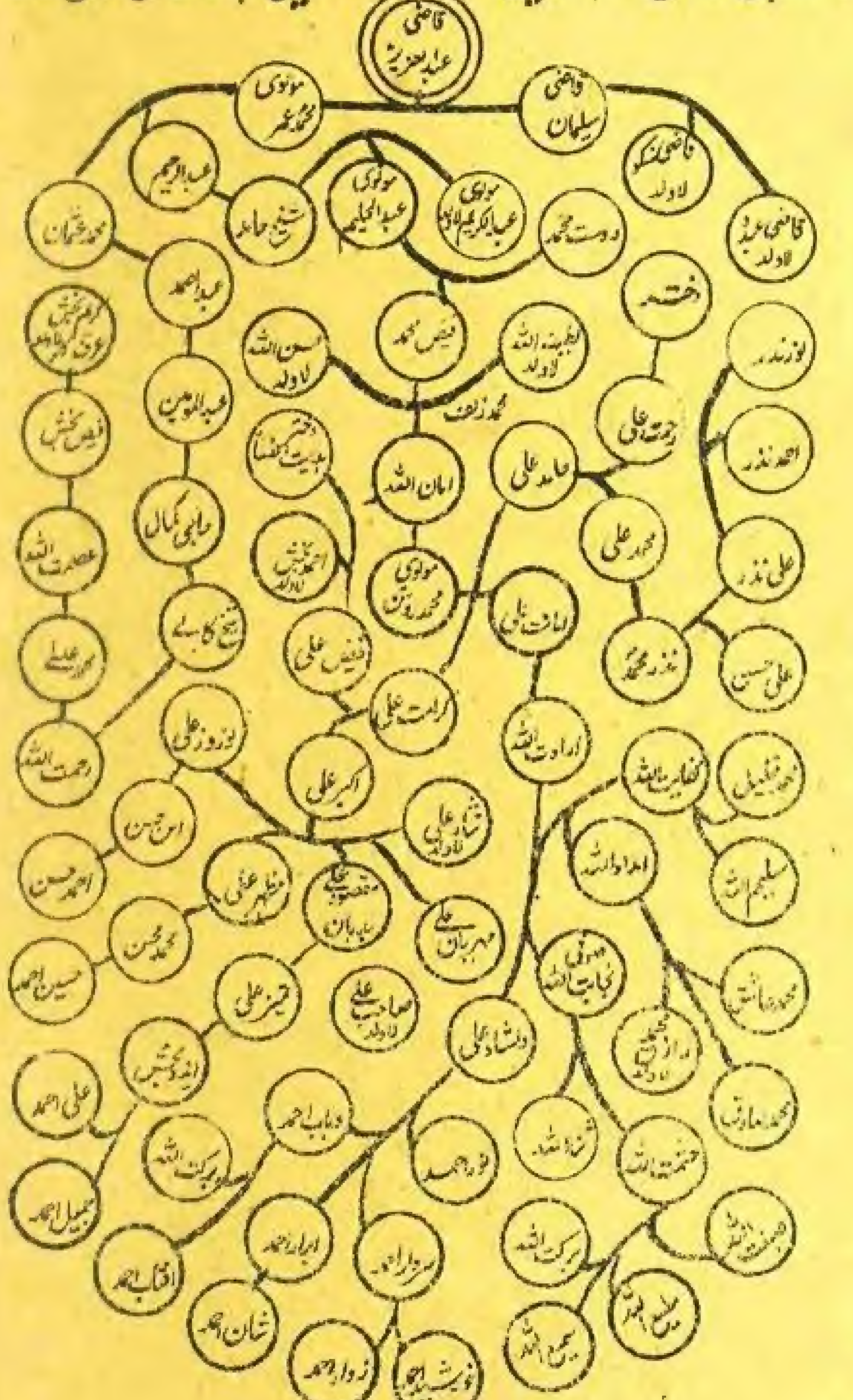

شجرہ اولاد حضرت شاہ عبدالہادی بن شیخ محمد حافظ بن شیخ عبدالسمیع بن شاہ محمد بن شیخ محمد بن شیخ عبدالمجید بن قاضی محمد طاہر بن شیخ عبدالملک بن قاضی محمد بن قاضی امجد بن قاضی نصراللہ بن قاضی نظام الدین صدیقی

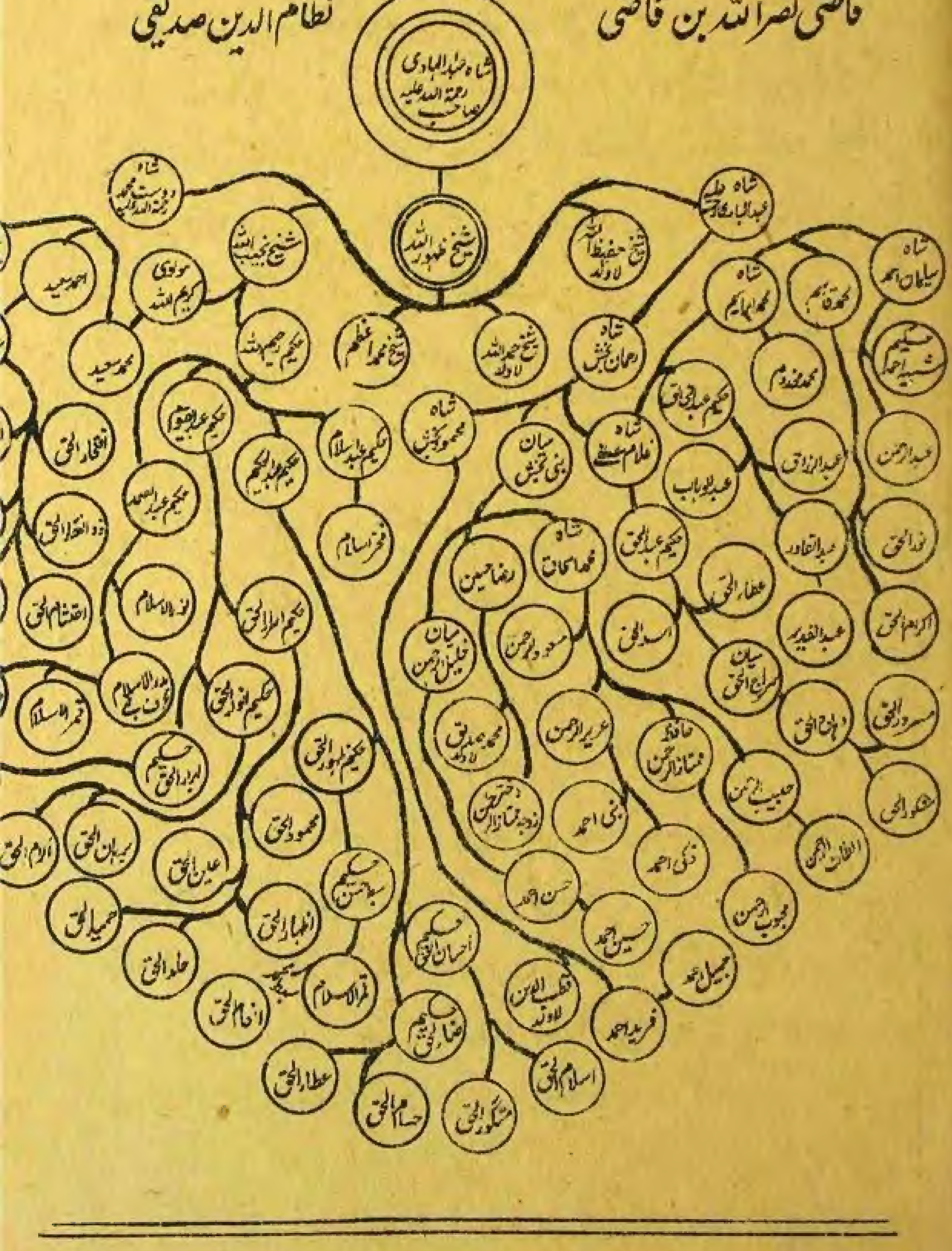

صدیقیان اولاد قاضی نظام الدین میں بعض اشخاص جو بڑے دادا کے پوتوں میں شامل ہیں۔ ان کا شجرہ کاغذات تلف ہو جانے کی وجہ سے پورا مرتب نہ ہو سکا ان میں مقبول احمد و منظور احمد ابنائے نوروز علی بن باقر علی شریف احمد ولد محمد حسن بن عزیز اللہ و عصمت اللہ ولد سلامت اللہ بن ہدایت اللہ و رضا علی بن شیخ کوڑے بن علی محمد بن جعفر علی بن مظفر علی وغیرہ ساکنان محلہ قریشی ہیں

خاندان صدیقیان اولاد قاضی نظام الدین کے علاوہ محلہ قریشی میں شیخ کے چند اور مختصر خاندان ہیں یعنی خاندان شاہ بھیک جس میں علی حسن و ایزد بخش ابنائے شیر محمد شاہ بھیک مذکور ہیں نیز خاندان غلام غوث عرف بہاون جس میں شیخ محمد صدیق عرف تسلیم شاہ ہیں ان کا شجرہ حسب ذیل ہے۔

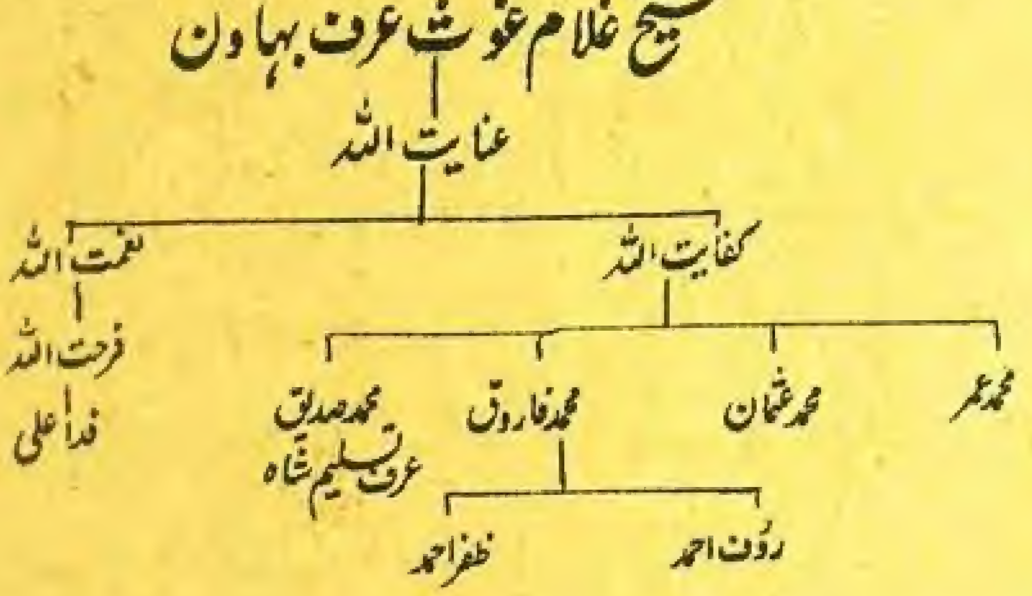

صدیقیان ناگوری | اولاد حضرت شیخ معین الدین نبیرۂ قاضی حمید الدین صدیقی ناگوری، یہ خاندان بہت قدیم اور صحیح النسب خاندان ہے تفصیلی شجرہ باوجود تفحص و تلاش کے دستیاب ہو سکا اکثر اشخاص اس خاندان کے منتشر ہو گئے اور بعض غیر معقب ہے اس وجہ سے دیرینہ کاغذات بہم نہ پہونچے تاہم ان کی صدیقیت علی وجہ الشہرۃ مسلّم ہے۔ اس خاندان میں منشی محمد راغب و عبد القیوم ابنائے شیخ محمد علی بن نذیر علی بن وزیر علی بن شیخ بہاون و تحسین علی و شبیر علی ابنائے نوروز بن کبیر علی بن شیخ بہاون مذکور چند دیگر اشخاص ساکنان محلہ بارہ پوتیاں ہیں اسی خاندان کی ایک شاخ محلہ قریشی میں ہے جن کا شجرہ ذیل میں درج ہے۔

شیخ نثار علی صدیقی

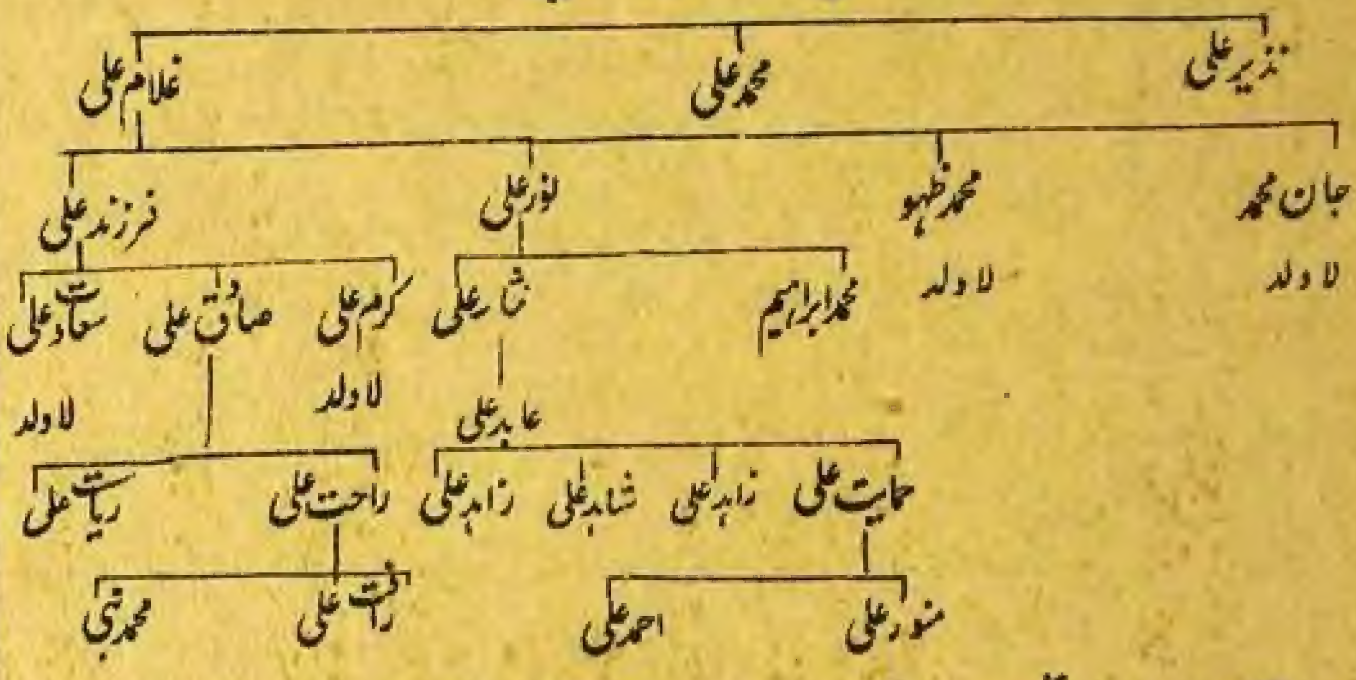

صدیقیان اولاد ملا امان اللہ۔ مورث اس خاندان کے مولانا امان اللہ صدیقی فضلائے عہد اکبری سے تھے ان کی اولاد کی قرابتیں خاندان ترکمان (بڑگجہ) سے زیادہ ہوئیں سکونت بھی ایک ہی جگہ رہی مسلسل اور متواتر قرابتوں کی بنا پر یہ خاندان بھی عرف عام میں بڑگجہ مشہور ہو گیا نخبۃ التواریخ کے زمانہ تالیف تک یہ نسباً صدیقی سمجھے جاتے تھے صاحب نخبہ نے بحوالہ شجرہ طیبہ مولفہ مولانا حکیم محمد حسن صاحب خاندان ترکمان کی سیادت نسبی کا اظہار فرمایا تو اس خاندان کو ان کے صحیح اور اصلی نسب صدیقی سے انہیں منسوب کیا۔ لیکن ان میں سے بعض اشخاص کو یہ امر ناگوار ہوا کہ ان کے عزیز و اقربا تو باوجود قوم شیخ اور ترکمان سے منسوب ہونے کے سید کہلائیں وہ بدستور شیخ رہیں۔ ان کی ناراضی سے متاثر ہو کر مولف نخبہ نے ان کو بھی سیادت کا سرٹیفکیٹ عطا کر دیا اور اپنی کتاب کے اوراق کو تبدیل کر کے جس خاندان کو پہلے زمرہ شیوخ میں شامل کیا تھا اور لکھا تھا کہ بوجہ قرابت کے یہ بھی بڑگجہ مشہور ہو گئے ہیں ورنہ حقیقتاً صدیقی ہیں ان ہی کو پھر نسباً سید لکھا۔ تاریخ نخبہ کے اوراق غیر مبدلہ خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں اور صفحہ ۴۴ پر یہ عبارت اس خاندان کے متعلق درج ہے:۔

"اما اولاد شیخ فیض اللہ بن شیخ احمد باسم شیخ وزیر علی و شیخ قادر بخش وغیرہا بزمرہ شیوخ صدیقی اند بنظر قرابت سادات بڑگجہ ملقب بہ بڑگجہ مشہور گشتند"۔

چنانچہ صاحب ردّ نخبہ لکھتے ہیں کہ:۔

جب یہ عبارت شیخ ابراہیم علی بن شیخ وزیر علی و شیخ قادر بخش وغیرہ نے دیکھی تو نہایت برہم ہوئے اور اعلان سے کلمات ناگفتنی کہنے شروع کیے اور جواب نحبہ بکلمات نازیبا لکھنا چاہا تو بخیال سرخروئی دو ورق کل کتابوں کے کاٹ کر اور دو ورق لگائے اور ان میں شیخ وزیر علی و شیخ قادر بخش وغیرہ کو بلفظ سیدان امان اللہ کی اولاد جنکو پہلے لکھ چکے ہیں کہ ان کا سلسلہ غلام مصطفٰے پر ختم ہوگیا اور کوئی عقب جنس ذکور سے نہ رہا لکھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
تبدیل اوراق معلومہ سے پیشتر تک وہ لوگ (یعنی شیخ قادر بخش وغیرہ) اپنی قومیت شیخ صدیقی اعلان سے بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے پاس بہت دستاویزیں کہنہ مستند شیخی کی موجود ہیں اور تحریر نخبہ کو بالکل غلط بیان کرتے تھے ۔ الی آخرہ

خاکسار مولف کو بھی اس خاندان کی صدہا کہنہ دستاویزات کے مطالعہ کا موقع ملا ہے جس سے یہ امر بالکل واضح ہوتا ہے کہ مولانا امان اللہ صدیقی کا خاندان شیخ داؤد بڑگہ کے خاندان سے نسباً کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ حقیقتاً یہ دو جداگانہ خاندان ہیں۔ ایک نسباً صدیقی ہے اور دوسرا کمان۔ مولانا موصوف کی اولاد میں منشی احمد حسن و منشی رفیق احمد ابنائے شیخ ابراہیم علی و منشی زاہد حسن ولد معصوم علی وغیرہ ساکنان محلہ مولانا ہیں۔ افسوس کہ اس کتاب کی طباعت سے چند ماہ قبل یعنی ۲۷ محرم ۱۳۵۱ھ کو منشی احمد حسن بن منشی ابراہیم علی مرحوم بعارضہ انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

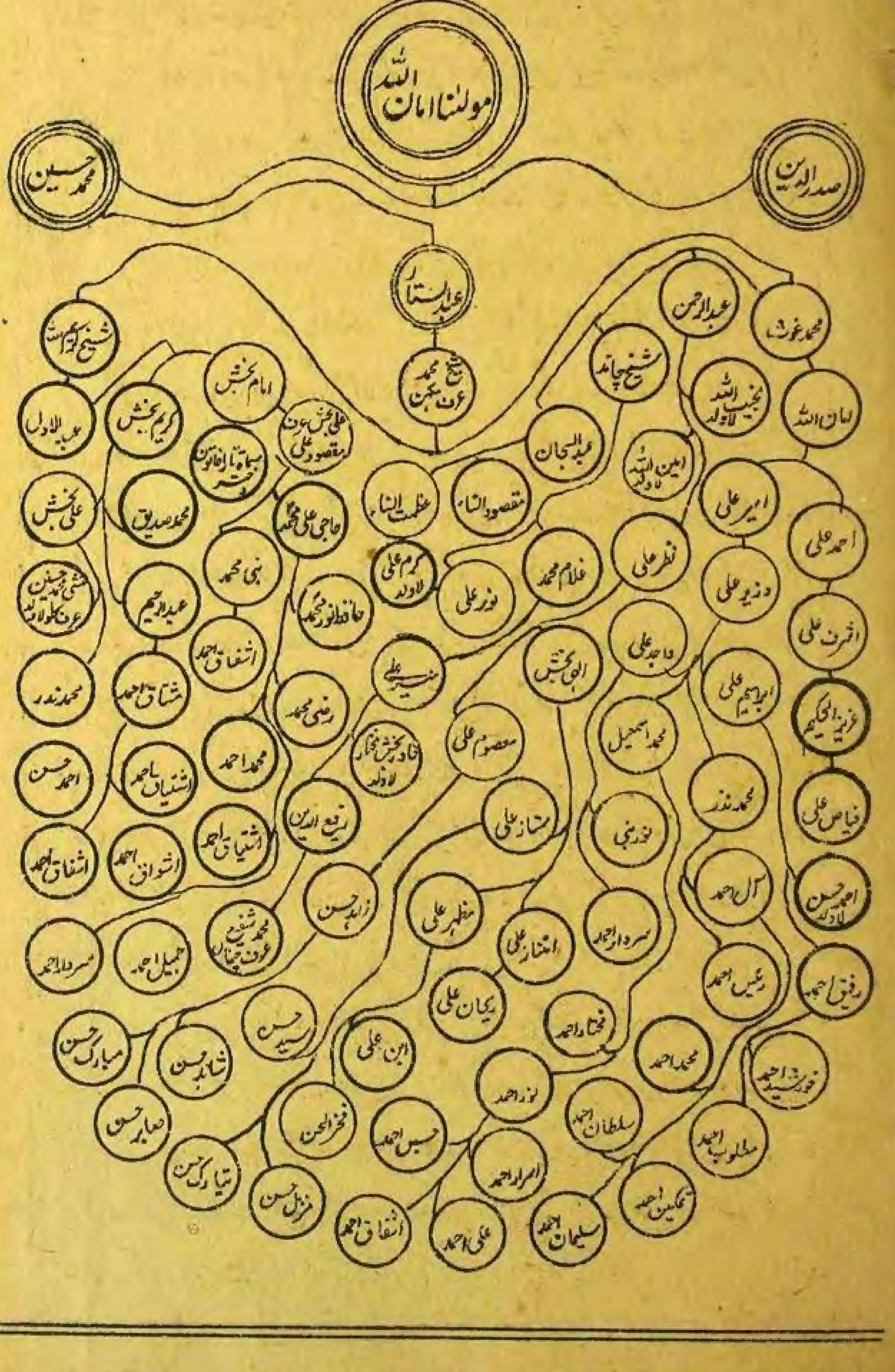
مولنا امان اللہ
محمد حسین
صدر الدین
عبد الستار
شیخ محمد عرف ببھن
عبد الرحمن
محمد غوث
شیخ چاند
نجیب اللہ لاولد
امان اللہ
عبد السبحان
امین اللہ لاولد
امیر علی
احمد علی
مقصود النساء
عظمت النساء
کرم علی لاولد
نور علی
غلام محمد
نظر علی
وزیر علی
اشرف علی
واجد علی
الہی بخش
ابراہیم علی
عزیز الحکیم
محمد اسمعیل
معصوم علی
محمد نذر
فیاض علی
نور نبی
ممتاز علی
آل احمد
احمد حسن لاولد
سردار احمد
امتیاز علی
مظہر علی
رئیس احمد
رفیق احمد
ریحان علی
مختار احمد
محمد احمد
خورشید احمد
امین علی
نور احمد
سلطان احمد
مطلوب احمد
تمکین احمد
سلیمان احمد
اسرار احمد
علی احمد
حسیں احمد
فخر الحسن
اشفاق احمد
فضل حسن
ریاض حسن
صابر حسن
شاہد حسن
مبارک حسن
سید حسن
زاہد حسن
محمد شفیع عرف چھبن
جمیل احمد
سردار احمد
رفیع الدین
شبیر علی
نادر بخش مختار لاولد
رضی محمد
حافظ نور محمد
حاجی علی محمد
علی بخش عرف مقصود علی
امام بخش
کریم بخش
شیخ کرامت
عبد الاول
علی بخش
محمد صدیق
عبد الرحیم
نبی محمد
اشفاق احمد
مشتاق احمد
اشتیاق احمد
محمد احمد
اشتیاق احمد
اشفاق احمد
احمد حسن
محمد نذر
منشی محمد حسین عرف کلو لاولد

صدیقیان مناف پوتہ ۔مورث اس خاندان کے شیخ داؤد بن شیخ جنید صدیقی اعظم پور باسٹھ سے عہد اکبری میں امروہہ آئے سلسلہ النسب عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ سے متصل کیا جاتا ہے صدیقیان امروہہ میں یہ خاندان نمود کا خاندان رہا ہے شیخ داؤد مذکور کے منجملہ سات بیٹوں کے شیخ ابوالمناف زیادہ مشہور ہوئے انہوں نے ایک احاطہ کھینچکر مکانات سکونہ تعمیر کیے گھیر کا دروازہ عالیشان بنایا اور اُسکے متصل مسجد اور دوکانات بھی تعمیر کیں۔ قطعہ تاریخ تعمیر یہ ہے ؎

ابوالمناف دوکانات و مسجد بالا	لساخت باب مکانش فلک نشاں دارد
حویلیات درون حصار مستحکم	نہ راہ دزد کہ یک راہ پاسباں دارد
بودم بفکر تاریخ باب ہاتف گفت	دراحاطہ اعلیٰ بلند شان دارد

۹۸۵ھ

بعد میں یہ احاطہ "گھیر شیخ ابوالمناف" اور اُن کی اولاد مناف پوتہ مشہور ہوئی انکے برادر زادگان بھی مناف پوتہ کے لقب سے ملقب ہیں شیخ ابوالمناف کی اولاد میں منشی عبدالرحمٰن اور خلیفہ نوروز علی سالنان گھیر مذکور کے خاندان ہیں شیخ مذکور کے دوسرے بھائیوں کی نسل حاجی خورشید علی ہیں جنکے لایق فرزند حکیم مختار احمد و مولوی سردار احمد بیلمان احمد وغیرہ ہیں شیخ محمد ابراہیم بن شیخ داؤد مذکور کی اولاد میں حکیم اسرار الحسن بن منشی محمد حسن ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ محکمہ بندوبست ہیں جو عرصہ تک اسی محکمہ میں انسپکٹر و ہیڈ انسپکٹر رہے ۱۹۱۷ء سے ملازمت سے سبکدوش ہو کر تجارت و طباعت کا شغل ہے اقران و امثال میں ممتاز ذی ثروت و ذی تدبیر ہیں انکے اکلوتے فرزند مولوی اختر حسن طبیہ کالج علی گڑھ میں زیر تعلیم ہیں ؛

ان ہی کے بنی اعمام میں منشی فضل حسین ساکن کانپور اور منشی اشفاق حسین ایڈیٹر اخبار "رہنما" مراد آباد ہیں مناف پوتوں کی قرابت و مصاہرت عباسیوں انصاریوں وغیرہ سے ہوتی رہی ہے۔ اب انکے گھیر میں بعض دوسرے خاندانوں بالخصوص شیوخ داڑھی رنگے کی ایک شاخ کے کچھ لوگ بتعلق قرابت و بذریعہ خرید ساکن ہیں اور ان میں سے بعض اشخاص محلہ چاہ ملّامان و سرائے کہنہ میں بھی ساکن ہیں ؛

شجرۂ اولاد شیخ داؤد بن شیخ جنید صدیقی

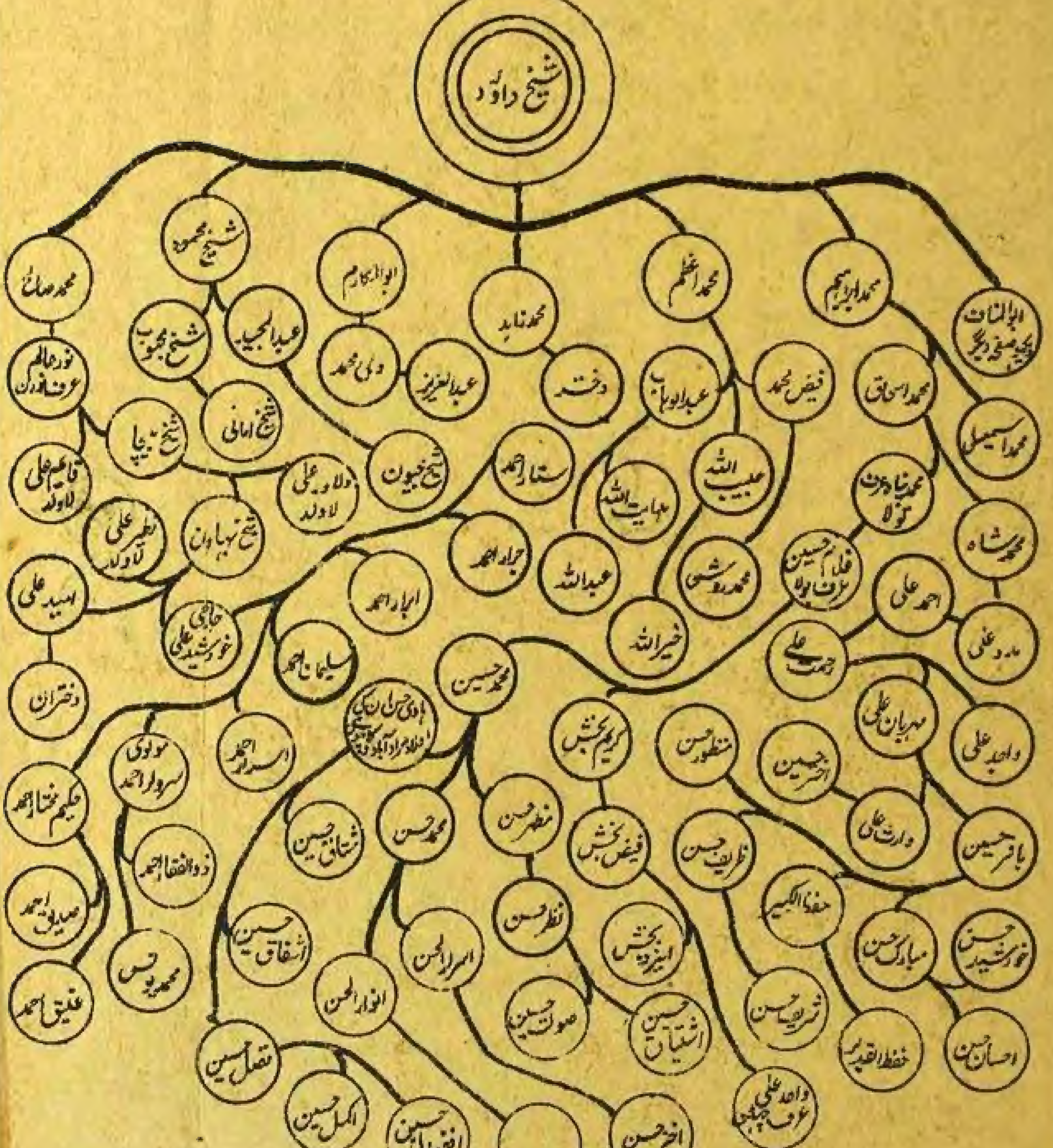

شجرہ اولاد شیخ ابوالمناف بن شیخ داؤد بن شیخ جنید صدیقی

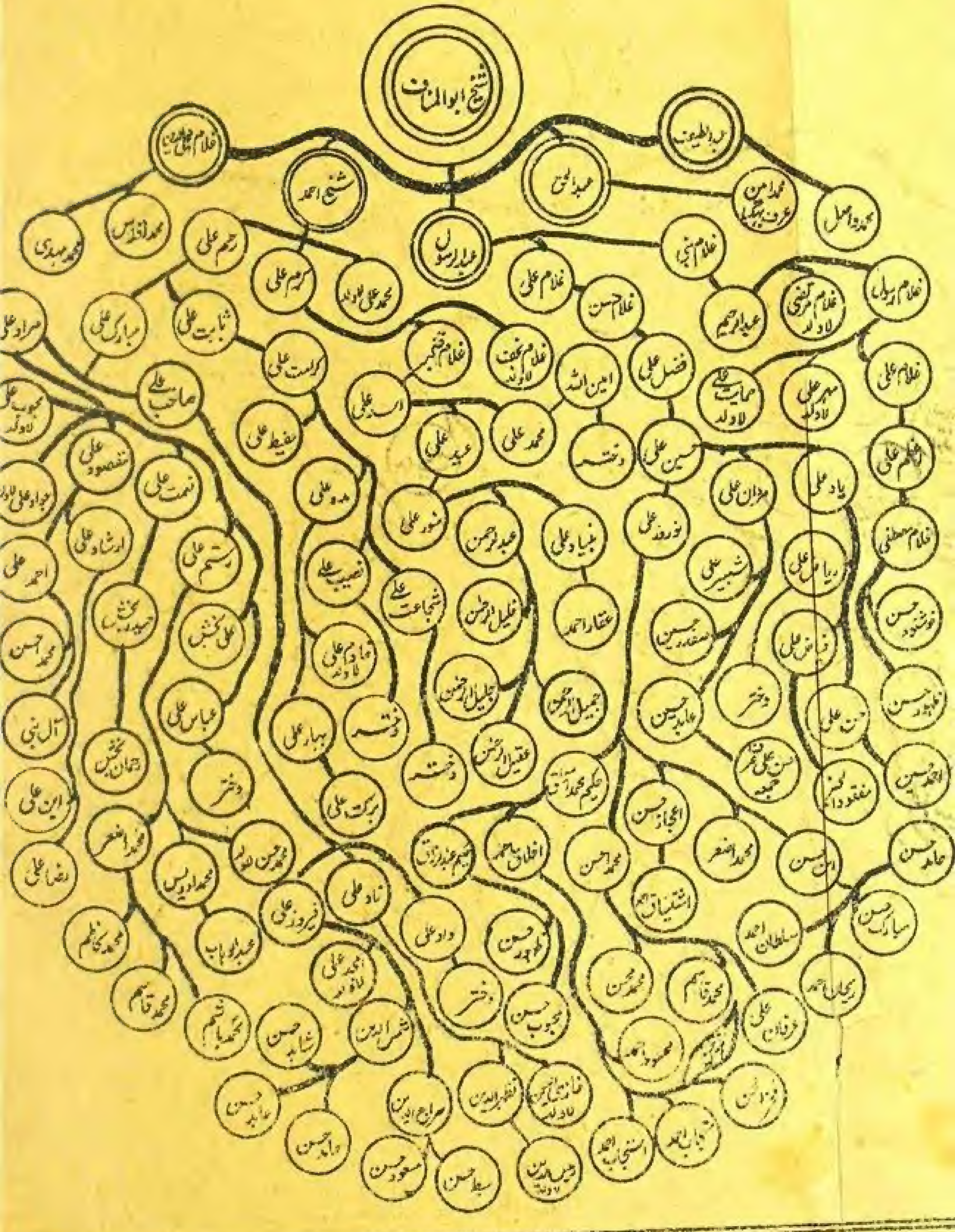

صدیقیان ملقب بہ مرزا۔ مورث اس خاندان کے شیخ برہان الدین شہید نسباً صدیقی تھے، مرزا انکا موضع نگکیر میں ہے ان کی اولاد میں پانچ واسطوں سے محمد فاضل ہوئے جو عہد عالمگیری میں روضۂ منورہ حضرت قطب الاقطاب خواجہ معین الدین اجمیری کے مشرف وتحویلدار صوبہ اجمیر کے داروغہ عدالت اور ۱۱۲۳ھ میں یکصدی و پنجاہی ذات کے منصبدار تھے۔ انکے نبیرہ شیخ غلام قلندر بن شیخ غلام حسن یکصدی ذات کے منصبدار "مرزا ابوالفضل" کے خطاب سے ملقب تھے۔ اسی خطاب مرزا کی بنا پر ان کی اور انکے بنی اعمام کی اولاد مرزا مشہور ہوئی ورنہ نسباً صدیقی ہیں۔ مرزا ابوالفضل مذکور کے پوتے مرزا محمد ابراہیم عرف مرزا آبو کبیر السن ہو کر سال گذشتہ انتقال کیا انکے بنو اعمام میں مرزا رفعت اللہ و مولوی ظہور الحق وغیرہ ساکنان محلہ صدر کا خاندان ہے

صدیقیان ساکنان محلہ کٹکوئی۔ ساکنان محلہ کٹکوئی میں شیخ مہر علی عرف امیر علی بن شیخ مبارک علی صدیقی کا خاندان قدیم اور صحیح النسب خاندان ہے بشنہ۱۱۵۵ھ تک ہمعصروں میں ممتاز تھا صاحب تاریخ اصغری محلہ کٹکوئی کے حالات میں اس خاندان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"شیخ مظہر علی وغیرہ پسران شیخ امیر علی (عرف مہر علی)، صدیقی نسب اس محلہ میں نامور تھے۔ ان کی اولاد یہاں موجود ہے۔"[۱۴۴]

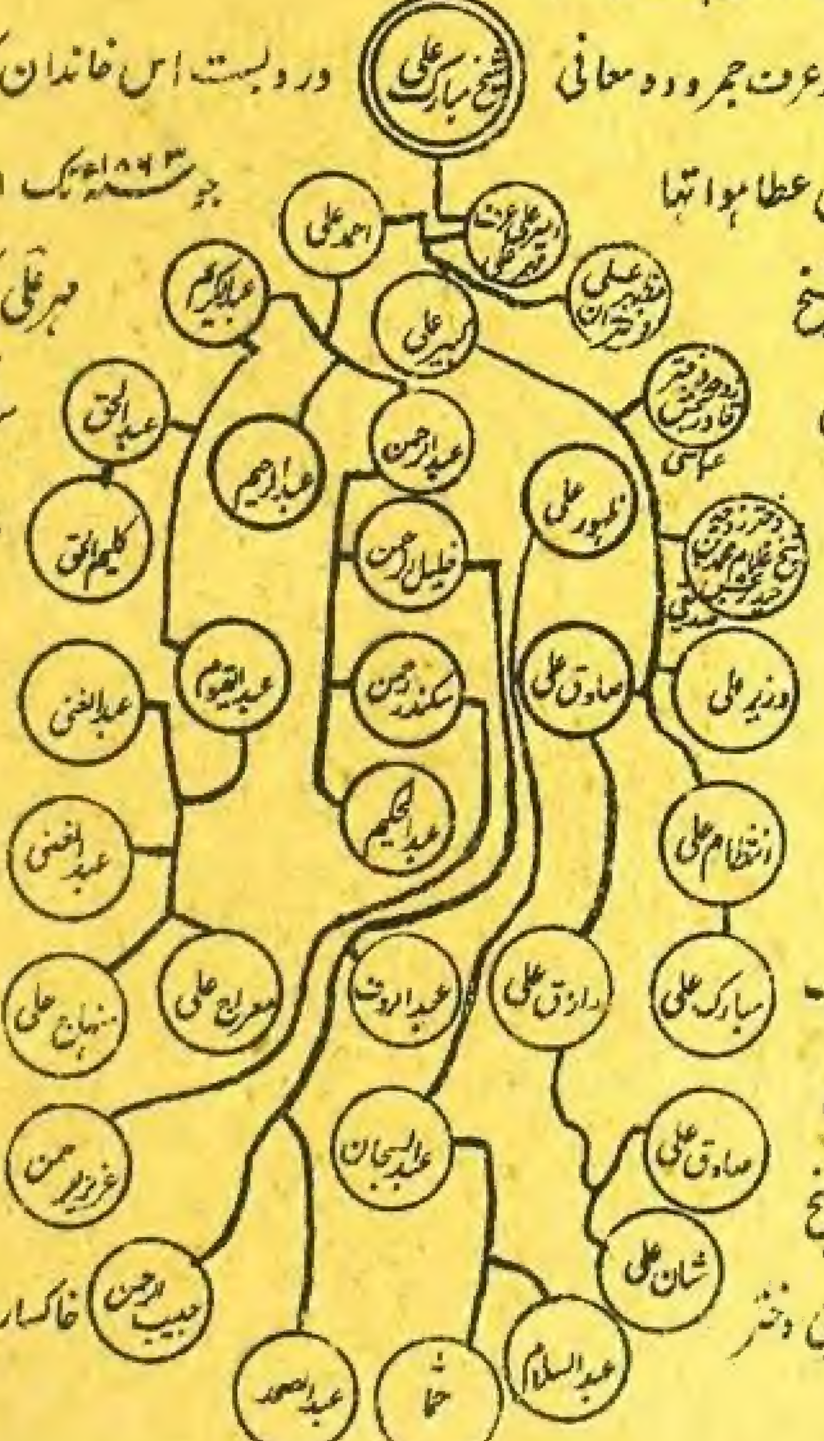

موضع علی پور عرف جمرودہ معافی در وبست اس خاندان کو عہد سلاطین مغلیہ میں بطور مدد معاش عطا ہوا تھا جو ۱۸۶۳ء تک ان کا مملوکہ ومقبوضہ تھا شیخ کبیر علی بن شیخ مہر علی کی ایک دختر قادر بخش بن گلزار علی عباسی ساکن محلہ مولانا کے حبالۂ عقد میں آئیں اور دوسری دختر خاکسار مولف کے جد مادری شیخ غلام محمد صدیقی نبیرہ مولانا عبدالسلام صدیقی ساکن محلہ قریشی کی زوجہ تھیں جن کے بطن سے ایک فرزند اور دو بیٹیاں متولد ہوئیں۔ بڑی دختر شیخ عبدالرحمن بن شیخ احمد علی بن شیخ مہر علی مذکور کو منسوب ہوئیں اور دوسری دختر خاکسار مولف کی والدہ معظمہ ہیں ٭

شیوخ صدیقی۔ سکنہ محلہ کٹکوئی میں ایک خاندان اولاد خطیب اللہ عبدالرحیم بن خلیفہ غلام جیلانی صدیقی کا ہے جو کچھ عرصہ پیشتر تک عیدگاہ امروہہ کے خطیب رہے ہیں ان میں مولوی سراج الدین و شفیع الدین ابنائے خطیب علی الدین بن خطیب امام الدین بن خطیب عبدالرحیم مذکور ہیں۔

شجرۂ اولاد خلیفہ عبداللہ بن خلیفہ امان اللہ بن شیخ ہدایت اللہ صدیقی

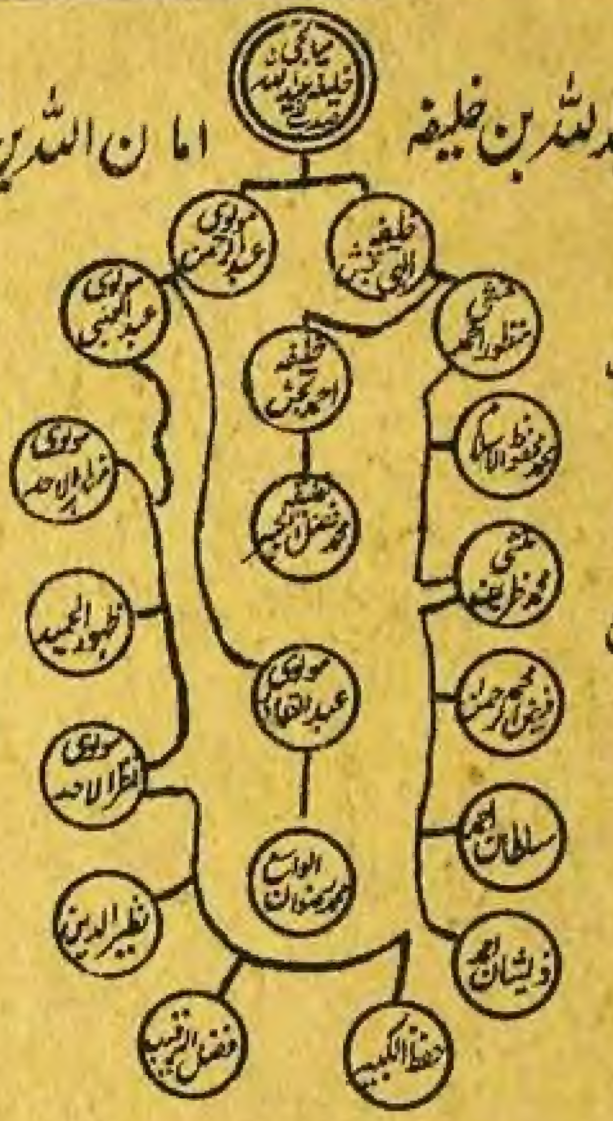

یہ خاندان نسباً صدیقی ہے ان میں متعدد اشخاص ذی علم اور دریات فارسی کے ماہر تھے۔ خلیفہ الٰہی بخش کا تذکرہ زمرۂ فضلا میں ملاحظہ ہو۔ ان میں محمد رضوان نواسے ولد مولوی عبدالقادر و سلطان احمد مسلم ولد منشی محمد ظریف وغیرہ ساکنان محلہ کنکوئی ہیں ٭

خاندان حکیم محمد علیم۔ ساکنان محلہ کوٹ بارہویں صدی کے اواخر میں اس خاندان کے مورث غالباً بجنور سے امروہہ آکر مسکن گزین ہوئے۔ حکیم محمد علیم و حکیم محمد کفایت اللہ خاں و حکیم قادر بخش وغیرہ ذی علم اور نامور طبیب تھے اس زمانہ میں یہ خاندان امروہہ کا ممتاز خاندان تھا۔ انکے حالات زمرۂ اطبا میں ملاحظہ ہوں۔ آخر میں حکیم حکمت اللہ خاں بھی حاذق طبیب ہوئے۔ اب حکیم فرحت اللہ میونسپل کمشنر وارث علوم اجداد ہیں۔ کوئی قدیم شجرہ نسب دستیاب نہ ہو سکا جس قدر نام انکے اجداد کے معلوم ہوئے ان سے شجرہ مندرجہ ذیل مرتب کیا گیا ہے نسباً صدیقی ہیں۔ صاحب آئینہ عباسی جو حکیم محمد علیم اللہ کے نواسہ تھے اس خاندان کے نسب کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

حکیم سلیم اللہ بن حکیم عنایت اللہ و رفعت اللہ و حکیم محمد حکمت اللہ خاں انباے حکیم محمد کفایت اللہ خاں ابن شیخ صدیقی بڑے صحیح النسب و شریف ہیں۔ (ص ۱)

(شجرۂ خاندان اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

شجرۂ خاندان حکیم محمد علیم بن شیخ معظم بن شیخ عزیز اللہ

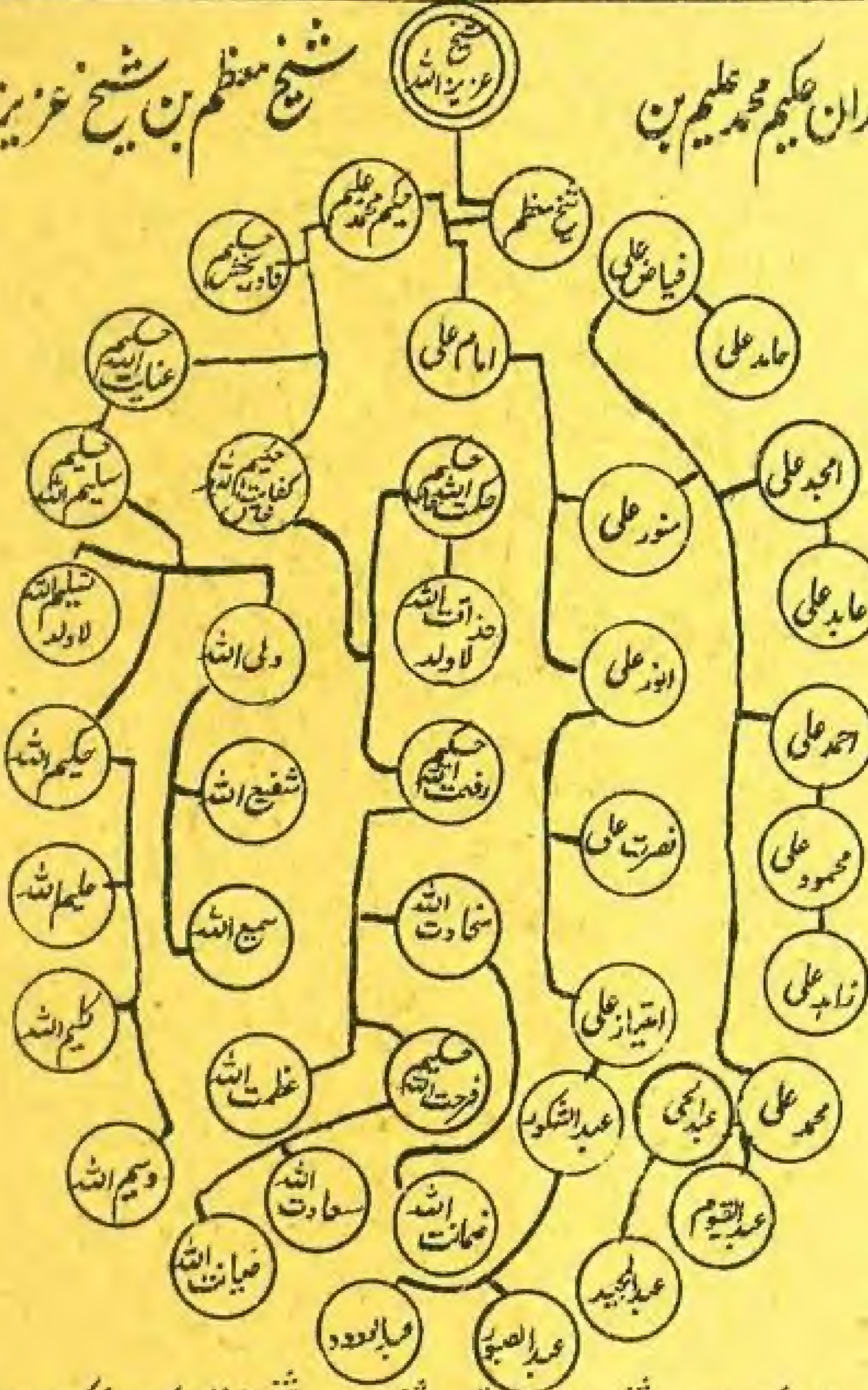

حلیم مسعود عالم بن حکیم غلام نبی بن شیخ بنیاد علی بن احسان العد بن شیخ جیون بن شیخ عزیز العد بھی اپنے کو اسی خاندان سے بتاتے ہیں

خاندان حکیم کرامت علی محلہ ٹھوال۔ نسبًا یہ خاندان بھی صدیقی مشہور ہے۔ اکثر اشخاص اس خاندان میں علوم سے بہرہ مند ہوئے۔ حکیم کرامت علی حکیم کفایت اللہ خاں کے شاگرد بزمانۂ نواب یوسف علیخاں ولواب کلب علی خان ریاست رامپور میں طبیب خاص تھے ان کے پسر اکبر مولوی اظہر الدین بھی فاضل طبیب تھے حکیم کرامت علی کے چھوٹے بیٹے مولوی نذیر الدین مولوی عبدالحق بن مولوی فضل حق خیرآبادی کے شاگرد علوم حکمیہ و عقلیہ میں بلند پایہ رکھتے ہیں ؛

(شجرۂ خاندان اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

شجرۂ خاندان حکیم کرامت علی بن شیخ غلام محمد ساکنان محلہ بٹوال

خاندان خلیفہ محب علی۔ عرف خلیفہ ہنیکا۔ یہ خاندان بھی شرفائے قدیم سے ہے ان کی قرابت ابتداءً شیوخ داڑھی رنگے سے زیادہ رہی کہنہ اور مستند دستاویزات سے جو شجرہ ان کا مرتب ہو سکا درج کیا جاتا ہے خلیفہ محب علی عرف خلیفہ ہنیکا تعلیم درسیات فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ شہر کے بہت اشخاص انکے شاگرد تھے ان کے بزرگان میں مولوی برہان الدین مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ

اور شیخ بدر الدین وغیرہ ساکنان محلہ چاہ شور ہیں۔

منفرق شیوخ صدیقی خاندانوں کے علاوہ بعض اور خاندان بھی ہیں جن میں سے کچھ تو اپنے اسلاف کی تحریرات اور شہرت عام کے خلاف زمانہ حال میں اپنے کو سید کہنے لگے ہیں اور بعض اگرچہ قرابت و مصاہرت کے اعتبار سے شرفاء کے طبقہ میں داخل ہیں لیکن انکے نسب کی پوری تحقیق ہو سکی اور کچھ وہ بھی ہیں جنکے نسب میں شک شبہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مگر ان کی قرابتیں بھی شرفا سے ہونے لگی ہیں اور وہ اپنے کو صدیقی کہتے ہیں واللہ اعلم۔

داڑھی رنگے شیوخ شیوخ امروہہ میں ایک خاندان "داڑھی رنگوں" کے لقب سے مشہور چلا آتا ہے، اس لقب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف روائیتیں ہیں تاہم ان کا شمار طبقہ شرفا میں ہوتا ہے، شرفا سے ان کی قرابتیں بھی ہیں اور ہمیشہ سے یہ اپنے کو نسباً صدیقی کہتے رہے ہیں۔ صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ:-

"اور کچھ شیوخ محلہ مولانا میں ملقب بہ ڈبکوری شیخ صدیقی ہیں رستم علی وغیرہ اور بعض صاحب ملقب بہ "داڑھی رنگے" یہ بھی صدیقی کہتے ہیں، خلیفہ محمد بخش وغیرہ ....
ایک گروہ گھیر مناف ... میں مناف پوتہ صدیقی ہیں شیخ غلام علی وغیرہ اس میں ہی اور شیخ فیروز علی وغیرہ (یعنی خاندان شیخ فضل حق و شیخ فدا علی و شیدا علی وغیرہ) داڑھی رنگے ہیں ص ۲۵"

صاحب تاریخ اصغری گھیر مناف کے حالات میں اسکے بانی شیخ ابو المناف کی اولاد کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:-

"یہ محلہ صدیقی شیخوں کا ہے" اسکے بعد آخری سطور میں داڑھی رنگے شیوخ میں سے اپنے ہمزمانہ اشخاص کا جو گھیر مذکور میں ساکن تھے ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

"اور اسی محلہ میں شیخ مبارک علی (برادر شیخ اشتیاق احمد و سید احمد وغیرہ) صوفی مشرب تھے، ان کے بھائی شیخ فیروز علی (والد بزرگوار شیخ فضل حق) اور شیخ مشرف علی (یعنی جد امجد

شیخ فدا علی و شیدا علی وغیرہ ساکنان محلہ مذکور میں نودار ہیں'' (ص ۱۹۴)

صاحب نخبۃ التواریخ نے امروہہ کے صدیقی خاندانوں کے ضمن میں اس خاندان کا تذکرہ وبصراحت نسب ان الفاظ میں کیا ہے ''وصل ششم در ذکر صدیقیانکہ اولاد شیخ عبدالحکیم اند'' اور لکھا ہے کہ ان میں شیخ مشرف علی و فیروز علی و مبارک علی گھیر منانت میں، شیخ احمد علی محلہ شیخ چاہن میں، خلیفہ عید علی و حسن علی و معصوم علی و شیخ کفایت اللہ (یعنی پدر بزرگوار منشی قدرت اللہ جناب) و سعادت اللہ محلہ پیرزادگان میں شیخ نادر علی (یعنی پدر امجد شاہ مرحوم) بازار رزاق میں اور بعض اشخاص محلہ کنکوئی وغیرہ میں ساکن ہیں۔ نیز انکے مورث اعلیٰ کا سلسلہ نسب بھی پانچ پشتوں تک اس طرح تحریر کیا ہے: ''شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ بن شیخ متھن بن شیخ الٰہ بخش بن فیض اللہ بن محمد جہاں''۔ صاحب نخبہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''شیخ عبدالحکیم مذکور جو عالم فاضل تھے۔ ابتداءً رستم خاں دکنی کی تعلیم کی غرض سے جو امرائے شاہ جہانی سے تھا مرادآباد میں سکن گزین تھے، اسی زمانہ میں کسی وجہ سے امروہہ میں متوطن ہوگئے''۔ لیکن یہ روایت جیسا کہ بسلسلہ حالات شیخ عبدالحکیم مذکور آپ تذکرہ علما میں پڑھ آئے ہیں صحیح نہیں۔ رستم خاں[2] دکنی کا ابتدائی زمانہ مرادآباد میں

---

[1] صاحب نخبہ نے حاشیہ کتاب پر یہ سلسلہ نسب درج کرتے ہوئے شیخ عبدالحکیم مورث شیوخ داڑھی رنگے اور شیخ نور محمد مورث شیوخ ڈکوری کے جد اعلیٰ کو ذات واحد سمجھنے میں قلت مبالاۃ و عدم تجسس حالات کی بنا پر غلطی کی ہے (ملاحظہ ہو تذکرہ نسب شیوخ ڈکوری)

[2] نواب رستم خاں دکنی قوم چرکس ابتداءً نظام الملک دکنی کی ملازمت میں تھا اور اسی وجہ سے دکنی مشہور ہوا۔ خدمات شائستہ کی بدولت مقرب خاں خطاب پایا۔ سنہ ۱۰۳۹ھ میں مع ایک سو ساتھیوں کے شاہ جہاں بادشاہ کی ملازمت میں داخل ہوا۔ پنجہزاری منصب ملا، ایک لاکھ روپیہ نقد، دو سو خلعت، سو شال اور ستر گھوڑے مرحمت ہوئے۔ سنہ ۱۰۴۰ھ میں سرکار سنبھل کی حکومت و ایالت تفویض ہوئی جس پر آخر وقت تک مامور رہا۔ بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ رستم خاں فیروز جنگ بہادر خطاب عنایت ہوا، آخری منصب شش ہزاری تھا۔ سنہ ۱۰۶۸ھ میں دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان جو معرکہ جنگ بمقام سموگڈھ پیش آیا یہ رستم وقت بھی دارا شکوہ کی جانب سے شریک پیکار تھا، بالآخر پاس وفاداری میں شہادت کا چھلکتا ہوا جام نوش جان کیا۔ یہ امیر نہایت محترم نفر اور مشائخ کا معتقد اور نیک خصلت تھا۔

بسر نہیں ہوا شہر مراد آباد خود انہی کا بسایا ہوا ہے نیز اس شہر کے آباد ہونے سے بہت پیشتر شیخ عبدالحکیم کرا امروہہ میں متوطن تھے۔ ممکن ہے کہ وہ شہر مراد آباد کے آباد ہو جانے کے بعد رستم خاں موصوف کے یا کسی اور رئیس کے یہاں علمی کی خدمت پر مامور ہوں لیکن یہ ضرور ثابت ہے کہ آخر عہد جہانگیری میں وہ امروہہ میں ساکن تھے اور ١٠٣٣ھ میں ایک مختصر مکان حسب ذیل دستاویز کے ذریعہ محلہ مولانا میں خرید کیا تھا جسے بعد میں انکے ورثا نے اپنے میں سے ایک کے بالقریح کیا۔

نقـــــــــــــــــل

دستاویز بیعنامہ (مستعاری) پیر محمد بخش موسومہ شیخ عبدالحکیم

مقصود از یں نوشتہ آنکہ من کہ پیر محمد بخش ام یک کوٹہ کہ از مرزا علاء الدین لاری خریدہ بودیم آں کوٹہ را معہ زمین عرض ستہ ذرع طول [illegible] ذرع و زمین دروازہ عرض [illegible] ذرع بدست میاں شیخ عبدالحکیم فروختیم بمبلغ [illegible] روپیہ ہر کہ بعد ازیں [illegible] دروغی باشد این چند کلمہ بطریق سند نوشتہ دادیم کہ عند الحاجت سند باشد۔

شـــــد ذی نـــــے شـــــد

عدخانہ سید امجد و غیرہ   حد زمین خانہ مرزا علاء الدین   راہ خانہ سید محمد فاضل   حد خانہ مرزا علاء الدین لاری

تحریر فی التاریخ ٢٠ ماہ ذالحجہ ١٠٣٣ھ

شہد بما فیہ
میاں محمد شریف قریشی
کتبہ بالذات

ابو سعید عبدالرزاق
شاہد بالحق

گواہ شد
[illegible] شیخ عبدالغفور
شہد بما فیہ
عبدالصمد کتبہ بالذات

گواہ شد
محمد ابراہیم ولد شیخ محمد ابراہیم
شہد بما فیہ
عبدالرزاق کتبہ خط

گواہ شد
[illegible]

گواہ شد
سید خواجہ ساکن [illegible]

گواہ شد
حمید اللہ موچی
کتبہ بالذات

گواہ شد
عبدالرسول ولد شیخ
محمد [illegible]

گواہ شد
ابو محمد
کتبہ کتبہ

شیخ عبدالحکیم مذکور کے سات فرزند ہوئے یعنی شیخ فیض محمد شیخ محمد یوسف شیخ محمد شیخ محمد عارف شیخ عبدالرحمٰن شیخ برہان اور شیخ محمد شفیع بسنہ ١١٠٩ھ میں یعنی مندرجہ بالا دستاویز سے ٧٦ سال کے بعد اسی مکان کو جو شیخ عبدالحکیم نے سنہ ١٠٣٣ھ میں خرید کیا تہا اور جو بطور ترکہ پدری اُن کی تمام اولاد کو بطور وراثت پہونچا تہا اُسکے ورثا یعنی بیٹوں پوتوں اور ایک بیوہ بہو نے اُن ہی کے ایک پوتے شیخ محمد صالح بن شیخ محمد یوسف بن شیخ عبدالحکیم مذکور کے ہاتھ حسب دستاویز بیعنامہ مندرجہ ذیل فروخت کیا ٭

نقل

دستاویز بیعنامہ اقراری فرزندان شیخ عبدالحکیم

اقرار معتبر شرعی کردند مجزان باتمام و اسباب خود مسمی شیخ فیض محمد و مسمی شیخ محمد یوسف و مسمی شیخ محمد و مسمی شیخ محمد عارف پسران شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ و مسمی سلطان محمد بن عبدالرحمٰن بن شیخ عبدالحکیم مذکور و مسماۃ نور و بنت محمد امین بن شیخ زین الدین زوجہ شیخ برہان الدین بن شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ مذکور و مسمی شیخ بدر بن شیخ محمد شفیع بن شیخ عبدالحکیم مذکور سکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل فی حال یصح اقرارہم شرعاً بر ینوجہ کہ یک منزل حویلی سکنائے مشتمل بعمارت یک کوٹہہ پختہ کہنہ معہ شانزدہ کری و پانزدہ تختہ کہنہ و زمین اندرون حصار موازی یکصد و شصت ویح الٰہی گز و دیگر معہ صحن دروازہ از وجہ خرید از ترکہ شوہر بلا شارکت غیرے حق و ملک و مقبوض و متصرف مالکانہ ما مقرون بود تا زمان این مبایعہ خالیاً عن حق الغیر و عما یمنع جواز البیع ولغا زہ مسمی سید محمد تقی بن سید عبدالرحیم بن سید فتح اللہ و مسمی مرزا غلام حسین بن مرزا فیض محمد بن مرزا محمد امین اخبار یاین معنی نمودند بمحدود و اربعہ بہ و قطعہ۔

قطعــــــه قطعــــــه

اول موازی یکصد و چهل درعه الهی گز در گز داخل اندرون حویلی مذکور — دویم موازی بیست درعه الهی گز در گز زمین دروازه حویلی مذکور

عـرض طـول عـرض طـول

سه درع آلهی — ۸ درع آلهی — للعه درع آلهی — صمه درع آلهی

شـرقی غـربی شـرقی غـربی

آن متصل ست بجد زمین سید محمد بن سید جوهر بن سید محمد دیمی سید عبدالرحیم بن سید فتح الله بن محمد سعید مذکور — آن ملحق است بجد زمین مرزا محمد امین بن مرزا علاء الدین لادی بن مرزا کمال الدین حسین — آن متصل ست بجد زمین سید محمد بن سید جوهر بن سید محمد دیمی سید عبدالرحیم بن سید فتح الله بن سید محمد مذکور — آن ملحق است بجد زمین سید محمد فاضل بن شعیب بن سید الهداد مصر

جنـوبی شمـالی جنـوبی شمـالی

آن ملحق است راه خاص سید محمد فاضل بن سید شعیب بن سید الهداد مصر — آن ملزق است بجد زمین مرزا محمد امین بن مرزا علاء الدین مرزا کمال الدین حسین — آن ملحق است بجد زمین سید محمد فاضل بن سید شعیب بن سید الهداد مصر — آن ملزق است بجد زمین حویلی اندرون مذکور مصر

در نیولا مقرون مذکوروں محدوده مذکوره را با جمیع حدود و حقوق داخلی و خارجی من کل قلیل کثیر و بالیفات و نسبت الیهما مقابله مبلغ چهل روپیه جید تمام وزن رائج الوقت که نصف آن بیست روپیه می شود بدست شیخ محمد صالح بن شیخ محمد یوسف بن شیخ عبدالحکیم مذکور بیع کردند و فروختند و مشتری مذکور خرید و شرع نمود و تقابض البدلین بین المتعاقدین واقع شد و مولا مقرون بالیون مذکوروں مبیعه مسطوره را تفویض و تسلیم بمشتری مذکور نمودند و مبلغ ثمن موصوف مذکوره را هر یکی حصه خود پنجره روپیه پانزده نیم آنه در قبض و تصرف خود آوردند و ضمان درک استحقاق شدند و از دعوی فساد بیع و غبن فاحش ابراء عام و تبرا تام نمودند بعد از بیع هر دو المتعاقدان متفرق شدند از مجلس عقد متفرق الابدان لا الاقوال کان ذلک بحضر العدول والثقات تحریر فی التاریخ چهارم شهر ذی الحجه سنه ۳۱ از جلوس و الامطابق سنه ۱۱۰۹ هجریه

شهد عافیه — شهد بما فیه — مافی المتن حق لا شهد فیه

محمد ماه ولد شیخ شاه محمد کتبه باذنه — فقیر شیخ نور عالم ولد شیخ غوث عالم — مرده محبوب عالم ولد شیخ محمد وم عالم

شهد بما فیه — تحتی مصر

علامت العبد ... بنت محمد امین

گواه شد محمد جعفر بن محمد امین

گواه شد سید عبدالعلی بن سید محمد نعیم

شهد بما فیه ... صدر الدین

شهد بما فیه ... غیاث الدین

مندرجہ بالا دستاویز میں شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ کے بیٹوں پوتوں کے جو نام تحریر ہیں ان سے حسب ذیل شجرہ مرتب ہوتا ہے :-

شیخ سعد اللہ

شیخ عبدالحکیم

- محمد یوسف — محمد صالح
- شیخ محمد
- محمد عارف — عنایت اللہ
- عبدالرحمن — سلطان محمد
- شیخ برہان (الدین)
- محمد شفیع — شیخ بدر (عالم)
- فیض محمد

مندرجہ بالا اشخاص میں سے محمد صالح ولد محمد یوسف کی اولاد میں شیخ ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ سرائے کہنہ و امجد شاہ وغیرہ (بازار رزاق) کا خاندان ہے۔ شیخ محمد منقرض النسل ہیں، شیخ عنایت اللہ ولد محمد عارف کی نسل میں منشی قدرت اللہ صاحب و شیخ بدر الحسن وغیرہ بنیرگان خلیفہ حسن علی کا خاندان ہے، سلطان محمد بن عبدالرحمن کی نسل سے بعض شیوخ ساکنان گنگوہ ہیں، شیخ برہان (الدین) کے اولاد پسری نہ تھی، شیخ بدر (عالم) بن شیخ محمد شفیع بن شیخ عبدالحکیم کی اولاد میں شیخ فدا علی و شیدا علی ساکنان محلہ گیر مناف کا خاندان ہے ۔

باوجودیکہ خاندان حضرات "ڈاڑھی رنگے" کا شمار ہمیشہ سے طبقہ شیوخ میں ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے لیکن زمانہ حال میں بعض اشخاص ان میں کے سیادت کے مدعی بنے ہیں، سیادت نسبی کے اظہار میں باوقات مختلف دو شجرے طبع ہوکر شائع ہوئے ہیں جن میں شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ اصل مورث کے بجائے محض مماثلت اسمی کی بنا پر سید عبدالحکیم چشتی "بنیرہ حضرت سید شرف الدین حسن شاہ ولایت" جن کے کوئی اولاد نہ تھی اپنا سلسلہ نسب جا ملایا ہے اور سید ممدوح کے چار فرضی بیٹے عزیز عالم، بدر عالم، حبیب عالم و نور عالم قرار دیکر خاندان شیوخ "ڈاڑھی رنگے"، کو ان کی اولاد میں ظاہر کرنا شروع کیا ہے جو شجرہ ابتدا میں شائع ہوا تھا اس میں منجملہ ان چار اشخاص کے صرف عزیز عالم کو لاولد بتایا گیا تھا اور بدر عالم کی نسل میں خاندان ڈاڑھی رنگے کی اس شاخ کو لکھا تھا جو سرائے کہنہ و شیخ چاہ حق ساکن گنگوہ میں ہیں جب دوسرا شجرہ طبع ہوکر شائع ہوا تو مدعیان سیادت نے اس شاخ کے نام غالباً اس وجہ سے خارج کردیئے اور بدر عالم کو بھی لاولد لکھدیا کہ یہ لوگ ادعائے سیادت نسبی میں کیوں شریک نہیں

نہ ہوئے بلکہ اس کارروائی پر اُن کا مضحکہ اڑانے لگے بقیہ ذو اشخاص میں سے حبیب عالم کی نسل میں منشی قدرت اللہ حباب اور شیخ مظہر حسن وغیرہ ابناءِ حسن علی ساکنان محلہ پیرزادگان کو اور نور عالم کی اولاد میں شیخ فدا علی وغیرہ ساکنان گھیر سادات کو تحریر کیا گیا ہے ۔

ناظرین کتاب کی سہولت کے لیے داڑھی رنگے شیوخ کے مورث شیخ عبدالحکیم کی اولاد کا شجرہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اس میں جو نام مدعیان سیادت نے اپنی جانب سے اضافہ کرکے مطبوعہ شجروں میں درج کیے ہیں وہ بقلم خفی بلا دائرہ کے لکھے جاتے ہیں اور شیخ مذکور کے بیٹوں پوتوں پڑپوتوں کے اصل اور صحیح نام جو قدیم اور مستند دستاویزات سے ثابت ہیں دائرہ کے اندر تحریر کیے جاتے ہیں تاکہ بیک نظر اندازہ ہو سکے کہ ادعائے سیادت نسبی میں کیا کیا کارستانیاں کی گئی ہیں

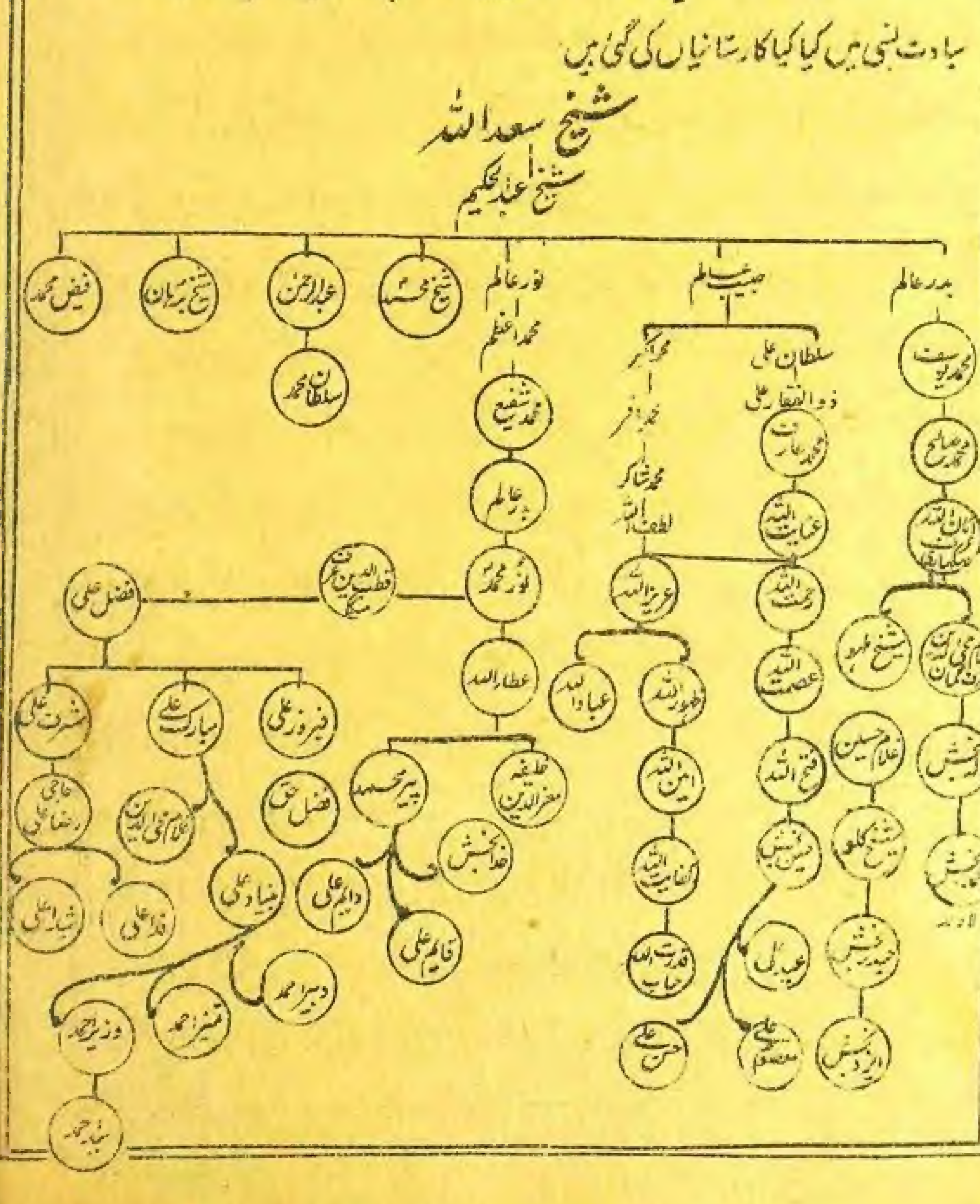

نمبر۱ شیخ عبدالحکیم مذکور کے فرزند محمد یوسف کو مدعیان سیادت نے ان کا پوتا بنا دیا اور بدر عالم ایک فرضی نام بھی انکے باپ کا قرار دیدیا لیکن حسب ذیل مستند دستاویزات کی رو سے محمد یوسف مذکور اور ان کی اولاد کا سلسلہ نسب انکے اصلی باپ شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ سے متصل ہوتا ہے :-

(الف) دستاویز بیعنامہ اقراری "شیخ محمد بخش بن شیخ الہ بخش بن خلیفہ گمان" موسومہ مسماۃ سکینہ بنت شیخ کوڑے مرقومہ نہم صفر ۱۲۷۴ھ. مقر مذکور جنہوں نے اپنا نام و نسب مندرجہ بالا الفاظ میں تحریر کیا ہے، وہی شخص ہیں جن کا ذکر صاحب آئینہ عباسی نے خاندان "داڑھی رنگوں" میں کیا ہے ملاحظہ ہو اقتباس آئینہ عباسی مندرجہ بالا)

(ب) دوسری دستاویز بیعنامہ شیخ محمد بخش مذکور کے باپ کی اقراری ہے وہ اپنا نام و نسب ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں "اقرار معتبر شرعی کردم بر باسم و نسب خود مسمی شیخ الہ بخش بن شیخ خلیفہ گمان بن شیخ امان اللہ عرف شیخ بہکھاری" یہ دستاویز پیر اسرار احمد عرف پیر لہو کے موسومہ اور ۱۰ محرم ۱۳۳۵ھ کی مرقومہ ہے ایک اور دستاویز مرقومہ ۱۲۴۲ھ موسومہ شیخ غلام رسول بن شیخ کھونچا میں اپنا نام و نسب اس طرح تحریر کیا،

"شیخ الہ بخش بن شیخ غلام محی الدین عرف خلیفہ گمان بن شیخ امان اللہ عرف شیخ بہکھاری"

(ج) تیسری دستاویز کرامت علی بن محمد اکرم بن شیخ فرید کی اقراری "شیخ گمان بن شیخ بہکھاری شیخ محمد صالح" کے موسومہ ۱۱۹۶ھ کی مرقومہ ہے خلیفہ گمان مذکور کے دستخط اس زمانہ کی متعدد دستاویزات پر مع ولدیت ثبت ہیں +

(د) چوتھی دستاویز بیعنامہ اقراری وارثان شیخ محمد بن شیخ عبدالحکیم مذکور موسومہ شیخ بہکھاری بن شیخ محمد صالح بن شیخ محمد یوسف ۱۱۰۰ھ کی مرقومہ ہے شیخ بہکھاری مذکور کے دستخط مع ولدیت متعدد دستاویزات پر ثبت ہیں +

(ہ) پانچویں دستاویز بیعنامہ مرقومہ غرۂ شہر رمضان المبارک سنہ جلوس مطابق ۱۱۳۴ھ سید شاد علی بن سید علی اشرف (سادات دانشمندان) کے موسومہ ہے جس میں مقر دستاویز اپنا نام و نسب ان الفاظ میں رکھتے ہیں "اقرار معتبر شرعی کردم بر باسم و نسب خود مسمی شیخ محمد صالح بن شیخ محمد یوسف بن شیخ

عبدالحکیم"۔ مقر نے ان ہی الفاظ میں اپنے دستخط کرکے اپنی مہر بھی ثبت کی ہے شیخ محمد صالح وہ ہی شخص ہیں جنکے ہاتھ انکے چچا زاد بھائیوں اور دیگر وارثان شیخ عبدالحکیم مذکور نے دستاویز مرقومہ ۱۱۰۹ھ کے ذریعہ جس کی نقل اوپر درج ہے اپنا آبائی مکان واقع محلہ مولانا فروخت کیا تھا۔

غرضیکہ مندرجہ بالا دستاویزات کی روسے جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں "شیوخ داڑہی رنگے" کی اس شاخ کا سلسلہ اس طریق پر مورث اعلیٰ سے متصل ہوتا ہے:۔ شیخ محمد بخش بن شیخ الٰہی بخش بن غلام محی الدین عرف گمان بن امان اللہ عرف بھکاری بن محمد صالح بن محمد یوسف بن شیخ عبدالحکیم مذکور۔

یہ نام اسی ترتیب سے پہلے مطبوعہ شجرہ میں درج کرکے "بدر عالم" ایک فرضی شخص کی اولاد میں تحریر کئے گئے تھے بعد کے شجرہ میں اس کو لاولد ظاہر کیا گیا ہے لیکن مستند دستاویزات کی روسے محمد یوسف شیخ عبدالحکیم مذکور کے فرزند ہیں اور بدر عالم مصنوعی اور فرضی نام ہے۔ اس شاخ میں شیخ ایزد بخش بن حمید بخش ساکن محلہ سرائے کہنہ خلف ...

نمبر ۲۔ شیخ عبدالحکیم مذکور کے دوسرے فرضی بیٹے حبیب عالم کی اولاد کے جو نام مطبوعہ شجروں میں مندرجہ بالا طریق پر درج ہیں اُن میں سے ایک شاخ کے اوپر کے تین نام اور دوسرے کے پانچ نام غلط ہیں یعنی خلیفہ حسن علی وغیرہ کی شاخ کے اوپر کے تین نام ذوالفقار علی بن سلطان علی بن حبیب عالم غلط ہیں۔ یہ نام دراصل خاندان نخشبی کے ایک شاخ کے نام ہیں جو سید تراب علی بن حمایت علی پر ختم ہوگئی (ملاحظہ ہو شجرہ خاندان نخشبی) اُنکے بجائے محمد عارف بن شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ ہونا چاہیئے اسی طرح منشی قدرت اللہ حباب کے سلسلہ میں عزیز اللہ بن لطف اللہ بن محمد شاکر بن محمد باقر بن محمد اکبر بن حبیب عالم غلط ہیں انکے بجائے عزیز اللہ بن رحمت اللہ بن عنایت اللہ بن محمد عارف بن شیخ عبدالحکیم مذکور ہونا چاہیئے جیسا کہ حسب ذیل مستند دستاویزات سے، جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں، ثابت و متحقق ہے:۔

(الف) خلیفہ حسن علی و معصوم علی وغیرہ کے دادا اپنے اقراری دستاویز ہبہ نامہ مرقومہ ۱ر محرم ۱۲۰۵ھ و موسومہ شیخ غلام محی الدین عرف خلیفہ گمان بن شیخ بھکاری میں اپنا نام و نسب ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں "اقرار معتبر شرعی کردم مجز باسم و نسب خود شیخ فتح اللہ بن عصمت اللہ بن شیخ رحمت اللہ" اسی دستاویز پر امام الدین بن شیخ عصمت اللہ مذکور کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

(ب) دوسری دستاویز رہنامہ خلیفہ حسن علی وغیرہ کے پردادا اور انکے برادر حقیقی کے موسومہ سے یعنی مقر دستاویز شیخ جہبو بن شیخ ابو محمد بن شیخ نور محمد نے پانزدہم شوال ۵ سنہ جلوس عالمگیر ثانی مطابق ۱۱۶۶ھ کو موازی یک بگیہ زمین متصل تالاب کیٹیہ "شیخ عزیز اللہ و شیخ عصمت اللہ پسران شیخ رحمت اللہ بن شیخ عنایت اللہ" کے پاس رہن کی۔ شیخ عنایت اللہ مذکور نے دستاویز مرقومہ ۱۱۰۹ھ پر اپنا نام ونسب ان الفاظ میں تحریر کیا ہے :۔ "شہد بما فیہ فقیر عنایت اللہ ولد شیخ محمد عارف بن شیخ عبد الحکیم"

(ج) اس خاندان کی دوسری شاخ میں منشی قدرت اللہ جاب ہیں مطبوعہ شجروں میں انکے جد چہارم کا نام ونسب "عزیز اللہ بن لطف اللہ بن محمد شاکر" تحریر ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ عزیز اللہ بن لطف اللہ بن محمد شاکر خاندان پیرزادگان کے بزرگ اور مولوی محمد اکبر نذر ولد پیر صدیق اللہ کے جد چہارم تھے جنہیں کسی غلط فہمی سے منشی قدرت اللہ جاب نے اپنا جد چہارم سمجھ لیا ہے حالانکہ انکے اصلی جد خاندان شیوخ "داڑہی رنگے" کے شیخ عزیز اللہ ہیں جو شیخ عصمت اللہ بن شیخ رحمت اللہ بن شیخ عنایت اللہ مذکور کے برادر حقیقی ہیں عزیز اللہ و عصمت اللہ یہ دونوں بھائی مسماۃ کافو بنت شیخ محمد بن شیخ عبد الحکیم مذکور کے نواسے تھے شیخ محمد مذکور کا ترکہ ان دونوں بھائیوں کو بھی ملا جسے انہوں نے حسب دستاویز مرقومہ ۱۴ جمادی الاول ۱۱۸۰ھ مع دیگر وارثان شیخ محمد مذکور شیخ بھکھاری بن شیخ محمد صالح کے ہاتھ فروخت کیا۔ مقران دستاویز مذکور میں ان کا نام ونسب اس طرح تحریر ہے "سمیان عزیز اللہ و عصمت اللہ پسران شیخ رحمت اللہ بن شیخ عنایت اللہ" دستاویز اقراری شیخ فتح اللہ مرقومہ ۱۲۰۸ھ مذکورہ بالا میں ساہجہ زمین بابت حصہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ رحمت اللہ مذکور کا بھی حوالہ ہے۔ الغرض یہ شیخ عزیز اللہ منشی قدرت اللہ جاب کے جد ہیں نہ کہ وہ عزیز اللہ جو خاندان پیرزادگان کے ایک بزرگ ہیں جنکی بیسویں دستاویزات اور تحریرات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔

(د) منشی قدرت اللہ جاب صاحب نخبۃ التواریخ کی تالیف واشاعت کے زمانہ یعنی سنہ ۱۹۰۸ء تک بلکہ اسکے بہت بعد تک اپنے کو نسباً شیخ صدیقی سمجھتے رہے انکے پدر بزرگوار کا نام ونسب دستاویز رہنامہ اقراری شیخ نادعلی بن شیخ امیر علی داڑہی رنگے مرقومہ دہم ربیع الاول ۱۲۳۷ھ میں بحیثیت مقر دستاویز کی حیثیت

اس طرح درج ہے "شیخ کفایت اللہ بن امین اللہ" اور انہی الفاظ میں انکے دستخط اس دستاویز پر نیز بعض دیگر دستاویزات پر ثبت ہیں۔ اسی طرح ان کے دادا شیخ امین اللہ کے دستخط اور مہریں بھی لفظ شیخ کے ساتھ متعدد دستاویزات پر ملتی ہیں۔ چنانچہ جناب صاحب کا سلسلہ نسب شیخ عزیز اللہ بن شیخ رحمت اللہ بن شیخ عنایت اللہ بن شیخ محمد عارف بن شیخ عبدالحکیم سے متصل ہوتا ہے۔ مدعیان سیادت نے ان کے علاوہ جو نام مطبوعہ شجروں میں اضافہ کیے ہیں وہ فرضی اور مصنوعی ہیں :-

نمبر ۳۔ شیخ عبدالحکیم مذکور کے تیسرے فرضی بیٹے نور عالم اور انکے مصنوعی بیٹے محمد اعظم قرار دیکر داڑھی رنگے شیوخ کی اس شاخ کو جو گھیر مناف میں ساکن ہے اور جو شیخ محمد شفیع بن شیخ عبدالحکیم مذکور کی نسل سے ہے' ان کی اولاد میں ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ساکنان گھیر مناف کا سلسلہ نسب اس طریق پر شیخ عبدالحکیم مورث اعلیٰ تک متصل ہوتا ہے :- شیخ فضل حق ولد شیخ فیروز علی و شیخ فدا علی و شیدا علی وغیرہ پسران حاجی شیخ رضا علی ولد شرف علی و شیخ وزیر احمد و تمیز احمد پسران شیخ بنیاد علی ولد مبارک علی ابنائے شیخ مفضل علی بن غلام قطب الدین عرف شیخ منگا بن شیخ نور محمد و شیخ خدابخش و دایم علی و قایم علی پسران شیخ پیر محمد و خلیفہ معزالدین ابنائے شیخ عطاء اللہ بن شیخ نور محمد مذکور بن شیخ بدر عالم بن محمد شفیع بن شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ۔ اس سلسلہ نسب کے ثبوت میں بعض زمانہ حال کی اور اکثر قدیم و مستند دستاویزات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔ جن میں سے بعض کے چند اقتباسات ذیل میں درج ہیں :-

(الف) دستاویز بیعنامہ اقراری منشی شیدا علی ولد حاجی رضا علی مرقومہ ۲۱ر دسمبر ۱۹۱۰ء موسومہ منشی عبدالحمید ولد محمد اشرف علی عباسی جو تاریخ مذکور پر رجسٹری کے لیئے پیش ہوئی اور بہی نمبر ایک جلد ۲۶ ۴ کے ص ۱۸۴ و ۱۸۵ میں ۲۵۵۹ پر ۲۳ر دسمبر ۱۹۱۰ء کو جس کی رجسٹری ہوئی۔ اس دستاویز کے کاتب منشی شیدا علی مقر مذکور ہیں وہ اپنی قومیت خود اپنے قلم سے ۲۱ر دسمبر ۱۹۱۰ء تک۔ اس طرح ظاہر کرتے ہیں "ہمکہ شیدا علی ولد حاجی رضا علی خود و ولی و سرپرست سماۃ حسین فاطمہ دختر خود نابالغہ **قوم شیخ** ساکنان امروہہ کے ہیں" بایع کا نام و قومیت ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں "محمد عبدالحمید ولد محمد اشرف علی قوم عباسی ساکن امروہہ"۔ پشت دستاویز پر سب رجسٹرار کے قلم سے ان کا نام و ولدیت و قومیت دو عبارتوں میں لفظ

ذیل تحریر ہے "منشی شیدا علی ولد حاجی رضا علی قوم شیخ ساکن امروہہ"۔ دوسری دستاویز اقرار نامہ کفالتی اقراری منشی شیدا علی مذکور ہے جو ۲۱ر دسمبر ۱۹۱۷ء کی مرقومہ ہے۔ اس دستاویز کے کاتب بھی وہ خود ہی ہیں اور اس میں بھی وہ اپنے قلم سے اپنی ولدیت اور قومیت ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں "منکہ شیدا علی ولد حاجی رضا علی قوم شیخ پیشہ معافیداری ساکن امروہہ کا ہوں"۔ اس دستاویز کی رجسٹری بھی نمبر ایک جلد ۲۵۴ کے صفحہ ۳۶۲، ۳۶۳ میں ۲۵۵۷ پر ۲۳ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو ہوئی۔ دستاویز مذکورہ کی پشت پر سب رجسٹرار نے ان کا نام و ولدیت و قومیت کا اظہار بالفاظ ذیل کیا ہے "منشی شیدا علی ولد حاجی رضا علی شیخ ساکن امروہہ"۔

(ب) دستاویز استقرار نامہ اقراری شیخ رضا علی وغیرہ مرقومہ ۱۷ر فروری ۱۹۰۹ء میں جو مقر کے برادر زادہ شیخ دبیر احمد بن شیخ مبارک علی نے اسٹامپ قیمتی پچاس روپیہ پر اپنے قلم سے تحریر کی اور جس کی رجسٹری دفتر سب رجسٹرار امروہہ میں ۱۹ر فروری ۱۹۰۹ء کو ہوئی مقران نے اپنے نام و نسب کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:۔ "ہمکہ شیخ رضا علی ولد شیخ مشرف علی و شیخ فدا علی ولد شیخ رضا علی مذکور اقوام شیخ پیشہ معافی ساکنان امروہہ" پشت دستاویز پر بقلم سب رجسٹرار تقریباً ان ہی الفاظ میں مقران کا نام و نسب تحریر ہے "یعنی شیخ رضا علی ولد شیخ مشرف علی قوم شیخ" اس دستاویز میں جس میں تملیک نامہ مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۵ء کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ۲۵ر نومبر ۱۹۰۵ء کو رجسٹری ہوا اس میں بھی مقر مذکور نے اپنا نام و نسب تقریباً انہی الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ شیخ رضا علی مذکور منشی شیدا علی کے والد تھے شیخ فدا علی مذکور ان کے برادر حقیقی ہیں۔[۵]

(ج) دوسری دستاویز شیخ رضا علی مذکور کے والد شیخ مشرف علی کے اقراری ۱۳ر دسمبر ۱۸۷۱ء کی مرقومہ ہے اس میں مقر نے اپنے فرزند کے نام و نسب کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے "منکہ شیخ مشرف علی بن شیخ فضل علی بن شیخ قطب الدین... جو کہ نکاح شیخ رضا علی پسر میرے کا الی آخرہ" ۲۳ر دسمبر ۱۸۷۱ء کو اس دستاویز کی رجسٹری کرتے ہوئے سب رجسٹرار نے پشت دستاویز پر حسب ذیل عبارت تحریر کی "مسمی شیخ مشرف علی ولد شیخ فضل علی ذات شیخ پیشہ معافی ساکن محلہ گھیر مناف من محلات

[۵] ترتیب مسودہ کے بعد بعض دستاویزات ۱۹۲۵ء تک کی دستیاب ہوئیں جن میں قومیت کا اظہار لفظ شیخ سے کیا گیا ہے۔ ۱۲

امروہہ نے تحریر دستاویز سے اقبال کیا اور میاں سید افضل حسین ولد سید تجمل حسین ذات سید پیشہ مختاری ساکن محلہ سٹھی من محلات امروہہ مذکور و محمد نصر اللہ خاں ولد علی محمد خاں ذات پٹھان پیشہ مختاری ساکن محلہ نیازیہ من محلات امروہہ مذکور نے شناخت مقر مذکور کی اور ہم ان گواہوں سے واقف ہیں فقط تحریر ۲۳ دسمبر ۱۸۱۷ء دستخط سب رجسٹرار

دستخط شیخ مشرف علی سید افضل حسین مختار بقلم خود محمد نصر اللہ خاں وکیل

اس دستاویز میں منشی شیدا علی کے دادا شیخ مشرف علی اپنی قومیت شیخ لکھواتے ہیں اور ان کے گواہان شناخت کی جو نسباً سید اور پٹھان تھے قومیت سید اور پٹھان لکھی گئی ہے۔

(د) تیسری دستاویز شیخ مشرف علی مذکور کے برادر زادگان کے اقراری ہے جس میں ان کا نام و نسب ان الفاظ میں تحریر ہے "شیخ بنیاد علی و غلام محی الدین پسران شیخ مبارک علی" دستاویز مذکور ۴ جنوری ۱۸۶۵ء کی مرقومہ ہے۔ اسی تاریخ میں اس کی رجسٹری ہوئی۔ پشت دستاویز پر سب رجسٹرار امروہہ نے مقران کے نام و نسب کے متعلق یہ تحریر کیا ہے "مسمیان شیخ بنیاد علی عمر ۔ برس و غلام محی الدین عمر ۔ برس پسران شیخ مبارک علی اقوام شیخ ساکنان محلہ گھیر مناف"۔

(ہ) چوتھی دستاویز شیخ بنیاد علی مذکور کے فرزند شیخ تمیز احمد کی اقراری ۶ جون ۱۸۹۰ء کی مرقومہ ہے جس میں مقر مذکور اپنا نام و نسب اس طرح ظاہر کرتے ہیں "میں کہ شیخ تمیز احمد ولد شیخ بنیاد علی قوم شیخ" دستاویز کے کاتب مقر مذکور کے برادر حقیقی وبیر احمد ہیں اور گواہان حاشیہ میں شیخ فدا علی و شیدا علی کے والد شیخ رضا علی اور سید احمد و سلطان احمد کے والد شیخ وزیر احمد ساکنان محلہ مذکور کے دستخط ثبت ہیں۔

(و) شیخ مشرف علی و مبارک علی و فیروز علی کے پدر بزرگوار شیخ فضل علی کی اقراری متعدد دستاویزات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں جن میں سے ایک مختصر دستاویز کا یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

اقرار معتبر شرعی کرد مجبر باسم و نسب خود مسمی شیخ فضل علی بن شیخ قطب الدین بن شیخ نور محمد ساکن قصبہ امروہہ من اعمال سرکار سنبل فی حال صحیح اقرار دہ برینوجہ کہ مبلغ بست و شش روپیہ سکہ رائج الوقت نصفہ سیزدہ روپیہ وجہ

قیمت موازی یکصد و ہفتاد و نہ درعہ و ۔ ۔ ۔ ۔ آنچہ اراضی سکنائی بچہار قطعہ مع دیوار پشت و
حصہ دیوار و دروازہ از خشت پختہ تخمیناً ہفدہ ہزار و پانصد خشت پختہ واقعہ اندرون حصار
دور گیر شیخ عبدالمناف حویلی محمد جماں کہ بموجب تمسک علیحدہ بدست شیخ معزالدین بن شیخ
عطاء اللہ بن شیخ نور محمد مذکور بیع کردہ و فروخت نمودہ ام بتمام و کمال از مشتری مذکور
وصول یافتہ در قبض و تصرف خود آوردم بنابراں ایں چند کلمہ بطریق
قبض الوصول نوشتہ دادہ شد کہ سند باشد تحریر بتاریخ ہفدہم شہر
شوال المکرم ۱۲۳۱ھ

شیخ فضل علی مذکور شیخ فدا علی و شیدا علی کے پردادا اور سید احمد وغیرہ سے چار پشت اوپر ہوتے ہیں وہ اپنے دستخط و مہر اور تحریر میں اپنا نسب شیخ ظاہر کرتے ہیں۔

(و) شیخ فضل علی مذکور کے والد شیخ غلام قطب الدین کا عرف شیخ منگا تھا اور وہ اپنے عرف ہی سے زیادہ مشہور رہتے۔ حاجی خورشید علی (مناف پوتہ) کے والد شیخ بھاون نے ایک منزل حویلی انکے ہاتھ بموجب دستاویز مرقومہ یکم محرم ۱۲۲۲ھ میں فروخت کی دستاویز بیعنامہ میں مشتری مذکور کا نام و نسب ان الفاظ میں تحریر ہے "شیخ فضل علی بن شیخ منگا بن شیخ نور محمد" (یہ دستاویز ایسٹ انڈیا کمپنی کے اسٹامپ پر تحریر ہے۔ جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہے)

(ز) ساتویں دستاویز شیخ فضل علی مذکور کے والد شیخ منگا کی اقراری مرقومہ ۲۲ رمضان ۱۱۶۹ھ ہے جس کا یہاں نقل کرنا مناسب نہ ہوگا۔

اقرار معتبر شرعی کرد مجز باسم و نسب خود مسمی شیخ منگا بن شیخ نور محمد بن شیخ بدر
وکیل ثابت الوکالت از قبل مسماۃ مہر و بنت محمد اکبر بن شیخ محمد افضل بن شیخ
معین الدین زوجہ شیخ روشن علی بن شیخ فیض بن شیخ اعظم ساکن قصبہ امروہہ
تابع سرکار سنبھل فی حال بیع اقرارہ بریں وجہ کہ مظفر مبلغ ہفدہ روپیہ و ہشت آنہ
کہ نصفہ مبلغ ہشت روپیہ و دوازدہ آنہ منجملہ قیمت حویلی کہ محمد اکبر مذکور بدست شیخ

محمد سعید بن شیخ عبد الواحد بن شیخ صدر الدین وکیل ثابت الوکالت از قبل مسمی شیخ غلام قلندر بن شیخ غلام حسین بن شیخ محمد افضل بیع کردہ و فروختہ بموجب دہانید محمد اکبر مذکور از نزد مشتری مذکور برائے موکلہ مذکورہ گرفتہ در قبض خود آوردم بنا براں ایں چند کلمہ بر سبیل حجت نویسانیدہ داد کہ ثانی الحال عند الحاجت حجت گردد و کان ذالک تحریر فی التاریخ بست و دویم رمضان المبارک سنہ عالمگیر ثانی مطابق سنہ ۱۱۶۹

[illegible seal] گواہ شد [illegible]

ایک اور دستاویز تقسیم نامہ وارثان شیخ احمد بن شیخ ابو المناف بن شیخ داؤد وغیرہ (خاندان مناف پوتہ) مرقومہ چہارم شہر ذی الحجہ سنہ ۱۱۸۰ میں شیخ منگا مذکور کا نام ونسب بحیثیت وکیل سماۃ مہرن (مہرو) مذکورہ ان الفاظ میں تحریر ہے "مسمی منگا بن شیخ نور محمد بن شیخ بدر عالم"

[illegible seal] گواہ شد [illegible]

یہ وہی شیخ بدر عالم ہیں جنکا نام ونسب دستاویز مرقومہ سنہ ۱۱۰۸ میں جو اوپر نقل کی جاچکی ہے اس طرح تحریر ہے "شیخ بدر بن شیخ محمد شفیع بن شیخ عبد الحکیم (بن شیخ سعد اللہ)

شیخ غلام قطب الدین عرف شیخ منگا شیخ فدا علی وشیدا علی سے چار پشت اور سید احمد وغیرہ کے پانچ پشت اوپر ہوتے ہیں اور ان کا سلسلہ نسب شیخ عبد الحکیم بن شیخ سعد اللہ مورث خاندان شیوخ داڑھی رنگے سے متصل ہوتا ہے۔

(۳) شیخ غلام قطب الدین عرف شیخ منگا مذکور کے برادر حقیقی شیخ عطاء اللہ تھے۔ انکے پوتے شیخ خدا بخش نے اپنے اقراری دستاویز بیعنامہ مرقومہ ۱۹ ربیع الثانی سنہ ۱۲۵۰ میں جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے اسٹامپ پر تحریر اور خاکسار مولف کے پاس موجود ہے، اپنا نام ونسب ان الفاظ میں تحریر کیا ہے "اقرار معتبر شرعی کردم مجز باسم ونسب خود شیخ خدا بخش بن شیخ پیر محمد بن شیخ عطاء اللہ وکیل ثابت الوکالت از قبل سماۃ حرمت النساء بنت شیخ نواز محمد بن شیخ فیض محمد زوجہ خلیفہ معز الدین بن شیخ عطاء اللہ بن شیخ نور محمد دستاویز مذکور ایک مکان کا بیعنامہ ہے جو سماۃ مذکورہ کو ترکہ شوہر سے بشراکت پسران شیخ پیر محمد بن شیخ عطاء اللہ مذکور ملا تھا اس دستاویز کے مخبرین میں "شیخ مبارک علی بن شیخ مفضل علی بن شیخ قطب الدین" ہیں جن کی مہر بھی بلفظ "شیخ مبارک علی" ثبت ہے۔ گواہان حاشیہ میں شیخ دائم علی قائم علی پسران شیخ پیر محمد مذکور و شیخ امین اللہ و شیخ

امام علی وغیرہ کے دستخط ثبت ہیں۔

(ط) شیخ عطاء اللہ موصوف ذی علم اور خوشخط تھے۔ اُنکے قلم کی تحریرات، مُہر اور دستخط متعدد کاغذات پر ملتے ہیں ان میں سے ۱۱۴۶ھ کے بعض کاغذات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں وہ اپنے دستخط ہمیشہ خطِ نسخ میں اس طرح کرتے ہیں:۔ شہد بما فیہ عطاء اللہ بن نور محمد ——— دستاویز اقراری مسمی دولا بن شیخ محمد بن محمد قطب ساکن گھیر سناف مرقومہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۱۵۳ھ پر اُن کی مہر بھی ان الفاظ میں ثبت ہے "عطاء اللہ بن نور محمد صدیقی" طرز کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ دستاویز مذکورہ کے کاتب بھی وہی تھے۔ کیونکہ مضمون دستاویز کے اختتام پر جو عبارت دو سطروں میں تحریر کرکے اپنی مہر اسکے تحت ثبت کی ہے اُس کا طرز تحریر دستاویز سے ملتا ہے۔ مہر کی شکل یہ ہے:۔

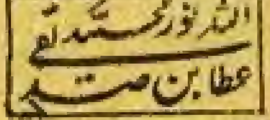

(ی) مختصر یہ کہ مستند اور اصل دستاویزات کے مندرجہ بالا اقتباسات سے شیخ نور محمد بن شیخ بدر عالم بن شیخ محمد شفیع بن شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ کے دونوں بیٹوں یعنی غلام قطب الدین عرف شیخ منگا اور عطاء اللہ کی اولاد کا سلسلہ نسب موجودہ نسل سے لیکر خاندان شیوخ "اُرہی رنگ" کے مورث اعلیٰ تک منتہی ہوتا ہے، یہ سلسلہ نسب غیر منقطوع و مسلسل متصل ہے اس لیے یہی صحیح ہے، مدعیان سیادت نے محمد شفیع مذکور کے اصل آبا شیخ عبدالحکیم کے بجائے ایک فرضی باپ "محمد اعظم" اور انکے اصلی دادا شیخ سعد اللہ کے بجائے مصنوعی دادا "نور عالم" قائم کرکے سید عبدالحکیم نبیرۂ حضرت شاہ ولایت سے جو سلسلہ نسب جا ملایا ہے وہ غلط و بے بنیاد و بے اصل ہے۔

سلسلہ بحث میں اب صرف یہ امر تصفیہ طلب باقی رہجاتا ہے کہ "دارہی رنگ" شیوخ میں سے بعض اشخاص نے کس بنیاد پر سید عبدالحکیم موصوف سے اپنا سلسلہ ملانے کی کوشش کی؟ آیا اس کی کوئی معقول وجہ ہوسکتی ہے یا سید موصوف کے چار مصنوعی بیٹوں میں سے کسی ایک فرزند کا بھی وجود ثابت کیا جاسکتا ہے؟ یا صرف یہی بتایا جاسکتا ہے کہ سید موصوف کے عقب باقی رہا اور نسل چلی۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ مدعیان سیادت نے مطبوعہ شجرہ وں میں اپنا سلسلہ نسب آدم تک آب و تاب کے ساتھ شائع کیا ہے اس میں انکے مفروضہ مورث سید عبدالحکیم کا جو سلسلہ حضرت شاہ ولایت تک درج کیا گیا ہے آیا وہ بھی صحیح اور قرین قیاس ہے یا محض بے اصل اور لغو ہے؟

سید عبدالحکیم موصوف کے معقب اور غیر معقب ہونے کے مسئلہ پر غور کرتے وقت ہمیں سب سے پہلے حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندانی شجروں میں تلاش کرنا چاہیئے جو جداگانہ حیثیت سے بھی شائع ہوئے ہیں اور امروہہ کی بعض کتب تاریخ میں بھی درج ہیں لیکن کسی شجرہ میں نہ سید عبدالحکیم موصوف کا نام درج ہے اور نہ کسی تاریخ میں ان کی اولاد کا کوئی ذکر ہے۔ خاندانی شجروں میں ان جیسی بزرگ ہستی کا نام ترک ہو جانا محض اسی بنا پر قابل قیاس ہو سکتا ہے کہ ان سے کوئی نسل نہ چلی اور وہ لاولد رہے اور ان کا نام بھی اسی طرح ترک ہو گیا جیسے کہ سادات و شیوخ کے اکثر خاندانوں میں عموماً اور حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندانی شجروں میں خصوصاً ان صدہا اشخاص کے نام جن سے عقب باقی نہ رہا متروک ہیں۔ شجروں کے علاوہ سید موصوف کے حالات میں کہیں اشارتاً و کنایتاً بھی آپ کی اولاد کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ آپکے حالات صاحب اسراریہ و صاحب مقاصد العارفین نے ذرا تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ اقتباس الانوار نے انھی کا مختصر اقتباس درج کر دیا ہے۔ ان کتابوں میں قدیم ترین کتاب جو سید ممدوح کے ہمجد و معصر کی تصنیف ہے اسراریہ ہے۔ اس کتاب کی تکمیل کے تقریباً ڈیڑھ دو برس بعد آپکا وصال ہوا۔ سید کمال مولف اسراریہ کو آپ کی ذات سے ایسا تعلق تھا کہ بعد اتمام کتاب بھی آپ کی وفات اور اسکے بعد کے بعض حالات اس تصریح کے ساتھ درج کیے ہیں کہ یہ حالات بعد اتمام اسراریہ لکھے جاتے ہیں پس صاحب اسراریہ نے بھی جو آپکے حالات سے بخوبی واقف و باخبر اور آپکے ہمزمانہ و معصر تھے نہ آپکے سلسلہ نسب کا کوئی ذکر کیا اور نہ آپکی اولاد کا۔ انہوں نے آپکے آخری وقت کے حالات لکھے ہیں دوستوں اور مریدوں کا بلانا ایک ایک سے ملنا تیمارداروں سے گفتگو سب کچھ بیان کی ہے مگر اولاد کا مطلق ذکر نہیں کیا۔ دوسری کتاب مقاصد العارفین ہے، جو سید موصوف کی وفات سے تقریباً ۸۰ برس بعد تالیف ہوئی۔ اس کتاب میں نسب کے متعلق تو صرف اتنا بیان کیا گیا ہے کہ آپ حضرت شاہ ولایتؒ کے بڑے بیٹے سید امیر علی کی نسل سے تھے لیکن سلسلہ نسب کن وسائط سے منتہی ہوتا ہے اس کا مطلق ذکر نہیں کیا گیا۔ باوجودیکہ ابتدائے شباب میں آپ کی شادی ہوئے زوجہ کی وفات پر بوجہ انس و عشق وارفتگی کی حالت پیدا ہو جانے اس کی قبر پر دھونی رما کر بیٹھنے کا حال سب کچھ لکھا ہے لیکن اولاد کا یا محبوبہ کی محبوب یادگار کا اشارتاً و کنایتاً بھی مطلق ذکر نہیں کیا

بلکہ ہر دو مولفین نے ان کے ترک و تجرید اور امور دنیاوی سے انقطاع کلی کا تذکرہ اس پیرایہ میں اور اس طرز عبارت میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحبان ان کو غیر معقب جانتے تھے اور ان کے بے اولاد ہونے کا واقعہ ایسا مشہور واقعہ تھا کہ ان کے حالات میں اس کی تصریح ضروری نہیں سمجھی گئی خاندانی روایتوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ امروہہ کے جن مورخین نے آپ کا تذکرہ کیا ہے آپ کی اولاد کا اشارتاً و کنایتاً بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ مولف واسطیہ نے تو صاف طور پر آپ کو غیر معقب بتایا ہے صاحب خلاصۃ الانساب نے حالانکہ بعض ایسے خاندانوں کی سیادت "مخفی" کو بقول خود ظاہر کیا ہے جنکو بوجہ شیخیت ذاتی اور مذہب اہل سنت و جماعت کے متبع ہونے کے نیز شیوخ قریشی وغیرہ سے قرابت و مصاہرت کی بنا پر بعض لوگ طبقہ سادات میں داخل نہیں سمجھتے لیکن اس نے بھی سید عبدالحکیم کی اولاد کا جو اسکے نزدیک "چوکھے سید" تھے مطلق ذکر نہیں کیا غرضیکہ سید عبدالحکیم کا لاولد و غیر معقب ہونا جب عام اور پر غیر مشتبہ اور قابل یقین ہو تو "داڑھی رنگے شیوخ" میں سے بعض کا ادعاً سیادت نسبی کرنا اور اپنا سلسلہ سید موصوف سے جاملانا سوائے اسکے اور کس بنا پر قابل قیاس ہو سکتا ہے کہ مدعیان سیادت کو محض مماثلت اسمی سے مغالطہ ہوا اور یہ مغالطہ بھی ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۶ء کے بعد ہوا کیونکہ اس تاریخ تک (اور ممکن ہے کہ اسکے کچھ عرصہ بعد تک[1]) وہ اپنی قومیت لفظ شیخ سے ظاہر کرتے تھے اس مغالطہ کی وجہ سے انہوں نے اپنے اصلی مورث شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ کے بجائے "سید عبدالحکیم" کو اپنا جد اعلیٰ سمجھ لیا اور سیادت نسبی کے غلبہ شوق نے ان میں سے بعض کو یہ سوچنے کا بھی موقع نہ دیا کہ جب ہمارا اپنا خاندان عرف عام میں "داڑھی رنگے شیخ" مشہور رہے ہم خود اور ہمارے آبا و اجداد نسلاً بعد نسلٍ اپنی قومیت لفظ شیخ سے ظاہر کرتے رہے ہیں بحالیکہ خاندان میں نہ کبھی شیخیت و طریقت کا چرچا رہا اور نہ پیری مریدی کا کوئی سلسلہ قائم ہوا نہ کبھی ہم پیرزادہ مشہور ہوئے اور نہ ہمارے کسی بزرگ سے کوئی سلسلہ بیعت چلا اور نہ ہمارے یہاں مسند سجادگی رہی تو پھر ہم نسباً سید کیسے ہو سکتے ہیں؟ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ امروہہ کے مورخین نے بھی جب ہمارے خاندان کو زمرۂ شیوخ میں شامل کیا ہے، صاحب آئینہ عباسی نے بھی یہی لکھا کہ یہ لوگ اپنے کو شیخ صدیقی کہتے ہیں، صاحب تاریخ اصغری نے صرف لفظ شیخ لکھنے پر اکتفا کیا۔ صاحب تحفہ نے العتبہ صدیقیان امروہہ کے

[1] جیسا کہ بعض دستاویزات سے ثابت ہے کہ سنہ ۱۹۲۵ء تک قومیت کے اظہار میں لفظ شیخ بالعموم تحریر کرتے تھے ۱۲

سلسلہ میں ہمارے خاندان کا تفصیل سے ذکر کیا ہمارے بزرگ اپنی مہروں میں لفظ صدیقی کندہ کرائے رہے غرضیکہ تین سو برس کی مدت میں جب سے ہمارے مورث اعلیٰ یہاں متوطن ہوئے نسباً ہمکو شیخ ہی سمجھا گیا خود ہم اور ہمارے بزرگ تواتر کے ساتھ اپنے کو نسباً شیخ ہی سمجھتے کہتے اور لکھتے رہے اور بعض لوگ ہمارے خاندان کے اب تک اسی پر قائم ہیں پھر باوجود ان حالات کے ہم اپنے کو نسباً کیوں سید نقوی ظاہر کریں اور کیوں ایسے بزرگ سے سلسلہ نسب جا ملائیں جن کے معقب ہونے کے متعلق کوئی ثبوت نہ ہو اور اگر بفرض محال یہ ثابت بھی ہو جائے کہ سید عبدالحکیم موصوف کے کوئی عقب باقی رہا تو ہم کیسے ان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں جبکہ سید موصوف حضرت شاہ ولایتؒ کے اس قدیم اور مشہور خاندان سے تھے جسکے ایک ایک فرد کا علم خواہ وہ امیر ہو یا غریب سنی ہو یا شیعہ اہل خاندان کو ہمیشہ رہا ہے۔ ان کی آپس میں قرابتیں ہیں کنبہ ہے برادری ہے لیکن اس خاندان سے جب نہ ہماری کوئی قرابت ہوئی نہ ہم ان کی برادری میں داخل ہیں نہ متروکات جد اعلیٰ میں ہماری کوئی شرکت رہی نہ اس خاندان کے کسی قبرستان میں ہمارے خاندان کی کوئی میت کبھی دفن ہوئی اور نہ سید عبدالحکیم کے روضہ کا اہتمام کبھی ہمارے ہاتھ میں رہا نہ روضہ کی متعلقہ اراضی پر ہم کبھی قابض رہے نہ کھیوٹ میں کبھی ہمارے نام کا اندراج ہوا نہ کسی اور طرح کا کوئی تعلق کبھی اس خاندان سے رہا تو ایسی حالت میں یہ لوگ ہمیں اپنے خاندان میں کیوں شامل کرنے لگے ہم جس خاندان اور جس نسب سے اس وقت تک منسوب رہے ہیں اس خاندان اور اس نسب کو ہم کیوں ترک کریں غیروں میں شامل ہونے کی کیوں کوشش کریں کہیں ہماری بھی وہ مثل نہو کہ ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ گر سیادت نسبی کے شیدا کو ان امور پر غور کرنے کا کہاں موقع تھا شجرہ نسب کی ترتیب اور اس کی طباعت ہی کو سیادت نسبی کا ثبوت سمجھ لیا گیا اور شجرہ مطبوعہ حمیدی پریس کانپور کے نوٹ نمبر ۳ میں یہ لکھدیا گیا کہ اس خاندان کے مورث سید عبدالحکیم قدس سرہٗ کا مزار مبارک اندرون احاطہ روضہ شیخ عبدالمجید اپنے پیرومرشد کے ہے۔ ان کا روضہ مبارک رستم خان دکنی حاکم مراد آباد نے دیوان سید محمود کے ذریعہ سے تعمیر کرایا چونکہ رستم خاں آپ سے بیعت تھا" اور سید عبدالحکیم کا سلسلہ نسب بھی حضرت شاہ ولایتؒ تک جن کی اولاد میں وہ یقیناً ہیں اس طرح متصل کر دیا :۔

سید عبدالحکیمؒ بن سید میر علیؒ بن وجیہ الدینؒ بن بدرالدینؒ بن تاج الدینؒ بن میر علی بزرگ (؟) بن شاہ شرف الدین حسن شاہ ولایتؒ لیکن مدعیان سیادت کے یہ دونوں بیانات سراسر غلط ہیں. سید عبدالحکیمؒ کا وصال، ۲؍ ذی الحجہ ۱۰۶۱ھ کو بروز جمعہ ہوا اور رستم خاںؒ دکنی ، رمضان ۱۰۶۸ھ کو جنگ سموگڈھ میں داراشکوہ کے سپہ سالار کی حیثیت سے جان بحق ہوا. شاید مدعیان سیادت مسئلہ تناسخ سے اس کا ثبوت پیش کریں کہ اپنی وفات سے دو سال ماہ بعد رستم خاںؒ نے اپنی قبر سے برآمد ہو کر سید عبدالحکیم کے روضہ کی تعمیر کا اہتمام کیا اور دیوان سید محمودؒ کو جو ان کے مرنے کے بعد اُن کے ماتحت بھی نہ رہے تھے اس کام پر متعین کیا لیکن عام ناظرین اس دروغ بے فروغ کی لغویت کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں سید عبدالحکیمؒ کا جو سلسلہ نسب مرتب شجرہ نے تصنیف کیا ہے وہ اس سے بھی عجیب تر ہے. سید عبدالحکیمؒ اور دیوان سید محمودؒ یقیناً ہمعصر ہیں اور دونوں بزرگ ایک ہی جد یعنی حضرت شاہ ولایتؒ کی نسل سے ہیں لیکن اس مصنوعی سلسلہ نسب کی روسے ان کا سلسلہ سات واسطوں سے شاہ ولایتؒ تک پہنچایا گیا ہے اور دیوان سید محمودؒ کا سلسلہ بارہ واسطوں سے منتہی ہوتا ہے گویا مدعیان سیادت کے نزدیک دیوان موصوف نے اپنے پرداداکے دادا کا روضہ تعمیر کرایا! سچ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد. علاوہ ازیں وجیہ الدینؒ مذکور کی نسل میں، جیسا کہ خاندان نقوی کے تذکرہ میں بیان ہوچکا ہے، خاندان متولیان ہے. سید مذکور کے پروتے سید مرتضیٰؒ متولی کے سجل ۹۸۰ھ کے کاغذات پر ثبت ہیں. مندرجہ بالا سلسلہ نسب کی روسے سید عبدالحکیمؒ سید مرتضیٰؒ متولی کے چچا ہوتے ہیں لیکن ان دونوں اشخاص کے زمانوں میں تقریباً ڈیڑھ سو سال کا فصل ہے جو محال ہے پس یہ مصنوعی سلسلہ نسب بھی غلط اور بے بنیاد ہے. خلاصہ کلام یہ کہ مدعیان سیادت اور انکے مرتب شجرہ باوجود اس مہارت اور اس شہرت کے جو ایسے شجروں کے بنانے میں انکے متعلق بیان کی جاتی ہے نہ اس خاندان کے مفروضہ مورث کا سلسلہ نسب انکے جداعلیٰ تک متصل کرسکے اور نہ خود مدعیان سیادت اپنا سلسلہ اپنے مفروضہ مورث تک ثابت کرسکے. سید عبدالحکیمؒ کے جو چار بیٹے قایم کرکے اس خاندان کا سلسلہ نسب ان میں سے بعض سے ملایا گیا تھا وہ مندرجۂ بالا تصریحات کی روسے فرضی اور مصنوعی ثابت ہوا۔

مدعیان سیادت کا ادعا بھی زیادہ عرصہ سے نہیں ہے بلکہ زمانہ حال سے ہے۔ صاحب نخبہ (مطبوعہ ۱۲۹۵ھ) نے شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ مورث خاندان داڑھی رنگے کو نسباً صدیقی لکھا ہے اور منشی قدرت اللہ حباب کے والد شیخ کفایت اللہ کا ذکر بھی خاندانی حالات میں ضمناً کیا ہے۔ حباب صاحب کو اپنے خاندان اور نسب کا تذکرہ امروہہ کی دیگر کتب تاریخ کے برخلاف نخبہ میں ذرا تفصیل کیساتھ درج ہونے سے اتنی مسرت ہوئی کہ کتاب مذکورہ اور اسکے مولف کی مدح میں آپنے یہ قطعہ تاریخ لکھکر نخبہ کے حق ۱۲۹۳ پر طبع کرا دیا:-

نقشہ کھنچا ہے نخبہ تاریخ کا عجیب — خجلت ہے جسکے مضمون سے ہر مہ جبین کو
مولانا سید آل حسن نے بکلک صنع — کندہ کیا کتاب نسب کے نگین کو
تھی فکر بہر گوہر تاریخ اے حباب — اس بادشاہ جامع شرع متین کو:-
بیساختہ لکھا قلم نکتہ زانے یوں — آئینہ ہے نسب کا یہ ہم ناظرین کو

گویا سنہ ۱۲۹۵ھ تک تو حباب صاحب کو کتاب نسب کے "آئینہ" میں اپنا نسب صدیقی نظر آتا تھا اور اس "کتاب نسب" میں اپنے نسب کا تذکرہ درج کرکے ان کا "قلم نکتہ زا" جوش تعریف میں بہل کر "بیساختہ" لکھتا تھا کہ "آئینہ ہے نسب کا یہ ہم ناظرین کو" مگر تعجب ہے کہ چودھویں صدی شروع ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی نسب کا یہ "آئینہ" ایسا دھندلا پڑگیا کہ اب اس میں اپنا نسب بھی ان کو صاف نظر نہیں آتا۔ کیا حباب صاحب کی "صدیقیت" بھی کوئی حباب آسا تھی کہ چند ہی سال میں محو ہو گئی کہ "صدیقیت" کو ترک کرکے وہ اب "نقویت" کی دھن میں سرگرداں ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ کائنات کا ہر ذی روح اور خاکدان مجازی کا ہر ذرہ تخیلی اور نفسی تغیر آفرینیوں کا منظر ہر لحظہ چشم بینش کے سامنے پیش کرتا ہے مگر شاید اس کایا پلٹ کی مثالیں چشم فلک نے بھی کم دیکھی ہونگی کہ کوئی شخص کسی جذبہ تفوق سے متاثر ہو کر اپنے آبا واجداد کے اس مشہور نسب کو یکایک ترک کردے جس کا مسلسل اقرار کرتے ہوئے اس کے بزرگوں کو صدیاں گذر چکی ہوں اور خود اسکی بھی نصف سے زائد زندگی اس کا اعادہ کرنے میں گذری ہو باوجود اس حالت کے پھر وہ بیک ساعت تمام قدیم وجدید دستاویزات وتواتر سماعی اور شہرت عام کو نظر انداز کرکے جدید

نسب کا دعوے کرنے کے لیے آمادہ ہوجائے لیکن اس نسبی کایا پلٹ کی وجہ کس سے دریافت کی جائے آیا "مولوی سید محمد یعقوب صاحب خلف مولانا مولوی محمد احسن صاحب محلہ شاہ علی سرائے" سے جنکے متعلق منشی شیدا علی تصدیقی تحریر مندرجہ شجرہ مطبوعہ رحمیدی پریس کانپور، میں ۲۰ مارچ ۱۹۲۶ء کو لکھتے ہیں کہ انہوں نے یہ شجرہ "اپنی تاریخ سادات ہندوستان کے لیے بعد تحقیقات بروئے فرمان شاہی ودستاویز بیعنامہ وغیرہ نہایت محنت وجانفشانی اور صحیح تحقیق سے مرتب فرمایا" یا خود منشی صاحب سے جنھوں نے "مرتب شجرہ کو بالمعاوضہ یا بلا معاوضہ اس "نہایت محنت وجانفشانی" پر آمادہ کیا اور اس "صحیح تحقیق" کے لیے "فرمان شاہی ودستاویزات بیعنامہ وغیرہ" فراہم کیں لیکن سوال یہ ہے کہ منشی صاحب کو وہ دستاویزات کیوں دستیاب نہ ہوسکیں جو اس "صحیح تحقیق" سے چند ہی سال پہلے کی اور خود منشی صاحب کی اقراری اور خود ان ہی کے اپنے قلم کی لکھی ہوئی نیز انکے برادر بزرگ شیخ فدا علی انکے والد ماجد حاجی رضا علی انکے جد امجد شیخ مشرف علی اور اسی طرح انکے دوسرے عزیزوں اور بزرگوں کی تحریر کردہ ہیں اور جنکے حوالہ جات واقتباسات ونقول اوپر درج ہوچکی ہیں۔ اس کا جواب غالباً ہر شخص مندرجہ بالا تصریحات کی روسے اپنے دل میں بآسانی قایم کرسکتا ہے مستند دستاویزات کے لحاظ سے جو شجرہ اس خاندان کا مرتب ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے ؛

(ملاحظہ ہو شجرہ برصفحہ دیگر)

(خاکسار مولف ان تمام دستاویزات کو جن کی نقول یا حوالہ جات سلسلہ بحث میں درج کیے گئے ہیں اشاعت کتاب کے تین ماہ بعد تک ہر شخص کو معائنہ کرانے کا اپنے کو پابند کرتا ہے)

شجرہ اولاد شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ مورث خاندان داڑہی رنگے

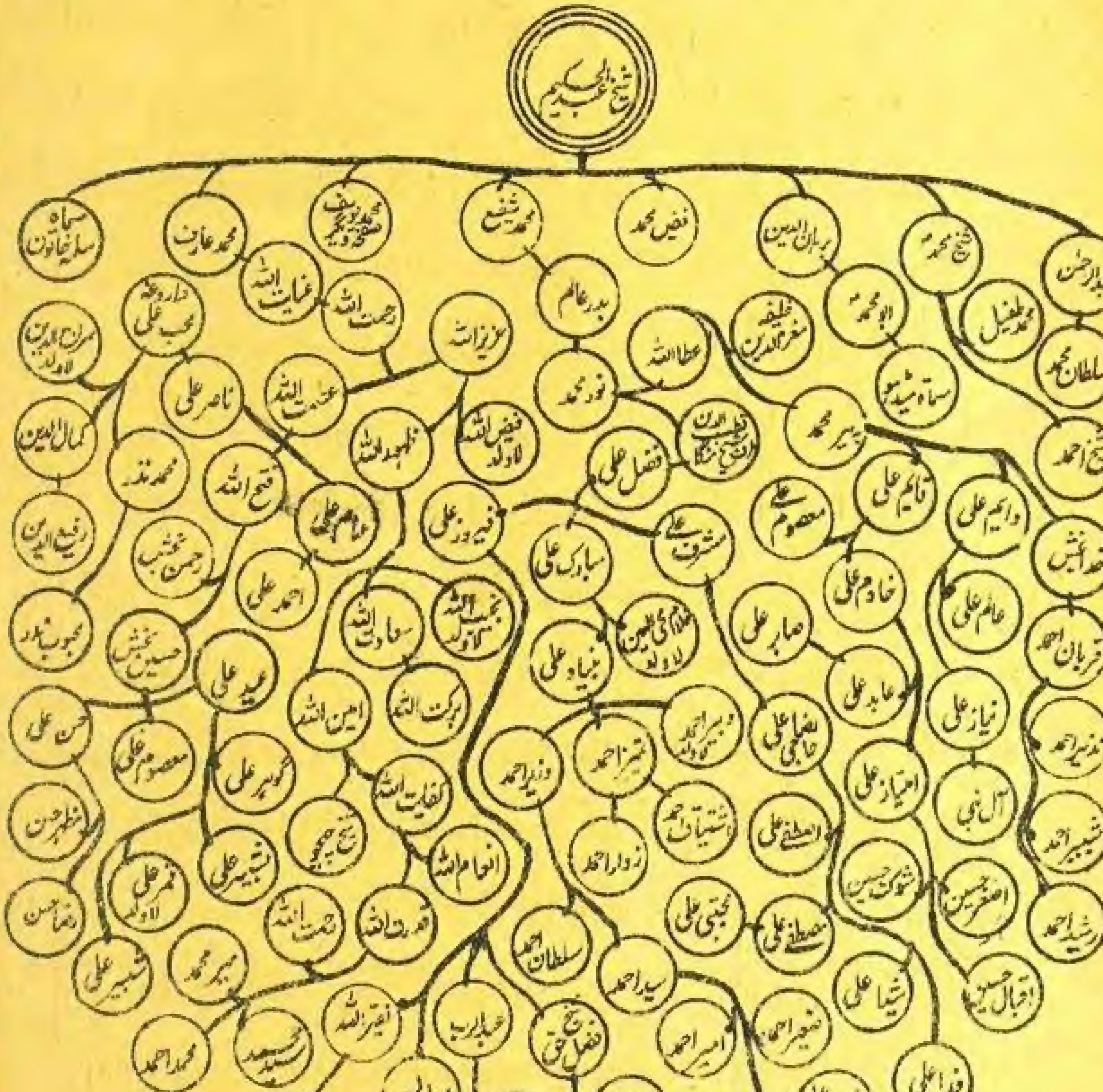

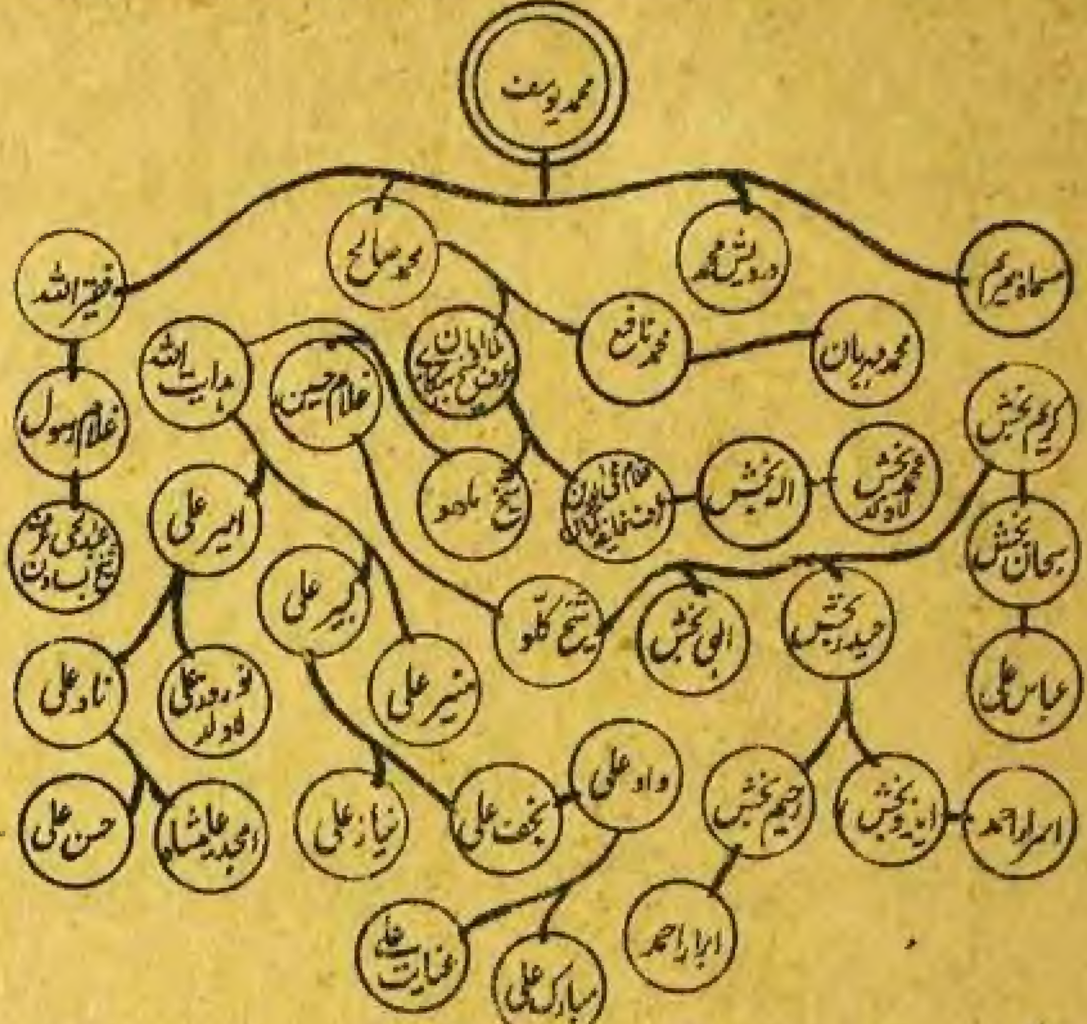

شیوخ ڈبکوری۔ ان کے مورث اعلیٰ شیخ نور محمد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سلطنت میں ڈبکور سے امروہہ آئے اسی نسبت سے اُن کی اولاد ڈبکوری کہلائی نسباً یہ لوگ صدیقی مشہور ہیں۔ "داڑہی رنگے" شیوخ کی طرح اس خاندان کو بھی چونکہ عہد سابق میں کوئی تاریخی اہمیت یا گروہی شان حاصل نہ تھی اس لیئے نہ انکے پاس اپنا کوئی قدیم نسب نامہ ہے اور نہ امروہہ کی کتب تاریخ میں ان کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ نخبۃ التواریخ کے زمانہ تالیف ۱۲۹۶ھ میں البتہ اس خاندان کے ایک شخص نے شجرہ نسب مرتب کیا جس میں جا بجا فاش غلطیاں کی ہیں اسی شجرہ کے بعض ناموں کو صاحب نخبہ نے بھی حاشیہ کتاب پر درج کر کے غلطی پر مزید غلطی یہ کی ہے کہ شیوخ ڈبکوری اور شیوخ داڑہی رنگے کے مورثوں کو ذات واحد قرار دیکر تحریر کر دیا ہے کہ ڈبکوریوں کے مورث شیخ نور محمد کا سلسلہ نسب داڑہی رنگوں کے جد اعلیٰ شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ سے اس طرح پر متصل ہوتا ہے: شیخ نور محمد[1] بن عبداللہ[2] بن شیخ بہادن[3] بن غلام رسول[4] بن فقیر اللہ[5] بن محمد یوسف[6] بن شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ مذکور مگر صاحب نخبہ کا یہ بیان ہرگز صحیح نہیں۔ غلام رسول بن فقیر اللہ کا جو نور محمد مذکور کے پردادا ہوئے ہیں ۱۰۸۶ھ بلکہ اسکے بہت بعد تک، موجود ہونا دستاویزات[1] دیرینہ موثقہ سے ثابت

[1] نزد مؤلف

وتحقق ہے لہذا ان کے پروتے شیخ نور محمد مذکور کا عہد عالمگیری میں امروہہ آکر متوطن ہونا یعنی اپنے پردادا سے تقریباً ایک صدی قبل موجود ہونا محض لغو اور مہمل ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ بالا سلسلہ نسب کی رو سے نور محمد مذکور اپنے مورث شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ سے ساتویں پشت میں اور داڑھی رنگے شیوخ میں سے شیخ فضل علی اپنے اسی مورث اعلیٰ سے چھٹی پشت میں ہوتے ہیں تعداد وسائط کے اعتبار سے تو یہ دونوں اشخاص تقریباً ہمعصر و ہم زمانہ ہیں لیکن شیخ فضل علی کا زمانہ ۱۲۳۱ھ بلکہ اسکے بعد تک کا زمانہ ہے اس لیے شیخ نور محمد مذکور کا عہد عالمگیری یعنی ۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ میں امروہہ آنا اور سوا سو ڈیڑھ سو برس بعد تک موجود ہونا محالات سے ہے۔ نیز شیخ فضل علی مذکور سے موجودہ نسل تک یعنی شیخ فدا علی و شیدا علی وغیرہ تک صرف تین پشتیں ہوتی ہیں لیکن برخلاف اسکے ڈبکوریوں کے شجرہ نسب کے مطابق شیخ ضیاءالرب ولد منشی عبدالرب شکیب تک گیارہ پشتیں شمار میں آتی ہیں لہذا ایک ہی جد کی اولاد کے ہم زمانہ اشخاص کے درمیان سات اور آٹھ پشتوں کا تفاوت عقلاً محال ہے اسکے علاوہ داڑھی رنگوں کے مورث شیخ عبدالحکیم مذکور کے تذکرہ میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ آخر عہد جہانگیری میں یعنی ۱۰۳۳ھ میں وہ امروہہ میں مسکن گزین تھے' انکے حالات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شاہجہاں بادشاہ کا زمانہ پایا مگر صاحب تحفہ کے بیان کے مطابق شیخ نور محمد مذکور شاہجہاں کے بیٹے عالمگیر کے عہد میں امروہہ آئے' پس رشتہ کے اعتبار سے اگر انکو شیخ عبدالحکیم مذکور کا بیٹا بتایا گیا ہوتا تو ایک بات بھی تھی لیکن مندرجہ بالا سلسلہ نسب میں ہر دو اشخاص کے درمیان پانچ پشتیں بیان کی گئی ہیں جن کی رو سے دو صدیوں کا فصل ہوتا ہے جو عقلاً محال ہے اس لیئے بوجوہ مندرجہ بالا صاحب تحفہ کا یہ بیان کہ شیوخ ڈبکوری کے جداعلیٰ شیخ نور محمد کا سلسلہ نسب داڑھی رنگے شیوخ کے مورث شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ سے متصل ہوتا ہے محض بے اصل و بے بنیاد ہے۔

اس خاندان میں جو شجرہ نسب[1] کچھ عرصہ سے رائج ہے تعداد وسائط کے اعتبار سے وہ بھی صحیح نہیں شجرہ مذکور کے مندرجہ ناموں کو پڑھنے کے بعد ہر وہ شخص جو امروہہ کے صدیقی خاندانوں کے نسب سے ادنیٰ واقفیت بھی رکھتا ہے اس نتیجہ پر پہونچے بغیر نہ رہیگا کہ مرتب شجرہ نے خاندان صدیقیان اولاد

[1] اس شجرہ کی ایک مصدقہ نقل خاکسار مولف کے پاس موجود ہے۔

قاضی نظام الدین صدیقی ساکنان محلہ قریشی کے شجرہ نسب کے کل نام اپنے شجرہ میں درج کرکے اس پر مزید اضافہ کر دیئے ہیں جس سے وسائط کی تعداد غیر معمولی طور سے زیادہ ہو گئی ہے یعنی حضرت صدیق اکبرؓ سے موجودہ اشخاص تک ۵۳ اور ۵۴ پشتیں شمار میں آتی ہیں جو ہرگز صحیح نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً منشی عبدالرب شکیب کا سلسلہ نسب ۵۳ واسطوں سے حضرت ممدوح سے متصل کیا گیا ہے حالانکہ خاندان صدیقی ساکنان محلہ قریشی کے ان افراد کا سلسلہ نسب جو شکیب صاحب کے ہمسن اور ہمعصر ہیں مثلاً صوفی نوراللہ عیش کا سلسلہ صرف ۳۶ واسطوں سے متصل ہوتا ہے لہٰذا دو ہمعصر اشخاص کے درمیان جو ایک ہی جد کی اولاد ہوں اور ایک ہی سلسلہ سے اُن کا نسب بھی متصل ہوتا ہو ۱۷ واسطوں کا تفاوت ہونا ناممکنات سے ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے ۳۶ واسطوں کا ہونا قابل قبول ہے لیکن ۵۳ واسطوں کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت ممدوح سے اس وقت تک ۱۸ صدیاں گذر چکی ہیں حالانکہ موجودہ سنہ ہجری ۱۳۵۱ھ ہے۔ غرضیکہ اس لحاظ سے نہ شیخ نور محمد مذکور سے اوپر کا شجرہ نسب درست ہے اور نہ اُنکے بعد کا۔ اُنکے فرزند شیخ محمد فاضل تھے اُنکے سات بیٹے ہوئے ان میں سے کرم اللہ بن محمد فاضل کی اولاد میں شیخ امتیاز احمد ولد شیخ محمد صادق وغیرہ ساکنان محلہ چاہ ملا امان، محمد اعظم کی نسل میں منشی عبدالرب شکیب و منشی محمود حسن ولد شیخ کرامت علی وغیرہ، علی محمد کی نسل منشی محمد حسین ساکن چاہ غوری پر ختم ہو گئی جنکے ایک دختر ہیں جو سید سبط علی جعفری کی اہلیہ ہیں، فیض محمد کی نسل میں مہدی علی چابک سوار و شیخ آل حسن ولد خدا بخش ساکنان محلہ چاہ غوری اور شیخ عنایت کی اولاد میں منشی وزیر علی و ولد شیخ مسیح اللہ سبط علی وغیرہ ابنائے فصیح اللہ ساکنان محلہ بٹوآل ہیں۔ شجرہ نسب میں جو اغلاط ہیں ان پر مزید بحث طوالت کا موجب ہو گی۔ دستاویزات کی رو سے بعض ناموں کی تصحیح کے بعد شیخ نور محمد ڈبکوری کی اولاد کا حسب ذیل شجرہ مرتب ہوتا ہے:۔

(ملاحظہ ہو شجرہ بر صفحہ دیگر)

شجرہ اولاد شیخ نور محمد ڈبکوری

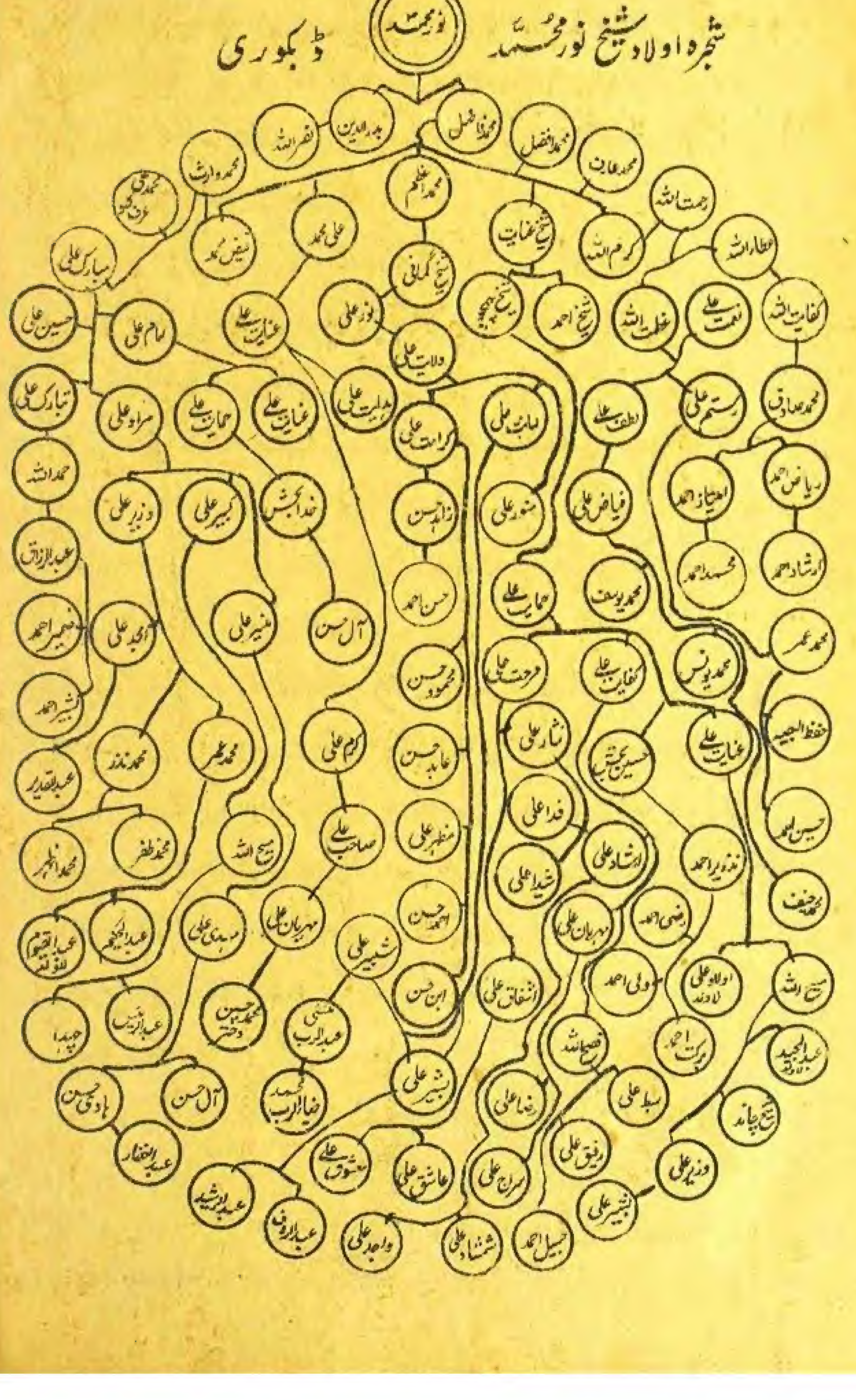

خاندان حفّاظ۔ مورث اس خاندان کے شیخ احمد بن شاہ محمد تھے جن کی اولاد کی سکونت قدیم سے محلہ مولانا وچاہ ملا امان میں رہی ہے نسب کا حال محقق نہ ہوسکا تاہم ان کی اولاد تیرہویں صدی ہجری کے آخر تک بلا کسی استثنار کے اظہار نسب میں اپنے ناموں کیساتھ لفظ شیخ لکھتی رہی ہے حالانکہ اس خاندان میں مشیخت وطریقت کا کوئی سلسلہ کبھی قایم نہیں ہوا۔ صاحب خلاصۃ الانساب نے بھی ان کو زمرہ سادات فاطمی میں شامل نہیں کیا البتہ امروہہ کی کتب تاریخ کی تالیف کے زمانہ سے ان میں سے بعض کو سیادت نسبی کا ادعا ہوا جس کی بنا پر صاحب آئینۂ عباسی نے ان کو نسباً سید تحریر کیا اور صاحب اصغری نے محلہ مولانا کے حالات میں لکھا کہ :-

اُسی محلہ میں حافظ لطف اللہ سکونت رکھتے تھے ان کی اولاد آپ کو سید بیان کرتی ہے واللہ اعلم

صاحب نخبۃ التواریخ نے البتہ انکے نسب کے متعلق یہ تحریر کیا کہ یہ لوگ "سید مخدوم کیسہ باز" کی اولاد میں ہیں جو لودیوں کے زمانہ سلطنت میں مظفر نگر سے امروہہ آئے اور ان کا سلسلہ نسب علی اصغر بن مرتضیٰ بن ہارون بن موسیٰ الکاظم سے متصل کیا اور لکھا کہ مخدوم صاحب مجمع کمالات صوری ومعنوی تھے انکے خوارق وکرامات بہت کچھ بیان کیے جاتے ہیں لیکن امروہہ کے بزرگان طریقت ومشائخ میں مخدوم کیسہ باز کا نہ کسی تذکرہ نویس مورخ نے کوئی ذکر کیا اور نہ کسی ایسے بزرگ کی امروہہ میں جودگی کا آثار وروایات کے لحاظ سے کوئی ثبوت ملتا ہے نہ اس نام کے کسی بزرگ کا مزار امروہہ میں ہے اور نہ خود اس خاندان کے قبرستان جیساکہ معمولاً ہونا ضروری تھا اپنے اس بزرگ کے مزار کے پاس ہیں یا انکے قبرستان میں کوئی مزار ایسے "مجمع کمالات صوری ومعنوی" بزرگ کا بتایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جو سلسلہ نسب بیان کیا جاتا ہے وہ بھی کتب انساب کی رو سے صحیح نہیں۔ ہارون بن موسیٰ الکاظم کے ایک فرزند احمد سے عقب باقی رہا۔ انکے دو بیٹے تھے محمد اور موسیٰ (عمدۃ الطالب) ان ہی سے نسل چلی ہارون کے کسی فرزند کا نام مرتضیٰ اور انکے بیٹے کا نام علی اصغر جیساکہ اس خاندان کے سلسلہ نسب میں ظاہر کیا گیا ہے کتب انساب سے ثابت نہیں قطع نظر اسکے مستند ودیرینہ کاغذات سے جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں یہ ثابت ہے کہ امروہہ کی کتب تاریخ کی تالیف کے زمانہ تک

بلکہ خاندان کی بعض شاخوں میں اسکے بہت بعد تک اس خاندان کے افراد اظہار نسب میں لفظ سید نہیں لکھتے تھے بر خلاف اسکے ہمیشہ لفظ شیخ سے اپنے نسب کا اظہار کرتے تھے حافظ لطف اللہ کی مہریں متعدد کاغذات پر ثبت ہیں ان میں نہ سید کندہ تھا اور نہ شیخ وہ اپنے دستخطوں میں البتہ "شیخ حافظ لطف اللہ" تحریر کرتے تھے۔ مثلاً دستاویز اقراری شیخ امان علی بن شیخ ولایت علی مرقومہ سنہ ۱۲۵۰ھ میں اُنکے دستخط اس طرح تحریر ہیں "شیخ حافظ لطف اللہ" انکے فرزند شیخ وزیر علی و شیخ رحیم بخش بھی اپنا نسب اور اپنی قومیت لفظ شیخ ہی سے ظاہر کرتے تھے مثلاً دستاویز بیعنامہ مرقومہ بتاریخ ہفتم شعبان سنہ ۱۲۷۰ھ میں جو شیخ وزیر علی مذکور کی اقراری ہے وہ اپنا نام و نسب و ولدیت بالفاظ ذیل تحریر کرتے ہیں "اقرار معتبر شرعی کرد مجز باسم و نسب خود شیخ وزیر علی بن شیخ حافظ لطف اللہ" اور اپنے قلم سے اپنے دستخط اس طرح کرتے ہیں "شیخ وزیر علی" اس دستاویز کے مجز انکے برادر حقیقی شیخ رحیم بخش ہیں جنکا نام دستاویز میں یوں لکھا ہے "شیخ رحیم بخش بن حافظ لطف اللہ" وہ بھی اپنے دستخط دستاویز مذکور پر اسکے علاوہ متعدد دستاویزات پر ہمیشہ لفظ شیخ کے ساتھ تحریر کرتے ہیں اور اپنے والد کا نام بھی اکثر لفظ شیخ کے ساتھ لکھتے ہیں سنہ ۱۲۷۲ھ و سنہ ۱۸۵۴ء و سنہ ۱۸۵۹ء کی دستاویزات پر انکے دستخط موجود ہیں۔ ایک اور دستاویز بیعنامہ اقراری شیخ غلام حسن بن شیخ غلام شاہ بن شیخ نور عالم مرقومہ ہفتم ذی الحجہ سنہ ۱۲۳۸ھ موسومہ شیخ وزیر علی مذکور میں ان کا نام و نسب اس طرح تحریر ہے:۔

"شیخ وزیر علی بن شیخ لطف اللہ بن شیخ بیجا" شیخ بیجا مذکور کا نام متعدد دستاویزات سے شیخ الٰہ بخش ظاہر ہوتا ہے وہ اپنے اقراری دستاویزات مرقومہ سنہ ۱۲۱۰ و ۱۲۱۳ھ میں اپنا نام و نسب اس طرح ظاہر کرتے ہیں "شیخ الٰہ بخش عرف بیجا بن شیخ غریب عالم بن شیخ فتح محمد" فتح محمد مذکور کا سلسلہ نسب دستاویزات سے چند پشت تک اس طریق پر ثابت ہوتا ہے شیخ فتح محمد بن ملا لال بن شیخ احمد بن شیخ شاہ محمد۔ اس سے اوپر کا سلسلہ نسب تحقیق نہ ہو سکا۔ شیخ فتح محمد مذکور کے ۲ دو بھائی اور تھے ایک ملا الٰہ بخش جن کی اولاد میں مولانا عبدالعزیز اور حافظ عبداللطیف ولد حافظ علیم اللہ نیز حافظ محمد شفیع بن حافظ کفایت اللہ عرف حافظ چھجو وغیرہ ساکنان محلہ چاہ ملا امان کا خاندان ہے۔ ملا لال مذکور کے بھائی عبدالحمید کی نسل میں خیرات علی کا گھرانا ہے جن میں شیخ فدا علی ولد فیاض علی بن خیرات علی مذکور اور حکیم سردار احمد بن شیخ مظہر علی بن خیرات علی مذکور

ساکنان محلہ مولانا ہیں۔ حافظ لطف اللہ کے چار بیٹے تھے ایک شیخ وزیر علی جن کی اولاد میں حافظ محمد اسمٰعیل و مولوی اعجاز حسین ولد منشی محمد حسین وغیرہ ہیں دوسرے شیخ کریم بخش جن کی نسل میں راحت علی بن باسط علی ولد صوفی سخاوت علی کا گھرانہ ہے تیسرے شیخ دلاور علی جن کی اولاد میں منشی وصی محمد ولد منشی ولی محمد و حافظ مظاہر حسن ولد آل نبی ابنائے شیخ دلاور علی مذکور ہیں۔ چوتھے شیخ رحیم بخش تھے جن کی اولاد میں ابرار احمد ولد انوار الحق ہیں اس خاندان کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

شجرہ نسب اولاد شیخ احمد بن مولانا شاہ محمد محدث خاندان حفاظ

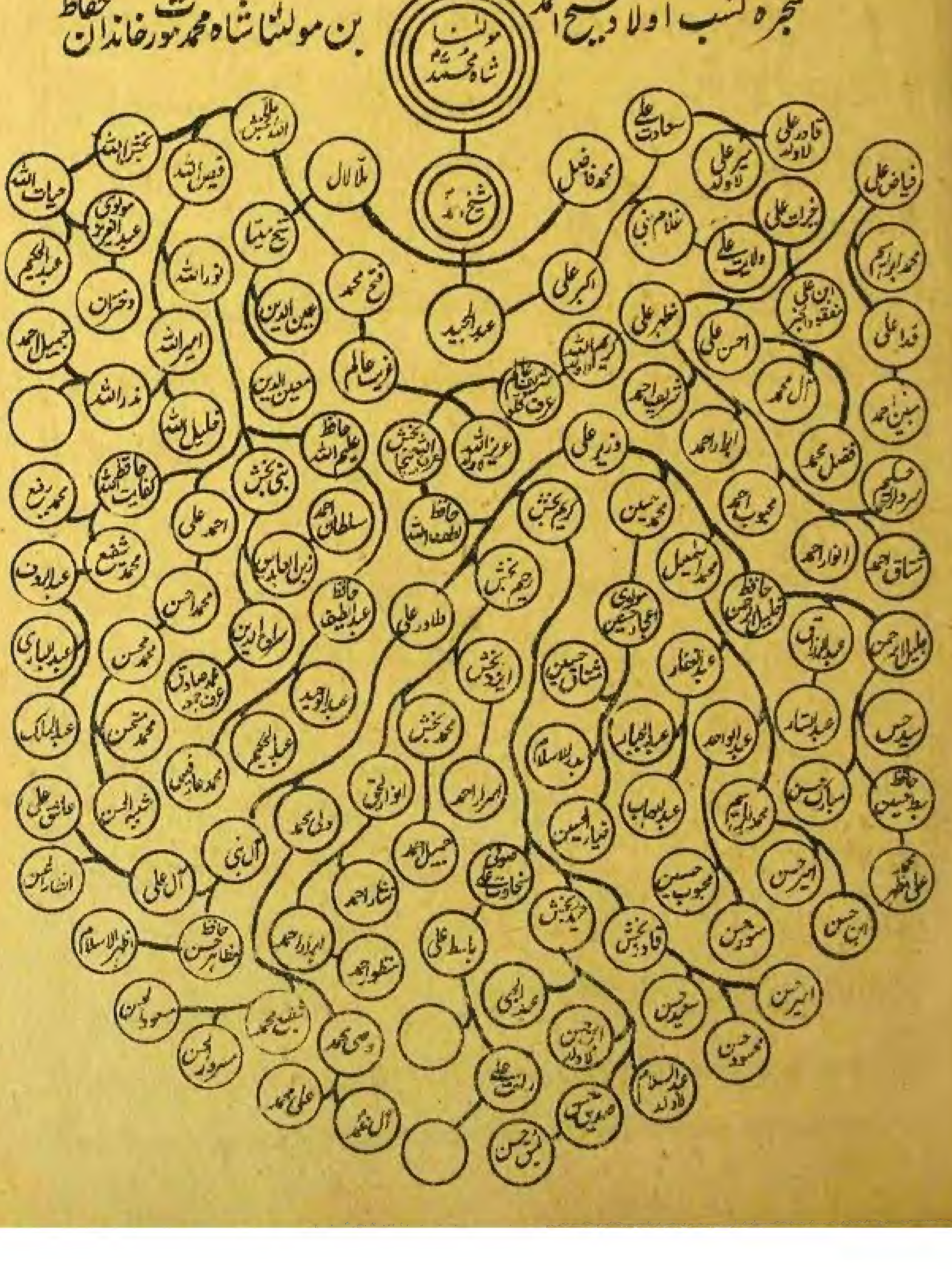

خاندان شیخ محمد شاکر:- اس خاندان کے مورث افغان پور سے امروہہ آئے، یہ لوگ شریف النسب ہیں عرف عام میں "بڑے" مشہور ہیں لیکن یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انکے بزرگوں میں کسی کا لقب "بڑہ" پڑ گیا تھا جس کی بنا پر خاندان والے "بڑے" مشہور ہوگئے ان کی قرابتیں صحیح النسب شرفا اور سادات بالخصوص خاندان متولیان اولاد حضرت شاہ ولایتؒ سے ہوتی ہیں ان میں متعدد اشخاص فوجی خدمات پر مامور رہے اور حسن خدمات میں اسناد اور تمغہ جات حاصل کیے۔ صوبہ دار نبی بخش ان میں نمودار تھے ان کو بھی کئی میڈل ملے. انکے فرزند منشی عبدالغفار اور انکے بیٹے منشی عبدالستار لکھنؤ میں محکمہ جات سرکاری میں ملازم ہیں۔ شیخ شبیر علی جو سید محمد بخش ولد سید عبداللہ (خاندان متولیان سکنہ شفاعت پوتہ) کے نواسہ ہیں بائیس سال تک فرسٹ بنگال لانسرز میں دفعدار اور عارضی رسالدار رہے پنشن کے بعد بھی مدت تک ریاست دیناج پور (بنگال) میں ملازم رہے انکے بھائی عبداللطیف بھی فوج میں حوالدار تھے صلہ خدمات میں تمغہ حاصل کیا۔ منشی قطب الدین ولد شیخ علی بخش شملہ اسکول میں ملازم ہیں. دستاویزات وغیرہ کی رو سے جو شجرہ مرتب ہوا حسب ذیل ہے:۔

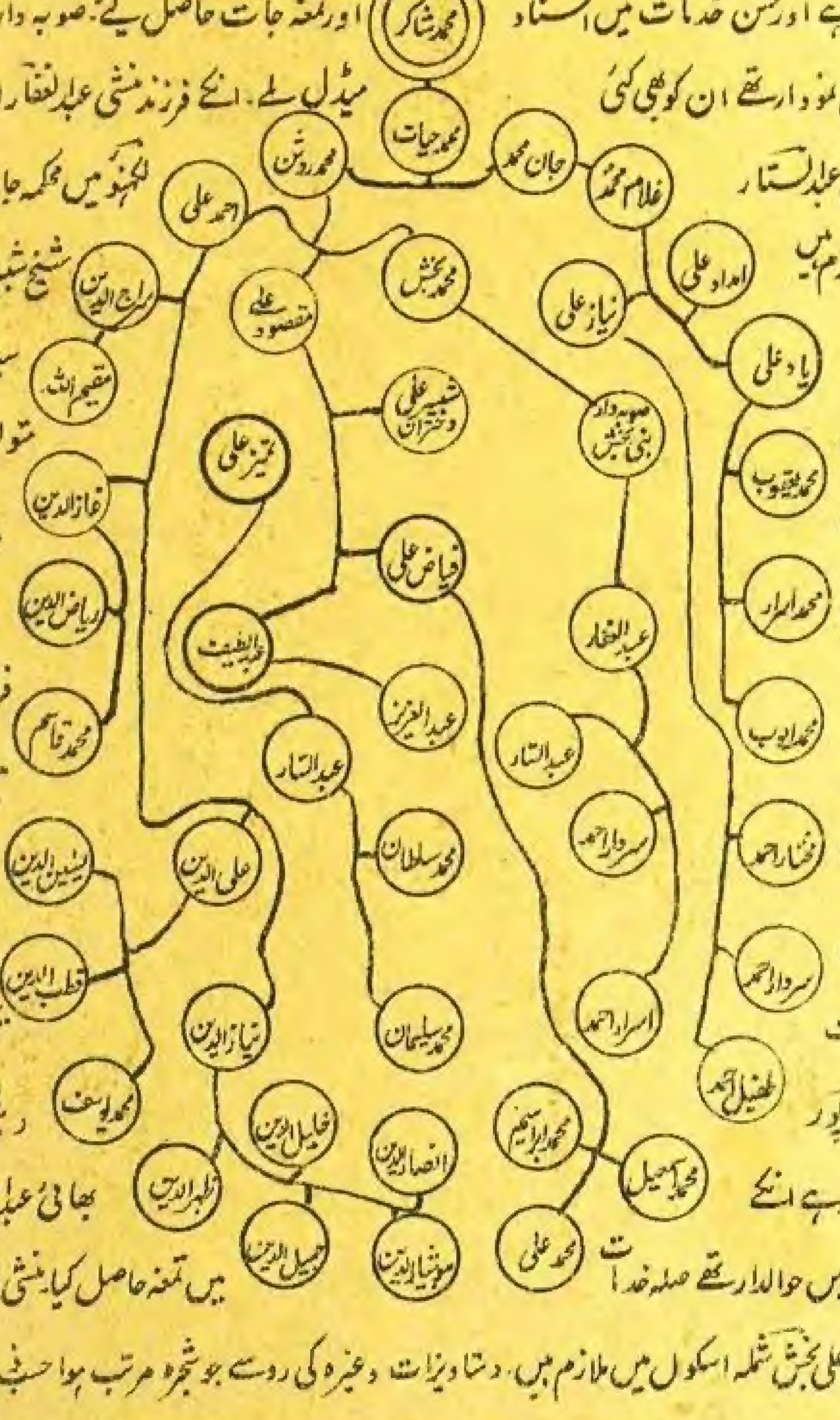

خاندان شیخ شریف محمد - اس خاندان کے کچھ لوگ محلہ کنگوئی وچاہ شور وغیرہ میں ساکن ہیں نسب کا پورا حال تحقیق نہ ہو سکا - یہ لوگ بھی شریف ہیں اور بعض شرفا سے اُن کی قرابتیں بھی ہیں - شجرہ اولاد حسب ذیل ہے -

شجرہ اولاد شیخ محمد رفیع ولد شریف محمد

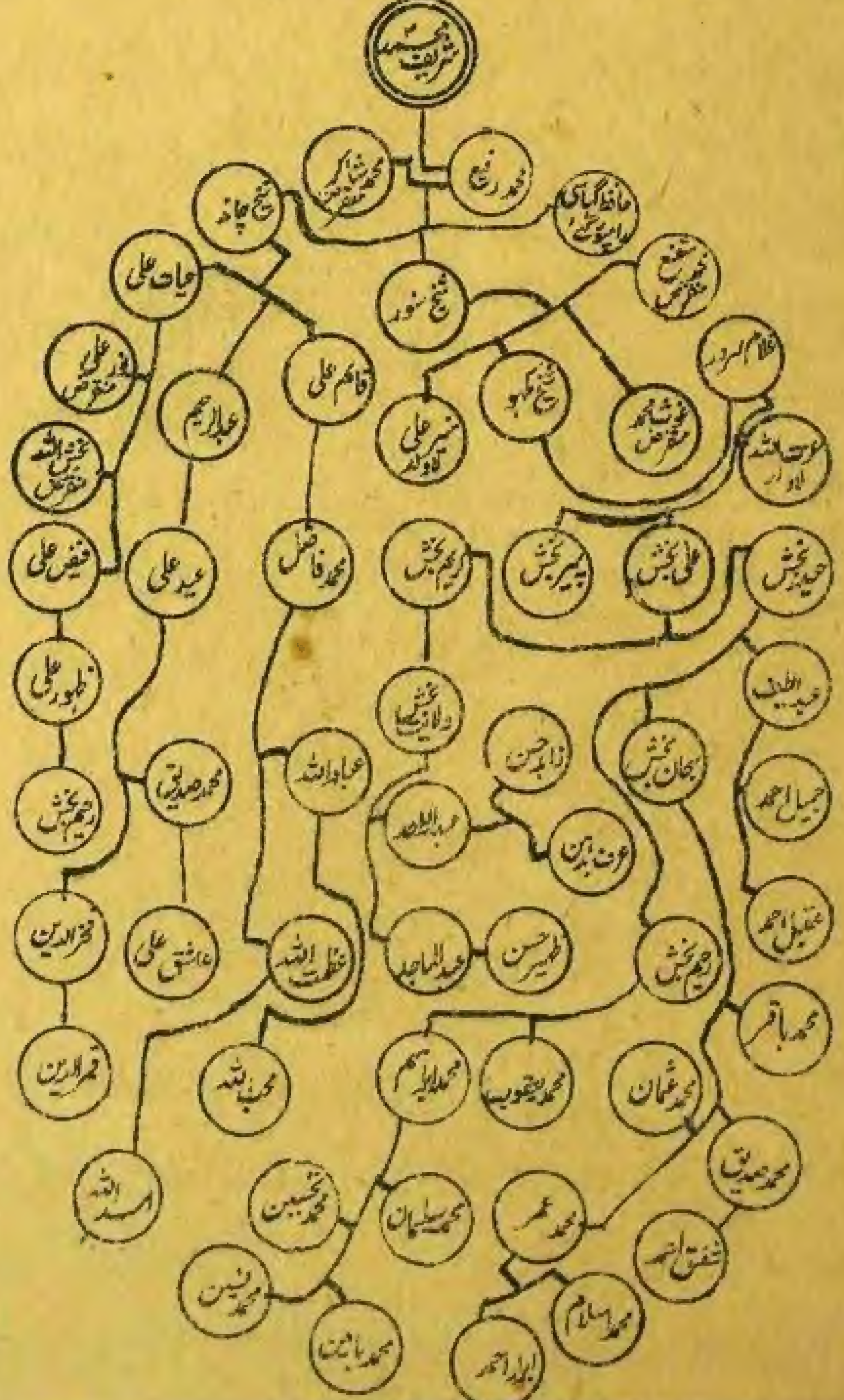

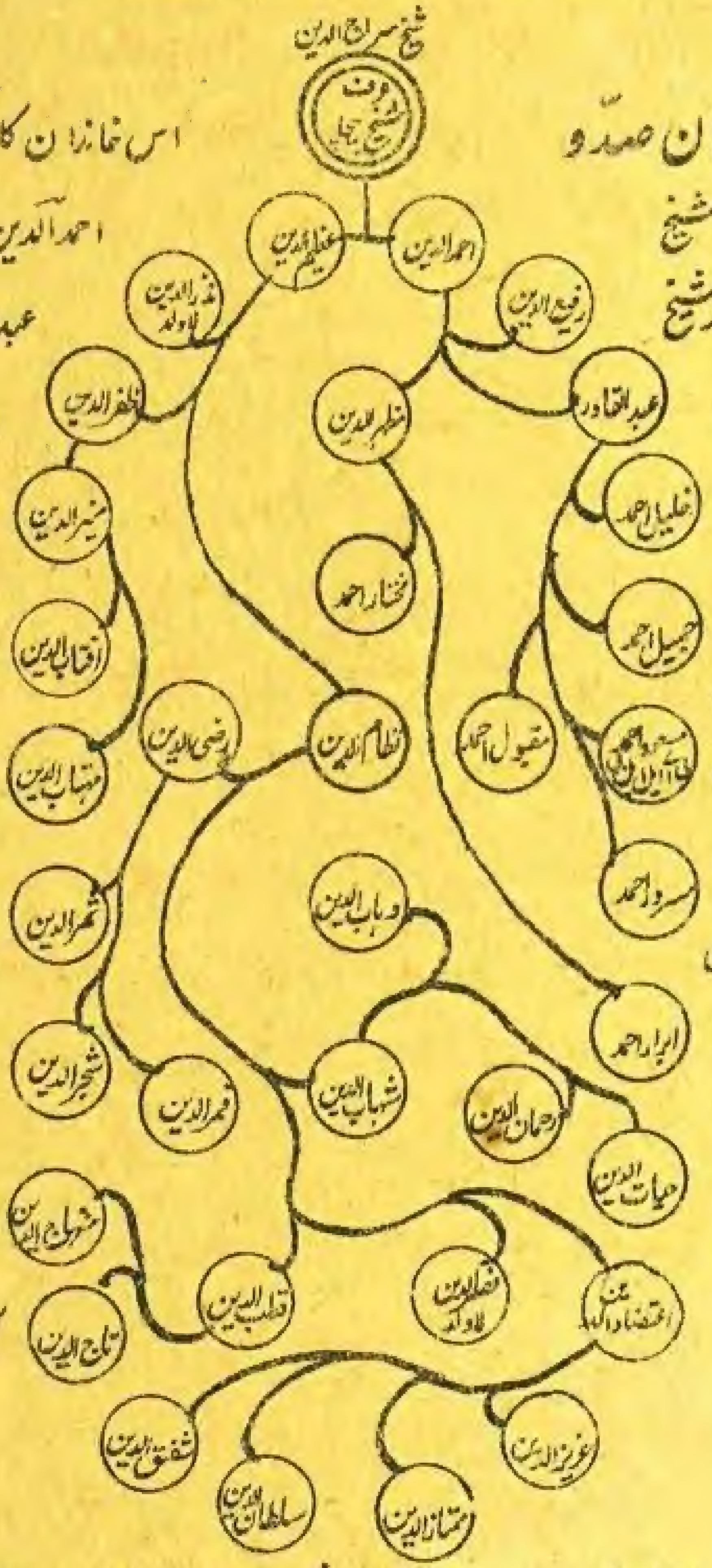

شیوخ ساکنان صدو

اس خاندان کا نسب صحت کے ساتھ تحقیق نہ ہو سکا۔ شیخ احمد الدین ان میں معزز تھے جن کے فرزند شیخ عبد القادر ہیں منشی مسعود احمد بی اے ایل ایل بی وکیل مراد آباد ان ہی کے لائق فرزند ہیں اسی خاندان میں حاجی رضی الدین اور شیخ قطب الدین وغیرہ ہیں۔ صدو کی آمدنی میں اسی خاندان کا معقول حصہ ہے شیخ الٰہی بخش متبنای شیخ غلام حسین جو اپنے زمانہ کے نامور شخص تھے اس گروہ سے علیحدہ تھے انکا بھی معقول حصہ صدو کی آمدنی میں تھا ان سے کوئی عقب نہیں

انکے علاوہ محلہ قریشی میں خاندان شیخ امام بخش جس میں ایزد بخش بن حسین بخش بن امام بخش مذکورہ خیرات علی بن اشرف علی بن قادر بخش بن امام بخش مذکور ہیں نیز خاندان عبد السبحان جس میں برکت اللہ و قدرت اللہ ابنائے صوفی مسیح اللہ ہیں نیز خاندان حکمت اللہ و نیاز اللہ وغیرہ ابنائے حفیظ اللہ بن بخش اللہ نیز ابنائے ولی محمد بن فیض بخش بن امان اللہ بن دلدار علی وغیرہ محلہ صدو

میں خاندان خلیفہ مہربان علی وعنایت اللہ بن کفایت اللہ بن رحمت اللہ بھی شرفا میں سے ہیں۔ محلہ کنکوئی میں شیخ خلیل احمد بن حکیم محمد الطاف بن حکیم نیاز علی بن شیخ قادر بخش بعض باشندگان محلہ بٹوال وچاہ ملاامان شیخ نور الحسن ومحمد اسمٰعیل ومحمد ابراہیم وغیرہم ابنائے ابوالحسن ساکنان محلہ ملاامان ومنشی عبدالرحمن ساکن محلہ چلہ وابنائے شیخ نعیم اللہ وغیرہ باشندگان بازار رزاق وحکیم مسعود عالم ولد حکیم آل نبی وغیرہ محلہ شفاعت پوتہ شیخ سلطان الدین وشیخ حفظ الرب ابنائے شیخ نثار علی ولد شیخ اسد علی ساکنان محلہ سرائے کہنہ وصوفی عبدالرزاق وغیرہ ساکنان محلہ کچہرہ وشیخ سبط نبی وشبیہ نبی وغیرہ ساکنان محلہ چاہ شوران شیوخ میں ہیں جن میں سے بعض کے نسب کی تحقیق نہ ہوسکی اور بعض کے متعلق مختلف روایتیں ہیں لیکن ان کی قرابتیں بھی صحیح النسب شرفا سے ہونے لگی ہیں۔

فاروقی امروہہ میں امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رض کی نسل سے چند خاندان ہیں۔ حضرت ممدوح نسباً قریشی عدوی۔ سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملجاتا ہے بایں طریق: حضرت عمر فاروق اعظم رض بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب عدی کے دوسرے بھائی مرہ بن کعب آنحضرت صلعم کے اجداد میں تھے۔ حضرت فاروق اعظم کی والدہ مظلمہ ہشام بن المغیرہ کی بیٹی ختمہ تھیں۔ مغیرہ قریش میں بڑے رتبہ کے شخص تھے حضرت خالد بن ولید بھی انہی مغیرہ کے پوتے تھے۔ غرضیکہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رض باپ اور ماں دونوں کی طرف سے قبیلہ قریش کے آفتاب تھے۔ ۲۷ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت فاروق اعظم سے پہلے مسلمان بہت کمزور تھے اور اسلام میں کوئی سیاسی قوت نہ تھی اور نہ آپکے بعد باقی رہی آپکا زمانہ خلافت اسلامی سلطنت کا صحیح نمونہ تھا۔ آپکے بعد خاندانی رقابتوں کے جھگڑے شروع ہوئے۔ اولاً امویوں اور ہاشمیوں میں جنگ رہی پھر خود ہاشمیوں میں پھوٹ پڑی عباسیوں اور علویوں کے باہمی جھگڑوں نے فساد کا وہ بیج بویا جس کا اثر آج تک سنی وشیعہ کی ناپاک ہنگامہ آرائیوں کی صورت میں نمایاں چلا جاتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رض نے سات نکاح کیے' تین اسلام لانے کے قبل اور چار حالت اسلام

ہیں۔ پہلا نکاح حضرت عثمان بن مظعون مشہور صحابی کی بہن زینب سے کیا جو مشرف باسلام ہو کر مکہ میں فوت ہوئیں۔ حضرت عبداللہ اور ام المومنین حضرت حفصہ انہی کے بطن سے تھے۔

آخری نکاح ام کلثوم[۵۱] بنت علی بن ابی طالب سے کیا جو حضرت سیدہ النسا فاطمہ زہرا کی بیٹی اور حضرات حسنین کی حقیقی بہن تھیں۔ انکے بطن سے ایک صاحبزادی رقیہ جنکا نکاح ابراہیم بن نعیم سے ہوا اور ایک فرزند زید اکبر پیدا ہوئے تیس برس کی عمر تھی کہ بنی عدی سے لڑائی میں اُن کا سر پھٹ گیا اور چند روز کے بعد ماں اور بیٹے دونوں نے ایک ہی دن وفات پائی۔ طبری نے حضرت عمرؓ کے ۹ لڑکے اور ۴ لڑکیاں لکھی ہیں دوسری کتب میں ۱۰ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں بتائی گئی ہیں جنکے نام یہ ہیں:۔ عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن اکبر، عبدالرحمٰن اوسط[۵۲]، عبدالرحمٰن اصغر عرف مجیر، زید اکبر، زید اصغر، عیاض، عاصم۔ صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں:۔ حضرت حفصہ، رقیہ، فاطمہ، زینب۔ مندرجہ بالا فرزندوں میں عبداللہ، عبیداللہ اور عاصم کی اولاد باقی رہی اور خداوند کریم نے ان کی نسل میں بڑے بڑے عالم، محدث[۵۳] اولیا، اتقیا، حامل آثار اور صاحب جاہ پیدا کیے آپکے جن صاحبزادوں سے نسل باقی رہی ان کا شجرہ اولاد قدیم کتب انساب رجال طبقات ابن سعد وغیرہ کے مطابق حسب ذیل ہے:۔

---

[۵۱] حضرت فاروق اعظم کی دو بیویاں ام کلثوم نام تھیں۔ ایک ام کلثوم جمیلہ بنت عاصم بن ثابت بن ابی فلح انصاری عاصم بن عمر انہی کے بطن سے تھے۔ دوسری ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب جو حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول مقبول صلعم کی صاحبزادی کے بطن سے تھیں۔ حضرات شیعہ نے انکے حضرت فاروقؓ کے حبالہ عقد میں آنے کے واقعہ کو چھپانے کی کوشش کی ہے لیکن تمام معتبر اور قدیم کتب انساب رجال میں یہ واقعہ بالتصریح مذکور ہے اور خود معتمد اکابر شیعہ حتیٰ کہ ائمہ اہلبیت نے اس کی تصدیق کی ہے۔ دیکھو ملاحظہ ہو شیعوں کی کتاب کافی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۔

[۵۲] اس کی کنیت ابو شحمہ تھی یہ بیٹا ایک لونڈی کے بطن سے تھا۔ مصر میں عمرو بن العاص کی گورنری کے زمانہ میں شراب پی تھی حضرت عمرؓ نے سزا کے طور میں کوڑے لگوائے تھے اور وہ مر گیا ۱۲

[۵۳] حضرت شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم محدث دہلویؒ کا خاندان جو ہندوستان کے اکابر علما اور مایہ ناز محدث تھے اور جنکے سرچشمہ فیوض و برکات سے ہندوستان میں ہزارہا تشنگان علم سیراب ہوئے اور آج تک صدہا علما و محدثین آپکے خاندانی علم و اثمار کے دامن فیض سے تربیت یافتہ ہندوستان و عرب اور عراق میں موجود ہیں حضرت فاروق اعظم کی ذریۂ طاہرہ سے اور عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن عمر الفاروق کی نسل سے ہے ۱۲

امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ

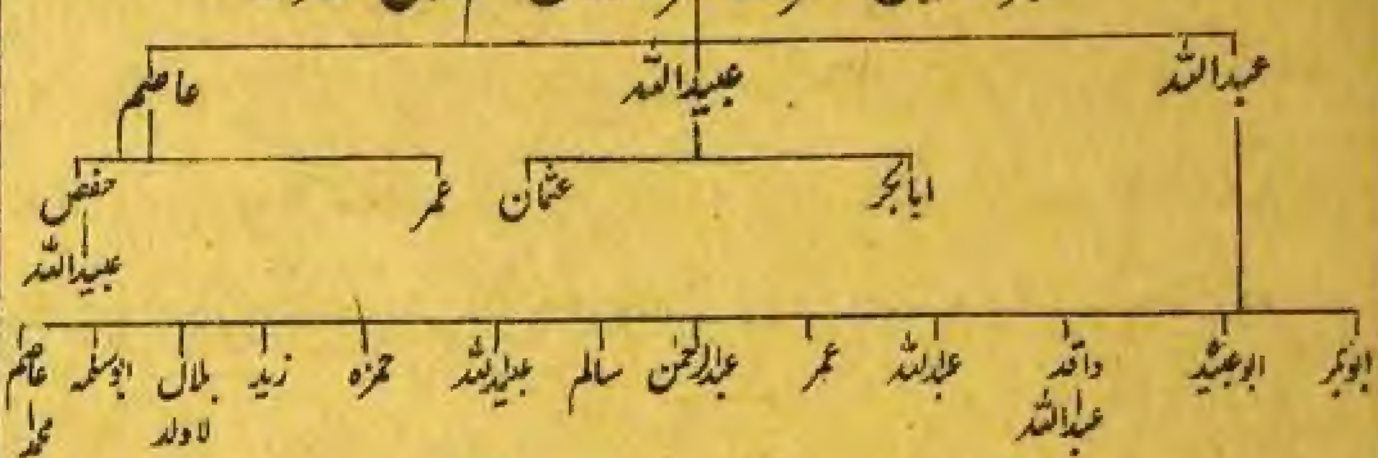

خاندان فریدی فاروقی شیخ الاسلام فریدالملۃ والدین مسعود گنج شکرؒ کی نسل سے امروہہ میں تین خاندان ہیں۔ حضرت ممدوح کا نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے:۔ حضرت شیخ فرید گنجشکر بن شیخ جمال الدین سلیمان بن شعیب بن احمد بن یوسف بن محمد بن شہاب الدین بن احمد فرخ شاہ بن نصیرالدین بن محمود بن سلیمان معروف بہ شیخ سامان بن مسعود بن عبداللہ بن احمد واعظ الاصغر بن محمد واعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحق بن ابراہیم[ل] بن ناصر[ع] بن عبداللہ بن امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹوں کے جو نام معتبر کتب انساب میں ملتے ہیں اور مندرجہ بالا شجرہ میں درج ہیں ان میں کسی کا نام ناصر نہیں ملتا، ممکن ہے کہ انکے نبیرگان میں کسی کا نام ناصر[ع] ہو بہرحال حضرت فرید گنجشکر کی فاروقیت علی وجہ الشہرۃ والتواتر مسلّم ہے (۱) فریدیوں میں صحیح النسب، برگزیدہ وحامل آثار خاندان اولاد حضرت شیخ المشائخ شیخ عیسیٰ معروف بہ شیخ چاندکیلدہ قدس سرہٗ کا ہے آپ کا اور آپ کی اولاد امجاد کا تفصیلی تذکرہ زمرۂ مشائخ میں ملاحظہ ہو۔ شجرہ اولاد ذیل میں درج ہے۔ شجرہ اولاد شیخ المشائخ شیخ عیسیٰ چاندکیلدہؒ بن شیخ منور بن شیخ موسیٰ حاجی بن شیخ ضیاءالدین بن شیخ فخرالدین (یا مجدالدین) بن شیخ ساون معروف بہ شیخ سالار بن شیخ علی شیر بن شیخ نظام الدین زنجیوری بن حضرت شیخ الاسلام فریدالملۃ والدین مسعود گنجشکر فاروقی۔

ل بعض نسب ناموں میں انکی نام ابراہیم بن ادہم بن سلیمان بن ناصر بتایا گیا ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ابراہیم بن زاہد بن ادہم قبیلہ بکر بن وائل سے تھے۔ سنہ [illegible] میں وفات پائی۔ ابن خلکان نے ابراہیم بن ادہم کو منصور بن جابر عجلی کی اولاد میں ظاہر کیا ہے۔ فرخ شاہ کابلی کو جو حضرت فرید گنجشکر کے اجداد میں تھے بادشاہ کابل بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں شیخ ممدوح کی ولادت سنہ [illegible] کی ہے اس زمانہ میں جو فرخ شاہ مذکور گذرا ہے کابل میں غزنویوں کی حکومت تھی ۱۲

ع خاکسار مؤلف کی تحقیق میں آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: ناصر بن عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عبیداللہ بن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۱۲

شجرہ اولاد شیخ المشائخ شیخ چاہلدہ فاروقی نبیرہ حضرت شیخ فرید گنجشکرؒ

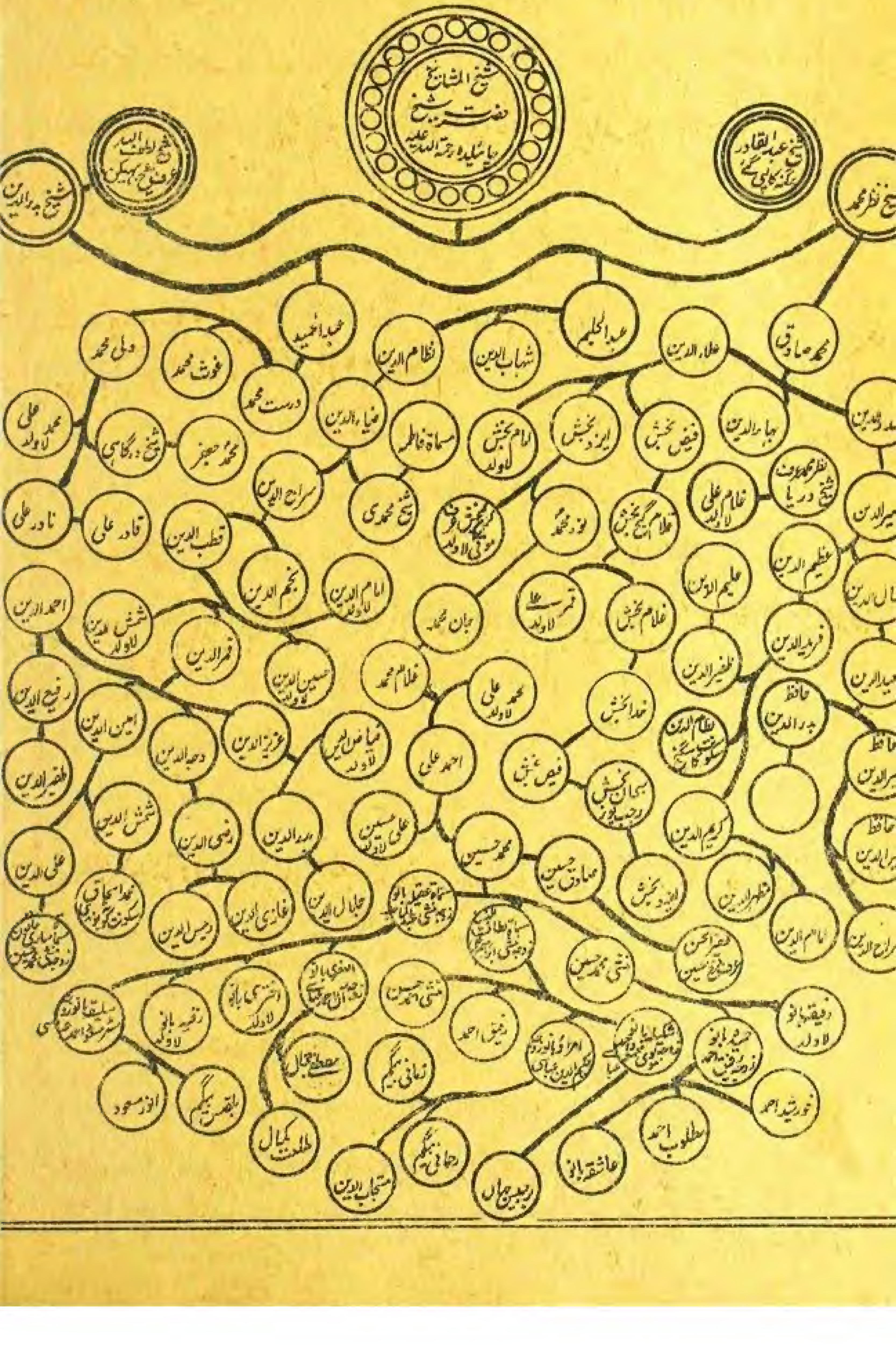

(۲) دوسرا صحیح النسب معزز فریدی خاندان شیخ المشایخ حضرت شیخ چاٹیلدہ کے برادر عمزاد حاجی عبدالغفور بن شیخ طاہر بن شیخ موسیٰ حاجی مذکور کا ہے۔ جیسا کہ کسی دوسری جگہ ذکر ہو چکا ہے حاجی عبدالغفور مذکور بھی رجب پور سے آخر عہد سلطنت لودی میں امروہہ آکر مسکن گزین ہوئے، ترکہ آبائی سے آٹھ مواضعات زمینداری انکے مقبوضہ تھے انکے صرف ایک فرزند چودھری شیخ معمور ہوئے۔ عہدہ چودھرایت پرگنہ رجب پوران کی نسل میں کئی صدیوں تک قایم رہا چودھری شیخ معمور کے پانچ فرزند چودھری شیخ بدر عالم۔ شیخ محبوب عالم۔ درویش عالم عبدالرشید اور شیخ پورن اور ایک دختر مسماۃ تاج بی بی ہوئیں۔ سوائے اول الذکر کے اور سب غیر معقب ہیں۔ چودھری شیخ بدر عالم کے صرف ایک فرزند شیخ شہاب الدین ہوئے انکا نکاح مسماۃ نورو بنت چودھری شیخ مبارک بن چودھری غلام محی الدین عرف گجر خان نبیرہ شیخ داؤد بڑیگرے ہوا۔ جن کے بطن سے ۲ دو بیٹیاں مسماۃ خانزادی و مسماۃ سکھنی اور ۲ دو بیٹے محمد منیر اور چودھری محمد حارث ہوئے اول الذکر کی اولاد میں شیخ عبدالحکیم بن امجد علی ساکن محلہ چلہ کا خاندان ہے۔ چودھری محمد حارث کے ایک بیٹے چودھری عبدالغفور ثانی اور ۲ دو بیٹیاں مسماۃ فتو اور نسارو تھیں۔ چودھری عبدالغفور مذکور کے محمد بخش عرف لبادن اور اولاد محمد ۲ دو بیٹے تھے۔

اول الذکر کی اولاد میں منشی نورالحق ولد شیخ انوارالحق وغیرہ ہیں، چودھری اولاد محمد کے دختر قاضی امانت علی (پیرزادہ) کے بطن سے تین فرزند ہوئے، چودھری مقصود علی حاجی محمد حسن اور چودھری ابدال محمد۔ اول الذکر ۲ دو بھائیوں سے عقب باقی نہ رہا چودھری ابدال محمد کے منجملہ چار بیٹوں کے منشی ارشاد علی سنہ ۱۲۶۳ھ سے ملازمت میں داخل ہوئے ابتداءً اضلاع بجنور، انبالہ، ولدھیانہ و فیروزپور و لاہور کے محکمہ بندوبست میں مختلف عہدوں پر کام کیا۔ سنہ ۱۸۵۳ء سے منصرم و سررشتہ دار محکمہ بندوبست اور چند اضلاع میں قایمقام تحصیلدار رہے۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ء میں صاحب کمشنر ملتان کے بڑے کارگذار سررشتہ دار و معتمد علیہ تھے۔ خدمات غدر کے صلہ میں پیش گاہ گورنر جنرل سے خلعت اور پروانہ خوشنودی عطا ہوا یہ خدمات حکام اور رعایا دونوں کی خیر خواہی پر مشتمل تھیں۔ جہاں کہیں فساد کا اندیشہ ہوتا منشی صاحب معقول مشورہ اور حسن تدبیر سے بغیر خونریزی اور صرف زر کے

رعایا کے سربرآوردہ اشخاص پر ذاتی اثر ڈالکر معاملات کو بخوش اسلوبی طے کرادیتے۔ ایام ملازمت میں خلق خدا کو بہت فائدہ پہونچایا اس میں ہندو مسلمان کی تخصیص نہ تھی۔ علم سے ذوق تھا۔ نادر قلمی کتابوں کا ذخیرہ فراہم کیا تھا۔ مصدر ارشاد و انشائے ارشاد و بعض رسائل تالیفات سے ہیں۔ ان کے تین فرزند ہوئے۔ منشی فرید احمد پنشنر سب رجسٹرار علیمدوست، ذی لیاقت بڑے روشن خیال ہیں انکے لائق فرزند عزیز احمد بی اے ایل ایل بی میرٹھ میں وکالت کرتے ہیں منشی ارشاد علی کے دوسرے فرزند منشی فضل احمد مرحوم صوفی مشرب نیک سیرت تھے تیسرے منشی شریف احمد مختار عدالت کلکٹری مراد آباد ہیں۔ چودھری ابدال محمد مذکور کے دوسرے فرزند ڈپٹی بشیر احمد صوبہ پنجاب کے محکمہ نہر میں ڈپٹی مجسٹریٹ رہے۔ بصلہ خدمات حکومت سے ۲ مرتبہ خلعت و انعام پایا۔ ابتداءً ضلع میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ پابند مذہب و متبع شریعت تھے، حکام بالادست سے عرض کیا کہ مقدمات میں سود کی ڈگری دینا پڑتی ہے جو اپنے معتقدات مذہبی کی روسے جائز نہیں سمجھتا میرا تبادلہ محکمہ انہار میں کردیا جائے۔ حکام نے سمجھایا کہ اس محکمہ میں چارسو روپیہ ماہوار سے زیادہ ترقی نہ ہوسکے گی اور موجودہ صورت میں نوسو روپیہ ماہوار تک مشاہرہ پانے کا موقع ہے۔ مگر انہوں نے کم تنخواہ پر قانع رہنا منظور کیا مگر سود کی ڈگری دینی قبول نہ کی۔ انکے زوجہ اولے کے بطن سے ایک فرزند مولوی حسنین احمد جنکے فرزند برہان احمد متعلم ایم اے کلاس ہیں ۲ شبیر احمد جو ڈائرکٹر سررشتہ تعلیمات پنجاب میں اسسٹنٹ ہیں اور طفیل احمد جو نوجوان فوت ہوئے۔ زوجہ ثالثہ بنت چودھری عبدالعلی جعفری کے بطن سے ایک دختر ہیں جو سید آل احمد ولد پیر رشید احمد کو منسوب ہوئیں ؀

فرزند حسنین احمد حسن

شجرہ اولاد حاجی عبدالغفور فاروقی

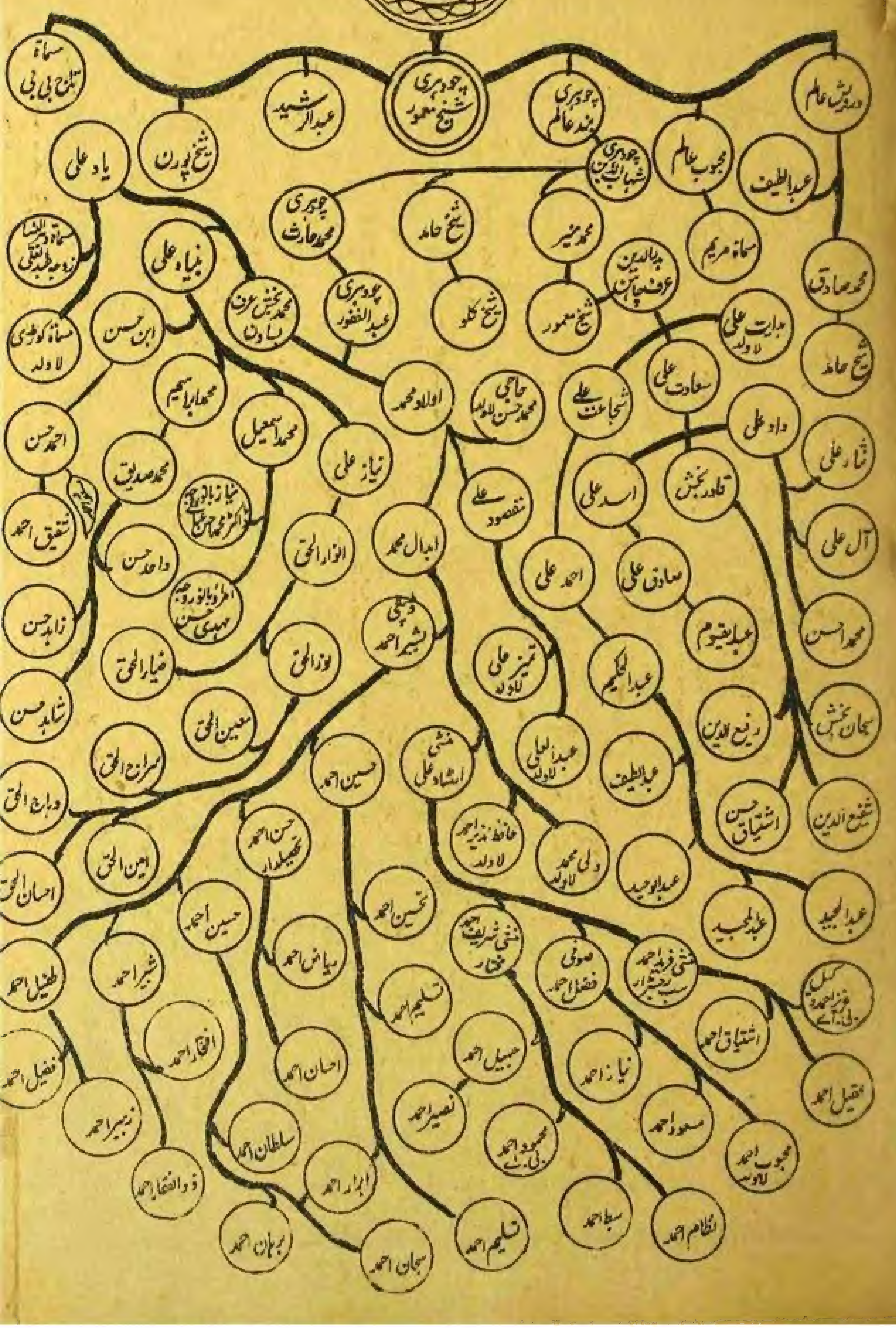

حاجی عبدالغفور بن شیخ طاہر بن شیخ موسی حاجی کے برادرزادہ شیخ خواجہ
کی اولاد میں منشی شوکت حسین و ڈاکٹر
سبط علی انبالے چودہری ممتاز علی
ساکنان محلہ مولانا کا خاندان ہے ان کا
شجرہ حسب ذیل ہے

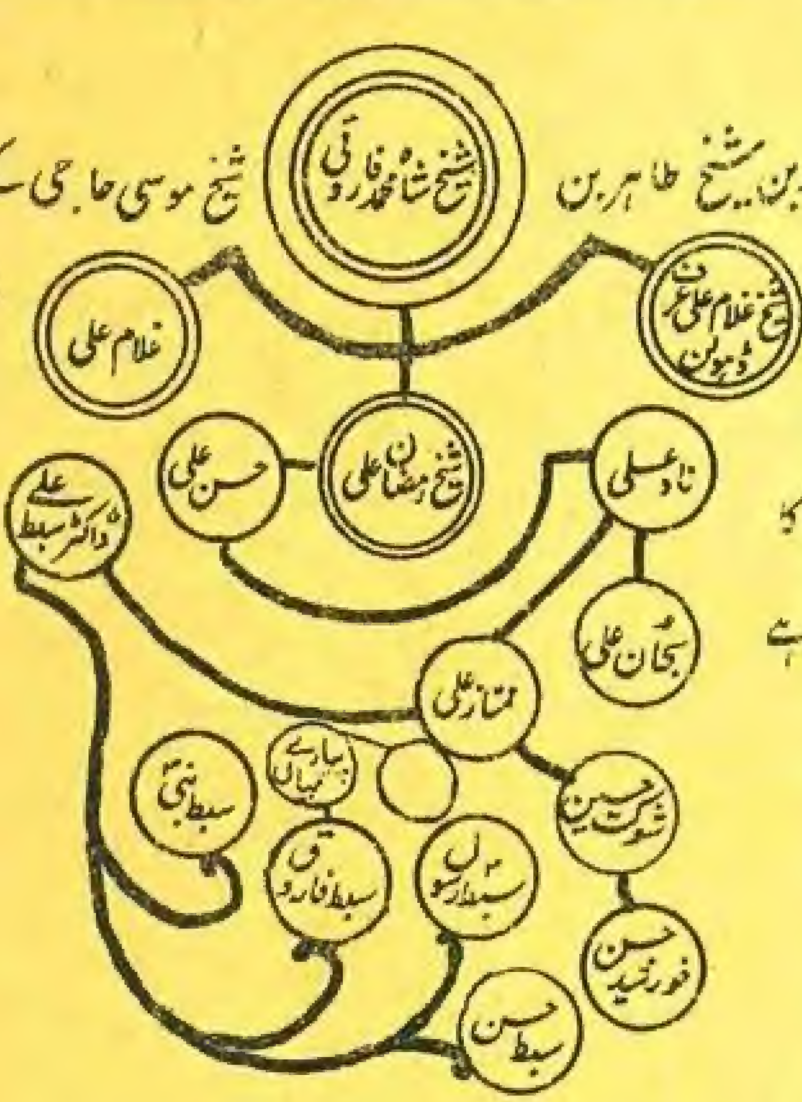

شجرہ اولاد شیخ صاحب علی نبیرہ شیخ عبدالوہاب فاروقی

چوتھا فاروقی خاندان شیخ عبدالوالی بن شیخ عبدالوہاب کا ہے جو
موضع ڈکھہ سے آکر امروہہ میں متوطن ہوئے ان میں خلیفہ
فیروز علی فارسی ادبیات کے ذی لیاقت اور خوشنویس
تھے ان کی اولاد میں حامد حسن اور آل حسن و
ابن علی ولد آل علی وغیرہ ساکنان محلہ
چاہ غوری میں۔

پانچواں خاندان شیخ امیر اللہ بن محب اللہ بن شیخ عبد الغنی کا ہے ان میں شیخ عبد الرحیم ولد ممتاز علی اور منشی سبط احمد ولد سعید الدین وغیرہ ہیں۔

شجرہ اولادِ شیخ امیر اللہ نبیرہ شیخ عبد الغنی

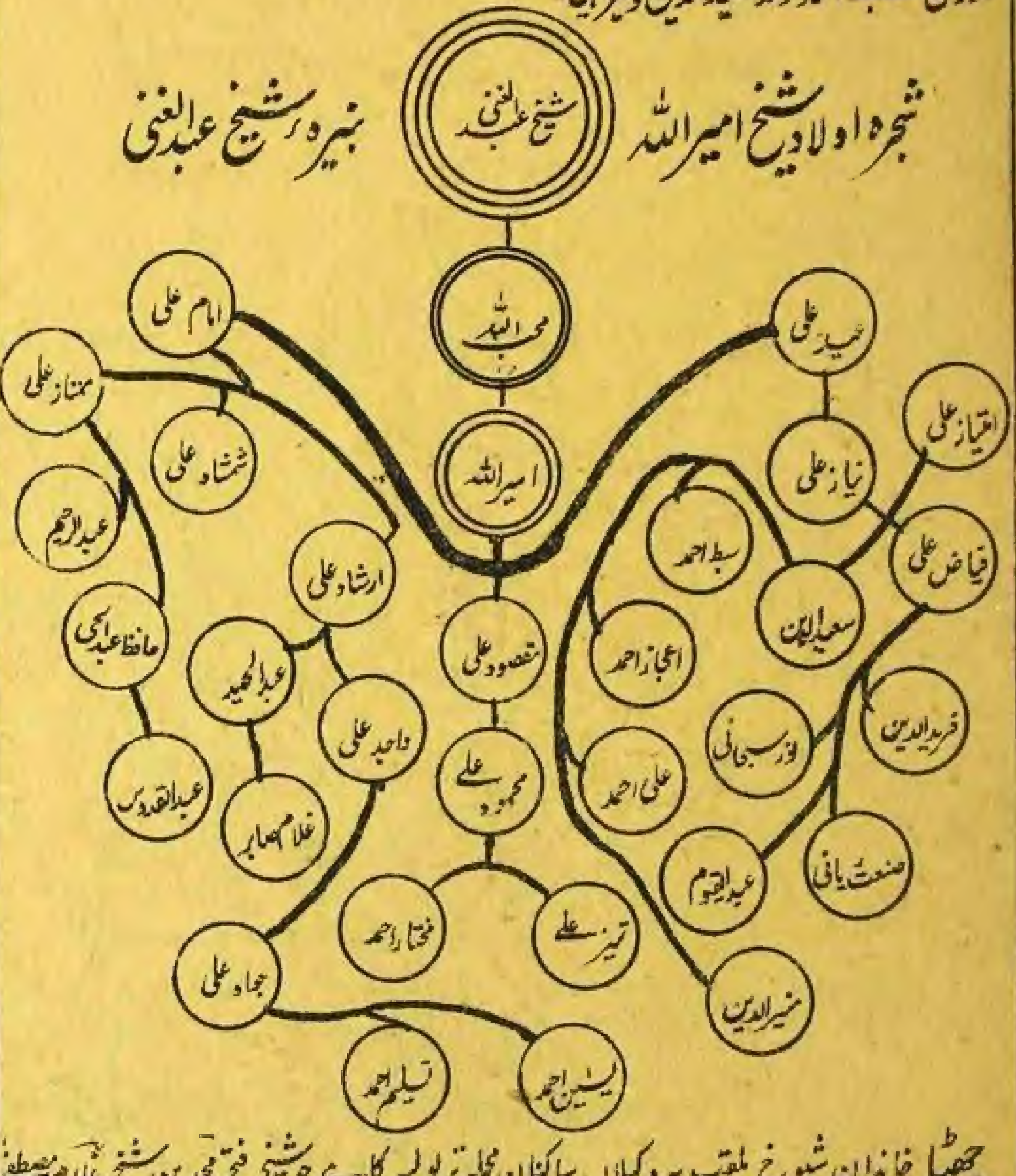

چھٹا خاندان شیوخ ملقب بہ وکیلاں ساکنان محلہ ترپولیہ کا ہے جو شیخ فتح محمد بن شیخ غلام مصطفےٰ بن شیخ تھن بن شیخ چاند بن حبیب اللہ بن شیخ مان بن شیخ لاڈل بن شیخ بساون بن بدر الدین کی نسل ہیں جن کا سلسلہ نسب ناصر بن عبد اللہ بن حضرت عمر فاروق رضؓ سے متصل کیا جاتا ہے شیخ کرم اللہ بن شیخ فتح محمد مذکور جاگیرداران امروہہ کی وکالت کی خدمت انجام دیتے تھے اس لیئے یہ خاندان وکیلوں کا خاندان مشہور رہا۔ ان میں شیخ فیض عالم بن شیخ مہربان علی نمودار اور ذی عزت ہیں ان کی قرابتیں بھی شیوخ قریشی وغیرہ میں ہوتی ہیں؛

شجرہ اولاد شیخ کرم اللہ بن شیخ فتح محمد ملقب بہ وکیلان

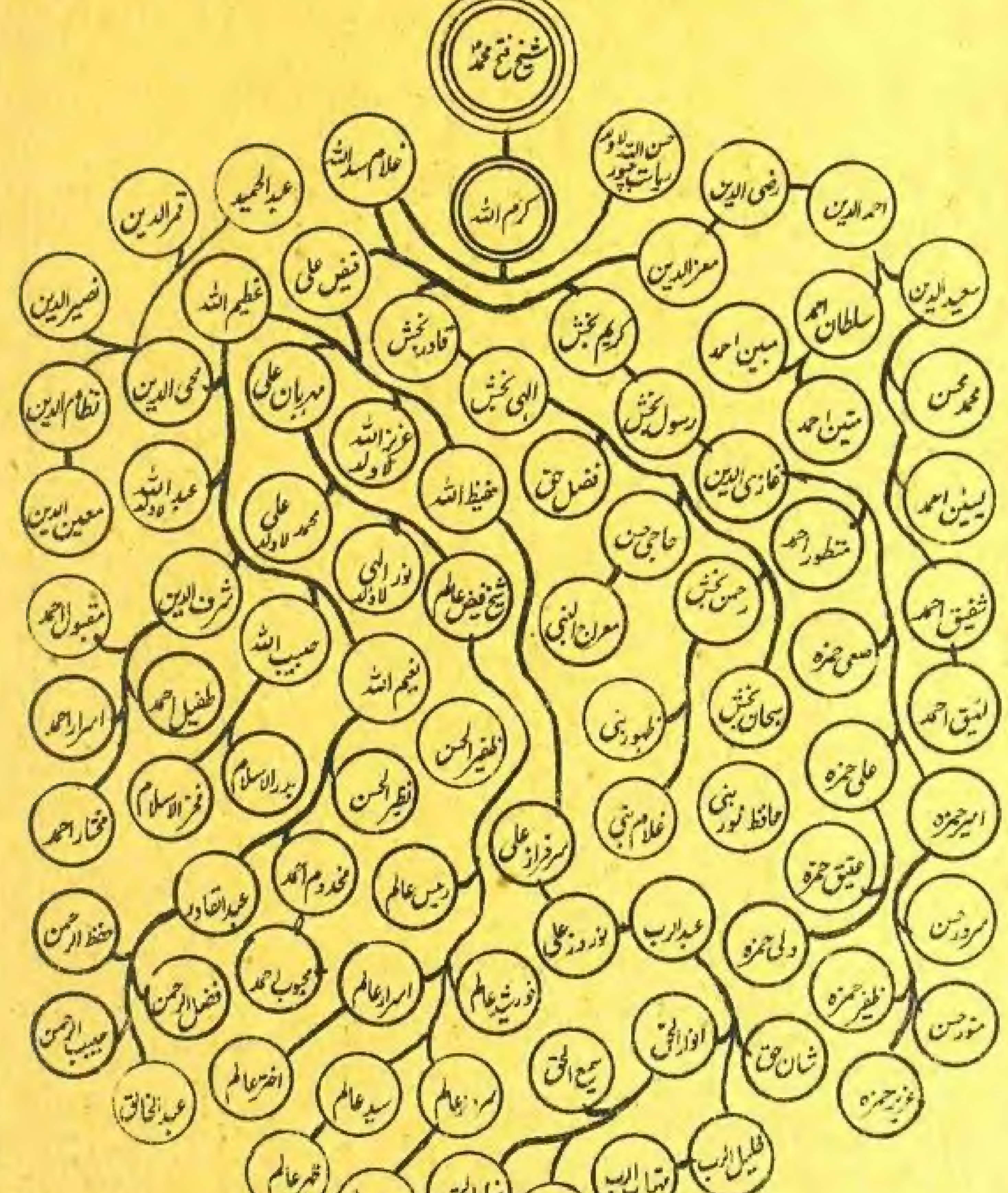

انصاری انصاریوں کے نسب کے متعلق دو قول ہیں، ایک گروہ انکو عرب کے قبیلہ قحطان سے بتاتا ہے اور دوسرا نابت بن حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں ظاہر کرتا ہے تاہم کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ قبائل انصار تمدنی اور گروہی حیثیت سے عرب میں ممتاز تھے۔ یمن کی مشہور سبائی سلطنت اسی قوم کے ایک صاحب عزم و حوصلہ شخص سے منسوب ہے۔ خود سرزمین یثرب میں ان کا پورا اقتدار تھا۔ اوس و خزرج وغیرہ ان کی مشہور شاخیں تھیں جن کی جنگجویانہ ذہنیت کے متعدد واقعات کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ قریش سے اُن کی قرابتیں شروع سے تھیں۔ بنی ہاشم کے جداعلیٰ عبدمناف انصار کے خاندان خزاعہ کے نواسہ تھے۔ عبدالمطلب کی والدہ بھی بنو نجار سے تھیں اور ان کی شادیاں بھی انصار کے قبیلہ خزرج و بنو خزاعہ میں ہوئیں۔ حضرت عباسؓ بھی انصار کے حکمراں خاندان کے بھانجے تھے۔ انکے بھائی سیدالشہدا حضرت حمزہؓ نے دو نکاح انصاریوں میں کئے تھے۔ انصار کا قومی پیشہ فلاحت تھا، صنعت و حرفت کا ان میں رواج نہ تھا:-

> جہاں تک قرائن سے پتہ چلتا ہے انصار میں صنعت و حرفت کا بالکل رواج نہ تھا یا تھا تو شاذ و نادر تھا چنانچہ ابو شعیب انصاری کے متعلق مذکور ہے کہ ان کا غلام قصاب تھا، ایک انصاریہ کے غلام کو نجاری آتی تھی . . . . . . فروہ بن عمرہ بیاضی کا غلام ابو ہند حجام تھا (سیر انصارؓ)

مگر انصار کے ان غلاموں میں جو نائی یا قسائی کا کام کرتے تھے، کوئی غلام ایسا نہ تھا جو پارچہ بافی اور جولاہہ کا کام جانتا ہو اور نہ ہندوستان کی طرح عرب میں اس صنعت کا رواج تھا اور نہ انصاریہ کام کرتے تھے لیکن باوجود اسکے ہندوستان کے بعض جولاہے کچھ عرصہ سے اپنے کو انصاری کہنے لگے ہیں ان کا یہ ادعا محض بے بنیاد و مضحکہ انگیز ہے تاریخ امروہہ (جلد اول) میں اسکے متعلق تفصیلی بحث کی جا چکی ہے۔

قوم انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی جو خدمات کیں وہ مذہب اسلام کی تاریخ کا روشن باب ہیں۔ بیعت عقبہ کبریٰ کے موقع پر ایک انصاری کے سوال کے جواب میں

حضور سرور کائنات نے بموجودگی اپنے عم محترم حضرت عباسؓ ارشاد فرمایا تھا کہ :۔

بل الدم بالدم والهدم بالهدم انا منکم وانتم منی بلکہ میرا خون تمہارا خون اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ انسؓ بن مالک، ابیؓ بن کعب، ابو درداؓ، ابو مسعودؓ، ابو قتادہؓ جابر بن عبداللہؓ حسان بن ثابتؓ، زید بن ارقمؓ جیسے صحابہ اور اسلام کی بعض دیگر نامور ہستیاں اسی قوم انصار سے ہیں :۔

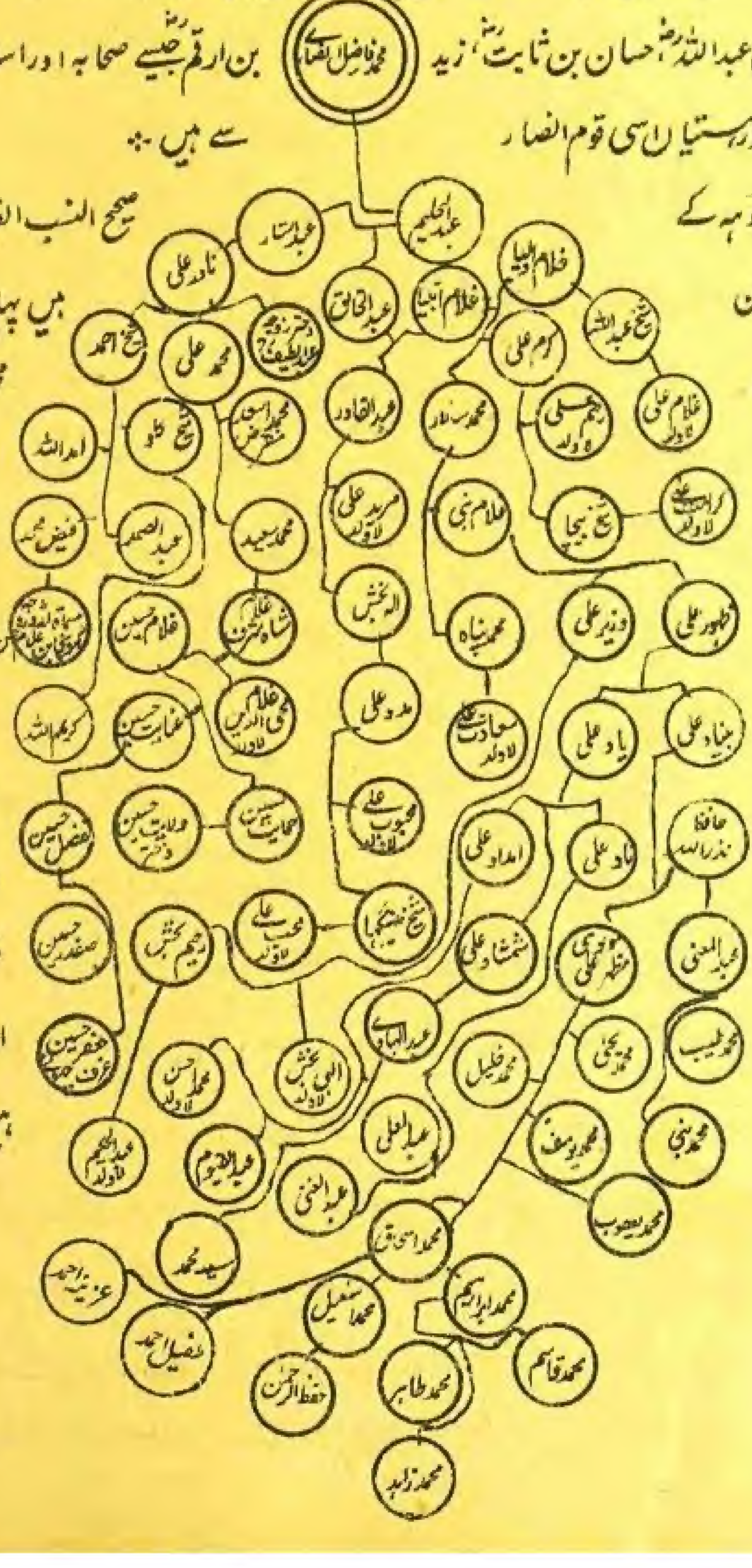

امروہہ کے صحیح النسب انصاریوں کے چند خاندان ہیں پہلا خاندان ساکنان محلہ مولانا کا ہے جو شیخ محمد فاضل انصاری کی اولاد ہیں ان میں منشی محمد ابراہیم و مولوی محمد اسمٰعیل، مولوی حافظ محمد یوسف، محمد یعقوب وغیرہم ابنائے مولوی مظہر علی بن شیخ بنیاد علی اور انکے دیگر اعزہ ہیں +

دوسرا خاندان اولاد شیخ کالے بن مولانا حامد انصاری کا ہے جو عہد شاہجہانی میں موضع امری سے امروہہ آئے مولانا حامد کو بعہد جلال الدین بادشاہ پرگنہ سنبھل پور میں بموجب فرمان مجریہ ۹۸۶ھ اراضی مدد معاش عطا ہوئی۔ سلسلہ نسب بواسطہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ حضرت ابوایوب انصاری سے متصل ہوتا ہے۔ شیخ کالے مذکور کے پوتے شیخ خان محمد بن جان محمد انصاری کا تذکرہ زمرہ علماء میں ملاحظہ ہو۔ اس خاندان میں منشی محمد علی بن شیخ نذر علی انصاری ساکن محلہ کوٹ ہیں جو عرصہ تک امین ومنصرم رہے انکے فرزند منشی عبدالغنی ہیڈ ڈرافٹس مین ہیں۔ شجرہ اولاد شیخ کالے انصاری

شیخ کالے انصاری

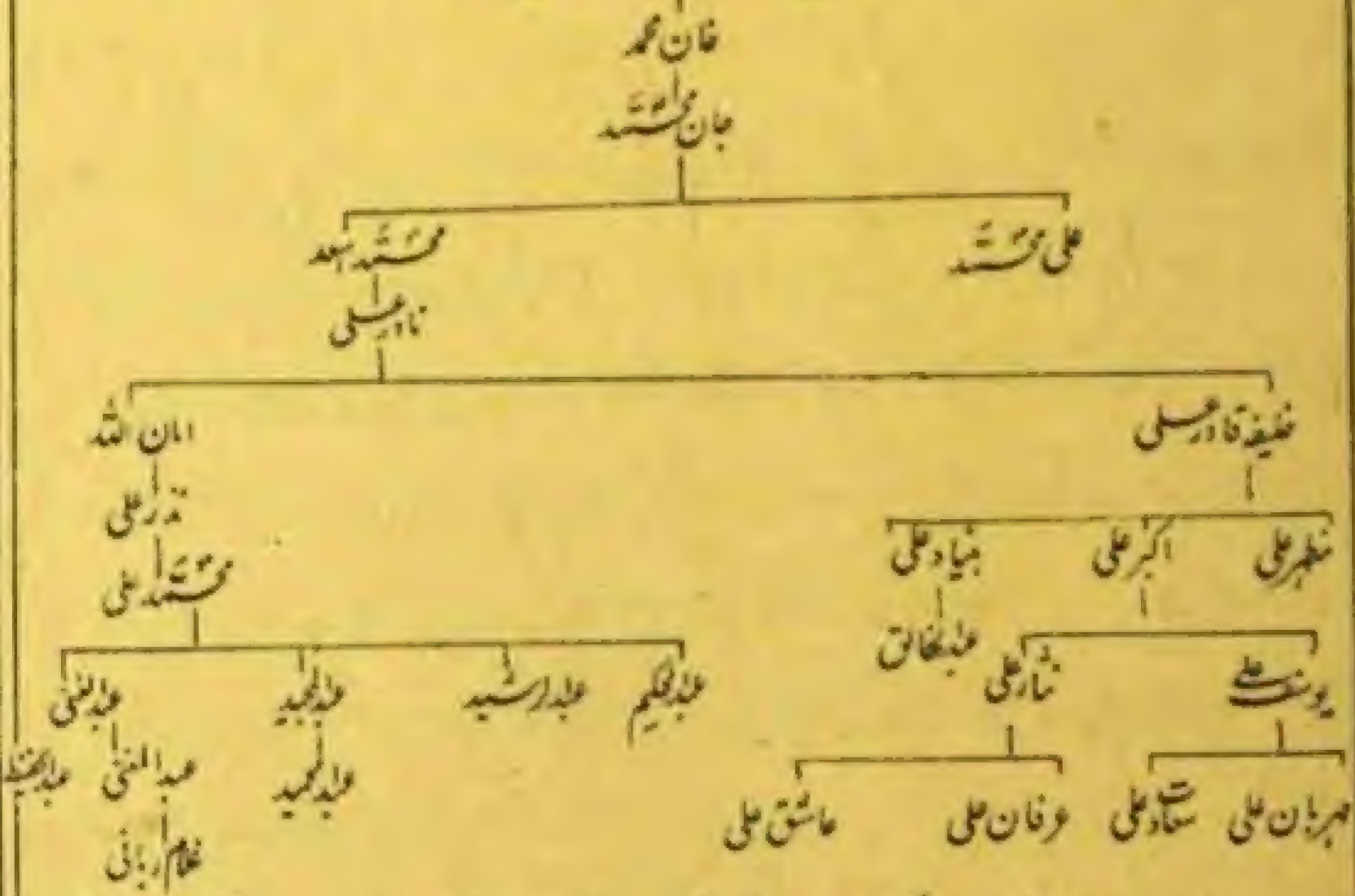

مندرجہ بالا خاندانوں کے علاوہ محلہ قریشی میں خلیفہ محمد ناصر کا خاندان ہے جنکے متعلق صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ گروہ انصاریان میں سے خلیفہ امین اللہ بن احسان اللہ بن خلیفہ محمد ناصر جو بمقام چندوسی و بلاری وکیل تھے اب انکے بیٹے محمد انعام اللہ اسی محلہ میں ہیں "خلیفہ امین اللہ یا امان اللہ) مذکور کے دو فرزند ہوئے مقیم اللہ جن سے کوئی عقب نہیں اور حکیم انعام اللہ جنکے دو فرزند حکیم ضیاء اللہ اور حکیم احمد اللہ ساکنان محلہ مذکور ہیں۔ حکیم ضیاء اللہ کے بشیر اللہ اور محمد اللہ دو فرزند ہیں انکے علاوہ ایک خاندان ساکنان محلہ ترپولیہ کا ہے انکے مورث شیخ غلام حسین ولد شیخ

محمد حیات کے متعلق صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ یہ بھی "آپ کو انصاری شیخ بیان کرتے ہیں راپٹ صاحب بہادر کے رجمنٹ میں دفعدار تھے اور بھائی انکے شیخ غلام علی بھی پندرھویں رجمنٹ میں اسی عہدہ پر مقرر تھے ص ۹۹" (شجرہ اولاد حسب ذیل ہے)

شیخ محمد حیات

- غلام علی
  - امام علی
    - سلطان احمد
    - تسلیم احمد
    - طفیل احمد
  - نجف علی
    - سید حسین
    - رئیس حسن
    - امیر حسن
  - رضا علی
    - فدا علی
- غلام حسین
  - حیدر علی
    - دختر
  - صفدر علی
    - اصغر علی
    - صغیر علی
  - مظہر علی
    - ظفر علی
      - اظہر علی
      - اختر حسن
      - انور حسن

خاندان نخشبی نخشبیوں کا خاندان جس میں کئی صدی تک نسلاً بعد نسلٍ علمائے دین اور مفتیان شرع متین ہوتے رہے امروہہ کے قدیم ترین خاندانوں میں ہے۔ مولانا آل حسن نخشبی مولف نخبۃ التواریخ نے اپنے خاندان کا تذکرہ شرح وبسط کے ساتھ کیاہے اور لکھاہے کہ اس خاندان کے مورث **خواجہ خطیر** تھے جو سلطان معزالدین کیقباد، جلال الدین فیروز خلجی، علاءالدین خلجی اور قطب الدین خلجی ان چار بادشاہوں کے یکے بعد دیگرے وزیر باتدبیر اور غیاث الدین تغلق کے ندیم خاص رہے پھر امروہہ میں سکونت گزین ہوئے صاحب نخبہ کے اس بیان پر مولوی سید غلام نبی خاں عباسی مولف ردّ نخبہ نے حسب ذیل تنقید کی ہے:

> میں یہ نہیں کہتا کہ خواجہ خطیر مصنف نخبہ کے دادا نہیں مگر تعجب اس امر کاہے کہ وہ خواجہ خطیر جو چار بادشاہوں کے وزیر رہے انہوں نے امروہہ میں سکونت کی بڑی جمعیت کے ساتھ یہاں آئے اور یہ امر مشہور نہ ہوا۔ اگر تمام امروہہ سے پوچھئے تو کوئی یہ بات نہیں جانتا کہ کوئی وزیر بھی امروہہ میں آکر رہا ہو حالانکہ ان سے چھوٹے چھوٹے مرتبہ کے لوگ مثل سید محمد میر عدل و سید ابوالمعالی و سید ابوالقاسم جو ہنصدی و چہارصدی و سہ صدی مرتبوں پر تھے آج تک مشہور چلے جاتے ہیں اور آثار ان کی امارت کے بہت پائے جاتے

> ہیں۔ خواجہ خطیر باوصف اس کے کہ وزیر تھے ان کی ریاست کے یہاں کچھ بھی آثار نہیں پائے جاتے، نہ کوئی قلعہ ان کا تعمیر ساختہ ہے، نہ کوئی جامع مسجد ہے، نہ کوئی محل عالیشان ہے۔
>
> قیاس اس بات کو نہیں چاہتا لوگ میری اس تحریر پر معترض ہونگے کہ سید محمد میر عدل کو تو بہت تھوڑا زمانہ ہوا اور خواجہ خطیر کو ایک مدت دراز ہوئی، اچھا سید احمد گنجرواں جو خواجہ خطیر سے پہلے اور شاہ نصیر الدین اور شاہ ولایت" جو اسی زمانہ میں تھے وہ آج تک مشہور چلے جاتے ہیں اور مزارات انکے مشہور عام ہیں جس شخص سے جی چاہے دریافت کر لو لیکن خواجہ خطیر وزیر کو باوصف اسکے کہ وہ کامل بھی تھے کوئی نہیں جانتا، نہ کسی مقام پر ان کا مزار ہے۔ وزیر کا مقبرہ تو ایسا ہوتا جسے دیکھنے کو لوگ جایا کرتے۔ تمام امروہہ کو ٹٹولیے تو خواجہ خطیر کی قبر کے نام سے ایک اینٹ بھی دیکھنے میں نہ آئے گی۔

بہر کیف صاحب نخبہ کے بیان کے مطابق اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اس خاندان کے مورث خواجہ خطیر تھے جو ۶۸۵ھ سے ۷۲۱ھ تک چار بادشاہوں کے وزیر اور پانچویں کے ندیم خاص رہے اور شاہان سابق سے مواجب و انعامات و جاگیرات عطا ہوئیں" اور "بڑی جمعیت کے ساتھ" امروہہ میں متوطن ہوئے، تو دیکھنا یہ ہے کہ آیا کتب تاریخ و تذکرہ سے انکے اصل و نسب خاندان کے متعلق کوئی ثبوت بہم پہونچتا ہے؟ کتب تاریخ میں خواجہ خطیر وزیر کا تذکرہ ضمنی طور سے ضرور ملتا ہے لیکن اس میں انکے نسب اور خاندان کا مطلق ذکر نہیں حتیٰ کہ نام کے ساتھ لفظ "خشتی" بھی تحریر نہیں۔ صاحب نخبہ نے ان کا سلسلہ نسب بواسطہ خواجہ قطب الدین مودود چشتی" سید عبداللہ الملقب بہ علی اکبر بن علی النقی رض سے متصل کیا ہے لیکن حسب تصریح کتب انساب جناب علی النقی کے کوئی بیٹے اس نام کے نہ تھے۔ ان کا عقب جعفر الزکی سے باقی رہا، جعفر مذکور کے بیٹے علی اَلقر ہوئے اور انکے عبداللہ۔ شاید ان ہی عبداللہ بن علی القر بن جعفر الزکی بن جناب علی النقی کو آخر الذکر کا فرزند قرار دیکر صاحب نخبہ نے اپنے خاندان کا سلسلہ نسب ان سے متصل کیا ہے پس اگر یہ سلسلہ نسب کتب انساب کی رو سے صحیح اور متصل ہو تو سوال یہ ہے کہ اس خاندان میں سیادت نسبی کی روایت کب سے ہے اور آیا اہل خاندان کی تحریرات سے

بھی اس کا کوئی ثبوت بہم پہونچتا ہے۔ صاحب نخبہ کی تحریر کے مطابق خواجہ خطیر مذکور کے پوتے بعد چار واسطوں کے "سید میراں بڑے" ہوئے اُن کے دو بیٹے تھے خواجہ عطاء اللہ اور خواجہ احمد عرف خواجہ کالے۔ ان ہی دونوں بھائیوں کی نسل سے حضرات نخشی کا خاندان ہے۔ خواجہ عطاء اللہ کی اولاد میں علمائے دین اور مفتیان شرع متین ہوتے رہے" خواجہ احمد عرف کالے" کی نسل میں چودہرایت کا عہدہ متوارث ہوگیا۔ ان دونوں خاندانوں میں سے کسی میں بھی شیخت و طریقت اور پیری مریدی کا سلسلہ قایم نہیں ہوا اور نہ یہ خاندان امروہہ میں کبھی مشائخ کے خاندان کی حیثیت سے مشہور رہا نہ کسی بزرگ سے سلسلہ بعیت جلا نہ مسند سجادگی رہی اور نہ ان میں کوئی گروہ پیرزادہ کہلا یا ایسی حالت میں اس خاندان کے بزرگوں کا اظہار نسب میں لفظ شیخ تحریر کرنا بر بنائے شیخت ذاتی نہیں ہوسکتا

حسن اتفاق سے خواجہ عطاء اللہ مذکور کے بیٹوں پوتوں کی اپنے قلم کی تحریرات نیز مختلف کہنہ دستاویزات پر انکے اپنے دستخط موجود ہیں جن سے نسبی حالات پر خاص روشنی پڑتی ہے مثلاً دستاویز مرقومہ ۲۴ محرم ۹۹۶ھ پر جہاں بعض سادات اولاد حضرت شاہ ولایتؒ کے مجل اور دستخط ثبت ہیں خواجہ موصوف کے فرزند خواجہ محمد اور خواجہ اسمعیل کے دستخط بھی ان الفاظ میں ہیں

شہد بذلک   شہد علی اقرارہ

محمد بن عطاء اللہ نخشی   اسمعیل ابن عطاء اللہ نخشی کتبہ بخطہ حامداً و مصلیاً

ان حضرات نے اظہار نسب و قومیت میں اولاد شاہ ولایتؒ کی طرح جنکے دستخط اسی دستاویز پر ثبت ہیں نہ "علوی" لکھا نہ "حسینی" حتی کہ "مودودی" بھی تحریر نہیں کیا بلکہ لفظ "نخشی" پر اکتفا کیا ایک اور دستاویز مرقومہ شعبان المعظم ۹۲۴ھ پر جہاں سادات امروہہ میں سے مولانا سید محمد میر عدل انکے بھائی سید مبارک اور چند دیگر اشخاص کے دستخط ثبت ہیں جن میں وہ اپنے ناموں کے ساتھ بالعموم "الحسینی" لکھتے ہیں حضرات نخشی اپنے دستخط ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:-

الامر کما حررۃ فی الصدر   شہد بما فیہ   شہد بما فیہ

حررہ میاں ملک ابن محمود بعینہ۔ حامداً مصلیاً   زین العابدین ابن شیخ اسمعیل کتبہ باذنہ   زکریا ابن میاں ملک کتبہ بخطہ

شہد بما فیہ
علی الزوار بن خواجہ فتح اللہ کتبہ بخطہ

مندرجہ بالا دستخطوں میں "نہ حسینی" تحریر ہے "نہ نخشبی" "نہ مودودی" بلکہ میاں، شیخ اور خواجہ وغیرہ الفاظ ہیں۔ تیسری دستاویز مرقومہ، رشعبان المعظم ۹۰۲ھ ہے جس پر سادات امروہہ میں سے متعدد اشخاص کے دستخط اور مہریں موجود ہیں۔ ان میں ناموں کے ساتھ حسب دستور سید اور حسینی وغیرہ الفاظ تحریر ہیں مگر حضرات نخشبی کے ایک ذی علم بزرگ اپنے دستخط ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

ثبت ھذا الخط کتبہ
ابراہیم (بن) سلیمان نخشبی

ان بزرگ کے دستخط اس عہد کی متعدد دستاویزات پر موجود ہیں وہ اظہار قومیت میں لفظ نخشبی پر اکتفا کرتے ہیں، نہ علوی لکھتے ہیں، نہ حسینی، نہ مودودی۔ [illegible]ھ کی اور اسکے بعد کی بعض دیگر دستاویزات پر انکے دستخط اور انکے اپنے قلم کی تحریرات ملاحظہ ہوں:-

ہذا مطابق للواقع لاریب ولا اشتباہ فیہ
وکتبہ بخطہ ابراہیم (بن) سلیمان نخشبی

یا

اطلاع علی مضمونہ
ابراہیم (بن) سلیمان نخشبی وکتبہ بخطہ

اس گروہ میں مفتی محمود نخشبی خاندان مفتیان کے بانی ہیں۔ انکے بعد میاں عبدالملک، عبدالغفور، عبدالقدوس، محمد شاہد (اول)، عبدالواحد، عبدالواحد، محمد شاہد ثانی، شیر علی اور حیدر علی یکے بعد دیگرے مفتی ہوئے۔ قدیم دستاویزات پر قاضی اور متولی کے سجلات کے علاوہ مفتی کے سجل بھی ثبت ہوتے تھے جن کا طرز کتابت اور عبارت دیگر سجلات سے کچھ مختلف ہوتا لیکن سجل میں دو چار پشتوں کے نام ضرور درج کیے جاتے تھے اور بخلاف قاضی اور متولی کے یہ حضرات اپنی قومیت کے اظہار میں "العلوی الحسینی" نہ لکھتے بلکہ لفظ "نخشبی" پر اکتفا کرتے۔ مفتی عبدالقدوس اور انکے فرزند مفتی محمد شاہد اول کے سجل ملاحظہ ہوں:-

المفتقر الی رحمۃ اللہ الودود الحسیب
الصمد [illegible]

باقرار العاقدین المذکورین
عبدالقدوس عبدالغفور میاں ملک بن محمود نخشبی
کتبہ بخطہ

علی
وقف [illegible]
حررہ محمد شاہد
بن
عبد
عبد
عبد
القدوس الغفور الملک نخشبی

سجلات کے علاوہ مہر میں بھی محض لفظ "بختی" کندہ تہا۔ قاضی اور متولی کی مہر کی طرح سید یا حسینی وغیرہ الفاظ کندہ نہ تھے ۔

خاندان کی دوسری شاخ یعنی خواجہ احمد عرف خواجہ کاسے کی اولاد جن میں چودہرایت کا عہدہ کئی صدیوں تک قایم رہا اپنی تحریرات اور دستخطوں میں ابتدا لفظ چودہری یا شیخ تحریر کرتے تھے۔

مثلاً گواہ شد گواہ شد

چودہری علی اکبر ابن ماکہن یحییٰ ابن شیخ فرید کتبہ بخطہ

اسی طرح خاندان کے دوسرے اشخاص اپنے دستخط ان الفاظ میں کرتے تھے "شیخ ہتو بختی یا محمد جعفر بن شیخ محمد بختی" ۔

فراین اور پروانہ جات میں گیارہویں صدی ہجری تک ان حضرات کے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ تحریر ہوتا تہا۔ اس موقع پر تصحیحہ جات فراین اور چکناموں میں سے بعض کی نقول کا درج کرنا مناسب ہوگا۔ مفتی عبدالقدوس اور انکے فرزند مفتی محمد شاہد کے موسومہ تصحیحہ جات ملاحظہ ہوں

نقل

تصحیحہ فرمان عہد محمد شاہ بادشاہ موسومہ محمد عابد وغیرہ ورثہ مفتی عبدالقدوس بختی

محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ

عرش آشیانی

گماشتہائے جاگیرداران وکروریان حال واستقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد بدانند کہ بموجب فرمان عالیشان عہد حضرت . . . . .

. . . . . مرقومہ بتاریخ ۱۴ رشوال ۹۹۳ھ مخلہ فرمان شیخ عبدالقدوس موازی دو صد دہبل و دو بیگہ و ہفت بسوہ زمین بگز آلہی از موضع کویرا نی من اعمال پرگنہ مذکور دروجہ مدد معاش محمد عابد وغیرہ ورثہ شیخ عبدالقدوس مذکور وغیرہ بموجب تجویز صدور سابق مقرر است و تصاحیح صدور پیشین بدست دارند درینولا باخبار مخبرین معتبر بوضوح

پیوست کہ آنہا حق وقایم و برا راضی مذکورہ قابض ومتصرف اند بنابراں بتصدق فرق مبارک بندگان خدیو جہاں خداوند زماں باعث امن وامان فیاض عالمیان مظہراتم پروردگار رحمت اعظم آفریدگار، حضرت خلافت پناہ . . . .

اراضی مسطورہ راحسب الضمن بحال داشتہ تصحیح رسانند باید کہ زمین مذکورہ رابدستور سابق ازمحل قدیم بشرط قبض وتصرف بانہا واگذارند کہ حاصلات آنرا صرف مایحتاج خود ہا نمودہ بوظائف دعاگوئی دوام دولت ابدقرین اشتغال نمایند ودریں باب قدغن بلیغ دانند

تحریر فی التاریخ بست وسیوم شعبان المعظم سنہ ۲۳ جلوس

نقل

چکنامہ بنام مشیخت پناہ شیخ محمد شاہد مفتی بخشی

اللہ اکبر

میراں سید حامد جیو

چکنامہ

اراضی مدد معاش موازی سی وپنج بگیہ زمین بگز الٰہی بموجب پروانہ سیادت ونجابت پناہ افادت دستگاہ بنام مشیخت پناہ شیخ محمد شاہد مفتی . . .

بست بیگہ بنام سیادت مآب میر سید علی پانزدہ بگیہ درموضع چہاوی من اعمال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مقرر شدہ۔ منصف سید ہاشم ولد سید حسینی وہمراہ ہمراج مقدمان موضع مذکور زمین مذکورہ درموضع مذکورہ پیمودہ چک بستہ دادند . . . . . . سنہ ۱۰۵۴ھ

مہر متولی

مہر قاضی

مندرجۂ بالا تحریرات سے صاف ظاہر ہے کہ سنہ ۱۰۵۴ھ تک اس خاندان کو نسباً سید فاطمی نہیں

سمجھا جاتا تھا جو اشخاص نسباً سید تھے انکے ناموں کے ساتھ "سیادت مآب" اور سید و میراں کے القاب لکھے گئے ہیں اور حضرات نخشی کے ناموں کے ساتھ مشیخت مآب اور شیخ وغیرہ الفاظ تحریر کیے ہیں۔ صدر سے جو تحریرات مفتی وغیرہ کے موسومہ ارسال ہوتیں ان میں بھی انہیں مشیخت مآب و شیخ سے مخاطب ملقب کیا جاتا تھا۔ شیخ محمد شاہد مفتی وغیرہ کے موسومہ ایک تحریر مرقومہ ۱۰۹۶ھ ملاحظہ ہو:-

نقل

تحریر مہری سید عاقل محمد موسومہ مفتی محمد شاہد و چودھری عبدالمومن نخشی

مشیخت مآب کمالات اکتساب شیخ محمد شاہد و چودھری عبدالمومن را آنکہ چوں درمیان

گوجر خاں و سید شاہ محمد بابت زمین سکنہ سرائے داؤد مناقشہ درمیان بود بنابر

آں گوجر خاں از جانب خود اقرار ثالث بر شمایان نمودند بنا بر آں بشما نوشتہ

می شود کہ شما قسم مسلمانی درمیان است انچہ قرار واقعی باشد مشخص نماید

ورو بدیگی کسے درمیان نکید........ زیادہ چہ نوشتہ آید

تحریر فی التاریخ ۴ شہر شعبان المعظم سنہ ۱۰۹۶ھ

فرامین و پروانہ جات اور سرکاری تحریرات کے علاوہ عام دستاویزات میں بھی اس خاندان کے وہ افراد جو نہ شیخ طریقت تھے نہ پیر و صوفی بلکہ عالم دین اور مفتی شرع متین تھے اپنے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ تحریر کرتے اور اسی لفظ سے اپنے نسب کا اظہار کرتے۔ چند دستاویزات کی نقول جن کی اصل خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں درج کرتا ہوں۔

نقل

دستاویز قسمت نامہ ابین مفتی عبدالقدوس و شیخ عبدالحمید نخشی

چوں درمیان مشیخت پناہ شیخ عبدالقدوس و شیخ عبدالحمید نزاع بابت اراضی

زرعی موضع نکوپور بودہ بتاریخ ۵ شہر رجب المرجب ۱۱۰۵ھ ..... پناہ اقبال دستگاہ

میراں سید عبدالوہاب جیو

۱۱۰۵ھ کاغذ دریدہ ۲۵

۵۱

اکابر قصبهٔ امروهه شل میران سید اشرف ...... و شیخ ابوسعید ولد میان شیخ
عبدالرزاق و خواجه په مانند قانون گوئی .... هر دو عزیزان را تفصیل دیده
بنابرآن موی الیهم اسناد طرفین را دیده ...... بعدازاں قسمت قدیمی که میان ملک
درمیان پسران و دختران کرده بود نیز قسمت مرحومی میان مشارُالیه خود نوشته بودند
بهمان حساب میان شیخ ذکریا ...... سی صد بگیه بموجب قسمت بندگی میان ملک
جیو و دو صد لبت بگیه .... بود یکصد بگیه از بابت قسمت بی بی سکھن که همشیره
حقیقی میان شیخ ذکریا .... که در وقت صدارت پناهی صدر الصدور شاه
فتح الله میان شیخ ...... آن پانصد بگیه حکم شد بهمان اعتبار سی صد بگیه بمیان
شیخ ذکریا رسید بعد وفات .... ماندند باعتبار مهر و میراث آن سی صد بگیه....
و صد بگیه مسماة بی بی پیارن منکوحه میان شیخ ذکریا که زنده است شیخ عبدالحمید
.... مشارالیه میان شیخ عبدالقدوس ....

ثبت عند اضعف العباد و عبدالسلام علی اصغر شرف الدین مرتضیٰ محمد علی و جیه ابابکر محمد علی حسن العلوی الحسینی

گواه شد گواه شد .ن .ن .ن .ن .ن .ن .ن .ن .ن .ن

بهاری لعل عزیز خمار

نقل

قسمت نامه اقراری مفتی محمد شاهد بخشی

هوالموجود

باعث این تحریر در معنی آنکه منکه شیخ محمد شاهد ولد مرحومی شیخ عبدالقدوس ام در حالهٔ صحت
نفس و ثبات عقل طائعاً و راغباً بلا اکراه و الاجبار آنچه ترکه مدد معاش ...... وغیره و باغهای
و سرای و خانهای محل سکنائی و سرای وغیره بفقرارث از پدر و جد رسیده است سه حصه نموده
داده ام یک حصه منکوحه و فرزندان فرزندم مرحوم عبدالواحد و یک حصه بفرزندم محمد عابد و یک حصه

بفرزند محمد ساجد و دخترم سماۃ ماہ گسائین را زمین قصبہ کہ تعلق باغ فقیر بود برائے حویلی وچوپال بخدہ وداربعہ بدیں تفصیل :-

شرقی غربی جنوبی شمالی

متصل دیوار پس خانہ میاں بہتو و شیخ محمود | متصل حد دیوار کوٹھری و پس خانہ شیخ عبد العظیم | متصل راہ شارع عام | متصل دیوار بخچہ میر سید ابوالحسن

دادہ ام اگر بعد ازیں از طرف سماۃ مذکورہ املاک و خانہائے سکنائی وخانہائے سرائے و باغات وغیرہ سطورہ جز از فرزندان من طلب کند یا دعوی نماید دعوی او باطل و نامسموع است و مردود دارین باشد۔ ایں چند کلمہ بطریق سند نوشتہ دادہ ام کہ ثانی الحال حجت باشد و ہر کہ ازیں قسمت عدول کند باطل و نامسموع گردد

تحریر فی التاریخ غرہ شہر رجب المرجب ۱۰۶۲ھ

باقرار میاں محمد شاہ مہر کردہ شد   باقرار میاں محمد شاہ مہر کردہ شد

گواہ شد   گواہ شد

شیخ بدھ کتبہ بخطہ   فقیر بخارہ ابن شیخ مسعود

محی ثبات / وآفتاب شاہ ابن / مخدوم عالم نوریا / عاشق از

القدوس الغفور الملک

مندرجہ بالا دستاویزات سے بخوبی ثابت ہے کہ ۱۰۶۲ھ تک خاندان بخشی کے ذیعلم حضرات اظہار نسب میں بالعموم لفظ شیخ اپنے ناموں کے ساتھ لکھتے تھے، ان ہی دستاویزات میں اور اپنے ہی قلم سے اُن اشخاص کا جب کبھی نام لکھتے جو نسبًا سید تھے انہیں سید لکھتے مگر خود اپنے تئیں نہ سید لکھتے اور نہ علوی اور حسینی پس کسی ایسے خاندان کے ذیعلم و ذی وجاہت اشخاص کا جس میں نہ کبھی پیری مریدی کا چرچا رہا ہو اور نہ شیخیت و طریقت کا کوئی سلسلہ قایم ہوا ہو ان دستاویزات میں جہاں انکے ہمرتبہ و ہمعصر سادات آنکے ناموں کے ساتھ سید اور علوی الحسینی لکھیں سید اور حسینی تحریر نہ کرنا محض "لفظ بخشی" لکھنا بلکہ بجائے لفظ سید کے شیخ لکھنا شاہی فرامین وغیرہ میں ان حضرات کا الفاظ شیخیت مآب سے مخاطب کیا جانا بحالیکہ وہ شیخ طریقت بھی نہ تھے۔ بلکہ عالم دین اور مفتی شرع متین تھے انکے دعوی سیادت نسبی کو باطل نہیں تو مشتبہ ضرور

کرتا ہے۔ صاحب رد نخبہ لکھتے ہیں کہ :-

"میں مولوی صاحب (یعنی مولوی آل حسن نخشبی) کی سیادت میں کلام نہیں کرتا مجھکو اور تمام ساکنان امروہہ کو اس امر کا تعجب ہے کہ مولوی صاحب کے بزرگ اور تمام ان لوگوں کے آبا و اجداد نے (جن کی سیادت حضرات امروہہ پر متحقق نہیں) اپنے کو سید کیوں نہ مشہور کیا اور کسی کاغذ و دستاویز میں اور کتاب میں نہ اہل امروہہ نے ان کو کبھی سید لکھا بلکہ برعکس اسکے اور لوگ بھی ان کو شیخ کہتے اور لکھتے رہے اور وہ خود بھی۔ یہ بات صدہا کاغذوں سے پائی جاتی ہے۔ الی آخرہ"

عہد عالمگیری میں اس خاندان کے بعض اشخاص خواجہ خیر اللہ خاں وغیرہ مناصب شاہی پر ممتاز ہوئے تقریباً اسی زمانہ سے دستاویزات و تحریرات میں سیادت نسبی کا اظہار ہونے لگا۔ اس سے قبل اس خاندان کی سیادت نسبی کے متعلق کوئی روایت نہ تھی۔ شاید اسی بنا پر مولف تاریخ واسطیہ نے بھی ان کی سیادت نسبی کو تسلیم نہیں کیا نہ اپنی تاریخ میں اس خاندان کا کوئی تذکرہ کیا حالانکہ تعلقات قرابت و مصاہرت کے اعتبار سے خاندان نخشبی امروہہ کے شیعہ سادات کی برادری میں شامل ہے اور مولف مذکور نے امروہہ کے شیعہ سادات اور انکے قرابتداروں ہی کے حالات تحریر کئے ہیں پھر باوجود اسکے مولف واسطیہ کا خاندان نخشبی کے حالات تحریر نہ کرنا سوائے اسکے اور کسی وجہ سے قابل قیاس نہیں ہوسکتا کہ اسکے نزدیک ابھی یہ خاندان یا تو نسباً سید فاطمی نہیں تھا یا اس کی سیادت مشتبہ تھی۔ عہد سابق میں خاندان نخشبی کی قرابت و مصاہرت زیادہ تر شیخ زادگان فاروقی خاندان ترکمان وغیرہ سے ہوتی تھی۔ سادات رضوی اولاد حضرت شاہ ابن بدر چشتی سے بھی قرابتیں ہوتی رہی ہیں لیکن جبسے اس خاندان کے اکثر افراد نے مذہب امامیہ اختیار کیا ان کی قرابت و مصاہرت شیعہ سادات سے ہوتی ہے اور ان ہی کی برادری میں یہ لوگ شامل ہیں۔ سابق میں باعتبار علم و فضل اس خاندان کو درجہ امتیاز حاصل تھا برخلاف اسکے اب جو معدودے چند افراد باقی ہیں وہ گردش زمانہ سے پریشان روزگار ہیں کہنہ دستاویزات وغیرہ سے جو شجرہ نسب مرتب ہو سکا وہ اس خاندان کی سابقہ حالت کے لحاظ سے شائع کیا جاتا ہے۔

شجرهٔ اولاد خواجه بدھ نخشبی

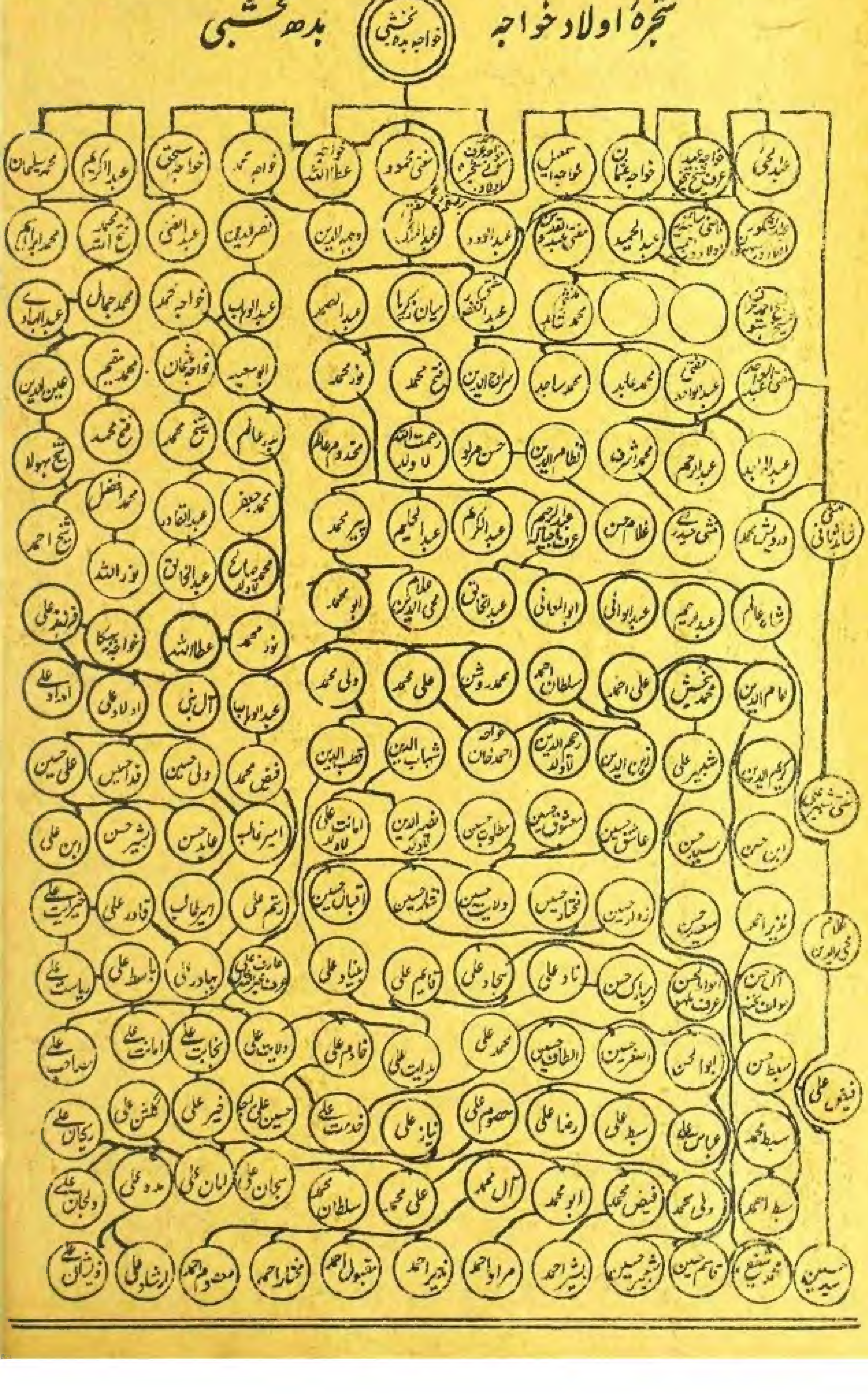

شجرہ اولاد خواجہ احمد عرف خواجہ کالے بخشی

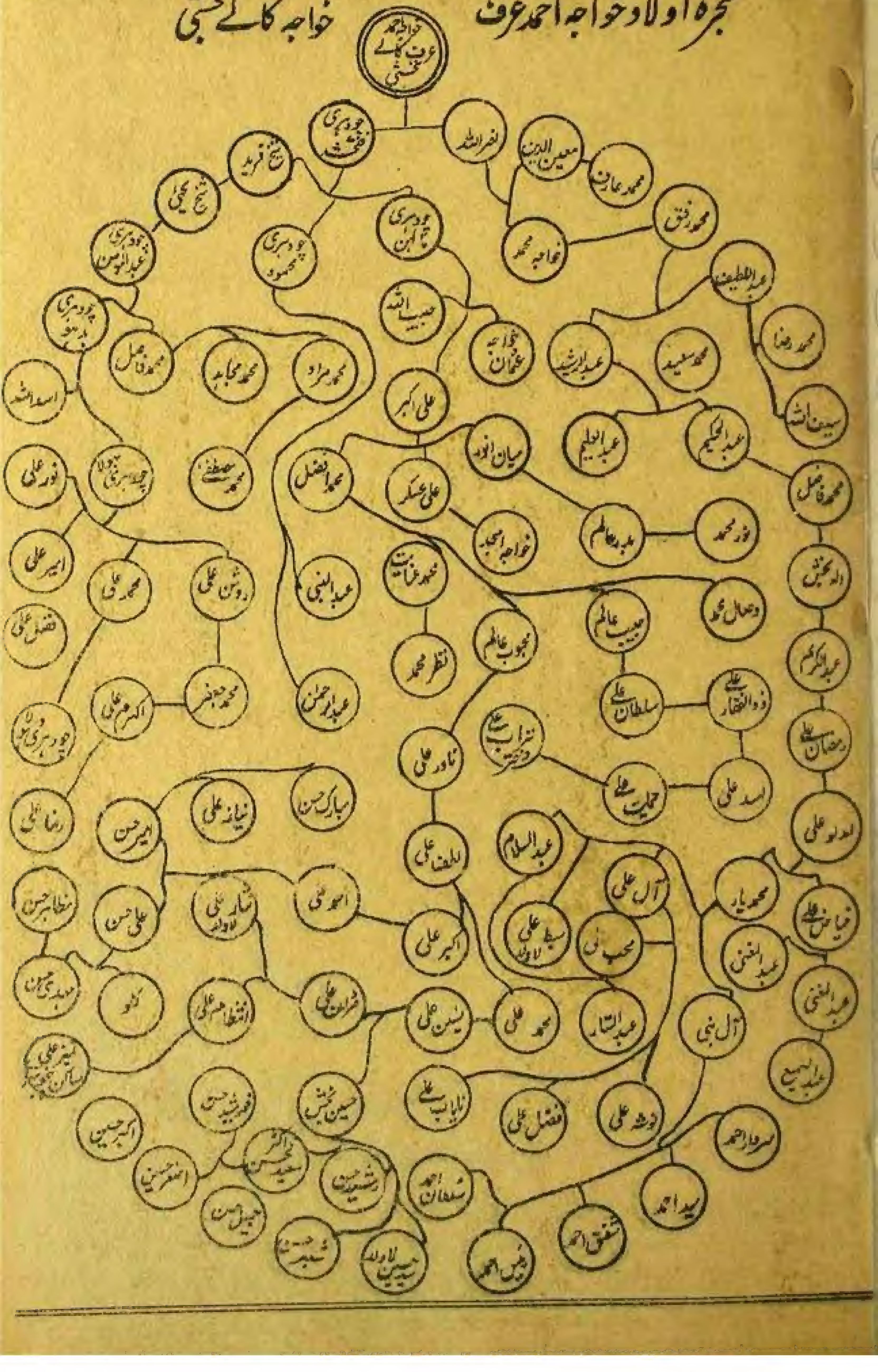

عجمی النسل عجمی النسل خاندانوں میں ترکمان، قزلباش، مغل اور پٹھان خاندان شامل ہیں جنکے جداگانہ تذکرے ذیل میں درج ہیں :-

ترکمان - علمائے انساب نے قبائل ترک کا انتساب یافث بن نوحؑ سے کیا ہے۔ ترکمانوں کو بھی اسی نسل سے بیان کیا جاتا ہے لیکن خود ترک انکو اپنے برابر کا نہیں سمجھتے۔ ترکمان کے لغوی معنی ہیں ترکوں کے مانند۔ صاحب برہان قاطع لکھتے ہیں کہ :-

ترکمان بمعنی مانند ترک و لقب طائفہ ہم است۔ ترکان بے اعتدال گویند ایں طائفہ از اولاد یافث بن نوحؑ نیستند ص ۲۶۹

صاحب غیاث اللغات نے بھی اس قوم کا شمار ترکوں میں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ :-

ترکمان بضم اول و سکون ثانی نام قومے از ترک از لغات ترکی و برہان و در سراج نوشتہ اند کہ چوں اینہا از ترکان پایہ کمتر دارند چنیں موسوم شدند یعنی مانند ترکان و بعضے نوشتہ اند کہ مرکب نیست ص ۱۱۱

الغرض ترکمان ایک قوم کا لقب ہے بعض اسکو ترکوں سے کمتر سمجھتے ہیں اور بعض نسل ان کے۔ ہندوستان میں اس قوم کے متعدد سربرآوردہ اور نامور خاندان آئے۔ شہنشاہ اکبر کا مشہور اتالیق بیرم خاں، خانخاناں اسی قوم کی شاخ قراقریلو سے تھا :-

نسب بیرم خاں خانخاناں بہ ستہ واسطہ بعلی شکر بہارلو کہ از اعاظم طوائف ترکمان قراقریلو است می رسد (ماثر الامرا جلد ا ص ۳۷۵)

اس قوم کا اصلی وطن ترکستان تھا بعض لوگوں نے خلجیوں کو بھی ان کا ہمجد لکھا ہے۔ صاحب تاریخ سلجوقیان لکھتے ہیں کہ ترک یافث بن نوحؑ کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام خلج تھا اُس کی اولاد خلجی مشہور ہوئی۔ سلاطین ہند کے ابتدائی عہد میں ترکمانوں اور خلجیوں کے افراد بکثرت ہندوستان آئے اسلامی فوجؑ کا بیشتر حصہ ان ہی پر مشتمل تھا بعض افراد نے مناصب جلیلہ حاصل کیے حتیٰ کہ خلجیوں

لہ ابتدائی عہد اسلامی میں ترکوں کے مختلف قبائل کی ہندوستان میں اس کثرت سے آمد ہوئی کہ ہندوستان کے ہندوؤں بالخصوص دیہاتیوں کی زبان میں لفظ ترک مسلمان کا مرادف ہو گیا ہندی گیتوں میں ترک اور ترکو مسلمان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ترکو لے ' دینی مورہے گاری رام ۱۲

کی شاندار حکومت بھی قایم ہوئی ۔

امروہہ میں ترکمانوں کا ایک قدیم خاندان ہے جو عرف عام میں بڑگیہ مشہور ہے، بڑی بڑی پگڑیوں (دستار کلاں) کا استعمال قوم ترکمان کی خصوصیات لباس میں رہا ہے اسی خصوصیت کی بنا پر یہ لوگ دستار کلاں اور انکی اقامت گاہ محلہ دستار کلاں سے مشہور و معروف تھا۔ دستار کلاں کا ہندی ترجمہ بڑ پگہ ہوا۔ ہندی میں دستار خرد کو پگیا کہتے ہیں، دستار کلاں استعمال کرنے والوں کو بڑ پگہ کہنے لگے ۔

گذشتہ نصف صدی سے غالباً امروہہ کے بعض اور لوگوں کی تقلید میں اس خاندان کے کچھ افراد نے خاندانی روایات اور اپنے اسلاف کی تحریرات کے سراسر خلاف سیادت نسبی کا ادعا کیا لفظ بڑگیہ کی عجیب و غریب توجیہات و تاویلات پیش کرنے لگے۔ صاحب تاریخ اصغری نے اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق ان حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :-

دوسرا گروہ بڑگیوں کا ہے جو ہونا اپنا خواجہ شمس الدین حسینی شمس العارفین ترکمان بیابانی کی اولاد میں بعض ظاہر کرتے ہیں جن کا مزار دہلی میں ترکمان دروازہ کے نام سے مشہور ہے اور کہتے ہیں کہ ہمایوں گردی میں نسب نامہ تلف ہوگیا ہم لوگ محلہ دستار کلانی واقع بخارا سے آئے ہیں لہذا بڑپگے کہلاتے ہیں (ص ۱)

لیکن یہ توجیہ قابل قیاس نہیں بخارا سے آئے تھے تو بخاری کہلاتے نہ کہ اسکے کسی محلہ سے منسوب ہوکر دستار کلانی جو لوگ دلی سے کسی دوسری جگہ جاکر بسے وہ دلی والے کہلائے نہ اسکے محلہ پھاٹک حبش خاں سے منسوب ہوکر "حبش خانی" مولوی حکیم محمد حسن مولف رسالہ "شجرہ مبارکہ" نے بھی اس توجیہ کو قبول نہیں کیا بلکہ اس سے عجیب تر انوکھی اور پرلطف تاویل یہ کی ہے کہ ایسے چچا کو جو اپنے بھتیجے سے خرد سال ہو ہندی میں بڑپگہ کہتے ہیں مولف تحفہ نے بھی ان ہی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "عمیکہ از برادر زادہ خرد سال باشد در ہندی آنرا بڑپگہ می گویند" لیکن ان حضرات نے اپنے بیان کی تائید میں نہ کسی ہندی لغات کا حوالہ دیا اور نہ یہ بتایا کہ یہ محاورہ کس ملک اور کس

شہر کا ہے۔ خود امروہہ یا روہیلکھنڈ کی زبان کا تو یہ محاورہ نہیں ہے۔ ہندی زبان میں لفظ پگ پیر کے معنی میں ضرور مستعمل ہے اس اعتبار سے "بڑپگہ" کے معنی ہوئے "بڑے پیروالے" لیکن "بڑے پیروالا" چچا اپنے بھتیجے سے عمر میں چھوٹا کیوں کہلاتا اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ جو بھتیجا اپنے چچا سے سن وسال میں بڑا ہو تو وہ ہندی میں "بڑپگہ" کہلاتا تو ہندوستان میں ایسے لاکھوں بھتیجے پیدا ہوئے ہونگے مگر سوائے خاندان ترکمان کے کوئی خاندان بھی آج تک بڑپگہ مشہور نہ ہوا اور نہ اُنکے سوائے امروہہ میں اُن بھتیجوں کی اولاد بڑپگہ کہلائی جو اپنے چچا سے عمر میں بڑے تھے۔ غرضیکہ یہ توجیہ ہرگز قابل قیاس نہیں۔ بڑپگہ حقیقتاً دستار کلاں کا ہندی ترجمہ ہے اور دستار کلاں قوم ترکمان کی خصوصیت۔ اسی وجہ سے ان کا ہندی لقب بڑپگہ ہوگیا امروہہ کے ایک خاندان سادات ملقب بہ دستار سیاہ کی خصوصیت "دستار سیاہ" تھی جس کا ہندی ترجمہ "کالی پگڑی" ہوا چنانچہ اس خاندان کا اقامت گاہ آج تک محلہ دستار سیاہ و کالی پگڑی مشہور ہے، مدعیان سیادت نے شاید اس خیال سے دستار کلاں کے ترجمہ بڑپگہ کی یہ انوکھی توجیہ کی ہوگی کہ ترکمانوں کی خصوصیت چونکہ دستار کلاں ہے اور اسی کی وجہ سے یہ لوگ بڑپگے کہلائے تاوقتیکہ یہ دستار کلاں اس قوم کے سر سے اتار کر نہ رکھدی جائے سیادت کے خط وخال بخوبی ظاہر نہیں ہوسکتے! توجیہ مندرجہ بالا کے علاوہ سیادت نبی کے ثبوت میں ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس خاندان کے بزرگ امان اللہ صوفی مشرب تھے جن کا نام آئین اکبری میں بزمرۂ اہل باطن درج ہے اکبر بادشاہ کو ان سے عقیدت تھی، سید محمد میر عدل و سید مبارک اور دیگر سادات امروہہ نے جب ان کی سیادت سے انکار کیا تو امان اللہ مذکور نے ۹۷۰ھ میں اکبر بادشاہ کے یہاں استغاثہ کیا، سیادت نبی کا ثبوت پیش کیا جس پر دربار شاہی سے مرزا محمد سلطان حاکم امروہہ کے نام اس مضمون کا ایک فرمان صادر ہوا کہ سید محمد میر عدل وغیرہ کو اپنے سامنے طلب کرکے فہمایش کردو کہ آج سے سیادت مآب موٗی الیہ کی اہانت نہ کریں اور بوجہ شرعی معترض ہوں اور اگر اس پر بھی ان کا تمرد ظاہر ہو تو موافق شرع شریف ان کو سزا دو "شجرہ مبارکہ" کے مولف مولوی حکیم محمد حسن اور صاحب تحبہ نے یہ روایت آب وتاب سے لکھکر فرمان مذکور کی نقل بھی درج کردی ہے لیکن حسب ذیل وجوہ سے نہ یہ

روایت صحیح اور قابل قیاس ہے نہ مضمون فرمان :-

اولاً یہ کہ جن شیخ امان اللہ کا نام آئین اکبری کی "جدول دانش اندوزاں جاوید دولت" میں نمبر ۲۲ پر درج ہے جن کا تذکرہ اسی کتاب کی جلد سوئم میں بزمرۂ مشائخ کیا گیا ہے جن سے ابتداً اکبر کو عقیدت و ارادت تھی وہ شیخ امان اللہ امروہہ کے نہیں بلکہ پانی پت کے ساکن تھے نام عبدالملک عرف امان اللہ تھا شیخ امان سے بھی مشہور ہیں باپ کا نام عبدالغفور تھا شیخ محمد حسن بن شیخ طاہر کے مرید تھے انکے حالات مختلف کتب تذکرہ مشائخ و آئین اکبری وغیرہ میں درج ہیں سوال یہ ہے کہ جب اس روایت کے ہیرو کی شخصیت ہی دوسری ثابت ہوئی تو یہ روایت کس طرح قابل قبول ہوسکتی ہے ؟ ــ

ثانیاً ـ یہ کہ امان اللہ مذکور کا جن اشخاص کے خلاف دربار شاہی میں استغاثہ دائر کیا بیان کیا جاتا ہے یعنی سید محمد میر عدل و سید مبارک یہ دونوں بھائی ۹۸۰ھ سے بہت پہلے سے شاہی ملازمت میں داخل تھے اور ان میں سے ایک سید محمد میر عدل دربار اکبری کے رکن تھے کسی شخص کی سیادت نسبی کو تسلیم نہ کرنا اگر کوئی جرم تھا اور یہ استغاثہ دربار شاہی میں واقعاً پیش بھی ہوا تو بادشاہ نے فریق ثانی کو بھی جوابدہی کا موقع دیا ہوگا سید محمد میر عدل وہیں موجود تھے وہ میر عدلی کے منصب پر اگرچہ اس وقت تک فائز نہیں ہوئے تھے تاہم نہ صرف بادشاہ کے روشناس اور منصبدار و رکن دربار تھے بلکہ بوجہ انکے تبحر علمی بزرگی اور سیادت نسبی کے بادشاہ ان کا بہت کچھ پاس و ادب کرتا تھا ۹۸۰ھ میں بادشاہ کی عمر بیس سال سے زائد نہ تھی علوم سے بے بہرہ تھا اور یہ استغاثہ احکام شرعیہ سے متعلق تھا اس لیے بادشاہ کا مولانا سید محمد میر عدل جیسے رکن دربار عالم متبحر کے خلاف جنکے علم و فضل اور بزرگی کا وہ معترف تھا ان کا جواب سنے بغیر ان کے وطن کے حاکم کے نام جو ان سے مرتبہ میں بہت کم تھا اس قسم کا تہدید آمیز حکم جاری کرنا ہرگز قابل قیاس نہیں ہوسکتا ـ اور اگر میر عدل موصوف سے اس بارے میں استفسار کیا گیا اور ان کا جواب بھی لیا گیا تو زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ مستغیث کے مقابلہ میں جن سے بادشاہ اور اہل دربار قطعاً ناواقف تھے اور نہ انکو کوئی اعزاز

ومرتبہ حاصل تہا میر عدل کے بیان کو زیادہ وقعت دی گئی ہو گی اور جس شخص کی سیادت نسبی کی ان
جیسے عالم متبحر اور نیک صفات و دیندار بزرگ نے نفی کی ہو گی بادشاہ و اہل دربار نے اسی کو صحیح سمجھا
ہو گا مدعیان سیادت نے شاید اس غرض سے امروہہ کے امان اللہ کو پانی پت کے شیخ امان اللہ سے منسوب
کرنے کی کوشش کی کہ ان کا نام آئین اکبری میں دکہا کر اور بادشاہ کی عقیدت و ارادت کا حال سنا کر
میر عدل جیسے شخصیت کے مقابلہ میں دربار شاہی سے انکے کامیاب ہونے کو ناواقفوں سے منوالینا
کچھ دشوار نہ ہو گا ؛

ثالثاً یہ کہ خاندان ترکمان میں کوئی شخص حقیقتاً امان اللہ نام تہے وہ اپنے کو نسباً سید بھی کہتے
تھے سید محمد میر عدل نے انکی سیادت کو تسلیم نہیں کیا اور اس لیئے انہوں نے اکبر بادشاہ کے یہاں استغاثہ
کیا سیادت نسبی کا ثبوت پیش کیا بادشاہ نے سید محمد میر عدل اور ان سادات امروہہ کی تہدید و تعزیر
کے لیئے حاکم امروہہ کے نام فرمان بہیجا جو مستغیث کی سیادت سے منکر تھے اور امان اللہ اور انکے خاندان
کو سادات امروہہ اولاد حضرت شاہ ولایتؒ کے مقابلہ میں یہ شاندار فتح حاصل ہوئی تو یہ واقعہ
اپنی اہمیت کے لحاظ سے ایسا واقعہ ضرور تہا کہ اس کی شہرت دور و نزدیک ہوئی ہو گی امروہہ کا
ہر باشندہ اس سے واقف ہو گا کم از کم مستغیث اور انکے خاندان بڑگیہ کا بچہ بچہ اس سے آگاہ ہو گا
یہ لوگ اپنی سیادت نسبی کا اظہار علی روس الاشہاد کرتے ہوں گے اپنی تحریرات میں ناموں کے ساتھ مخالفین
کے مقابلہ میں تو ضرور لفظ سید پابندی سے لکھتے ہونگے پھر کیا وجہ ہے کہ امان اللہ مذکور کے بیٹوں
پوتوں اور ان کی اولاد نے نیز شیخ داؤد بڑگیہ کے اخلاف نے جنہیں مطبوعہ شجرہ میں نیز صاحب
شجرہ مبارکہ اور نخبہ نے امان اللہ مذکور کا جد اور عم بزرگوار لکہا ہے اپنی کسی تحریر میں کبھی بہولکر بھی نسب کا
اظہار لفظ سید سے نہیں کیا بلکہ شجرہ مبارکہ کی تالیف کے زمانہ اور اسکے بعد تک اہل خاندان اظہار نسب
میں لفظ شیخ و دستار کلاں بڑگیہ و ترکمان ہی لکھتے رہے جسکے ثبوت میں خاندان کی ہر شاخ کی صدہا
کہنہ دستاویزات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔ اگر یہ خاندان فی الواقع سید فاطمی تہا اور جیسا کہ
دعویٰ کیا گیا ہے سید جلال الدین میر سرخ بخاری کی اولاد سے تہا اور انکے بزرگ اپنے کو نسباً سید جانتے

اور سمجھتے تھے، سادات امروہہ کے مقابلہ میں سیادت نسبی کا ثبوت دربار شاہی میں دے چکے تھے، سید محمد میر عدل جیسی شخصیت کے خلاف نفی سیادت کے جرم میں تعزیری احکامات جاری کرا چکے تھے تو سوال یہ ہے کہ مولف شجرۂ مبارکہ کے اسلاف اور خاندان کے دیگر افراد نے اپنی سیادت کو کیوں مخفی رکھا اور کبھی تحریر میں اس کا اظہار کیوں نہیں کیا؟ جواب صاف ظاہر ہے کہ نہ اس خاندان کے بزرگ اپنے کو نسباً سید سمجھتے تھے "شجرۂ مبارکہ" کے زمانہ تالیف سے قبل تک نہ ان میں سے کسی نے اس کا دعویٰ کیا، نہ کسی نے کبھی دربار شاہی میں استغاثہ پیش کیا، نہ کوئی فرمان کسی حاکم امروہہ کے نام آیا۔ یہ سب بعد کے زمانہ کی اختراعات و موضوعات ہیں۔ خاکسار کو پوری جستجو و تفتیش کے باوجود اُن فرامین و تحریرات میں سے جن کی نقول اثبات سیادت میں مولفین شجرۂ مبارکہ و نخبۃ التواریخ نے درج کی ہیں کسی ایک فرمان و دستاویز کی اصل و نقل اہل خاندان کے پاس سے دستیاب نہ ہو سکی۔ تلف ہو جانے کے قصے البتہ سننے میں آئے۔ سید جلال الدین بخاری کی اولاد جن سے سلسلہ نسب ملانے کی کوشش کی گئی۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں آباد ہے لیکن ہر جگہ یہ لوگ اپنے خاندانی لقب سادات بخاری سے معروف و مشہور ہیں نہ کہ سادات ترکمانی و بڑیگہ سے۔ سادات ترکمانی کی ترکیب بھی غلط ہے ترکمان ایک قوم کا نام ہے جو نسباً عجمی ہے نہ کہ عربی یہ لوگ نسباً سید اور سید جلال بخاری کی اولاد تھے تو اپنے دیگر ہمجد خاندانوں کی طرح سادات بخاری کہلاتے نہ ترکمان و بڑیگہ۔

تاریخ اصغری ونخبہ نے شجرہ نسب کے تلف ہو جانے کا ذکر کیا ہے باایں ہمہ جو شجرہ خاندان کا شائع کیا گیا ہے وہ شیخ داؤد بڑیگہ سے اوپر صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اُن سے نیچے کے ناموں میں متعدد غلطیاں ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ شیخ مذکور کے تین بیٹے ہوئے شیخ منجھو و شیخ جلال اور شیخ عبدالواحد (ملاحظہ ہو صورت حال جس کا عکس جداگانہ شائع کیا جاتا ہے)

خاندان شیخ منجھو۔ شیخ منجھو کی اولاد میں مولوی حکیم محمد حسن مولف "شجرہ مبارکہ" کا خاندان ہے ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:۔ مولوی حکیم محمد حسن بن شیخ کرامت علی بن شیخ رستم علی بن شیخ محمد حسن عرف موتی بن شیخ فضل بن شیخ مسعود بن شیخ حبیب بن شیخ مکھن بن شیخ منجھو بن شیخ داؤد بڑیگہ

ان میں سے اکثر اشخاص کی تحریرات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں جن میں بلا استثنا ہر شخص نے اپنے نسب کا اظہار لفظ شیخ و دستار کلاں دپڑپگاہ سے کیا ہے مثلاً مولوی حکیم محمد حسن کے پدر بزرگوار دستاویز مرقومہ ۲۸ رمضان سنہ ۱۲۵۶ھ میں اپنا نام و نسب اس طرح تحریر کرتے ہیں:۔ "میں کہ شیخ کرامت علی بن شیخ رستم علی دستار کلاں" انکے دادا شیخ رستم علی کے دستخط متعدد دستاویزات پر موجود ہیں مثلاً دستاویز اقراری امام خاں مرقومہ سنہ ۱۲۲۶ھ میں انکے دستخط ان الفاظ میں ثبت ہیں:۔

گواہ شد شیخ رستم علی بن شیخ موتی" مولوی حکیم محمد حسن کے دادا چھ بھائی تھے۔ رستم علی، شجاعت علی رمضان علی، انور علی، سعادت علی و بہادر علی۔ شجاعت علی جن کی اولاد میں منشی عبد الرؤف و ذکی حسن ابنائے منشی عبد الغفور ہیں، دستاویز مرقومہ ۴ جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۳ھ میں اپنے نام و نسب کا اظہار بالفاظ ذیل کرتے ہیں "منکہ شیخ شجاعت علی بن شیخ موتی ساکن قصبہ امروہہ ام" انکے دوسرے بھائی شیخ رمضان علی اور انکے بیٹے شیخ امان علی جن کی اولاد میں منشی محمد حسین چشتی ولد منشی محمد عمر و منشی رضا حسن ولد عبد القادر اور انکے بھتیجے عبد الجلیل ایم ایس سی بن مولوی عبد اللطیف وغیرہ ہیں، اظہار نسب میں ہمیشہ لفظ شیخ و دستار کلاں تحریر کرتے تھے۔ حالانکہ اس خاندان میں کبھی شیخیت و طریقت کا کوئی سلسلہ قایم نہیں ہوا۔ شیخ محمد حسن عرف موتی مذکور کے دستخط دستاویز اقراری شیخ یاد علی مرقومہ سنہ ۱۱۹۴ھ متعلق موضع پچوسرائے پر ان الفاظ میں تحریر ہیں "گواہ شد شیخ موتی بن شیخ فیض محمد بن شیخ مسعود" شیخ موتی کے دوسرے بھائی شیخ احمد حسن کے کئی بیٹے تھے منجملہ انکے ایک شیخ روشن علی تھے جن کی اولاد میں مولوی خلیل الرحمن مرحوم اور انکے برادر زادگان مولوی محبوب الرحمن و جمیل الرحمن۔ نزیل دہرہ دون ابنائے حبیب الرحمن بن شیخ الہی بخش نیز شفیق احمد و لئیق احمد و خلیل احمد ابنائے شیخ عبد اللہ بن مولوی امداد العلی ہیں مولوی امداد العلی جو فاضل عہد تھے اپنے نسب کا اظہار دستاویز مرقومہ ۴ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۴ھ میں بالفاظ ذیل کرتے ہیں:۔ "اقرار معتبر شرعی کردہ مجبر باسم و نسب خود مسمی مولوی امداد العلی بن شیخ وزیر علی بن روشن علی" دستاویز مذکور پر ان کے برادر حقیقی شیخ شمشاد علی وغیرہ کی گواہیاں ثبت ہیں۔ اسی طرح مولوی خلیل الرحمن مرحوم کے پدر بزرگوار اور مولوی محبوب الرحمن و جمیل الرحمن وغیرہ کے جد امجد شیخ الہی بخش دستاویز بینامہ

مرقومہ ۱۱ر اگست ۱۸۶۴ء میں اپنے نسب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:- "میں کہ شیخ الٰہی بخش بن شیخ منیر علی ولد شیخ روشن علی" یہ دستاویز بیعنامہ مولوی حکیم محمد حسن کے برادر عمزاد شیخ حسین علی کے موسومہ ہے۔ دستاویز مذکور میں ان کا نام اس طرح تحریر ہے "شیخ محمد حسین علی بن شیخ اکبر علی ولد شیخ رستم علی" اس دستاویز پر خاندان بڑگہ کے اکثر افراد کے دستخط لفظ شیخ کے ساتھ ثبت ہیں مولوی حکیم خلیل الرحمٰن کے دستخط بھی ان الفاظ میں موجود ہیں "محمد خلیل الرحمٰن بن شیخ الٰہی بخش بایع مذکور" گویا ۱۸۶۴ء تک سیادت نسبی کی روایت شروع نہیں ہوئی تھی۔ شیخ محمد حسن عرف موتی کے باپ شیخ فیض محمد اور انکے بھائی شیخ محمد عاشق کے دستخط اور تحریرات بھی موجود ہیں۔ دستاویز مرقومہ دہم جمادی الثانی سنہ ۲ جلوس میں شیخ محمد عاشق اپنا نسب اس طرح ظاہر کرتے ہیں "غرض ایں نوشتہ آنکہ منکہ محمد عاشق بن شیخ مسعود بن شیخ حبیب ام" انکے باپ شیخ مسعود کے دستخط دستاویز مرقومہ ۵ر شعبان سنہ ۱۱۳۰ھ پر بالفاظ ذیل ثبت ہیں "گواہ شد شیخ مسعود بن شیخ حبیب بڑگاوہ" شیخ مسعود مذکور کے پدر بزرگوار شیخ حبیب بن شیخ مکھن بن شیخ مجھو بن شیخ داؤد نے موضع داؤد سرائے کے متعلق شیخ افضل بن شیخ احمد بن شیخ عبدالواحد بن شیخ داؤد مذکور سے تنازعہ کیا، یہ معاملہ میاں محمد خاں فوجدار امروہہ کی عدالت میں دوازدہم شہر شوال سنہ ۱۱۲۸ھ کو پیش ہوا۔ اس میں کا نام و نسب لفظ شیخ سے تحریر ہے۔

خاندان شیخ عبدالواحد شیخ داؤد بڑگہ کے دوسرے بیٹے شیخ جلال اور تیسرے شیخ عبدالواحد تھے۔ مطبوعہ شجرہ میں عبدالواحد کا نام درج نہیں ہے۔ ان کی اولاد کو انکے بھائی شیخ جلال کی نسل میں ظاہر کرکے یہ لکھدیا گیا ہے کہ پنجاب کو گئے حالانکہ انکے بھائی شیخ جلال کی اولاد نہ تھی (ملاحظہ ہو دستاویز صورت حال)، شیخ جلال مذکور کو حسب فرمان مجریہ ۲۹ ر ذیلقعدہ سنہ ۹۸۳ھ موضع سرائے شیخ داؤد میں جو بعد میں داؤد سرائے سے مشہور رہوا، اراضی مدد معاش عطا ہوئی۔ پروانہ و تصحیحات میں ان کا نام "شیخ جلال بن شیخ داؤد" درج ہے۔ مطبوعہ شجرہ کی رو سے شیخ جلال مذکور ان امان اللہ کے جنکے دربار اکبری میں سیادت نسبی کا ثبوت پیش کرنے کی اختراعی داستان آب تاب سے بیان کی گئی ہے برادر عمزاد و معصر و ہم زمانہ تھے لیکن اسی دربار شاہی سے جہاں سے اس خاندان کی سیادت کا

انکار کرنے والوں کے لیے تعزیری احکام کا جاری ہونا بیان کیا گیا ہے ان کی سیادت نبی کا اظہار نہ کیا گیا بلکہ لفظ شیخ تحریر ہوا بحالیکہ انہیں چودھراہٹ کا عہدہ ملا ہوا تھا جو انکے برادر زادگان میں نسلاً بعد نسل متوارث رہا۔ شیخ جلال مذکور کے اولاد صلبی نہ تھی۔ شیخ جمال و جلال دو شخصوں کو متبنیٰ کیا تھا۔ انکے بھائی عبدالواحد کے شیخ محمد اور شیخ احمد دو بیٹے تھے شیخ محمد کا عرف شیخو تھا۔ مطبوعہ شجرہ میں ان دونوں بھائیوں کے نام درج نہیں کیے گئے حالانکہ متعدد دستاویزات اسکے ثبوت میں خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔ شیخ احمد کے فرزند شیخ افضل ہوئے اور انکے شیخ فیض۔ شیخ فیض مذکور دستاویز مرقومہ ۱۵ رشوال سنہ ۱۱۰۹ھ میں جس کا عکس بھی جداگانہ شائع کیا جاتا ہے اپنے نام و نسب کا اظہار بالفاظ ذیل کرتے ہیں "اقرار کردہ و اعتراف صحیح شرعی نمودہ مخبر باسم و نسب خود مسمی شیخ فیض بن شیخ افضل بن شیخ احمد ترکمان" شیخ فیض کے صرف اولاد دختری تھی۔ شیخ محمد عرف شیخو کے جن کی متعدد تحریرات مولف کے پاس موجود ہیں شیخ غلام محی الدین عرف گوجر خان اور شیخ مبارک دو بیٹے اور مسماۃ شاہ دولت و چھجی و خوب جہاں تین بیٹیاں تھیں۔ مطبوعہ شجرہ میں ان غلام محی الدین کو غلطی سے شیخ جلال کا بیٹا لکھ دیا گیا ہے۔ شیخ مبارک کے اولاد دختری تھی۔ شیخ محمد حارث اور شیخ منیر فاروقی انکے نواسے تھے۔ غلام محی الدین عرف گوجر خان کے محمد ماہ و شیخ مبارک و شیخ اسمٰعیل و مقصود محمد چار بیٹے تھے۔ مطبوعہ شجرہ میں صرف اول الذکر کا نام درج ہے۔ محمد ماہ کے تین بیٹے ہوئے فتح محمد و پیر محمد و عبدالحفیظ۔ آخر الذکر کا نام مطبوعہ شجرہ میں درج نہیں ہے۔ شیخ پیر محمد کی اولاد میں الطاف علی و رفعت علی و عباس علی و آل نبی ابنائے چودھری عرفان علی بن چودھری مہربان علی بن چودھری شیخ رحیم الدین بن چودھری شیخ لطف علی عرف کلو بن شیخ طفیل محمد بن شیخ پیر محمد مذکور ساکنان محلہ قریشی ہیں۔ چودھری عرفان علی مذکور کے دادا چودھری شیخ رحیم الدین عرف چودھری جماں کے دو بھائی اور تھے یعنی شیخ عظیم الدین و شیخ کریم الدین انکے نام مطبوعہ شجرے میں درج نہیں یہ سب حضرات اپنے نام و نسب کا اظہار لفظ شیخ و چودھری سے اور انکے بزرگ لفظ ترکمان سے کرتے تھے جسکے ثبوت میں صدہا کاغذات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔ اس

شیخ کی قرابت خاندان نخششی سے زیادہ بھی غالباً ان ہی کی تقلید میں سیادت نسبی کی روایت وضع ہوئی بعد میں ان کی قرابت خاندان چودہری صاحبان سکنہ محلہ چاہ شور سے رہی۔ تقریباً ساٹھ ستر برس پیشتر تک یہ لوگ اسی محلہ میں سکونت رکھتے تھے۔ غرضکہ مندرجہ بالا تصریحات کی روسے یہ ثابت و محقق ہے کہ یہ خاندان نسباً ترکمان اور عجمی ہے نہ سید و عربی۔ سیادت کی روایت زمانہ حال کے اختراعات سے ہے جو خود ان ہی کے اسلاف کی مستند تحریرات سے بے بنیاد غلط اور وضعی ثابت ہوئی۔ خاندان کا شجرہ حسب ذیل ہے ٭ اس خاندان ترکمان کے علاوہ جو عرف عام میں برٹگہ مشہور ہے۔

آغا محمد حسین خاں ولد نواب محمد علی خاں برادر نسبتی شیخ الٰہی بخش بھی نسباً ترکمان طبقہ قراقریلو سے ہیں انکے جد امجد مظفر الدولہ مظفر الملک ممتاز الملک نواب مرزا حسین علی خاں بہادر فتح جنگ شاہان اودھ کے خاندان سے تھے اور شاہان اودھ کی جانب سے اضلاع مراد آباد و بریلی کے صوبہ و ناظم تھے۔ انکے فرزند نواب مرزا زین العابدین خاں صفدر جنگ بھی روہیلکھنڈ کے صوبہ رہے آغا صاحب انہی کے نبیرہ ہیں ٭ اور بتعلق قرابت شیخ الٰہی بخش مرحوم محلہ صدر میں ساکن ہیں۔

شجرہ اولاد شیخ داؤد بڑیکہ

قزلباش۔ یہ خاندان تقریباً نصف صدی سے امروہہ میں متوطن ہے، مورث ان کے سردار محمد حسین خاں قبیلہ تالش قزلباش تھے، آباؤ اجداد صوبہ لنکران (ایران) کے رہنے والے احمد شاہ ابدالی کے زمانہ میں ایران سے کابل آئے اور مناصب جلیلہ پر ممتاز ہوئے۔ شاہ شجاع الملک کے ساتھ یہ خاندان ہندوستان آیا۔ سردار محمد حسین خاں کے پدر بزرگوار سردار حیدر علی خاں بن شیر محمد خان وزیر جنگ افاغنہ میں بہمراہی شاہ شجاع الملک کام آئے۔ سردار صاحب نے حکومت برطانیہ کی ملازمت اختیار کی سرحدی کمیشن کے حسن خدمات کے صلہ میں علاوہ تین ہزار ایکڑ اراضی واقع ملک برہما ایک موضع پرگنہ امروہہ میں منجانب گورنمنٹ عطا ہوا اسی تعلق سے ۱۸۸۱ء سے یہاں سکونت اختیار کی ۔

قزلباش نسباً ترک ہیں، امیر تیمور صاحب قران نے فتح روم کے وقت ترکوں کے بعض قبائل کو جو اُسارا کہلاتے ..... تھے گرفتار کیا تھا جنہیں وہ اپنے ساتھ ایران لایا۔ شیخ صفی الدین اسحٰق اُردبیلی قدس سرہٗ کے نبیرہ شیخ خواجہ علی کی سفارش پر یہ لوگ آزاد ہوئے اور ایران میں متوطن ہوگئے۔ اسی بنا پر خاندان شیخ کے ساتھ اس قوم کو نہایت درجہ ارادت و عقیدت تھی بالآخر اسی قوم کی امداد سے شیخ کے اخلاف میں سے سلطان اسمٰعیل صفوی نے ایران کی سلطنت حاصل کی اور ترکوں کے ان قبائل کو قزلباش کا خطاب دیا:۔

"از ہماں قبائل اتراک چیدہ کلاہ سرخ بآنہا عطا کرد و ہمہ را ملقب بہ قزلباش ساخت.....
قزلباش در ترکی سُرخ یعنی سر آمدہ۔ اصل قزلباش ہم ترکی است ...... واز ہمیں سبب است کہ ترکاں در توراں گویند کہ قزلباش ہم بچہ ماست"۔

یہ لوگ ابتداءً سُنی المذہب تھے۔ جب سلطان اسمٰعیل صفوی نے مذہب اثنا عشری اختیار کیا اور ایران میں اُس کو رائج کیا یہ بھی شیعہ ہوگئے۔

"اول سلاطین صفویہ او بودہ است و مذہب اثنا عشری در ایران از وقت او جا بجا رواج و رونق پذیرفت"۔

آغا محمد حسین خاں بن سردار حیدر علی خاں قزلباش نے خاندانی رواج کے موافق مدۃ العمر فوجی ملازمت کی، رسالدار میجر سردار بہادر کے عہدہ تک ترقی پائی اور آنریری کپتان ہوئے۔ حکومت کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، پنشن کے بعد مستقل سکونت امروہہ میں (ضلع چوکسی (اپر برما) اختیار کرلی تھی ۵ راکتوبر ۱۹۰۸ء کو امروہہ میں وفات پائی، بڑے بہادر، مدبر، مرنجان مرنج اور خوش طبع تھے۔ انکے دو بیٹے آغا زین العابدین خاں اور آغا علی احمد خاں برما میں رہتے ہیں، پانچ صاحبزادیاں ہیں۔ جن میں سے دو ان کے دونوں بھانجوں آغا نوازش علی خاں اور آغا صادق حسین پسران سردار آغا غلام علی خاں کے عقد میں آئیں۔ آغا نثار علی خاں بن آغا فدا علی خاں بھی اسی خاندان سے ہیں اسی خاندان میں میر برکت حسین خاں بن میر شجاعت علی خاں ہیں جو میر ابوالحسن خاں سے پانچویں پشت میں ہیں۔ میر ابوالحسن خاں نسباً سید فاطمی وطن آبائی خراسان تھا تیمور شاہ کے زمانہ سلطنت میں افغانستان آئے اور شاہ شجاع کی ملازمت اختیار کی۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے بڑے معتمد الیہ ہوگئے۔ مقرب الخاقان کا خطاب پایا، صندوقخانہ جواہرخانہ و خزانہ کے محافظ ہوئے، پشاور کے گورنر مقرر ہوئے۔

برطانوی مشن جو لسبرکردگی الفنسٹن صاحب گورنر بمبئی ان ایام میں وہاں گیا تھا اس پر میر ابوالحسن خاں کی قابلیت کا نہایت اچھا اثر پڑا تھا۔ شاہ شجاع جب افغانستان سے بھاگ کر ہندوستان آئے میر ابوالحسن بھی ساتھ تھے، یہاں بھی انہوں نے اپنے آقا کی نمایاں خدمات انجام دیں جب شاہ شجاع دوبارہ برطانیہ کی امداد سے افغانستان کے تخت پر بیٹھے اور کچھ عرصہ کے بعد مقتول ہوئے تو میر ابوالحسن بھی شاہ مقتول کے خاندان کے ساتھ ہندوستان آئے اور لدھیانہ میں مقیم ہوئے۔ خاندان قزلباش کے ساتھ انکے قدیمی تعلقات رشتہ داری تھے اسی وجہ سے سادات کا یہ خاندان بھی قزلباش میں شمار ہوتا ہے۔ آغا محمد حسین خاں کی ہمشیر میر برکت حسین کے دادا میر محمود خاں کے عقد میں تھیں اور خود میر برکت حسین آغا موصوف کے نواسہ ہیں۔

شجرہ نسب اولاد محمد حسن خاں بیگلربیگی تالش لنکرانی قزلباش لفٹنٹ نادرشاہ

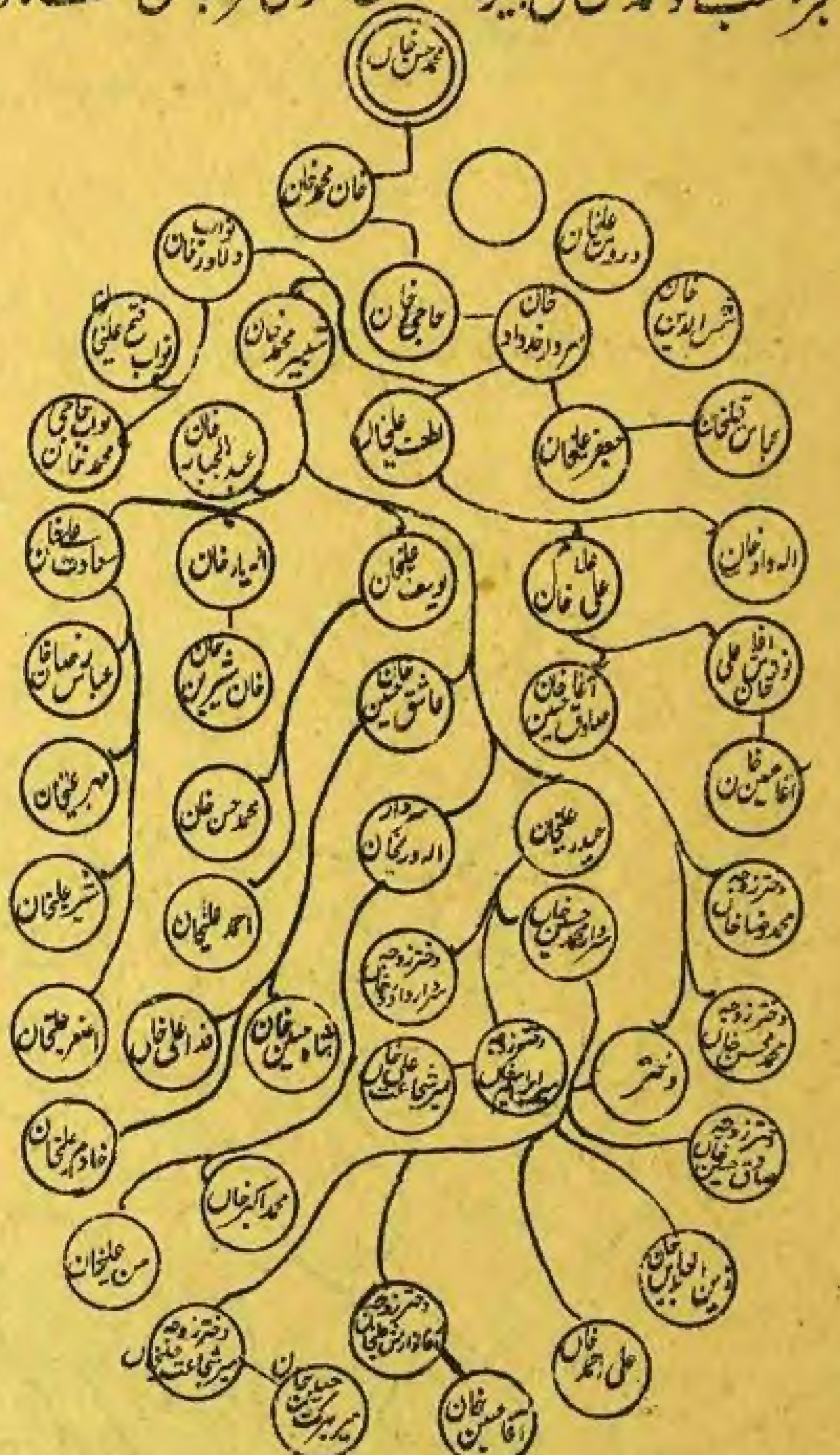

مغل | مغلوں کے دو جداگانہ خاندان ہیں۔ ایک خاندان قبیلہ لاری جنکے مورث اعلیٰ مولانا علاء الدین محمد لاری کا تذکرہ زمرۂ علماء میں ملاحظہ ہو۔ ان کی قرابتیں سابق میں سادات و شیوخ سے ہوتی تھیں اور اب بھی ہوتی ہیں۔ ان میں مرزا یعقوب الدین و چودھری انوار الحق و حاجی ریاض الحق وغیرہم ساکنان محلہ چاہ غوری ہیں۔

دوسرا خاندان اولاد مرزا زین آلدین بیگ ساکنان محلہ صدّو و بارہ پوتیاں کا ہے۔
ان میں مولوی مکھو بیگ و مولوی عظیم اللہ بیگ نامور تھے۔ مرزا عبدالرؤف بیگ ان میں ذی علم
ہیں۔ تیسرا خاندان مرزا انور بیگ وغیرہ کا ہے جن کی اولاد دربار کلاں میں ساکن ہے۔

شجرہ اولاد مرزا زین الدین بیگ ساکنان محلہ صدّو بارہ پوتیاں

شجرہ اولاد مرزا علاء الدین محمد لاری ساکنان محلہ چاہ غوری

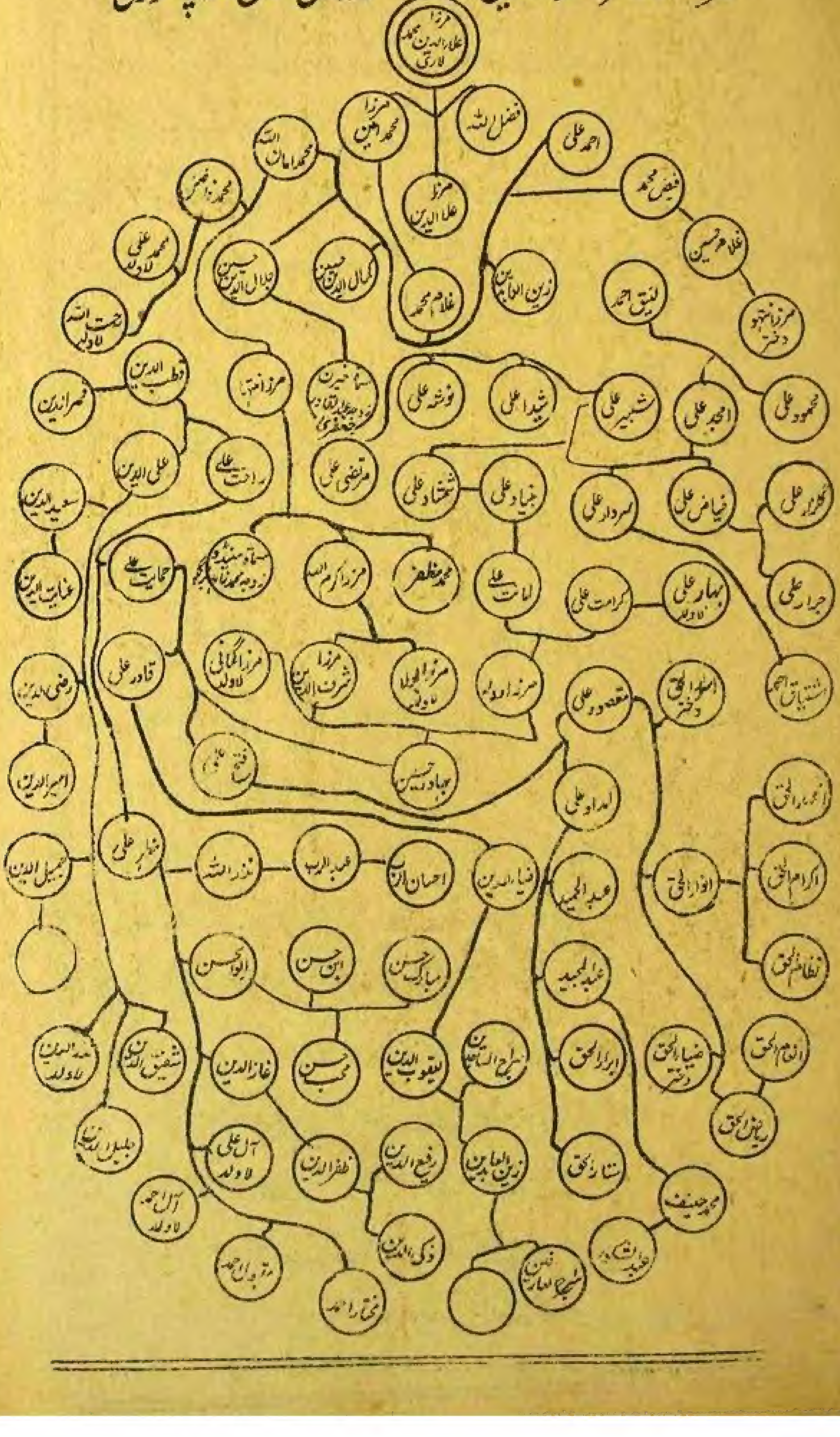

افغان و پٹھان

امروہہ میں افغانوں اور پٹھانوں کے معدودے چند صحیح النسب اور قدیم خاندان ہیں اصلی پٹھانوں کے علاوہ بعض ایسے خاندان بھی ہیں جو تگوں گوجروں جاٹوں وغیرہ سے مسلمان ہو کر اپنے ناموں کے ساتھ لفظ خاں استعمال کرنے لگے، سادات وکمبوہ وکلال خاندانوں کے جن مورثوں کو خطاب خانی کسی زمانہ میں عطا ہوا تھا ان کی اولاد حتیٰ کہ انکے نواسے بھی خان کہلاتے ہیں صحیح النسب افغانوں میں نیاز اللہ خاں ولد جو خاں بن عبداللہ خاں ساکنان محلہ بازار جاٹ اور عبدالوہاب خاں ولد جنگ باز خاں و اسلم شاہ خاں عالم شاہ خاں ابنائے حیدر شاہ خاں و سلیم شاہ خاں ولد کریم شاہ خاں سکنہ محلہ قریشی و مولوی محمد اختر شاہ خاں ساکن محلہ گھیر بدر علی نزیل میرٹھ و محبوب خاں ساکن محلہ پیرزادہ جنکا شجرہ ذیل میں درج ہے۔

عم حلیم اللہ خاں ساکن شاہ علی سرائے و حیات خاں نبیرۂ نیاز اللہ خاں

عنایت خاں لاتی

- نصرت خاں
  - یعقوب خاں
    - عبدالرحیم خاں
    - عبدالکریم خاں
  - ایوب خاں (لاولد)
  - محبوب خاں
- محمد اویس خاں (لاولد)
- نظیر خاں (لاولد)

نیز ابراہیم خاں و جلیل خاں و جمیل خاں و محمد خلیل خاں ابنائے اسمٰعیل خاں ولد حافظ محمد صدیق بن غلام محمد خاں ساکنان محلہ پیرزادہ و عبدالرحمٰن خاں عبدالرحیم خاں و عبدالکریم خاں ابنائے ابو خاں ولد جو خاں نبیرہ قادر بخش خاں بن حیات خاں ساکن محلہ مولانا و محمد حسن خاں بن امام خاں ساکنان محلہ نوبت خانہ وغیرہ ہیں۔

لودی ان میں کئی خاندان ہیں قدیم خاندان ساکنان محلہ گھیر مناف و بٹوال کا ہے جنکے مورث مبارک خاں عرف ماکھو لودی آخر عہد اکبری میں بعطائے املاک مدد معاش امروہہ آئے ان میں بعض اشخاص کو یومیہ بھی ملتا تھا قطعات زمین سکنائی واقع بیرون حصار قدیم متصل محلہ گھیر مناف انکے مملوکہ و مقبوضہ تھے۔ جن میں جولاہے اور معمار بطریق رعیت ساکن تھے۔ (بحوالہ دستاویز صورت حال مرقومہ سنہ ۱۰۵۵ھ نزد مولف) یہ لوگ قدیم اور شریف خاندان سے ہیں ان کی قرابتیں شیوخ

صدیقی مناف پوتر و داڑھی رنگے وغیرہ سے ہوتی رہی ہیں شیخ فیروز علی و مشرف علی و مبارک علی
ابنائے شیخ فضل علی بن شیخ نور محمد ساکنان گھیر مناف محمد کبیر خاں بن عبدالرحمن خاں لودی کے
بھانجے تھے اور شیخ نور الحق بن شیخ فضل حق عبدالوحید خاں بن احمد خاں ساکن محلہ ٹبوال کے
خویش ہیں اب اس خاندان میں مولوی محمد صابر خاں بن محمد سعید خاں ساکنان
محلہ گھیر مناف اور عبدالوحید خاں و عبدالحمید خاں ابنائے احمد خاں و
حسن خاں و اسمٰعیل خاں ابناسے بخو خاں ساکنان محلہ ٹبوال وغیرہ ہیں

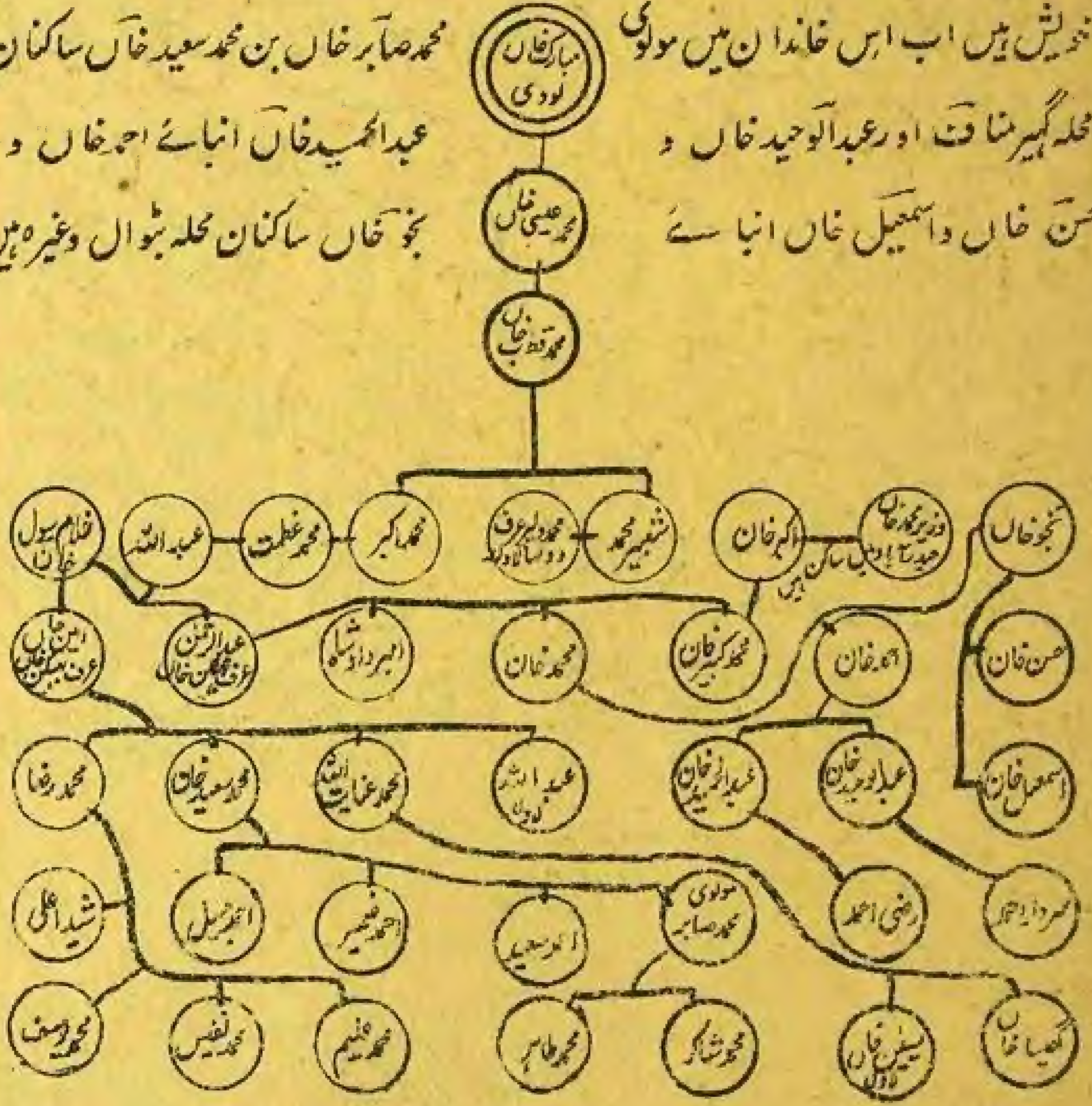

دوسرا قدیم خاندان اولاد سرمست خاں لودی ساکنان محلہ گنگوئی کا ہے جن میں مسٹر
حبیب اللہ غضنفر ایم۔ اے۔ بن احمد سعید خاں و اعتماد الدین خاں بن انتظام علی خاں و واجد علیخاں
نبیرہ دوست محمد خاں وغیرہ ہیں۔

(شجرۂ اولاد بر صفحۂ دیگر)

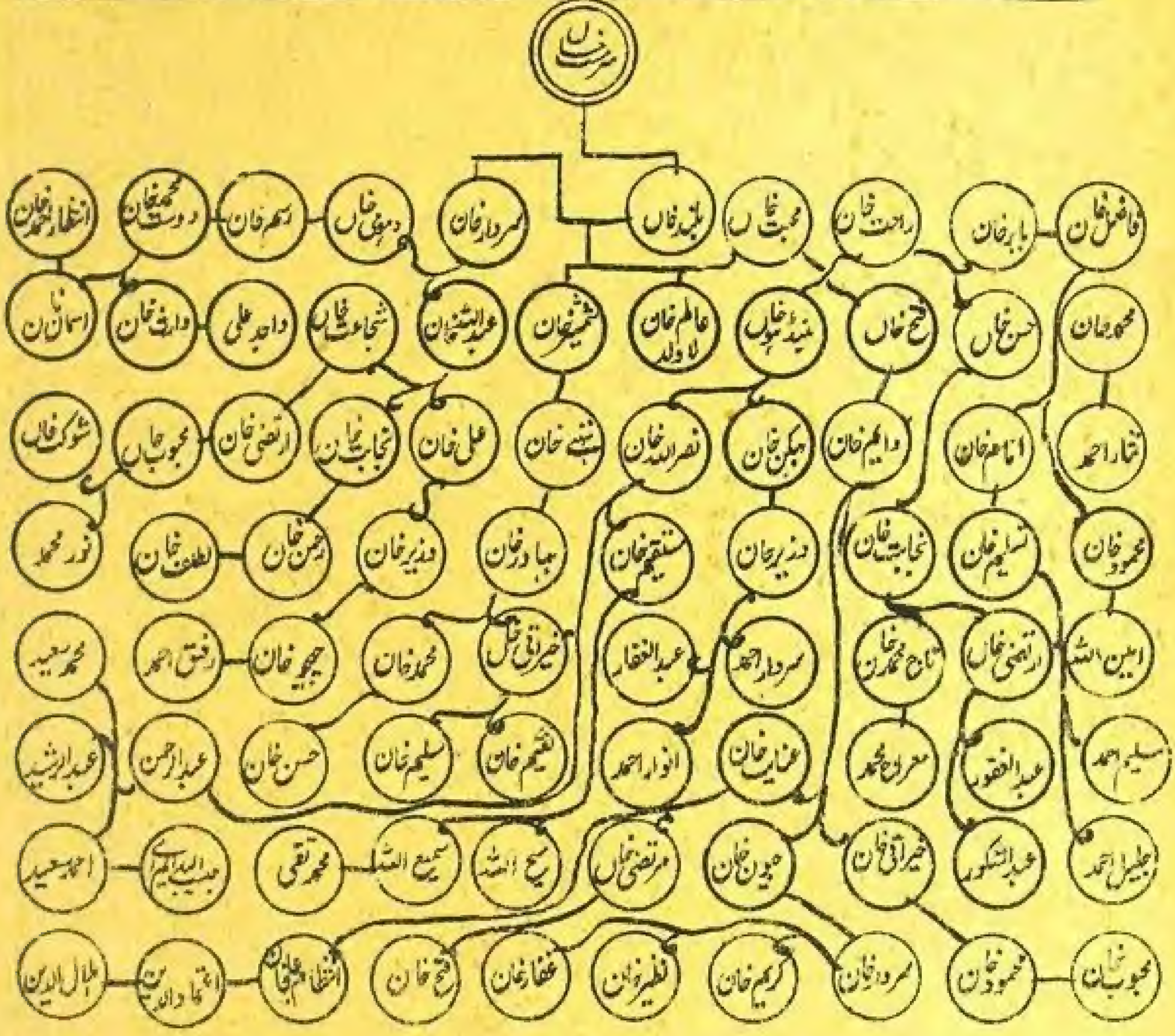

تیسرا لودی خاندان اولاد
لودی ساکنان محلہ
میں عابد علی خاں
ذی علم تھے۔ انکے
مولوی حکیم محمد رفیع خاں
عربیہ محلہ مولانا کے
اور طبیب ہیں۔
شجرہ اولاد خیراتی خاں

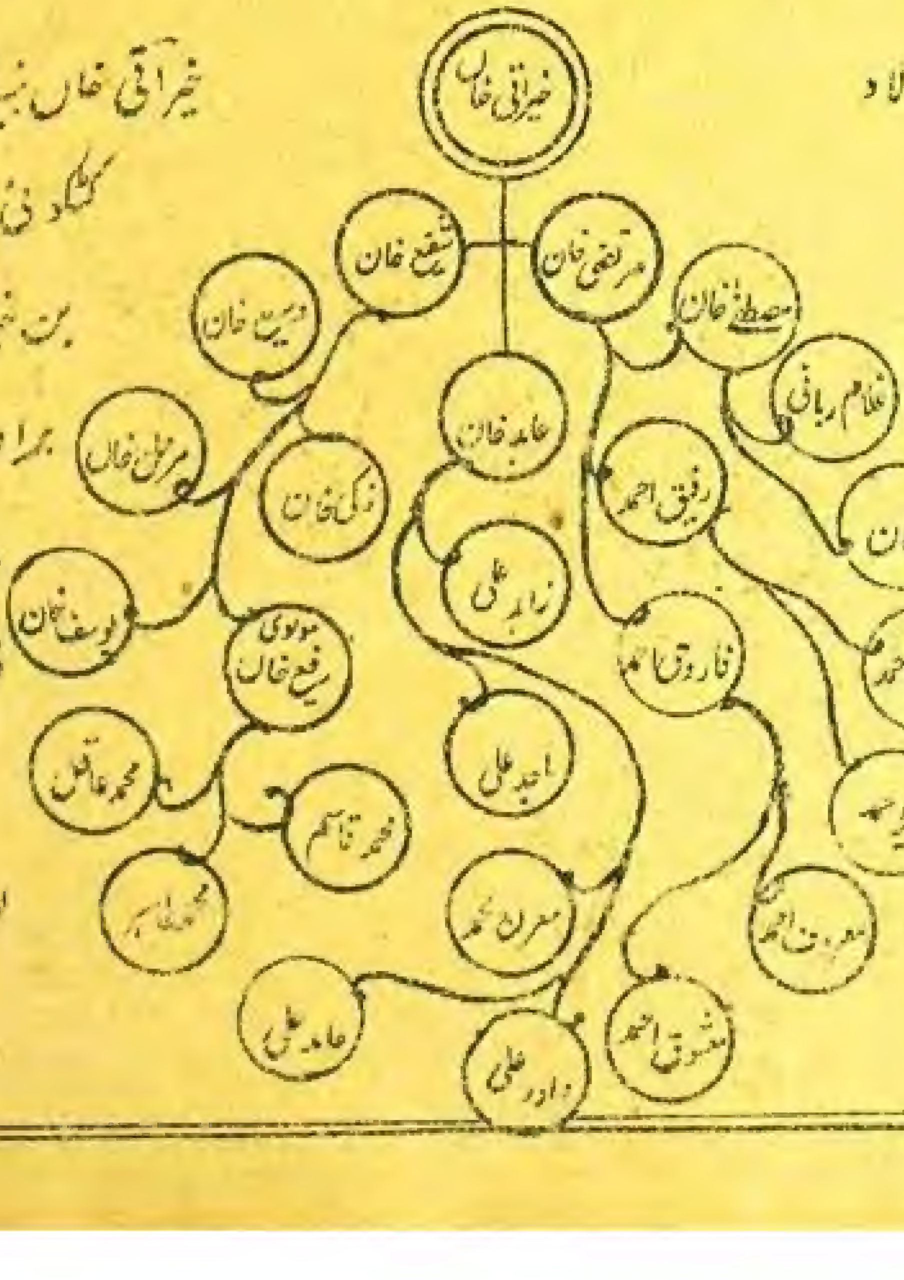

خیراتی خاں نبیرہ شاہد آل خاں
کنکادوں کا ہے۔ الن
بت خیراتی خاں
برادر زادہ
مدرسہ اسلامیہ
فارغ التحصیل

لودی

چوتھا خاندان اولاد حیدر خاں لودی بن عنایت خاں کا ہے جو تقریباً
ڈیڑھ سو برس کا زمانہ ہوا سنبھل سے امروہہ
آئے سابق میں یہ بڑا معزز خاندان تھا
سلسلہ نسب ابراہیم لودی سے
اس طرح متصل کیا جاتا ہے
عنایت خاں بن فیروز خاں
بن جیون خاں بن سیف الملوک
بن کبیر زماں بن احمد زماں
بن نصیر الدین بن جہانگیر شاہ بن فیروز شاہ بن فرید الدین
بن ابراہیم لودی شاہ ہند

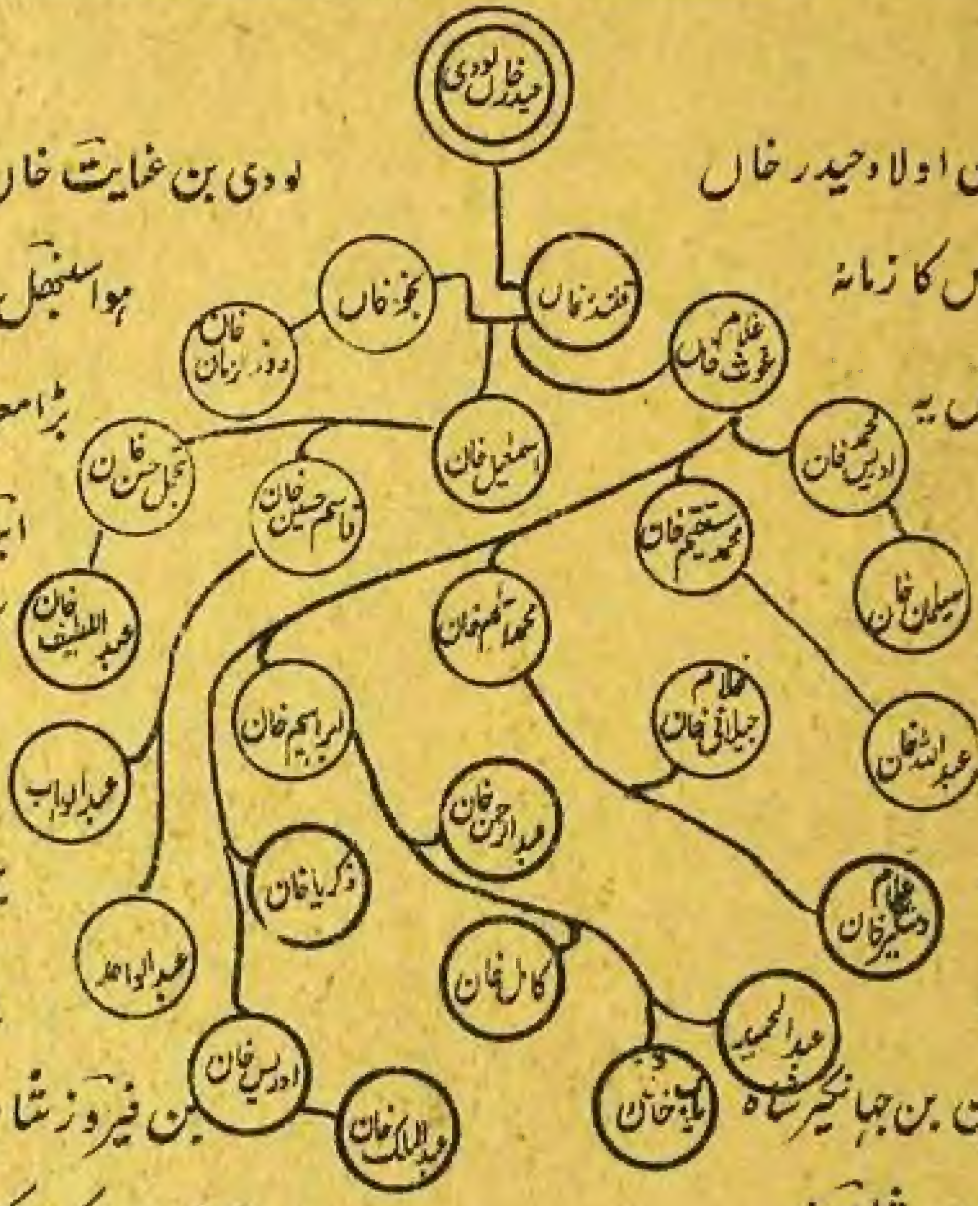

حیدر خاں مذکور کے پوتے غلام
غوث خاں عدالت ججی کے وکیل تھے۔ انکے بیٹے محمد اویس خاں داروغہ جیل دوسرے
محمد مستقیم خاں ناظر اور تیسرے محمد اسلم خاں صدر منصرم تھے۔ محلہ شفاعت پوتہ کا جنوبی حصہ جو حصہ
سرائے قصابان و سرے سکھی سے موسوم تہا جہاں اب بھی قصائی آباد ہیں ان کی مملوکہ تہیں
غلام غوث خاں مذکور کے خواہر زادگان غازی الدین خاں و نیاز الدین خاں موضع براہی
کی سکونت ترک کرکے امروہہ میں مسکن گزین ہوئے اول الذکر عدالت ججی میں ناظر تھے آخر الذکر
کے فرزند اسی محلہ میں ساکن ہیں۔

نیازی نیازی پٹھانوں کا یہاں ایک قدیم اور معزز خاندان ہے۔ شجرہ نسب حضرت شاہ
پیرک سے متصل ہوتا ہے۔ بوجہ مشیخت ذاتی سابق میں ان کے بزرگوں کے نام کے ساتھ لفظ شیخ لکھا جاتا تھا ان میں
امانت خاں ولد کرامت خاں اور انکے بھائی بادل خاں باٹلی صاحب کی رجمنٹ میں ملازم
تھے۔ وہ رجمنٹ جب شاہ اودھ کی سپاہ میں شامل ہوگئی اور اس کا نام حیدری رسالہ ہو تو وہ

بھی اودھ چلے گئے۔ جہاں نظامت کا کام بھی ان کو تفویض ہوا کسی معرکہ میں کام آئے انکے بیٹے احمد شاہ خاں باپ کی جگہ مقرر ہوئے اور انتزاع سلطنت اودھ کے بعد وطن آئے۔ انکے فرزند مولوی محمد نادر شاہ خاں وکیل بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ انکے فرزند حامد شاہ خاں و محمود شاہ خاں ہیں

اسی خاندان میں نورشاہ خاں کبیرالسن ہیں نیز احمد حسین خاں و مبارک حسین خاں وغیرہ ابنائے عبدالرزاق خاں بن کپتان محمد حسین خاں بھی اسی گروہ میں ہیں اور نصراللہ خاں ولد علی محمد خاں بن دہومی خاں بھی اسی گروہ سے تھے منظور احمد خاں وغیرہ نسیاً اس خاندان سے نہیں ہیں

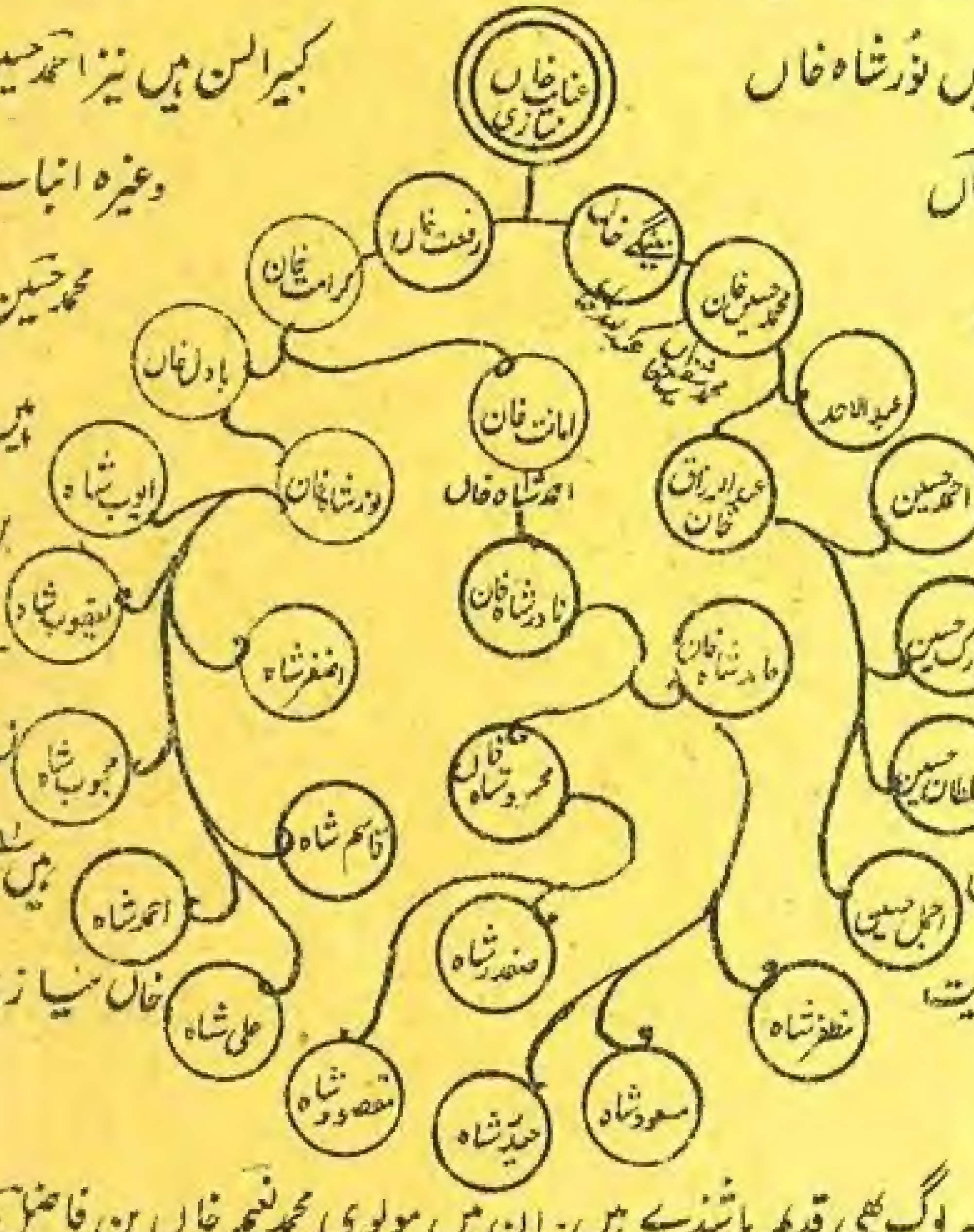

شجرہ اولاد عنایت خاں نیازی

سورزئی یہ لوگ بھی قدیم باشندے ہیں۔ ان میں مولوی محمد نعیم خاں بن فاضل خاں بن شیر خاں بن قلندر خاں ذیعلم اور لایق ہوئے انکے بھائی رستم خاں و اکبر خاں بھی معززاورہچپوں میں ممتاز و کارگذار تھے۔ جایداد معافی خرید کی۔ اب اس گروہ میں سراج احمد خاں و شرف احمد خاں وغیرہ ساکنان محلہ کنکوئی ہیں ؎

ؔ شاہ پیرک کے فرزند شیخ عمر حسین کی اولاد کا سلسلہ نسب چند پشتوں تک اس طرح تحقیق ہوا ہے۔ سعادت خاں بن سلامت خاں بن اولاد محمد غلام محمد بن عبدالعزیز و غلام انبیا ابنائے محمد عمر بن بہلول خاں بن دلیر خاں بن شیر خاں بن شیخ عمر حسین ہیں۔ ان کے علاوہ محمد رفعت خاں و شہامت خاں ابنائے محمد عنایت خاں و جلیل خاں و سرمست خاں پسران پیر محمد ابنائے عبدالستار بن شیخ محمد جو شاہ پیرک کے دوسرے فرزند محمد یوسف کی اولاد ہیں۔

شجرہ اولاد محمد عمر خاں سورزئی ساکنان محلہ کشکوئی

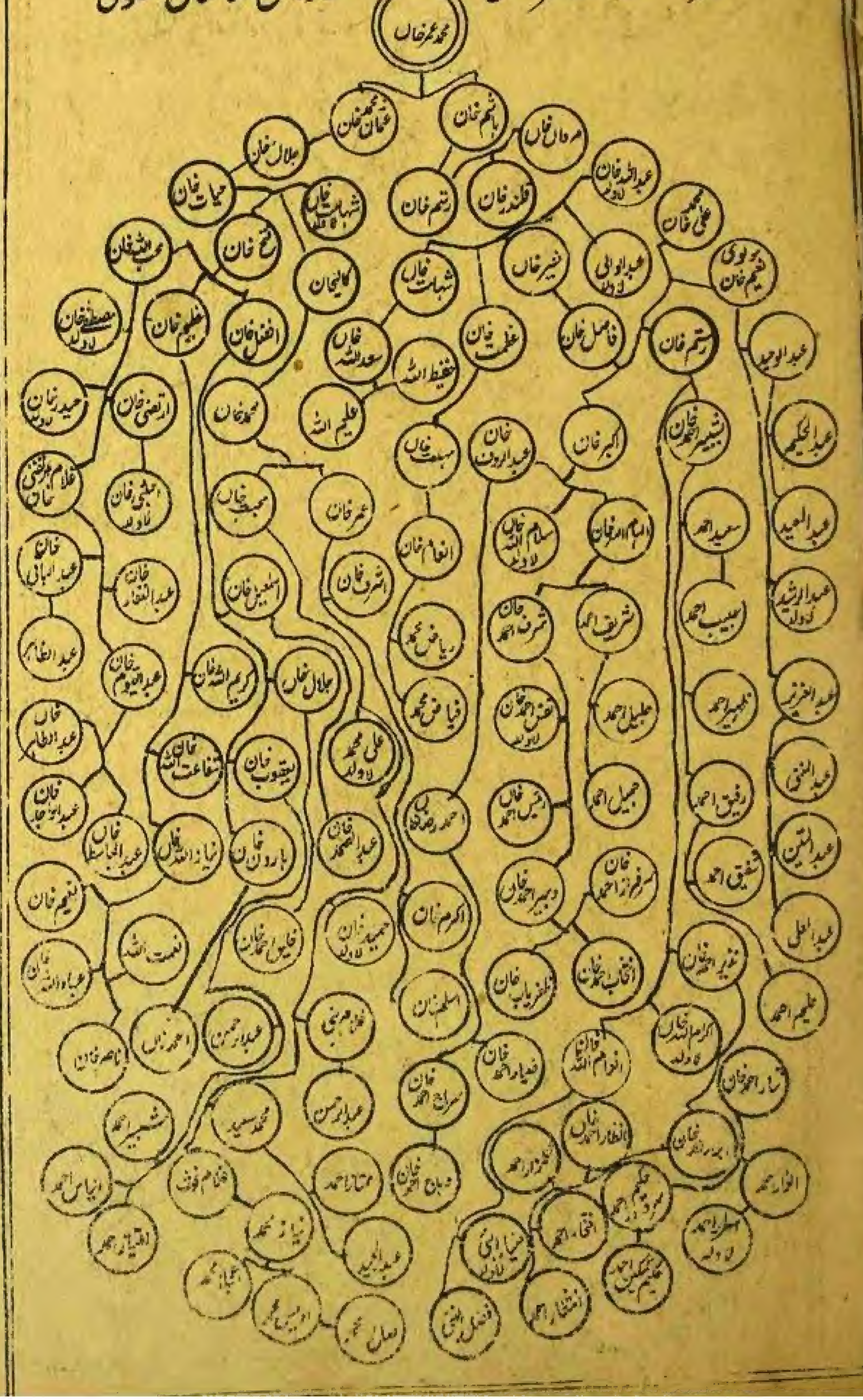

یوسف زئی یہ لوگ محلہ کوٹ کے قدیم باشندے ہیں ان کی قرابتیں شرفا و شیوخ
سے ہوتی آئی ہیں فتح خاں یوسف زئی کی اولاد میں
جن کا شجرہ ذیل میں شائع کیا جاتا
ہے جعفر خاں وانتظام علیخاں
ساکنان محلہ کوٹ
ہیں انکے علاوہ
سردار احمد خاں ام۔ اے
ال ال بی وکیل و
غلام چشتی خاں انبا ستے
غلام قادر خاں بھی یوسف زئی ہیں۔

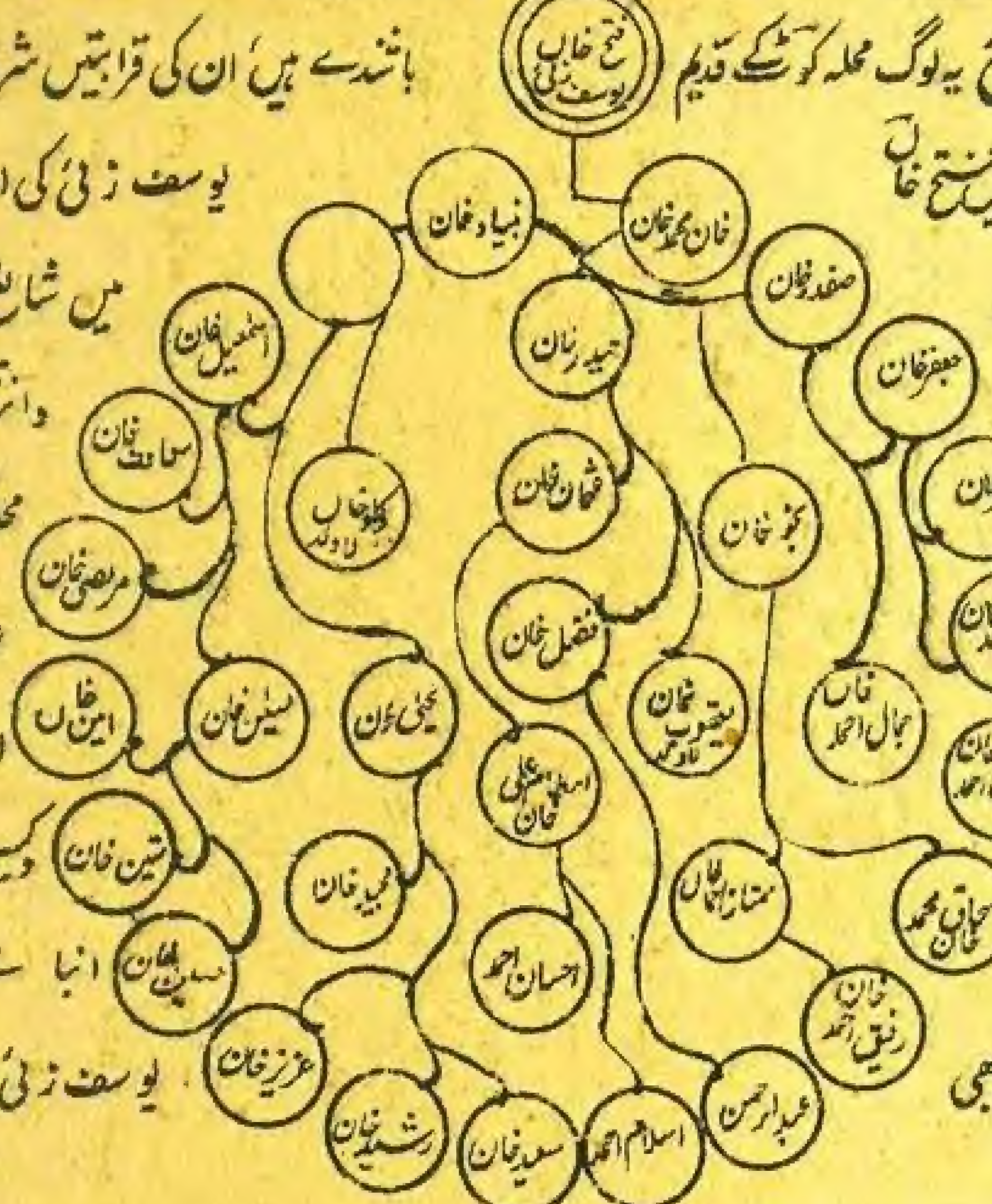

میمند زئی یہ لوگ بھی محلہ کوٹ میں ساکن
ہیں۔ مورث انکے لال خاں
تھے۔ جنکے
محمد بخش ہوئے انکے حاجی
یامندے خاں ہوئے

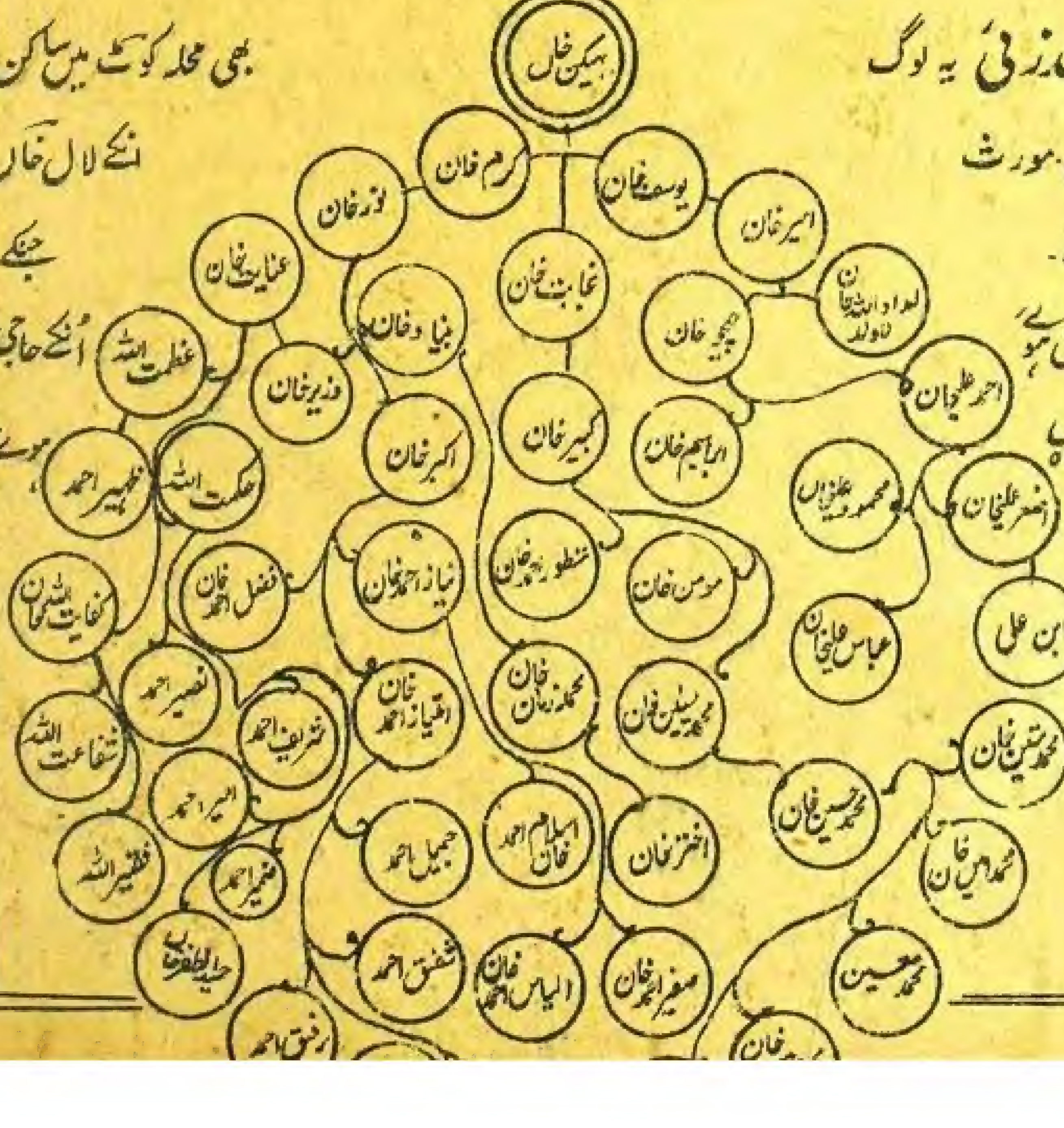

ہوئے انکے بہیکن خاں جن کی اولاد کا شجرہ ذیل میں درج ہے ان میں محمد حسین خاں بن محمد لسین خاں و نیاز احمد خاں وغیرہ ساکنان محلہ مذکور ہیں۔

کاکر زئی فیاض الدین خاں و اظہر الدین خاں و اعجاز الدین خاں ساکنان محلہ کنگوئی اس گروہ میں ہیں ۔ (شجرہ اولاد بہیکن خاں ساکنان محلہ کالا کنواں)

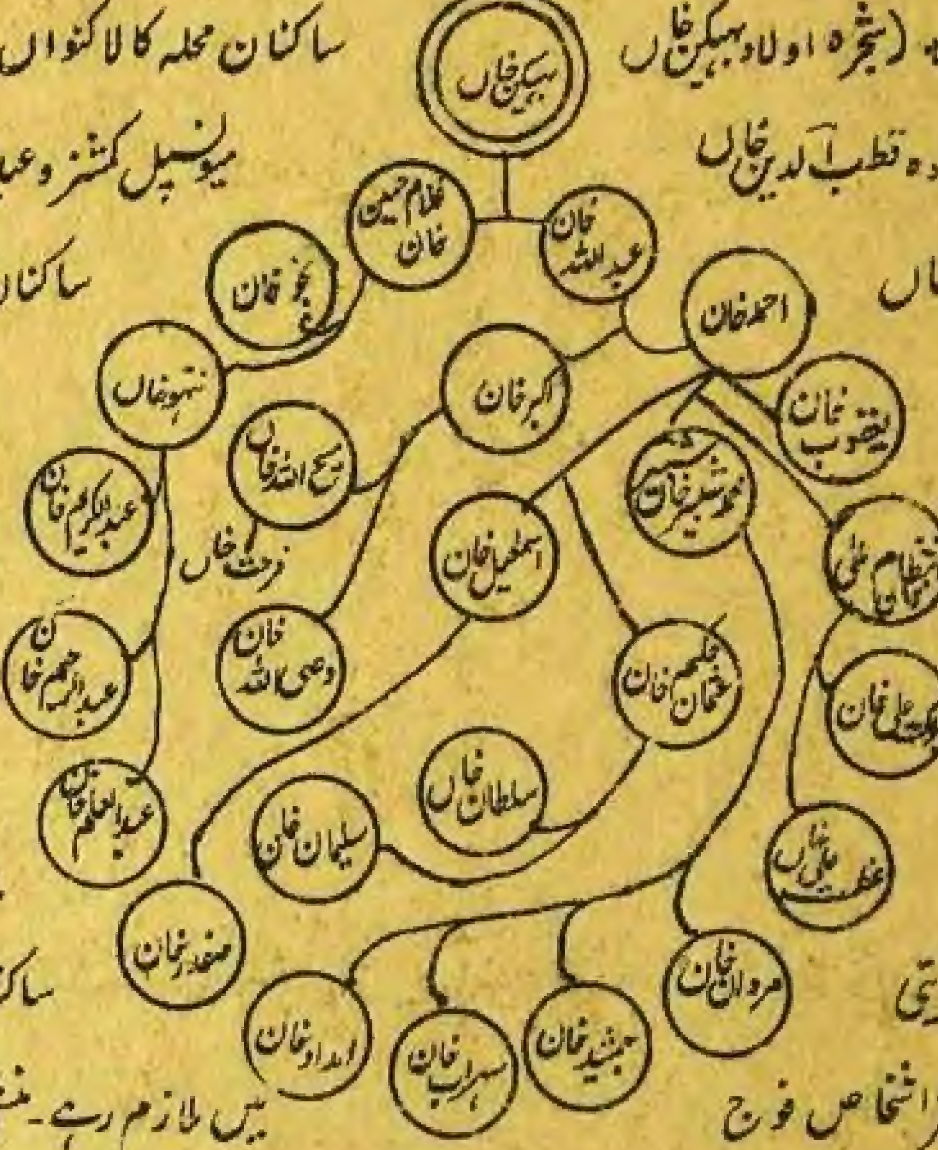

انکے علاوہ قطب الدین خاں میونسپل کمشنر و عبداللطیف خاں انباے ابراہیم خاں ساکنان محلہ مذکور کا خاندان بھی پٹھانوں میں ہے نیز خاندان بہیکن خاں بن چاند خاں بن ننگلی خاں بن شادی خاں بن معظم خاں بن حسین خاں بن عمر خاں بن ابراہیم خاں ولایتی ساکنان محلہ کالا کنواں ہے جن میں اکثر اشخاص فوج میں ملازم رہے۔ منشی محمد شبیر خاں تخلص بہ شبیر امروہہ کے کہنہ مشق اور ہر دلعزیز شاعران میں ہیں ۔

انکے علاوہ محلہ بٹوال میں نعمت خاں و انور خاں و کریم اللہ خاں کی اولاد اور محلہ چڈیرہ میں محب اللہ خاں و رحیم اللہ خاں بن ذوالفقار خاں کی اولاد کا جن میں عبدالسلام خاں عرف چھدا خاں و محمد اسحق خاں ہیں شرفا میں شمار ہوتا ہے

محلہ کنگوئی کے پٹھان شرفا میں منشی علی بہادر خان متخلص بہ علی کا گھرانا ہے جن کے لایق فرزند شفاء الملک حکیم رشید احمد خان اور حکیم ذکی احمد خان اقران و امثال میں ممتاز ہیں۔

ہندی النسل جیسا کہ سابق میں ذکر ہو چکا ہے ان میں دو گروہ ہیں (۱) اجلاف (۲) اشراف
اشراف میں قوم کنبوہ اور کلال کے چند معزز خاندان یہاں آباد ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی
کے احکام مجریہ ۱۸۲۳ء میں ملازمین کے تقرر حتیٰ کہ چوکیداران دیہات کے انتخاب میں بھی شریف
قوم ہونے کی شرط تھی۔ علاوہ شیخ و سید و مغل و افغان و بلوچ کے ہندی النسل مسلمانوں میں
سے میواتی، راجپوت و برہمن و کہتری، جاٹ کنبوہ و کلال اقوام کے نام تصریح کے
ساتھ درج تھے (ملاحظہ ہو احکام مجریہ ۱۸۲۳ء متعلق تقرر چوکیداران دیہات)

کنبوہ

صوبجات ممالک متحدہ کے مختلف مقامات یعنی امروہہ۔ سنبھل۔ مرادآباد۔ بریلی۔ میرٹھ۔ مارہرہ
اور لکھنؤ وغیرہ میں شرفائے کنبوہ کے بعض نامور اور سربرآوردہ خاندان آباد ہیں۔ نویں صدی
ہجری یا بالفاظ دیگر لودیوں کی سلطنت کے زمانہ سے کتب تاریخ و سیر میں مشاہیر قوم کنبوہ کے
جابجا ذکرے ملتے ہیں جن میں شیخ سماء الدین، شیخ جمالی، نواب شہباز خاں اکبری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں
ہندوستان کے بعض نامور علماء و مشائخ، امراء و اطباء و شعراء اس نامور قوم میں پیدا ہوئے۔ زمانہ
حال میں نواب وقار الملک مرحوم اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد جیسی بلند پایہ ہستیوں سے اس دودمان
عالیشان کا نام روشن ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک لفظ کنبوہ قوم کنبوہ (کنبوہ یا کمبوہ) اظہار نسب و قومیت
کے لیے بالعموم مستعمل تھے اور بعض لوگ اب بھی یہی لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن اب تقریباً تیس
چالیس سال سے ان خاندانوں کے اکثر اصحاب جو صوبجات متحدہ میں ساکن ہیں اپنے کو قرشی الاصل
اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی نسل سے ظاہر کرنے لگے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند رسائل و کتب
بھی تصنیف ہوئی ہیں[1] جن میں زیادہ تر مشاہیر قوم کنبوہ کے حالات و سوانح حیات درج ہیں زبیرت

---

[1] مثلاً رسالہ مبارکہ (مولفہ نواب مبارک علی خاں میرٹھی متوفی ۱۸۶۲ء) شمس التاریخ (مولفہ خان صاحب حکیم نواب علی خاں صاحب امروہوی مطبوعہ ۱۸۹۸ء) المشاہیر (مولفہ حکیم فیض احمد صاحب مارہروی مطبوعہ

کی روایت کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ نہایت مختصر اور غیر مربوط ہے اس روایت کے تائید و توثیق میں کوئی تاریخی شہادت پیش نہیں کی گئی، محض دو بزرگوں کا سلسلہ نسب حضرت زبیر بن العوام تک درج کر دیا گیا ہے یعنی ایک مخدوم شیخ سماء الدین کنبوہ کا (بحوالہ کتاب مصباح العاشقین جس کا وجود بہت کچھ مشتبہ ہے) اور دوسرے نواب شہباز خاں اکبری کا (بلا حوالہ) بقیہ اشخاص کا سلسلہ نسب حضرت زبیرؓ تک نہیں بیان کیا گیا اور محض اس بنا پر کہ ان کی قرابتیں بھی انہیں متذکرہ بالا بزرگوں سے چلی آتی ہیں قیاساً انہیں بھی زبیری قرار دیا گیا ہے۔

قبل ازیں کہ ہم کنبوہ قوم کی تاریخ اور نسب پر تاریخی و جغرافی اور اثری شہادتوں سے روشنی ڈالیں یا متذکرہ بالا بزرگوں کے سلسلہ نسب پر جو المشاہیر و شمس التاریخ میں درج کیا گیا ہے علم الانساب و تاریخ کی رو سے تنقید کریں یہ دیکھنا مناسب سمجھتے ہیں کہ صوبہ ممالک متحدہ کے کنبوہ حضرات جن بزرگوں کی اولاد ہیں ان میں ایسی کتنی ہستیاں ہیں جنہیں کوئی تاریخی حیثیت حاصل ہے اور انکے نسب کے متعلق کیا ثبوت بہم پہونچتا ہے؟

مخدوم شیخ سماء الدینؒ انکے فرزند شیخ عبداللہ بیابانی اور مخدوم صاحب کے مرید و خلیفہ مولانا جمالی ایسے بزرگ ہیں جن کا تذکرہ کتب تاریخ و سیر میں ملتا ہے۔ نیز نواب شہباز خاں، شیخ گدائی اور بعض دیگر اشخاص کا ذکر عہد مغلیہ کی کتب تاریخ و تذکرہ میں پایا جاتا ہے لیکن ان تمام اشخاص میں سے کسی ایک شخص کے متعلق بھی کہیں تحریر نہیں کہ وہ زبیری یا عربی النسل تھے کتب تاریخ میں ہر جگہ کنبوہ، طائفہ کنبوہ یا قوم کنبوہ وغیرہ الفاظ سے انکے نسب کا اظہار کیا گیا ہے۔ ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) میاں چھجن کنبوہ و عماد الملک کنبوہ (تاریخ فرشتہ در ذکر سلطان سکندر لودی)

(۲) میاں جمال خاں مفتی دہلی شاگرد پدر بزرگوار خود شیخ نصیر الدین و برادر میاں لاڈن از طائفہ کنبوہ است (منتخب التواریخ شیخ عبدالقادر بدایونی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ)

(۳) شہباز خاں کنبوہ نسبش بشش واسطہ بحاجی جمال میرسد کہ مرید مخدوم بہاء الدین ذکریاؒ

ملتانی بوده ...... ہر شب جمعہ صد اشرفی راشرینی نذرحضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ بخش می کرد وبمردم کنبوہ آنقدر داد کہ ہیچکس ازیں قوم در ہند پریشان وبد حال نماند (ماثر الامرا جلد سویم مطبوعہ صفحہ)

(۴) شیخ جمالی دہلوی اصلش از قوم کنبوہ خدمات شرعیہ دارالخلافہ دہلی مثل قضا وافتا اکثر بقوم کنبوہ تعلق داشت (خزانہ عامرہ مطبوعہ)

(۵) شیخ جمالی کنبوہ۔ اصلش از قوم کنبوہ دست ارادت بخال خود مولانا شیخ سماء الدین آوردہ بود این گروہ دانش پژوہ کہ ابتداء خود از مولانا می گیرند ومولانا خود از ایشان (یعنی قوم کنبوہ بود (تذکرہ ماضیہ از حید حسین بسمل قلمی)

(۶) شاہ شہباز از قوم کنبوہ باشندہ سنبھل (کاشف الاستار مولفہ حضرت شاہ حمزہ مارہروی قلمی)

پنجاب اور ملتان میں جہاں سے صوبہ ممالک متحدہ کے تمام کنبوہ خاندانوں کا نکاس ہوا ہے۔ کنبوہ قوم کے افراد قدیم الایام سے بکثرت آباد ہیں۔ لفظ کنبوہ ان کا قومی لقب چلا آتا ہے اس لئے ان خاندانوں کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ لفظ کنبوہ کا اور ان کی قومیت ونسب کے اظہار میں "طائفہ کنبوہ" اور "قوم کنبوہ" کا عام طور سے استعمال کیا جانا کیا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس زمانہ میں ان خاندانوں کو بھی اسی مشہور معروف قوم سے سمجھا جاتا ہے جو اب تک پنجاب میں بتعداد کثیر آباد ہے؟

سب سے اہم دلیل اس امر کی کہ مخدوم شیخ سماء الدین شیخ جمالی نواب شہباز خاں وغیرہ کے خاندان بھی ان ہی خاندانوں کی ایک شاخ ہیں جو پنجاب میں بتعداد کثیر آباد ہیں اور جو اپنا سلسلہ نسب ایرین قوم کے قدیم چھتری خاندان سے ملاتے ہیں یہ ہے کہ اگر یہ خاندان جیسا کہ وہ اب بیان کرتے ہیں حقیقتاً عربی النسل یا زبیری ہوتے تو اس زمانہ میں جب کہ کنبوہ نام سے ہندوستان میں ایک بڑی قوم آباد تھی اور یہ لوگ محض کسی نسبت مکانی کی وجہ سے کنبوہ یا کمبوہ مشہور ہوگئے تھے۔ یقیناً اس التباس کو رفع کرنے کے لئے جو بوجہ وحدت لقب ان میں اور قدیم کنبوہ قوم میں

پیدا ہوگیا تھا کتب تاریخ میں جہاں ان بزرگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہاں انکے نسب کو بصراحت ظاہر کیا گیا ہوتا، دیگر مورخ اور تذکرہ نویس اگر انکے نسب کی وضاحت سے قاصر رہے تھے تو خود قوم کنبوہ کے مورخین اس فرق و امتیاز کو بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خود شیخ جمالی نے جو اس قوم کے متبحر عالم اور صاحب تصنیف بزرگ ہیں اپنی تصنیفات میں کہیں بھی اپنے یا اپنے مرشد طریقت مخدوم شیخ سماء الدین کے حالات اور تذکرہ میں اپنے یا انکے زبیری نسب ہونے پر کوئی روشنی نہیں ڈالی حالانکہ انہوں نے مخدوم صاحب کے حالات نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر کیے ہیں پس ایسی حالت میں ان کا اپنے مرشد و برادرِ نسبی کے اس شرف نسبی کی طرف جو انہیں عمہ زادہ نبوی ہونے کے لحاظ سے حاصل تھا اور جس میں خود شیخ جمالی بھی شریک تھے اشارہ تک نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے درآنحالیکہ وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ ایک ہندی نژاد قوم انکے خاندان کے ہم لقب قرب جوار میں اور بھی آباد ہے اور اندیشہ ہے کہ آیندہ چلکر بوجہ مماثلت ابھی ان دونوں کے درمیان اشتباہ اور التباس نہ پیدا ہوجائے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے نسب سے واقف تھے اور کسی طرح اپنے خاندان کو عربی، قریشی یا زبیری نہیں سمجھتے تھے ۔

اب رہی وہ روایت جو مولف رسالہ مبارکہ نے نواب شہباز خاں کے نسب کی تحقیقات کیلئے شہنشاہ اکبر کے حکم سے کمیشن مقرر کیے جانے کی تحریر کی ہے قطعاً پایہ اعتبار سے ساقط ہے اس کے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں۔ ان کا یہ فرمانا کہ کمیشن کے سامنے ہندو امرا نے انہیں ہندی الاصل اور ایرانی امرا نے زبیری النسل قرار دیا اور اکبر نے انکے زبیری ہونے کو ترجیح دی اور اس واقعہ کو اکبر نامہ میں درج کیے جانیکا حکم دیا ہرگز ثابت نہیں۔ اکبر نامہ میں شہنشاہ مذکور کے ایک فرمان کی نقل ضرور درج ہے جو خانخاناں بیرم خاں کے موسومہ ہے اس میں اکبر بادشاہ نے بعض فروگذاشتوں اور کوتاہیوں کے متعلق جو خانخاناں موصوف سے بزمانہ اتالیقی سرزد ہوئی تھیں چند الزامات عائد کیے ہیں ان میں ایک الزام کو بشد و مد بیان کیا گیا ہے کہ "مردم فاضل قابل با حسب و نسب" کے موجود ہوتے ہوئے خانخاناں نے شیخ گدائی کنبوہ کو صدر الصدور کے منصب

جلیلہ پر کیوں مقرر کیا۔ شیخ گدائی مذکور قوم کنبوہ کے نامور شخص شیخ جمالی کے لائق فرزند تھے۔ ان کا ہندی الاصل ہونے کے باوجود سادات اور دیگر عربی النسل افراد کے مقابلہ میں منصب صدارت پر جو عربی النسل اشخاص کے لیے مخصوص تھا فائز ہونا اس زمانہ کے خیالات کے اعتبار سے قابل مواخذہ سمجھا گیا۔ فرمان مذکور کے چند فقرات ملاحظہ ہوں:۔

خانخانان بداند کہ چوں او پروردۂ نعمت و تربیت کردہ عنایت و عاطفت ایں دودمانِ عالیشان است و حقوق خدمات شائستہ او دریں درگاہ ثابت است و حضرت جنت آرامگاہ طیب اللہ ثراہ (یعنی بادشاہ ہمایوں) . . . . اورا امرعظیم القدر اتالیقی مارا تفویض فرمودند تا آنکہ دریں پنج سال چندیں امور ناشائستہ از و بظہور آمد کہ سبب نفور خاطر جمہور بودہ مثل تربیت شیخ گدائی کہ باوجود آں ہمہ زیرکی و دانائی از میان ایں ہمہ مردم فاضل و قابل با حسب و نسب بجہت آشنائی خود انتخاب نمودہ و آنکہ متعہد منصب صدارت شدہ بود در ظہر مناشیر مُہر می کرد و اورا از تسلیم معاف داشتہ بود بکمال جہل و نادانی در محافل جنت مماثل اورا بر جمیع سادات صحیح النسب و علمائے جلیل الحسب کہ بنا بر ملاحظہ عظمت و شان و حالت مراسم احترام و تعظیم بجای آورد ہم تقدیم دادہ باوجود ملات محبت و دوستداری کہ نجا ندان طیبین و طاہرین می زد مذلت و خواری ایں طبقہ شریفہ را . . . . می نمود الی آخرہ۔

کسی زبیری نسب کے متعلق ایسے طعن آمیز الفاظ میں ذکر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اکبر نامہ کے ایک انگریز مترجم مسٹر ایچ بیورج فرمان مذکور کی نقل درج کرنے کے بعد حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ:۔

(شیخ گدائی کے باپ، شاعر اور دہلی کے اکابر سے تھے لیکن تمام کنبوہ چونکہ اصلاً ہندو تھے (ملاحظہ ہو تتمہ الیٹ جلد اول صفحہ) اور اس وجہ سے سادات ان کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے (ترجمہ اکبر نامہ بزبان انگریزی جلد سوئم حاشیہ صفحہ ۱۶۲)

مزید تفصیل کی غرض سے اس موقع پر ایلیٹ کی پوری عبارت کا نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا:۔

کنبوہ خود اپنے بیان کے مطابق کنبوہ خطہ ماورائے دریائے سندھ کے قدیم باشندے ہیں۔ ان میں سے اکثر کو سلطان محمود غزنوی نے دین اسلام میں داخل کیا تھا۔ کابل کا سنسکرت نام کمبوج ہے اور یہ نام کمبوہ سے اس درجہ مماثل و مشابہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت کی رو سے اس قوم کو کابل کا قدیم ساکن سمجھنا دشوار نہ ہوگا۔ مسلمان کنبوہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم شاہان ایران کے قدیم خاندان "کے" کی نسل سے ہیں جب اس خاندان کا آخری بادشاہ تخت سلطنت سے معزول اور ملک بدر کر دیا گیا تو وہ مع اپنے اہل خاندان و متوسلین کے کچھ عرصہ تک قرب و جوار کے ممالک میں پھرتا رہا یہ جماعت جہاں گئی "کے انبوہ" کے لقب سے ملقب ہوئی "کنبوہ" اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ لوگ نسباً اسی نسل سے ہیں جس سے کھتری ہیں[۱]۔ ابتداً پنجاب میں سکونت گزین تھے۔ مسلمان کنبوہوں کو دوسری اقوام کے مسلمان کشمیریوں اور افغانوں کے مثل اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ فارسی میں ضرب المثل ہے ؎

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری	یکم افغان دوم کنبوہ سوم بدذات کشمیری

(میموائرس سر ہنری ایلیٹ جلد اول صفحہ ۳۰۴)

کنبوہ حضرات کے ہندی الاصل ہونے کے متعلق مسٹر اٹیکسن بی۔ اے۔ (بنگال سول سروس) گزیٹر صوبجات ممالک متحدہ جلد سوم (حصہ دوم مطبوعہ ۱۸۷۶ء) میں صفحہ ۲۹۲ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"کنبوہ اب تک اس ضلع (یعنی میرٹھ) میں ہندو کمبوہ موجود ہیں اور عام روایت ہے کہ مسلمان کمبوہ اصلاً ان ہی میں سے ہیں۔ خود کمبوہ البتہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قدیم الایام میں ہمارا خاندان شہر غزنین کا ایک ممتاز خاندان تھا جو "کم" اور "گو" سے جو فارسی کے مصدر گفتن سے مشتق ہے موسوم تھا۔ اس خیالی اشتقاق کے متعلق ان کا یہ ادعا ہے کہ اس زمانہ میں یہ خاندان گفتار کا "کم"

---

[۱] ضلع حصار کی مطبوعہ تاریخ سے بھی اس روایت کی تائید ہوتی ہے اس ضلع کے کنبوہ اپنا سلسلہ نسب کھتریوں سے ملاتے ہیں۔

اور کردار کا زیادہ تھا۔ جب محمود غزنوی ہندوستان پر فوج کشی کی غرض سے روانہ ہوا تو اس خاندان کے لوگ بھی اس کے ساتھ ہو لیے، میرٹھ کے راجہ ماتی کا قلعہ فتح کرنے میں کامیابی حاصل کی اور یہ لوگ یہیں متوطن ہو گئے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ حسن محمودی (مہندی) نام ایک کنبوہ غزنوی کا وزیر تھا، شہر کی جامع مسجد اسی کی معمرہ ہے، یہ مسجد اس وقت تک موجود ہے ان کا بیان ہے کہ اس مسجد کے اطراف میں وہ غازیان قوم کنبوہ مدفون ہیں جو میرٹھ کے معرکہ جدال و قتال میں مقتول ہوئے[۵۰] اس کے بعد سوائے خواجہ صدر الدین اور خواجہ میتا کے اور سب کنبوہ میرٹھ سے چلے گئے۔ موجودہ کنبوہ ان ہی دو شخصوں کی اولاد سے اپنے کو بیان کرتے ہیں لیکن زیادہ ترین قیاس یہ روایت ہے کہ کنبوہ قوم کے لوگ ابتدائے عہد اسلامی میں ہندو قوم سے مسلمان ہوئے

ضلع میرٹھ میں مسلمان کنبوہوں کے علاوہ ہندو کنبوہ بھی موجود ہیں۔ صاحب گزیٹیر میرٹھ مطبوعہ ۱۸۷۶ء لکھتے ہیں کہ "چوہتر کے ہندو کنبوؤں کے قبضے میں تحصیل میرٹھ میں دو موضعے ہیں اور مسلمان کنبوہوں کی ملکیت میں گیارہ"[۲۶]

اس خیال کی تائید کہ کنبوہ خاندان کے مورث ابتداءً ہندو تھے، بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے دیگر تحریرات سے بھی ہوتی ہے مثلاً صاحب مخزن الغرائب شیخ جمالی دہلوی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:

مولانا جمالی دہلوی، اصلش از کنبوہ است، آباش مسلمان شدہ بودند۔[۵۱]

مسلمان کنبوؤں کا ہندی الاصل ہونا عام طور پر مسلم تھا، قدیم تحریرات میں اس فرقہ کو سادات اور شیوخ سے بالکل جداگانہ قوم ظاہر کیا جاتا تھا۔ صاحب سیر المتاخرین ایک افسوسناک واقعہ کا جو ۱۱۶۳ھ میں قصبہ مارہرہ میں پیش آیا تھا تذکرہ کرتے ہوئے حضرات کنبوہ کو سادات اور شیوخ کے زمرہ سے علیحدہ گروہ سمجھ کر یہ الفاظ تحریر کرتے ہیں:۔

ناموس اکثرے سادات و شیوخ و کنبو . . . . . وغیرہ شرفائے آنجا بلائے اسیری مبتلا گردید۔[۵۲]

---

[۵۰] صاحب لشامیر نے بھی اس روایت کو بتغیر الفاظ صفحہ ۱۹ پر نقل کیا ہے [۵۱] مخزن الغرائب قلمی کتبخانہ حبیب گنج [۵۲] سیر المتاخرین جلد دوم مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ ۹۲۲

صاحب خزانۂ عامرہ نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں اس سانحہ کا تذکرہ کیا ہے اور قوم کنبوہ کا دیگر اقوام سادات وشیوخ سے جداگانہ ذکر کیا ہے :۔

مغلانِ سنگدل خونِ ہفتاد کس از مردم شہر ناحق ریختہ ومستورات سادات وشیوخ و قوم کنبو وشرفا محلہ قضاۃ را ببلائے اسیری مبتلا ساختہ ۔

مفتی عبدالقادر اپنے روزنامچہ میں امروہہ کی مختلف اقوام کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"در شہر امروہہ سادات وکنبوہ وکاہتہ وکلال وکھتری وتگا وشیخ زادہ وغیرہ الی آخرہ"[۵۱]

مفتی صاحب مراد آباد کے ساکن ابتدائے عہد برطانیہ کے ذی علم بزرگ کچھ عرصہ امروہہ میں تبعلق ملازمت سرکاری مقیم رہے اور یہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھے وہ بھی اس قوم کا تذکرہ جداگانہ قوم کی حیثیت سے کرتے ہیں ۔

غیروں کے اقوال سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو خود اس قوم کے افراد عام طور سے اپنی تحریرات ودستاویزات میں اظہار نسب کے لئے ہمیشہ "قوم کنبو" لکھتے رہے ہیں ان میں سے کسی نے کبھی زبیری نہیں لکھا۔ یہاں بطور نمونہ چند دستاویزات کی نقول درج کرنا بے محل نہ ہوگا ۔

نقل

دستاویز صورت حال مرقومہ ۱۱۷۹ھ نوشتہ محمد اشرف ولد محمد عادل کنبو ساکن قصبہ مارہرہ

لا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہا فانہ اثم قلبہ ....

اظہار شہادت موجب سعادت وکتمان آں باعث شقاوت است بنا براں سوال می کند واستشہاد می طلبد اضعف العباد ... [۵۲] محمد اشرف ولد محمد عادل قوم کنبو از سادات عظام ومشائخ کرام واز جمہور انام وکافۂ اہل اسلام سکنۂ قصبہ مارہرہ سرکار کول مضاف بصوبہ مستقر الخلافت اکبر آباد بریں معنی کہ ایں سائل راعموی مرحوم مسمی فتح محمد ولد رحمت خاں کنبو از عرصہ

---

۵۱ روزنامچہ مفتی عبدالقادر کتب خانہ حبیب گنج ۱۲

۵۲ کاغذ دریدہ ۱۲

سالگی بطوع رغبت خود در فرزندی خود گرفتہ ازیں مرکہ فرزندے صلبی نداشت، بعنائے خود ساختہ و در حویلی حصہ خود سکونت بندہ کنانیدہ و بر ترکہ و ورثہ خود اہلیہ شیخ محمد مرحوم مرقوم قابض و متصرف ساختہ چنانچہ تا الیوم ایں سائل بر ورثہ و ترکہ و حویلی وغیرہ قابض و متصرف است است بنا برآں ایں چند کلمہ بطریق صورت حال بقلم آمدہ ہر کسے بر وقوع ایں حال و صدق ایں مقال اطلاع داشتہ باشد گواہی خود بریں کاغذ ثبت نماید و یا بنوشتن آں اجازت فرماید کہ عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور گردد تحریر فی التاریخ یازدہم شہر رجب ۱۱۶۹ھ

مارہرہ کے علاوہ امروہہ و سنبھل اور دوسرے مقامات کے کنبوہ حضرات اپنے نسبی قومیت کے اظہار میں ہمیشہ قوم کنبوہ کے الفاظ تحریر کرتے تھے مثلاً دستاویز بیعنامہ اقراری شیخ محمد رفعت ساکن قصبہ سنبھل مرقومہ ۲۲ شعبان ۱۱۸۰ھ (نزد مولف) میں تحریر ہے کہ:۔

اقرار معتبر صحیح شرعی نمود مجربا سم ونسب خود مسمی شیخ محمد رفعت ولد شیخ محمد جہانگیر ابن دیوان عبدالمومن قوم کنبو ساکن اندرون قلعہ بلدہ سنبھل الی آخرہ"

اسی طرح امروہہ کے حضرات کنبوہ کی بہت سی دستاویزات و تحریرات موجود ہیں جن کا نقل کرنا موجب طوالت ہوگا یہ حضرات کچھ عرصہ پیشتر تک بلا کسی استثنار کے اپنی قومیت کا اظہار قوم کنبوہ یا صرف کنبوہ کے لفظ سے ظاہر کرتے تھے اور بعض اب تک بھی کرتے ہیں اور زبیریت کی روایت کے قائل نہیں ہیں۔

باقی رہا شیخ سماء الدینؒ اور نواب شہباز خاں کا سلسلہ نسب جو صاحب المشاہیر نے مصعب بن زبیر بن العوام تک درج کیا ہے اول تو اسکے متعلق کوئی تاریخی حوالہ پیش نہیں کیا گیا مخدوم شیخ سماء الدینؒ کے نسب نامہ کے متعلق صرف شیخ ادہن دہلوی کی ایک تصنیف مصباح العارفین نام کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن اس کتاب کا کہیں وجود نہیں پایا جاتا۔ ہم نے ہندوستان کے مختلف کتاب خانوں میں تلاش و جستجو کی جن حضرات کو مشائخ و اولیا کے تذکروں سے شغف و دلچسپی ہے اور انکے

سلہ دستاویز مذکور نزد مولف ۱۲

یہاں اسکا کافی ذخیرہ موجود ہے معلوم کیا، خود مصنفین کے اہل خاندان سے دریافت کیا۔ لیکن اس کتاب کا کہیں وجود نہ ملا پھر معلوم نہیں کہ صاحب شمس التاریخ اور المشاہیر نے اس کتاب کا جو حوالہ دیا ہے وہ کہاں سے اور یہ حوالہ کہاں تک صحیح ہے۔ سیرۃ المشائخ میں مصباح العارفین نام کوئی کتاب اگر شیخ ادہن دہلوی کی تصنیف تھی تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو انکے حقیقی نواسے تھے، اپنی مشہور تصنیف اخبارالاخیار کی تالیف کے وقت اس سے ضرور استفادہ کیا ہوگا اور وہ انکے پیش نظر رہی ہوگی پس اگر اس کتاب میں، جیساکہ کہا جاتا ہے، مخدوم شیخ سماءالدین ؒ کا سلسلہ نسب منقول ہوتا تو حضرت محدث دہلوی اخبارالاخیار میں اسکے حوالہ سے مخدوم صاحب کا نسب نامہ ضرور نقل فرماتے، پورا نقل نہ کرتے تو انکے قریشی و زبیری ہونے کا تذکرہ تو ضرور ہی کرتے جس طرح کہ انہوں نے اکثر مشائخ کرام کے حالات میں انکے نسب کا ذکر کیا ہے، باوجودیکہ مصباح العارفین محدث دہلوی کے حقیقی نانا کی تالیف بیان کی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اس میں مخدوم شیخ سماءالدین ؒ کا پورا سلسلہ نسب حضرت زبیر بن العوام تک منقول ہے لیکن حضرت محدث دہلوی کا اپنی تصنیف اخبارالاخیار میں مخدوم صاحب کے تفصیلی حالات لکھنے کے باوجود انکے نسب کے متعلق ایک حرف بھی نہ لکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اپنے نانا شیخ ادہن کے حالات میں مصباح العارفین نام ان کی کسی تالیف کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا، کیا یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ حضرت محدث دہلوی مشائخ کا تذکرہ لکھتے ہوئے جب اپنے نانا کے حالات تحریر فرماتے ہیں تو اس میں ان کی اس تالیف کا ذکر نہ کرتے جو مشائخ ہی کے حالات میں تھی حالانکہ دیگر مشائخ کے تذکرہ میں وہ برابر ان کی تصنیفات کا ذکر تصریح کے ساتھ کرتے ہیں۔ پس ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ امر درجہ یقین کو پہونچ جاتا ہے کہ صاحبان شمس التواریخ و المشاہیر نے زبیریت کے ثبوت میں جس کتاب مصباح العارفین کا حوالہ دیا ہے وہ صاحب رسالۂ مبارک کے حوالۂ اکبرنامہ سے جو انہوں نے نواب شہباز خاں کے ثبوت نسب کے متعلق تحریر کیا ہے، زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ نہ مصباح العارفین نام کوئی کتاب شیخ ادہن دہلوی کی تصنیف سے تھی اور نہ اس میں کسی کنبوہ

بزرگ کا نسباً زبیری ہونا ظاہر کیا گیا تہا۔ یہ سب زمانہ مابعد کی موضوعات ہیں ۔

قطع نظر اسکے اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مخدوم شیخ سماء الدینؒ اور نواب شہباز خاں ان دونوں بزرگوں کے نسب نامے کسی کتاب میں منقول ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ سلسلے جس طرح بیان کیے گئے ہیں حضرت زبیرؓ تک پہونچتے بھی ہیں یا نہیں ؟ مخدوم صاحبؒ کا سلسلہ بذریعہ ہادی بن عیسیٰ بن مصعب حضرت زبیرؓ تک پہونچایا گیا ہے۔ مصعب بن زبیرؓ کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہ تھی کہ ان کا اور ان کی اولاد کا تذکرہ کتب تاریخ و سیر میں نہ ملتا۔ انکے فرزند عیسیٰ کو جن سے یہ سلسلہ ملایا جاتا ہے ہر کتاب میں غیر معقب بتایا گیا ہے اور تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان سے نسل نہیں چلی ابن قتیبہ نے معارف میں اس کی تصریح کر دی ہے اور صاف لکہا ہے کہ :۔ فاما عیسیٰ بن مصعب فقتل مع ابیہ ولا عقب لہ (یعنی اپنے باپ کے ساتھ قتل ہو گئے اور ان کے کوئی عقب نہ تہا) نہ مصعب بن زبیرؓ کے کسی اور پوتے کا نام یا لقب ہادی بیان کیا گیا ہے جسکے ذریعہ یہ سلسلہ متصل ہوتا ہو۔ اسی طرح نواب شہباز خاں کا سلسلہ نسب جو فوطہ بن رواح بن عبداللہ کے واسطہ سے حضرت زبیرؓ بن العوام تک پہونچایا گیا ہے وہ بھی غیر متصل و منقطع ہے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے کسی بیٹے کا نام رواح یا ان کے کسی پوتے کا نام فوطہ کہیں نہیں ملتا اور نہ یہ نام ان کی اولاد میں پائے جاتے ہیں اور نہ اسلام کے بعد عرب کے مقتدر خاندانوں اور خصوصاً قریش کی معزز شاخوں میں اس قسم کے ناموں کا وجود باقی رہا تہا۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے بیٹوں کے جو نام کتب انساب میں ملتے ہیں یہ ہیں :۔ حمزہ، حبیب، ثابت، موسیٰ، عباد، قیس، عامر اور عبداللہ۔ ان میں سے حبیب اور قیس کے اولاد نہ تھی اور عبداللہ بن عبداللہ بن زبیرؓ کے صرف اولاد دختری تھی۔ باقی بیٹوں کی اولاد زیادہ تر مدینہ منورہ میں ساکن رہی لیکن ان کی اولاد میں فوطہ یا رواح کوئی نام نہیں پایا جاتا پس جبکہ نواب موصوف کا جو سلسلہ نسب بیان کیا گیا ہے وہ بوجوہ مندرجہ بالا منقطع اور غیر متصل ہے نیز جب کسی معتبر قدیم تذکرہ یا تاریخ میں ان کے زبیری ہونے کی کوئی روایت مذکور نہیں تو یہ امر ظاہر ہے کہ نہ یہ سلسلہ صحیح ہے اور نہ زبیریت کی روایت کی کوئی اصلیت ہے ۔

نواب شہباز خاں کے تذکرہ میں صاحب المشاہیر نے حاجی کمال الدین نام ایک بزرگ کا ذکر کیا ہے جو شہباز خاں سے تیسری پشت میں بیان کیے جاتے ہیں، حاجی مذکور کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ عرب سے وارد ہند ہوئے۔ بیت اللہ میں سند حدیث میر حسین محدث سے حاصل کی اولاً میر سید علی الہجویری صاحب کشف المحجوب سے مستفید ہوئے پھر دارالامان ملتان آئے حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی انہیں سے استفاضہ کیا اور ان ہی کے ایماء سے اپنی قوم و قبیلہ عرب میں جو پہلے سے ملتان میں سکونت پذیر تھا متاہل ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کی ۱۱۸ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

اس تمام روایت میں تاریخی لحاظ سے کوئی ربط نہیں اور نہ یہ واقعہ جس طرح بیان کیا گیا ہے ممکن الوقوع ہے حضرت شیخ ذکریا ملتانی کی وفات ۶۶۶ھ میں ہوئی۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ حاجی کمال الدین مذکور چالیس سال کی عمر میں اور شیخ موصوف کی وفات سے چالیس سال قبل حاضر خدمت ہوئے تو اس لحاظ سے حاجی مذکور کا سال ولادت ۵۸۶ھ ہوگا اور ایکسو اٹھارہ برس کی عمر تسلیم کرتے ہوئے سنہ وفات ۷۰۴ھ قرار پاتا ہے لیکن حضرت علی الہجویری کا سنہ رحلت ۴۶۵ھ ہے اور آپ مشائخ سادات کے ان چند بزرگوں سے ہیں جو ابتدائے عہد میں ہندوستان تشریف لائے پس آپ کا زمانہ وفات حاجی کمال الدین کے سال ولادت سے بھی ایکسو برس سے قبل ہوتا ہے پھر وہ کس طرح آپ سے مستفیض ہو سکتے تھے۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ حاجی مذکور نوے سال کی عمر میں حضرت شیخ ذکریا کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جو شیخ کا ابتدائی زمانہ تھا اور ان کی عمر بیس سال کی تھی اور حاجی کمال الدین نوے سال کی عمر کے بعد متاہل ہوئے جو بالکل خلاف قیاس ہے تب بھی یہ زمانہ شیخ موصوف کی ولادت کے لحاظ سے جو ۵۶۵ھ میں ہوئی ۵۹۵ھ متعین ہوتا ہے اور حاجی مذکور کی پیدائش ۵۰۵ھ میں قرار پاتی ہے گویا ان کی ولادت کا زمانہ سید علی الہجویری کی وفات سے بارہ برس بعد کا متعین ہوتا ہے پس جس شخص نے سید علی الہجویری کا زمانہ پایا ہو وہ شیخ ذکریا ملتانی کا زمانہ دیکھ سکے اور ان سے مستفیض ہو سکے یا جس شخص نے شیخ ذکریا سے

استفادہ کیا ہو وہ سید موصوف کے زمانہ حیات میں عالم وجود میں آچکا ہو قطعی ناممکن ہے۔
اس لیے حاجی کمال الدین کا سید علی ہجویری سے مستفید ہونا کسی طرح درست نہیں ہاں یہ امر کہ
وہ شیخ ذکریا ملتانی سے بیعت تھے قرین قیاس ہے۔

صاحب المشاہیر نے اپنی کتاب کے ابتدا میں لفظ کنبو کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے
کہ زبیری مقام کنب واقع غزنین یا کنباہ واقع سمرقند میں اولاً آباد ہوئے اور وہاں سے
اکثر و بیشتر محمود غزنوی کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور لقب کنبو بھی اسی نسبت مکانی کی
وجہ سے اپنے ساتھ لائے۔ لیکن حسب روایت مذکورہ بالا نواب شہباز خاں کے جد اعلیٰ حاجی
کمال الدین براہ راست عرب سے ہندوستان آئے ان کا زمانہ آمد ساتویں صدی ہجری کا اوائل
ہے، وہ نہ کنب میں رہے اور نہ کنباہ میں، جب ان کو نسباً زبیری سمجھا جاتا ہے تو وہ عرب میں
یقیناً زبیری یا اسدی کے لقب سے معروف ہونگے نہ کنبوہ یا کمبوہ کے لقب سے پھر باوجود اسکے ان کا
یا ان کی اولاد کا ہندوستان آکر کنبو یا کمبوہ کے لقب سے ملقب ہونا کیا معنی؟ اسکے جواب میں اگر یہ
کہا جائے کہ ان کی قوم و قبیلہ عرب کے لوگ جو ان کی آمد سے پیشتر ملتان میں آباد تھے کمبوہ کہلاتے
تھے ان کی قرابت بھی یہاں آکر ان ہی لوگوں سے ہوئی اس وجہ سے یہ بھی کمبوہ مشہور ہوئے۔
لیکن یہ جواب قابل قبول اور قرین قیاس نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں بنی ہاشم اور
قریش کے مختلف لوگ مختلف مقامات سے مختلف زمانوں میں آئے اور یہاں آکر ان کے باہم
قرابتیں ہوئیں لیکن جو جس جگہ سے آیا آج تک اس کی اولاد اسی نسبت سے مشہور رہے۔ یہ نہیں ہوا
کہ خراسانی سید بخاری سید سے یا واسطی مشہدی سے قرابت کے سبب بخاری یا مشہدی مشہور
ہوگیا ہو اسی طرح حاجی کمال الدین جبکہ براہ راست عرب سے آئے تھے یا تو اپنی نسبی نسبت زبیری
اسدی کے ساتھ شہرت پاتے یا مکانی نسبت کے لحاظ سے اس مقام عرب سے جہاں سے وہ
آئے تھے نہ یہ کہ ان دونوں نسبتوں کے علاوہ ایک تیسری نسبت سے جس سے ان کا نہ کوئی نسبی
تعلق تھا اور نہ مکانی یعنی کمبوہ کہلاتے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ ملتان میں اس زبیری

خاندان کی قرابت کی وجہ سے جو ان کے آنے سے پیشتر وہاں آباد تھا اور کمبوہ کہلاتا تھا کمبوہ مشہور ہوئے تو کیا وجہ کہ حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ جن کا خاندان ملتان میں آکر آباد ہوا اور نسباً اسی خاندان سے تھا جس سے حاجی کمال الدین کو تبلایا گیا ہے یعنی قریشی اسدی باوجودیکہ حسب روایت مذکورہ ان سے پیشتر بھی ایک اسدی زبیری خاندان ملتان میں آباد اور کمبوہ کہلاتا تھا کمبوہ نہ مشہور ہوئے اور آج تک قریشی اسدی کہے جاتے ہیں اور محض حاجی کمال الدین جو شیخ کے خاندان کے بہت بعد عرب سے آئے کمبوہ مشہور ہوگئے اور کیوں نہ شیخ ذکریا ملتانی کے خاندان نے اس عربی زبیری خاندان سے اپنی قرابتیں کیں جو انکے ہم نسب وہاں پہلے سے موجود تھا:

نیز جیسا کہ کہا جاتا ہے جبکہ حاجی کمال الدین براہ راست عرب سے آئے تھے، زبیری اسدی تھے حضرت شیخ کے ہم نسب تو پھر شیخ بہاء الدینؒ نے ان کی قرابت اپنے خاندان میں کیوں نہ کی اور ان سے یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ تم اپنے قوم وقبیلہ میں متاہل ہو باوجودیکہ حاجی کمال الدین اور حضرت شیخ ذکریا ایک ہی قوم وقبیلہ سے تھے' نیز حضرت شیخ ذکریا کا اس پیشتر آباد شدہ خاندان سے جو زبیری تھا اور کمبوہ مشہور ہوگیا، اپنی قرابتیں نہ کرنا اور ایک نو وارد عرب، وزبیری کو اس خاندان میں متاہل ہونے کی ہدایت فرمانا کیا ثابت کرتا ہے! اسکے بعد یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ حقیقتاً حاجی کمال الدین کا نسبی تعلق عرب سے یا قبیلہ اسدی سے نہ تھا بلکہ پنجاب کے قدیم خاندان کمبوہ سے تھا جو ملتان میں آباد اور وہیں کا باشندہ تھا۔ حاجی صاحب وہیں حضرت شیخ ذکریا کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور اپنے قبیلہ کمبوہ میں متاہل ہوئے ان کا عرب سے آنا نسباً زبیری ہونا یا حضرت شیخ کے خاندان کے علاوہ کسی دوسرے زبیری اسدی خاندان کا اس زمانہ میں ملتان میں آباد ہونا پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتا۔ اغلب یہ ہے کہ خود حاجی کمال الدین مخدوم شیخ سماء الدین اور صوبجات ممالک متحدہ کے دیگر کمبوہ خاندانوں کے مورث جو سب کے سب ملتان ونواح ملتان کے ساکن تھے حضرت شیخ ذکریا یا انکے خاندانوں کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور چونکہ حضرت شیخ اور آپ کے بزرگ قریشی اسدی حضرت زبیر

کے خاندان سے تھے اس لیئے عہد اول کے قدیم دستور کے مطابق جو شخص یا جو خاندان جس عربی قبیلہ کے بزرگ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوتا وہ باعتبار ولا اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہوتا تھا اور ان نومسلموں کو اسدی، زبیری وتیمی باولا کہا جاتا تھا ممکن ہے کہ اسی اعتبار سے ملتان کے کمبوہ جو حضرت شیخ ذکریا یا انکے کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اپنے کو کمبوہ زبیری خیال کرنے لگے ہوں اور اب نسبت ولا منقطع یا محو ہو کر حقیقتاً زبیری کہنے لگے اور نسب نامے بنالیئے۔ یہ قیاس اور بھی قوی ہو جاتا ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زبیری صرف ان ہی کمبوہ خاندانوں نے کہنا شروع کیا ہے جنکے بزرگوں کا سلسلہ بیعت وارشاد بالواسطہ یا بلا واسطہ حضرت شیخ ذکریا ملتانی تک پہونچتا ہے یا جنکے مورث ملتان سے وقتاً فوقتاً آکر اس صوبہ میں آباد ہوئے جیسے اولاد مخدوم شیخ سماءالدین کنبوہ، شیخ جمالی، حاجی کمال الدین وغیرہ ورنہ مندرجہ بالا تمام واقعات پر نظر رکھتے ہوئے کسی زبیری کا کمبوہ مشہور ہو جانا کوئی معنی نہیں رکھتا ٭

ملتان اور نواح ملتان میں جہاں سے صوبہ ہذا کے مسلمان کمبوہوں کے مورثوں اور خاندانوں کا نکاس بیان کیا جاتا ہے اب تک ہندو اور مسلمان کمبوہ آباد ہیں، ان میں سے بعض اشخاص عہد سلاطین چغتائیہ میں سرکاری عہدوں پر ممتاز تھے۔ کتاب حالات ملتان مولفہ سید یوسف شاہ میں تحریر ہے ٭۔

"واضح باشد کہ از اقوام معتبرہ سکنہ قدیم قوم کمبوہ بود کہ در عمل سلاطین چغتائیہ بعضے ازآنہا بعہدہ قانون گوئی پرگنہ بلدہ وبرخے بدیگر عہد ہائے منصوب شدہ آمدہ بودند حالا اشخاص قلیل آنہا باقی اند کہ بعضے ازآنہا دریں جا بعضے بحسب قسمت آبخور بیرون رفتہ۔ چوں آں قوم معتبر بود ساکنان دیگر اقوام خود را بآنہا منسوب ساختہ کنبوئی گویند"[۱] ٭

غالباً اس بیان کے بعد کسی شک شبہ کی گنجایش باقی نہیں رہتی کہ امروہہ اور دیگر مقامات کے مسلمان کنبوہ خاندان ان ہی اشخاص کی اولاد سے ہیں جو ملتان سے "بحسب قسمت آبخور" دیگر

---

[۱] کتاب حالات ملتان قلمی ۲،

مقامات کو منتقل ہوئے۔ ملتان میں اب بھی مسلمان کمبوؤں کے خاندان آباد ہیں۔ ملک کرم ایزد بی اے ال ال بی ان میں ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو نسباً ہندی الاصل سمجھتے ہیں اور زبیریت کی کوئی روایت ان میں موجود نہیں ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو کمبوہ بھی ملتان اور اسکے نواح میں موجود ہیں ملتان کا ایک ذی علم ہندو جو مشہور کتاب انشا کا مصنف ہے دیباچہ میں اپنی قومیت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"فقیر حقیر ہیچداں اضعف عباد ہرکرن ولد متھرا داس کنبو ملتانی روزے در دارالنجاۃ بلدہ متھرا بصحبت یاراں نشستہ بود"

ہندو کنبو بھی سلاطین ہند کے عہد میں مناصب جلیلہ پر فائز تھے مثلاً راجہ روشن رائے کنبوہ جو رائے رایان کے خطاب سے مخاطب اور نواب وزیر اعظم قمرالدین خاں کے دیوان تن تھے (عماد السعادت ص ۴۵)

قوم کنبوہ کے اصل و نسب کے بارے میں بسوط تصنیف چودہری وہاب الدین کمبوہ کی تاریخ کمبوہان ان حضرات کے مطالعہ کے قابل ہے جو اس بحث سے دلچسپی رکھتے ہیں اس کتاب میں اس امر کو بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ کمبوہوں کے جملہ خاندان خواہ ہندوستان کے کسی صوبہ میں آباد ہوں اسی ایک گروہ سے ہیں جو قدیم ایرین قوم کی شاخ ہے۔ ان کی آبادی پنجاب گجرات کابل اور نواح غزنی تک پھیلی ہوئی تھی اور ایک زمانہ میں افغانستان کے شرقی حصہ کو اسی نسبت سے کمبوج کہا جاتا تھا صرف صوبہ پنجاب میں ہندو اور مسلمان کنبوؤں کی تعداد اکیاسی ہزار چار سو اکیانوے ہے بلاد مغربی کے کمبوہ ابتدائی صدیوں میں مشرف باسلام ہوئے اسکے بعد رفتہ رفتہ دوسرے خاندانوں نے بھی اسلام قبول کیا ان ہی مسلمان کنبوہوں میں جو بزرگ ابتدائی زمانہ میں اسلامی لشکر کے ساتھ شمالی ہند میں چلے آئے یا جو عہد مغلیہ کے ابتدائی دور میں ملتان و لاہور وغیرہ سے دہلی آئے وہ یہیں کے ہو رہے ان میں سے بعض نے عہد مغلیہ میں کافی شہرت اور ترقی حاصل کی ان کی اولاد دہلی کے قرب و جوار مختلف مقامات میں جہاں سادات و شرفا کی آبادیاں تھیں سکونت

LIBRARY
Taraqqi Urdu

پذیر ہوگئی صوبجات ممالک متحدہ کے کمبوہ
برادری سے علیحدہ ہوگئے' دولت اور
قریشی خاندانوں کے
اس بنا پر ان میں بھی
اپنے آپ کو عربی النسل
سابقہ نسبت کے لحاظ سے
کے خاندان سے انکے
زبیری کہنا شروع
نہ عربی النسل ہیں
ہیں اور نسباً برین
اہ خاندان دیوان
عنایت خاں کمبوہ
شاہجہانی و عالمگیری
فاخر علی خاں بن نواب
تھے۔ منجملہ انکے حکیم محمد منیر
نواب وقار الملک
عبد المومن ساکن سنبھل کی
کے نواسہ تھے۔ محب اللہ
اولاد میں مولوی
قدرت اللہ و منشی

ان ہی کی نسل میں چونکہ یہ لوگ اپنی پنجابی
علم میں بھی ان سے ممتاز رہے' عربی و
دوش بدوش آباد ہوئے
یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ
مشہور کریں انہوں نے
جو حضرت شیخ زکریا ملتانی
مورثوں کو رہی ہے
کردیا حالانکہ حقیقتاً وہ
نہ زبیری بلکہ ہندی
چھتری ہیں
محمد عاقل خاں بن
دونوں باپ بیٹے عہد
کے معزز منصبدار تھے
موصوف کے کئی بیٹے
حاذق طبیب ہوئے
جن کا خاندان دیوان
نسل سے ہے' حکیم موصوف
بن حکیم محمد منیر مذکور کی
صبغت اللہ و حافظ
سبط نبی ساکن محلہ چاہ

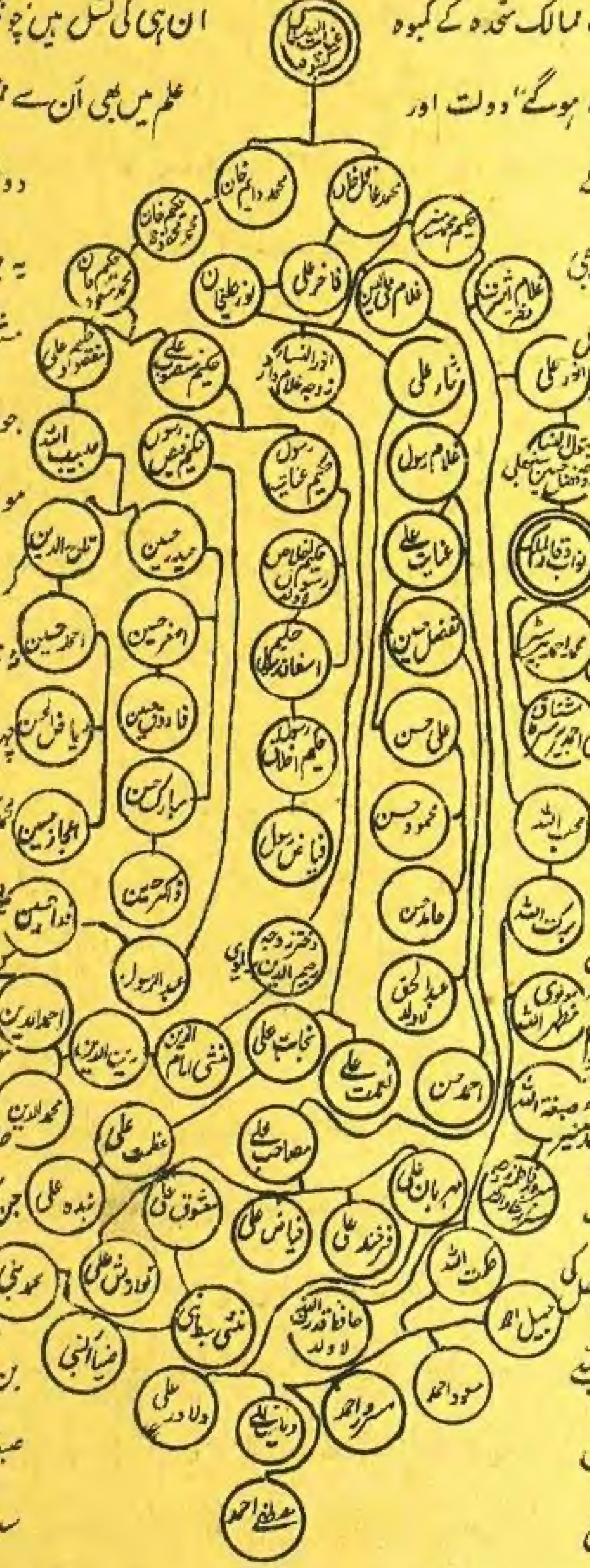

شورہ وغیرہ ہیں اور دیوان محمد عاقل کے بھائی محمد دائم خاں کی اولاد میں حکیم فیاض رسول کا خاندان ہے

دوسرا خاندان اولاد
ساکنان محلہ شاہی
فرزند شیخ دوست علی
وہاں سے امروہہ آئے
مرحوم اور ان کے
اشرف علی وکیل کے
معدودے چند لوگ
بھی مذہباً سُنی ہیں۔

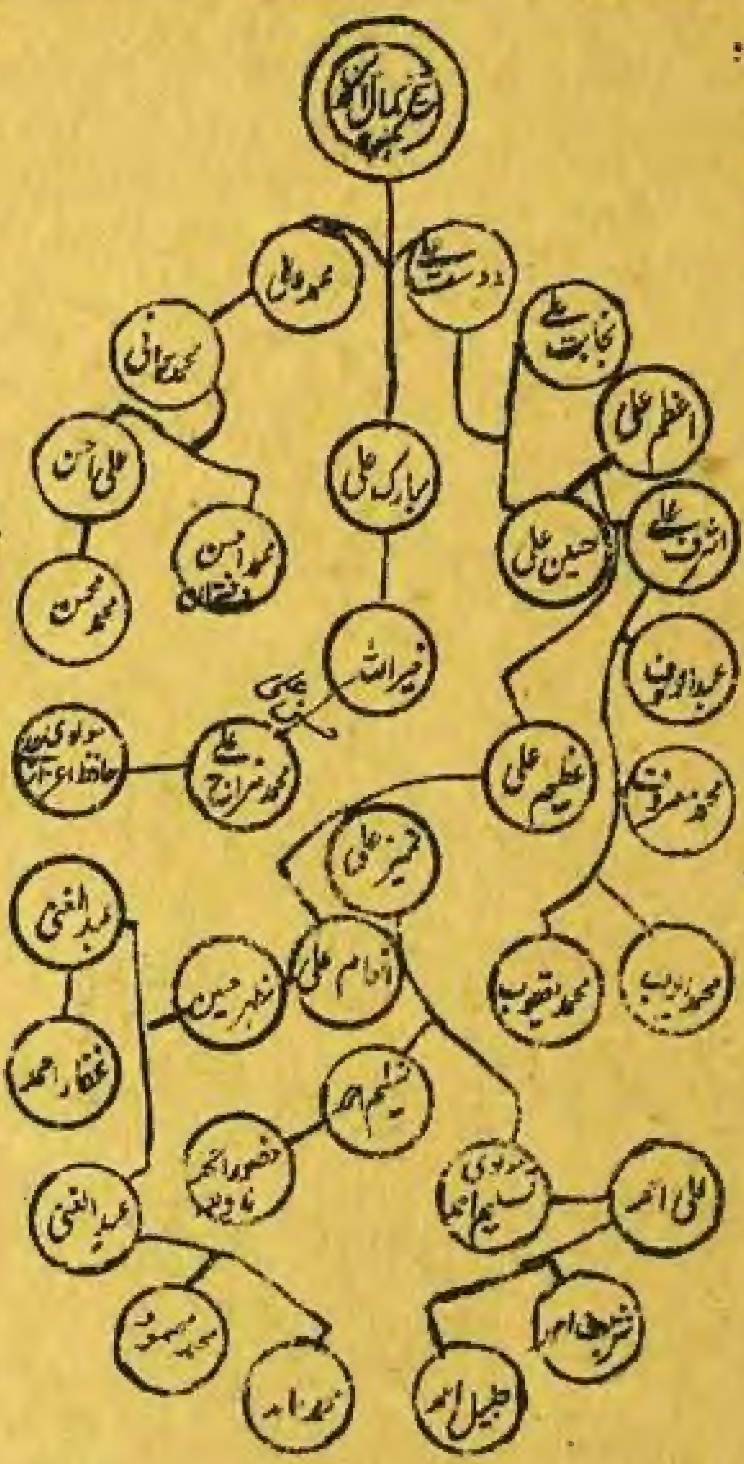

شیخ کمال الدین کنبوہ
چبوترہ کا ہے جن کے
دہلی سے بریلی گئے اور
ان میں مولوی تسلیم احمد
بنی اعمام اولاد مولوی
خاندان ہیں جن میں
آتی ہیں۔ یہ سب حضرات

تیسرا خاندان محتشم خاں کنبوہ کا ہے۔ ان میں منشی مبین احمد ولد شیخ جعفر علی بن اشرف علی بن حمایت علی کا ہے جو محلہ جڑودیہ میں ساکن ہیں انکے بزرگ بھی دہلی سے امروہہ آئے۔ اس خاندان میں سُنی مذہب اور ذی علم اشخاص ہوتے رہے ہیں۔

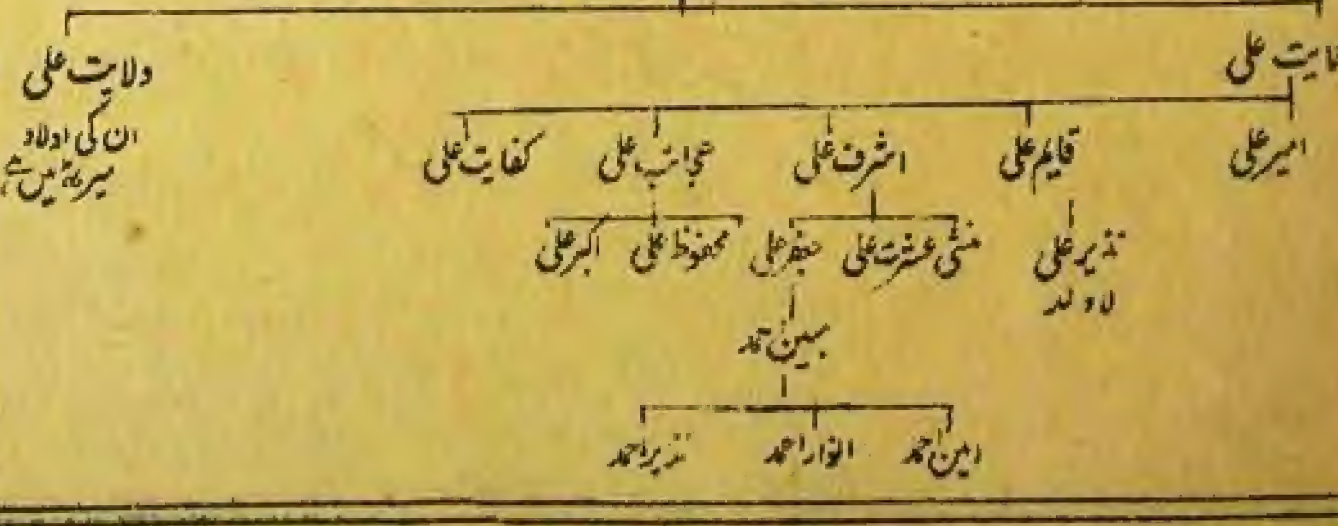

چوتھا خاندان
خاں و حکیم
انباے حکیم
جو اولاد میں
سمار الدین کمبوہ
بزرگ اطباے
شاہ عالم عالی
منصبدار و ذی
ہیں حکیم امجد علی
لائق فرزند حامد علی
نامور مشہور و
اب اس خاندان
حکیم نواب علی
فرزند مسٹر ساجد علی
ال ال بی وکیل
شاہ وہ منشی
انباے حکیم
بی اے ای ہیں
اس خاندان
رکن محفوظ

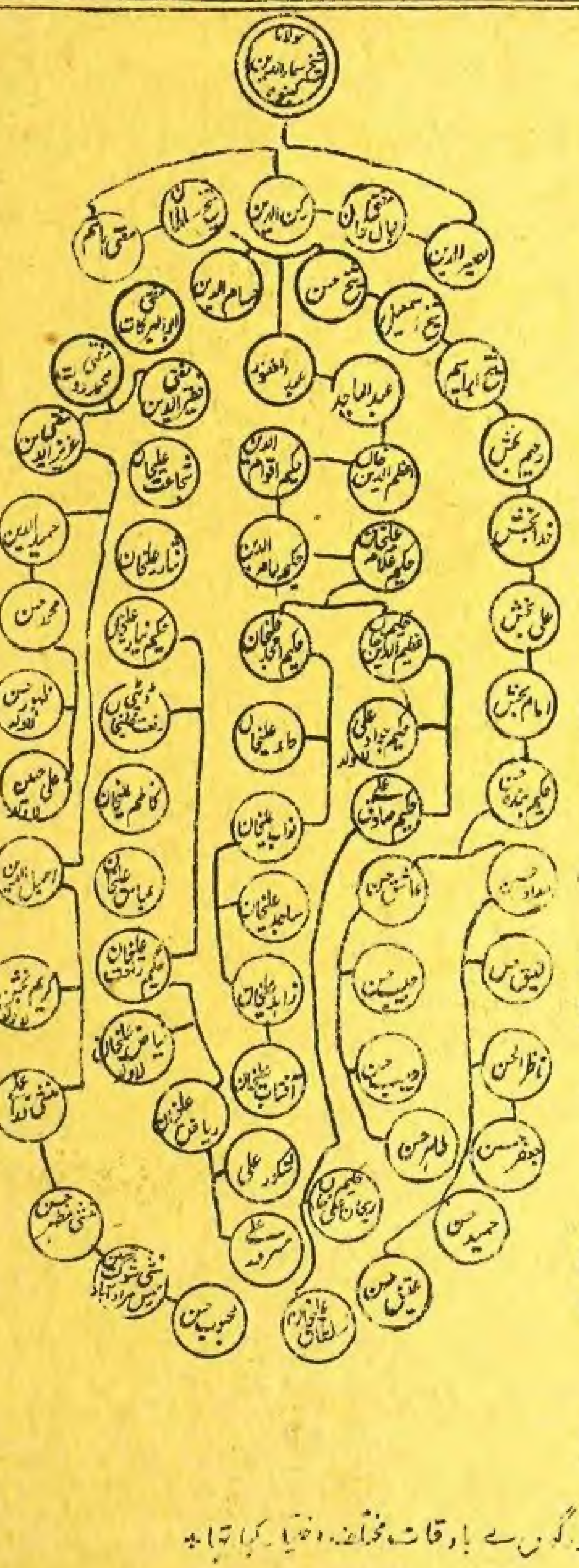

اولاد حکیم امام الدین
رضی الدین خاں
قوام الدین خاں
مولانا شیخ
کے ہیں انکے
نامدار اور عہد
گہر بادشاہ کے
وقار تھے پچھلے زمانہ
خاں اور انکے
خاں بیرسٹر بڑے
معروف ہوئے
ہیں خان صاحب
خاں جنکے لائق
خاں بی اے
اسرہ میں انکے
حبیب حسن وغیرہ
بندہ حسن کا خاندان
شامل ہے۔
کے موجود افراد
ا میہ …

میں، جو انکے بزرگوں سے بارقات محفوظ اختیار کیا تھا۔

پانچواں خاندان اولاد رحمن علی کنبو ساکنان محلہ چیدرہ کا ہے ان کے بزرگ بتعلق قرابت سنبھل سے امروہہ آئے۔ منشی ثاقب حسین و منشی مرغوب احمد ان میں ہیں۔ شجرہ اولاد رحمن علی کنبو۔

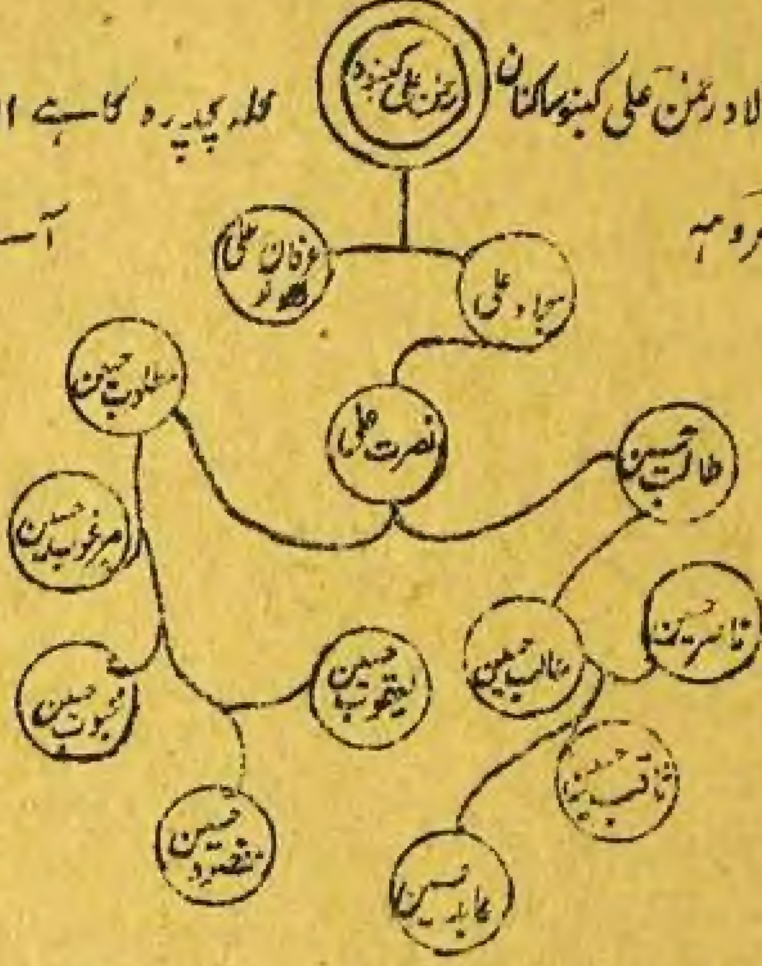

کلال

قوم کلال (مسلم) کی آبادی شمالی ہند کے چند مقامات یعنی امروہہ۔ مراد آباد بجنور میرٹھ دہلی اور ریاست رامپور وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ امروہہ کے شرفائے کلال میں درویش علی خاں منصبدار پنجہزاری عہد فرخ سیر میں نامور اور ذی مرتبت ہوئے زمانہ حال مسلمانوں کے پرجوش قائدین مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا شوکت علی سلمہ اللہ تعالیٰ انہیں اسی قوم سے ہیں۔

قوم کلال کا نسبی تعلق جیسوار راجپوتوں کی ایک گوت سے ہے جو کلال کے نام سے موسوم ہے[1] سلطان شہاب الدین غوری (معز الدین محمد بن سام) کے زمانہ فوج کشی ۵۸۸ھ میں اس قوم کے ایک نامور خاندان کی سکونت راجپوتوں کے بعض دیگر قبائل کی طرح برن (بلند شہر) اور میرٹھ وغیرہ میں تھی۔ اس زمانہ میں علاقہ برن کا راجہ چندر سین تھا جو میرٹھ کے راجہ ہردت کا ماتحت تھا راجہ مذکور سلطان شہاب الدین اور اسکے مشہور سپہ سالار اور جانشین قطب الدین ایبک کے حملوں کا کچھ عرصہ تک مقابلہ کرتا رہا بالآخر راجہ کا ایک رشتہ دار اجیپال دوڑ جو اجیپال لانبیہ ناروکے نام سے مشہور تھا مع اپنے ناظم ہیرا سنگھ برہمن اور دو ہزار سپاہ کے

[1] میموائرس سرہنری ایلیٹ ص

جن میں زیادہ تر کلال قوم کے لوگ تھے سلطان سے جا ملا۔ قلعہ برن فتح ہوا، راجہ مارا گیا مگر مرنے سے پہلے اسنے اسلامی فوج کے مشہور جنرل خواجہ علی کو، جو بعد میں خواجہ لال علی کے نام مشہور ہوئے شہید کیا۔[۵۱] خواجہ موصوف کی درگاہ بلند شہر میں زیارت گاہ خلایق ہے۔ اجیا پال لا بنیہ نے مع اپنے ساتھیوں کے دین اسلام قبول کیا اسلامی نام محمد قدر داز رکھا گیا۔ علاقہ برن کی چودھرات کا عہدہ اور ملک کا خطاب عطا ہوا۔ اس کی نسل سے بعض اشخاص پچھلے زمانہ تک برن کے ایک حصہ پر قابض رہے۔ عطائے چودھرایت کا ایک فرمان جو اسی عہد کا مجریہ ہے انکے پاس موجود ہے۔ فرمان مذکورہ کی ایک مصدقہ نقل جو سنہ ۱۰۶۶ھ کی تحریر شدہ ہے خاکسار مولف کو دستیاب ہوئی ہے جس کا یہاں نقل کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:-

نقل

فرمان سلطان معز الدنیا والدین ابو المظفر بن سام ناصر امیر المومنین مجریہ ۵۸۸ھ

چوں رایات ظفر نگار و اعلام فتح شعار حضرت ارفعت بالعزیمت اسلام برافراشتہ و صمصام خوں آشام لعنایات بلا نہایات مجلی و مصفیٰ ساختہ و بازوئے کماں و دولت را بفر ازاعزاز نصر من اللہ فتح قریب بیاراستہ خواستم کہ بریں مواہب علیا حصار بلا دکفار را از نثراد بدکردار کہ بظلمات نامشروعات سینۂ خود را سپر سہام بلا کردہ اند و مقام متمرداں و مسکن مردوداں کہ بظلمات نامسموعات اصل بد نسل خود را در آتش قہرمانی انداختہ انشاء اللہ تعالیٰ بحرمت کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ آں حصار مغار تباہ کار برگشتہ روزگار را بگرد سم سمند برق رفتار و باقراحش کمانداراں شیرو شکار مسمار نمایم و مقام ظلام ملحداں کہنہ لنگ بزور تیغ و تفنگ و ضرب تیر خدنگ بہ یم آہنگ سرہنگ مضمار ساختہ بر منابر مخا بر و معابد و مساجد بدل گردانیم و زمین اگر موکل را باب فضایل شایع زماں ملک عشری فرمایم کہ در اقامت صلوٰۃ و نقارہ خیرات ممد و معاون باشند بصدق

[۵۱] گزیٹر ضلع بلند شہر مطبوعہ ۱۹۰۳ء

این فال همایون سمت بداؤں خیمه زده قرار لشکار داده دران موضع که آن را برن گویند نزول شده بفضل آلهی بمجرد طلوع لشکر فتح اثر بعضے بطالع شدید که الذی فی نار جهنم خالدین فیها ابدا خواهد بود رو بفرار داده بتیغ قهر آتش یافتند و اکثر صالح سعید که از آیه قرآن مجید فاما من خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهوی فان الجنة هی الماوی بهره داشتند بکرم و انعام به دولت اسلام مشرف شدند نخستین پسندیده افعال و نیک ظن اجیپال لابنیه نارو چودهری برن با دو هزار نفر از اقربا و تیغ زن بکتن که پردهان نسل بمزو خصوصاً راجه چندرسین ڈور بود با اهل و عیال و اطفال بر جاده اطاعت و امان روئے عجز و ابتهال آورد چون آثار نیک بختی او ظاهر بود آفتاب دولت جهانبانی حکم طلوع نمود که مقدمی و چودهرائی این محال علی سبیل الاستقلال شامل حال چودهری اجیپال مسلم داشتیم و موازی چهارده حفت عوامل در ملک او ملک عشری فرمودیم و بخطاب باصواب ملک محمد قدر دراز سرفراز ساخته و با آلات و مقلبات و کارکنان و نواب و گماشتهائے شریعت مآب قاضی نورالدین حاکم قصبه حکم فرمودیم که حکومت و ریاست و منصب صدارت به شریعت پناه مومی الیه مبارک باشد و مقدمی و چودهرائی خطه برن بقابل الخدمة چودهری ملک محمد مع فرزندان مقرر و مستقیم باشد دمی فرمایم که هیچ احدے از سلسله این ذیگاه و از خاندان سامی بارگاه و عهده این ارباب خیرخواه دست تعدی و رسوم تباه نکشاد دنیا زاد و اگر شخصے عمداً و خطائاً شیوه ستم و جفا بر آل این اهل وفا از پیش و قفا بیاید و بغضب خدا و رسول خدا گرفتار آید نعوذ بالله منها۔

کتب الامر اعلی والمثال الرفیع الصاحب الاجلی الکبری الموید المظفر العادل الزکی شمس الملک جلال الوزرا ادام الله تعالیٰ بقائه ... و رساله الاجل الاعز هذه المثال المقبل الکامل تاج الدولت والدین ابوبکر ابراهیم وصالی ۔

مسلمان کلالوں میں تواتر کے ساتھ یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ ان کا نسبی تعلق ملک محمد قدر دراز کے ساتھیوں سے ہے جو ۵۸۲ھ میں مشرف باسلام ہوئے تھے' چنانچہ صاحب نخبہ نے اس روایت کا تذکرہ امروہہ کے خاندان کلال کے حالات میں بالفاظ ذیل کیا ہے :-

از ثقات ایں طائفہ (یعنی کلال) بدرجہ تحقیق است کہ آنہا از نسل او (یعنی ملک محمد قدر دراز و ہمراہیان او) ہستند و اولاد او دریں بلاد اکثر و منتشر در امروہہ آغاز ورود احداد ایشاں از زمانہ لودیان گردیدہ و در ایشاں تفریق است (نخبہ ص ۱۱۲)

اجیپال (یعنی ملک محمد قدر دراز) نسباً ڈور راجپوت تھا مگر اسکے ساتھیوں میں زیادہ تعداد جیسوار راجپوتوں کی اس گوت کی تھی جو کلال کہلاتے ہیں ان کی کثرت تعداد اور تعلقات قرابت و مصاہرت کی بنا پر اجیپال کی اولاد بھی کلال مشہور ہوگئی۔ صاحب نخبہ کے بیان کے متعلق قوم کلال میں مختلف شاخوں کے لوگ شامل ہیں ان میں نسبی اور بہی فرق و امتیاز سلف سے چلا آتا ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر تک قرابتوں میں اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ شاہان ہند کے یہاں ان میں سے بعض طبقات کے لوگ عموماً چوبداری و دربانی کی خدمات پر مامور رہے۔ ہندی میں شراب فروش کو کلار کہتے ہیں حروف ر اور ل کے قریب المخرج ہونے کی بنا پر بعض اشخاص کلال کو بھی شراب فروش سمجھنے لگے حتیٰ کہ بعض شعرا نے بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کیا ہے مثلاً غنیا کا شعر ہے ؎

تجھ مست کے ہیں حال پہ کیا کیا عنایتیں ساقی کا میں غلام ہوں بندہ کلال کا

یا حضرت نصیر فرماتے ہیں ؎

گلے پڑے ہے جو ہر ایک کے یہ دخت رز لگا یا تو نے منہ اوکلال کے کیسا؟

اردو کے لغت نویسوں میں صاحب فرہنگ آصفیہ کلال کو شراب فروش بتاتے ہیں اور صاحب غیاث اللغات نے بحوالہ منتخب و برہان" کلال بفتح اول در عربی ماندگی اعضا وخیرگی دکندی" لکھا ہے۔ اسی بنا پر بعض حضرات کا خیال ہے کہ مضافات امروہہ میں موضع سرسہ خمار جہاں کاشتکاری پیشہ کلالوں کی آبادی ہے' اسی لیے خمار کہلایا کہ عربی میں کلال کو خمار کہتے ہیں امروہہ

کی قدیم دستاویزات میں "عمر خمار" وغیرہ جو نام پائے جاتے ہیں انہیں اسی دلیل میں پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ عزیز خمار جو عہد تغلق میں یہاں کا مشہور حاکم تھا قوم کلال سے تھا. چونکہ ان میں مختلف طبقات کے لوگ شامل ہیں ممکن ہے کہ ادنیٰ طبقہ کے لوگ شراب فروشی کی بنا پر خمار اور کلار کہلاتے ہوں لیکن کل قوم کو شراب فروشی سے متہم کرنا صحیح نہ ہو گا. صاحب مراۃ آفتاب نما لکھتے ہیں کہ :-

"کلال و خدمیہ قومیست کہ پیشہ ایشاں چوبداری ست و شراب فروش را کرال دیا کلار ا می گویند. فرقہ دیگر است."

مفتی عبدالقادر مرادآبادی مراد آباد کے شیوخ کلال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"قوم کلال . . . . . . کہ فراش و چوبدار و خدمت گار بیشتر درآں ملک ازآں قوم است و ایں کارہا را از دیگراں بہتر و نیکوتر بانجام رسانند چندکس ازانیان بدو زبان انگریزی نوشت و خواند آموختہ مولوی و منشی ہم شدند[1]"

مفتی صاحب نے جس عمومیت کا اظہار آخری جملہ میں کیا ہے اس سے مجھے اتفاق نہیں. قوم کلال میں ایک گروہ ضرور ایسا ہے جن میں نوشت و خواند کا رواج بہت قدیم سے ہے، ان میں متعدد اشخاص مناصب شاہی پر ممتاز اور ہزاری پنجہزاری ذات کے منصبدار رہے. عہد جہانگیری کے ہزار و پانصدی منصبدار مئی کلال کا ذکر مختلف تذکروں میں ملتا ہے یہ شخص ابتداءً نور جہاں بیگم کا چوبدار تھا، شعر و شاعری سے ذوق رکھتا تھا، خود بھی شاعر تھا اور مئی تخلص کرتا تھا ایک دن اس نے بیگم سے درخواست کی کہ بادشاہ کے حضور میں شعر سنانے کی اجازت ملجائے تو میرے لیئے باعث افتخار ہو. بیگم نے موقع پا کر سفارش کی، بادشاہ کو ایک چوبدار کی یہ جسارت پسند نہ ہوئی تاہم بیگم کے پاس خاطر سے اجازت مرحمت کی. صاحب کلمات شعرا لکھتے ہیں کہ :-

"بیگم ہنگام شعر خوانی بعرض بادشاہ رسانید کہ مئی چوبدار طبع موزوں دارد اگر حکم شود او را حاضر گردانند بادشاہ فرمود کہ نوبت شعر تا بانجا رسید کہ چنیں مردم . . . . . . شعر گویند"

---

[1] روزنامچہ مفتی عبدالقادر (قلمی) کتب خانہ ...

گری خواہند کہ بایں وسیلہ ہمکلام بادشاہ شوند۔ چہ ضرور کہ متوجہ کلام ......

بادشہ۔ بیگم عرض کرد کہ خانہ زاد است در حضرت پرورش و تربیت یافتہ چوں بادشاہ

خاطر بیگم بسیار دوست میداشت حکم کرد کہ بیارید۔

سیّ کلاں حاضر کیا گیا مگر شومیٔ قسمت سے پہلا شعر جو اس کی زبان سے نکلا یہ تہا ؎

سیّ بگریہ سردار دائے نصیحت گر کنارہ بگیر کہ امروز روزِ طوفاں است

بادشاہ شعر سنتے ہی ہنس پڑے اور فرمایا کہ شعر میں بھی اپنے پیشہ کا استعارہ ترک نہ کیا اسے

دُور کرو۔ کچھ عرصہ کے بعد بیگم کی دوبارہ سفارش سے پھر باریابی کا موقع ملا۔ اس مرتبہ بھی ایسا

ہی شعر پڑھا ؎

سیّ میروم و برق زنان شعلہ آہم اے ہمنفسان دور شوید از سرراہم

تاہم بپاس خاطر نورجہاں بیگم بادشاہ نے پرورش فرمائی اور آخر کار ہزار دیا لصدی منصب پر

سرفراز ہوا۔

سیادت نسبی کا ادعا حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ متوفی ۷۹۱ھ کے پیر طریقت حضرت سید امیر

کلالؒ نسباً فاطمی سید تھے۔ آپ نے نفس کشی کی بناپر داش گرینی کمہار کا پیشہ اختیار کرلیا تہا۔ مسکن ترکستان

(بخارا) تہا اس لیئے کُلّال مشہور ہوئے جو بخارا کی زبان میں کمہار کے لیے مستعمل ہے مگر اس

چودہویں صدی کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو قوم کلاں کے بعض ترفع پسند اشخاص کلاں اور کلال کے

مشابہت املا کی وجہ سے حضرت ممدوح سے اپنا سلسلہ نسب ملانے لگے اور سیادت نسبی کے دعویدار

بنے ہیں۔ اُردو زبان میں لفظ کلال غیر معروف ہے لیکن معمولی فارسی داں بھی جانتا ہے کہ ان

دونوں الفاظ میں معنی کے اعتبار سے کوئی تعلق اور ربط نہیں۔ صاحب غیاث اللغات بحوالہ

منتخب و برہان قاطع لکھتے ہیں کہ :-

کلال بضم اول در فارسی بعنی کسے کہ ظروف از گل سازد

مراۃ سکندری میں ملک گجرات کے نامور بادشاہ احمد شاہ کا ایک واقعہ بیان کیا گیا

ہے کہ ایک دن اُس دریا میں جو کوشک شاہی کے نیچے بہتا تھا۔ کوئی چیز تیرتی نظر آئی۔ بادشاہ کے حکم پر جب لوگ اُسے نکال کر لائے تو ایک بڑا مٹکا تھا جس میں سے لاش برآمد ہوئی۔

"حکم کرد تا جمیع کلالان شہر را حاضر کردند و فرمود کہ می شناسید کہ ایں خم از ساخت کیست؟ یکے گفت از من است۔"

اس موقع پر بھی کلالان سے مراد کمہاروں سے ہے۔ شعرائے فارسی کے کلام میں بھی یہ لفظ اکثر استعمال کیا گیا ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

گل را چہ مجال است کہ گوید بہ کلال
کز بہر چہ سازی وچہ ای شکنی

دکن کے فاضل بزرگ قاضی محمودؒ جو عہد عالمگیری کے شیخ طریقت اور بحری تخلص کرتے تھے فرماتے ہیں کہ :۔

نہ شد بہ سخن واقف از وسیلہ عقل
اگر چہ بحر پش آراست ہچو کوزہ کلال

اُردو شعراکے کلام میں کلال کا لفظ کمہار کے لئے استعمال ہوا ہے مثلاً

خواہی پیالہ خواہ سبو کیجیو کلال
ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چلے

بزرگان دین کے حالات میں آپ پڑھتے ہونگے کہ کسب حلال اور نفس کُشی کے لئے جو پیشہ اختیار کر لیتے تھے اسی سے مشہور ہوتے لیکن اُن کی اولاد نہ وہ پیشہ اختیار کرتی اور نہ اس سے موسوم ہوتی۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری نسباً فاطمی سید تھے مگر ان کی اولاد عطار مشہور نہ ہوئی۔ اسی طرح اور بہت سے بزرگ اپنے پیشہ کی نسبت سے مشہور ہیں۔ کوئی حداد (لوہار) کہلاتا ہے کوئی قصار (دھوبی) کوئی زیات (روغن فروش) یا مزین (حجام) النساج (جولاہ) خباز (نان بائی) سقا، قصاب، حمال وغیرہ۔ امیر تیمورؒ کے پیر طریقت حضرت بہاء الدین نقشبندؒ کے مرشد زادہ ہونے کی وجہ سے سلاطین مغلیہ حضرت سید امیر کلالؒ کی اولاد کا خاص اکرام واحترام کرتے۔ حضرت ممدوح کے تین فرزند ہوئے۔ امیر برہان جو حضرت خواجہ نقشبندؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ دوسرے امیر عمر تیسرے امیر شاہ۔ ان حضرات کی اولاد

امیر و میر کے لقب سے ملقب رہی۔ ان میں سے کسی کے نام کے ساتھ لفظ کلال نہ کبھی استعمال ہوا اور نہ ان میں کسی نے کلال کا پیشہ کیا۔ میر معصوم وجدان جو عالی نسب خاں کے خطاب سے مخاطب رہے حضرت امیر کلال کی اولاد سے تھے؛ انکے والد میر محمد زماں راسخ سرہند کے ساکن تھے۔ دونوں باپ بیٹے اپنے عہد کے نامور شاعر ہوئے۔ میر معصوم محمد اعظم شاہ کے متوسل اور منصب صدری منصبدار تھے۔ تذکرات شعراء میں انکے نسب کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:-

"وجدان میر معصوم مخاطب بعالی نسب خاں خلف میر محمد زماں راسخ سرہندی نسب او بامیر سید کلال قدس سرہٗ می رسد الی آخرہ۔

سید امیر کلال کی اولاد سے ایک اور شخص خواجہ موسیٰ خاں ہندوستان آئے اور معزالدین جہاں دار شاہ بادشاہ دہلی کی دامادی کا شرف حاصل کیا۔ انکے کئی بیٹے ہوئے۔ شہزادی کے بطن سے جو اولاد ہوئی وہ خواجہ زادہ کے لقب سے مخاطب رہی۔ غلام قادر خاں روہیلہ کے ہنگامے تک یہ لوگ قلعہ معلیٰ دہلی میں رہتے تھے اس کے بعد ان میں سے بعض حیدرآباد چلے گئے اور کچھ راجپوتانہ وارکاٹ۔ دو تین افراد لکھنؤ پہونچے ان میں میر یوسف المخاطب بہ نواب مدارالدولہ و میر عظیم الدین و میر بہارالدین تھے۔ خواجہ موسیٰ مذکور ابتداءً مذہب سنی رکھتے تھے لیکن نواب برہان الملک کی صحبت میں مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا۔ ان کے فرزند مدارالدولہ کو نواب وزیرالممالک نے سالانہ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر عطا کی (عماد السعادت ص ۱۲۶)

غرضیکہ حضرت سید امیر کلالؒ کی اولاد میں سے کسی کے نام کے ساتھ لفظ کلال کبھی استعمال نہیں ہوا، یہ لوگ فاطمی سید ہونے کی وجہ سے سید و میر کے لقب سے ملقب رہے۔ سادات فاطمی کے اس خاندان یعنی اولاد حضرت سید امیر کلالؒ اور ہندی نژاد کلالوں سے باعتبار نسب کوئی دور کا واسطہ و تعلق بھی نہیں۔ قوم کلال کے افراد عام طور سے شیوخ ہندی مشہور ہیں اور ان میں سے اکثر اس کے معترف بھی ہیں لیکن موجودہ دور میں بعض دوسری ہندی الاصل قوموں کی تقلید میں اس قوم کے بعض افراد شاید کلال اور کلال کے طرز املا کی مشابہت کی بناء پر "شیخ کلالی قریشی" ہونے کے

مدعی بنے ہیں بعض رسائل بھی شائع کیے گئے ہیں جن کا طرز استدلال مضحکہ انگیز ہے۔ رسالہ قوم قریش[۱]
کے مولف نے تو لغو بیانی کا بد ترین نمونہ پیش کیا ہے۔ مثلاً وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

"غیر قوم کے لوگ ہماری قوم (یعنی قوم کلال) کی نسبت اعتراضاً کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم مرد ہا معمولی نو مسلم باشندہ ہندوستان ہے اب سب سے پہلے لفظ مرد ہا کے متعلق بیان کرتا ہوں کہ اس لفظ کی ماہیت کیا ہے؟

چنانچہ ایک جگہ تو اس لفظ کی ماہیت کے متعلق یہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

"شاہان مغلیہ کے زمانہ میں ہماری قوم کے لوگ میرزادہ کہلاتے تھے"۔

دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ پُر لطف توجیہ یہ کرتے ہیں کہ:۔

"شاہان مغلیہ کے زمانے میں میردہ کا خطاب جب ہماری قوم کے کسی فرد کو ملتا تھا تو وہ پنجہزاری کہلاتا تھا اور دس ہزار سواروں کا افسر ہوتا تھا......... جب بادشاہ مغلیہ ہماری قوم کے کسی بزرگ کو کوئی موضع یا گاؤں عطا کرتے تھے تو اس کو امیر دیہہ کہتے تھے۔ کیونکہ دیہہ کے معنی گاؤں کے بھی ہیں۔ یہ خطاب ہمارے بزرگ میردہ اکرام الدولہ کو اکبر ثانی نے عطا کیا تھا چنانچہ وہ میردہ اکرام الدولہ مشہور تھے جن کا حال آثار صنادید میں خان بہادر (؟) سید احمد خاں علی گڈھ والوں (رح) نے تحریر کیا ہے"۔

مندرجہ بالا عبارت کو پڑھکر شاید ذی علم اشخاص ہنسی ضبط نہ کر سکینگے ہم نے رسالہ "قوم قریش" کے یہ اقتباسات اس غرض سے نقل کیے ہیں کہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ آج کل نسبی اور خاندانی تعلقوں کے جذبے سے متاثر ہو کر کس قسم کی لغو اور مضحکہ انگیز توجیہات پیش کی جاتی ہیں۔ ارباب فہم و دانش اور تاریخ داں اشخاص پر مخفی نہیں کہ میر دیہہ شاہی اصطبل کے ایک ایسے ہوشیار سائیس کو کہتے تھے جو دس سائیسوں کا میٹ ہوتا تھا۔ علامہ ابو الفضل نے آئین اکبری میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے؛

میر دیہہ یکے از سائیسان کہ شناساتر بود و سرگروہ دہ کس باشد

---

[۱] مولفہ محمد بدر الدین "شیخ قریشی نقشبندی" ۱۲

اس سلسلہ میں رسالہ "قوم قریش" کے چند اور اقتباسات ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں کہ :-

"جب سلطنت خاندان مغلیا (؟) کی ہندوستان میں قایم ہوگئی تو ہمارے بزرگ یعنی حضرت سیدنا دادا امیر کلاں کی اولاد کے لوگ (؟) برابر ہندوستان میں آباد ہوتے رہے یہاں تک کہ خاندان مغلیہ کے درباروں میں ہمارے بزرگوں کے نام سے مکانات بنتے رہے چنانچہ قلعہ دہلی کے دربار عام کی عمارت کے اندر **کلاں بار** کی عمارت جو **کلالیوں** کے بیٹھنے کے واسطے تعمیر ہوئی تھی قلعہ دہلی میں اب بھی ٹوٹی پھوٹی موجود ہے جس کا حال خان بہادر سید احمد خاں علی گڈھ والوں (؟) نے تحریر کیا ہے اپنی آثار صنادید میں۔ اور پرانے قلعہ کے دروازے کے سامنے ماہم بیگم کی مسجد کے متصل **کلاں باڑی** کا دروازہ اب بھی اپنی ٹوٹی پھوٹی حالت سے قوم کلاں (؟) کی شہادت دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں کسی کے دادا کے نام سے نسبت رکھتا ہوں" :-

مولف رسالہ کے سر سید علی گڑھ والوں (؟) نے اپنی بیش بہا تصنیف آثار الصنادید میں کہیں یک جگہ بھی غلط لفظ کلاں باڑی تحریر نہیں کیا بلکہ صحیح لفظ **گلال باڑی** لکھا ہے **گلال باڑی** کا دروازہ جب "کسی کے دادا کے نام" سے موسوم ہی نہ تھا تو انکے نام کی رٹ کیا لگاتا شاید مولف رسالہ کی تاریخ دانی کا مرثیہ پڑھتا ہوگا کہ گلال باڑی اور کلال کا فرق و امتیاز بھی نہ کرسکے "کلاں بار کی عمارت" کلالیوں کے بیٹھنے کے لیئے تعمیر" ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن سر سید نے تو اپنی کتاب میں اس کے متعلق صاف لکھا ہے کہ :-

"یہ جگہ چوبدار اور نقیب اور احدی وغیرہ لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی" :-

علامہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں "آئین شبستان اقبال و آئین منزل" کے تحت اس کی تصریح کی ہے کہ سفر میں جب شاہی خیمہ جات نصب ہوتے تو کس ترتیب سے ہوتے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

گلال بار (بضم کاف فارسی و لام و الف و لام و بار الف و را) شگرف حصاریست گیتی خداوند بردے کار آوردہ در دو در بند آں بس استوار و لقفل و کلید بست و کشاد پذیر داز

صدگز در صد کم نباشد ص۲۱ +

دوسری جگہ گلاّل بار کی تصویر کے ساتھ لکھا ہے کہ :-

گلاّل بار چوبیں سراپردہ ایست بسان دیوار ازخرگاہ بجریں تا ہمہ استواری باید ص۳۳

صاحب سیرالمتاخرین لکھتے ہیں کہ :-

برائے مصارف ضرور یہ نواب قدسیہ دخدمہ محل مقرر شد و بندو بست گلال بارہ ص۴۲ "

باتصل دروازہ گلال بار رسید ص۳۲۵ ماثرالامرا

مجھے بذات خود قوم کلال کی شرافت سے انکار نہیں اور نہ شرافت و رذالت کی بحث کا یہاں کوئی موقع ہے لیکن مولف مذکور نے ص۳۲ پر بعنوان "شریف خاندان ہونے کا ثبوت" جو عبارت آرائی کی ہے وہ ضرور دلچسپ ہے فرماتے ہیں کہ :-

"دربار شاہی میں شریف النسب اور اعلیٰ قوم کا جب کوئی آدمی ملازمت کا امیدوار ہوتا تھا تو ایک افسر جو خاص اس کام پر (؟) ہوتا تھا اس کے حسب نسب کی کم سے کم پچاس پشت تک اس کی (؟) تحقیقات کرتا +

اس میں تو شبہ نہیں کہ اکثر شاہان ہند عہدہ ہائے جلیلہ پر اراذل کو مقرر نہیں کرتے تھے لیکن کم سے کم پچاس پشت تک نسب کی تحقیقات کے متعلق مولف مذکور کو ضرور سہو ہوا. تحقیقات نسب کا سلسلہ انکے خیال میں ابوالبشر حضرت آدم تک دراز ہوتا ہوگا اور شاید اس خیال سے کہ مبادا سلسلہ نسب کی کوئی درمیانی کڑی نادر ہو! دوسری جگہ تفاخر خاندانی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

"تاریخ سے ثابت ہے اور سب کو معلوم ہے کہ تیمور بادشاہ سے لیکر آخر بادشاہ دہلی تک ہماری ہی قوم کے لوگوں کو قربت شاہی حاصل تھی اور کسی قوم کے لوگوں کو حاصل نہ تھی. مصاحب اگر تھے تو ہم تھے' اتالیق اگر تھے تو ہم تھے. بخ کے ملازم تھے تو ہم تھے. منتظم دربار تھے تو ہم تھے اور محافظ و نگہبان تھے تو ہم تھے غرضیکہ قلعہ معلیٰ میں بادشاہ اور شاہزادے تھے یا ہماری قوم کے لوگ تھے اور کسی قوم کا آدمی وہاں نہ تھا. . . . . سوائے

ہمارے بھائیوں کے کسی کو نازک اور ذی اختیار محکمہ جات ذیل مرحمت نہ فرماتے تھے اوّل
محکمہ انتظام دربار دوئم خزانہ سوئم محکمہ انتظام قلعہ معلیٰ چہارم محکمہ انتظام زنانہ محلات"۔
مولف مذکور کی اس تعلی پر کوئی تعجب نہیں۔ اسی ذہنیت کے لوگ اپنے اپنے نسب و حسب کے بارے میں آج کل عجیب عجیب دعوے کر رہے ہیں۔ جولاہہ اپنے کو انصاری کہنے لگا ہے، قسائی قریشی وغیرہ ذلک، اسلام کے اس زریں اصول کو کہ علم و تقویٰ حقیقتاً معیار شرف و فضیلت ہے نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ مولف مذکور کی یہ تعلی اگر واقعات پر مبنی ہوتی۔ تب بھی قابل اعتراض تھی مگر انہوں نے اپنی قوم کی گذشتہ حالت کو اصل رنگ میں ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ واقعات پر پردہ ڈالنے کی سعی ناکام کی ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، قوم کلال کے اکثر افراد شاہان ہند اور امراء کے یہاں دربانی، چوبداری، خدمتگاری وغیرہ خدمات پر مامور تھے ان لوگوں میں سے بعض اشخاص کو حسن خدمات کے صلہ میں مناصب بھی عطا ہوئے۔ کتب تاریخ و تذکرہ میں اس قوم کے متعلق کہا گیا ہے کہ

"کلال و خدمیہ قومے اند کہ دربانی بادشاہان ہندوستان و امرائے عظام بعہدہ ایشاں مقرراست و ماورائے چوبداری و اہتمام سواری کارے دیگر از دست ایشاں نمی آید"

چوبداروں اور سواری کا اہتمام کرنے والوں کو خزانہ شاہی، قلعہ معلیٰ اور انتظام دربار سے کیا سروکار؟

غرضیکہ مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہے کہ قوم کلال ہندی الاصل قوم ہے۔ ان میں مختلف طبقات کے لوگ شامل ہیں بعض وہ ہیں جنکے آبا و اجداد چوبداری و دربانی وغیرہ کی خدمات انجام دیتے تھے۔ بعض وہ ہیں جنکے اسلاف شاہوں کے خدمتگار تھے اور شاید بعض وہ بھی ہیں جنھیں خمار و شراب فروش بھی کہا جاتا تھا۔ امروہہ کے شیوخ کلال میں درکشِ علی کا گھرانا عہد قدیم سے معزز اور نامور ہے۔ ان میں منشی عبدالقیوم اور محمد آخر کا خاندان بھی شامل ہے جنکے بزرگ اپنے کو نسباً صدیقی کہتے تھے ان ہی کے بنی اعمام میں منشی اشتیاق احمد اور حاجی فیاض علی نزیل

ے کلمات الشعرا قلمی ۱۲

کانپور ہیں۔ اس موقع پر دستاویز صورت حال مرقومہ ۱۱۰۰ھ کا نقل کرنا مناسب ہوگا جس میں اس خاندان کے مورث کا نسباً صدیقی ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔

نقــــــــــــــــــــــل

این ذکریست در بیان آنکہ شیخت وفضائل پناہ حقایق آگاہ شیخ قیام الدین محمد ابن شیخ محمد شاکر متوکل ساکن امروہہ از خاندان اہل فضل وصلاح اند وشیخ صدیقی۔ چندگاہ امر سروف دنیی منکر بوجہ احسن بعمل آوردہ از آن بازبترک تعلق طریق سلوک بمذاق فقر اختیار کردہ بریاضت وتقاوت وکسر نفس ممتاز شدہ حفظہ اللہ انچہ از عزیزان سنبھل وسرسہ وغیرہ شنیدہ حق ثابت است نوشتہ شدہ۔

صحت شرافت نسب از بزرگان شنیدۂ صلاح تقوی شیخ قیام الدین خود دیدہ مہر نمودہ شد

شہد بافیہ خیر اللہ ولد شیخ محمد الوہاب بنیرہ شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ ان کے علاوہ بیس دیگر اشخاص کی مہریں اور دستخط ثبت ہیں۔

شیوخ کلاں میں درویش علی خاں منصبدار پنجہزاری عہد فرخ سیری کا خاندان سربرآوردہ متمول اور معزز خاندان تھا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں اس خاندان کی املاک اور جاگیریں ضبط ہوگئیں شیخ صدیق علی خاں اور مولوی احمد حسین خاں وغیرہ ان میں ہیں' مولانا محمد علی مرحوم و مولانا شوکت علی اسی خاندان کے نواسے ہیں۔

شجرہ اولاد درویش علی خاں

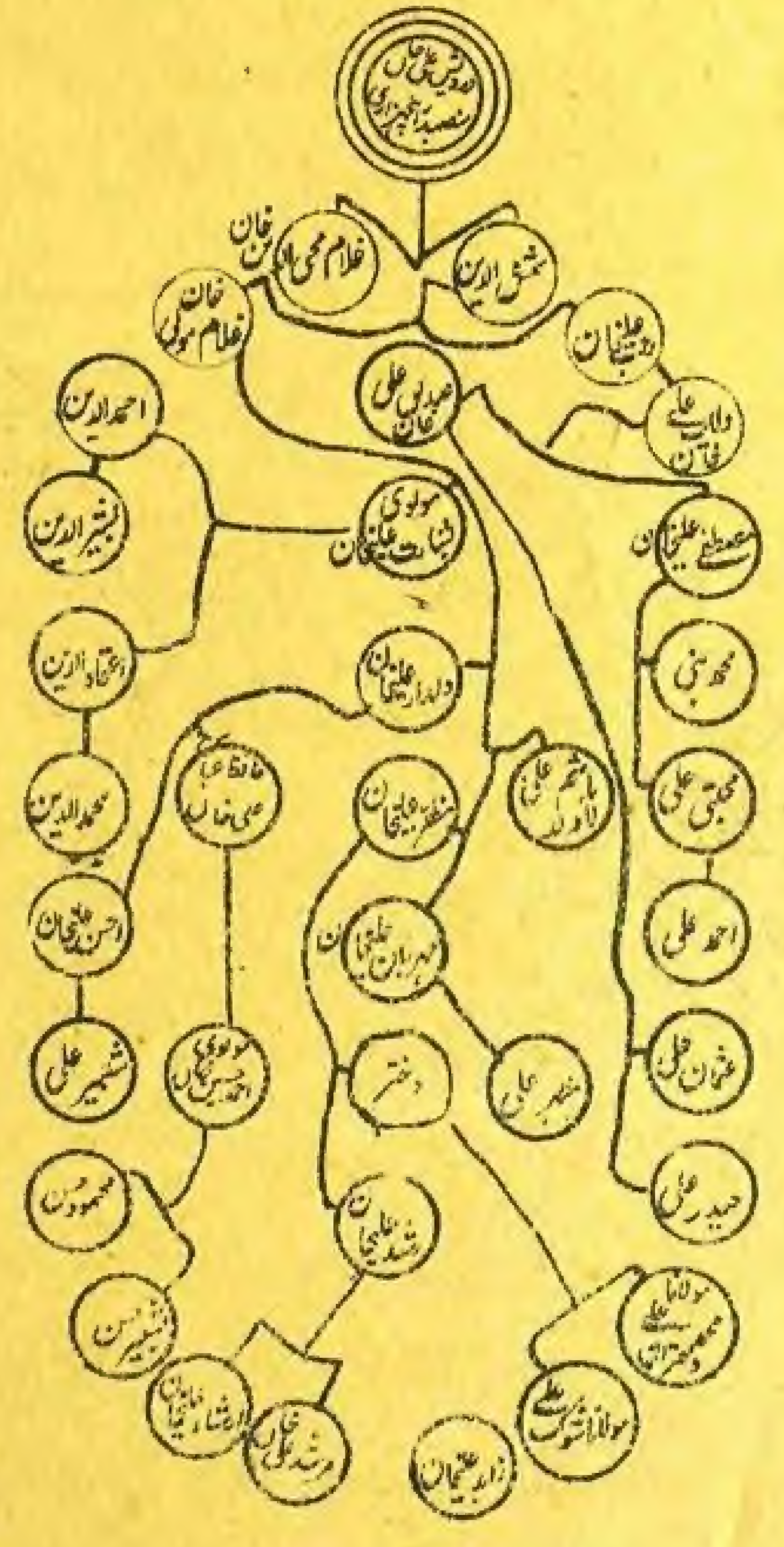

تیسرا خاندان اولاد
ہے جس میں شیخ
وکیل ہیں شیخ
لایق فرزند محمد راشد
اور ان کے بھائی
انگلستان میں
انگلستان گئے
شجرہ اولاد شیخ

شیخ جمال الدین کا
محمد ہادی و محمد مہدی
محمد ہادی کے لایق
ام اے ال ال بی
محمد عاشق ہیں جو
بغرض تحصیل علم
ہیں ۔
جمال الدین یہ ہے

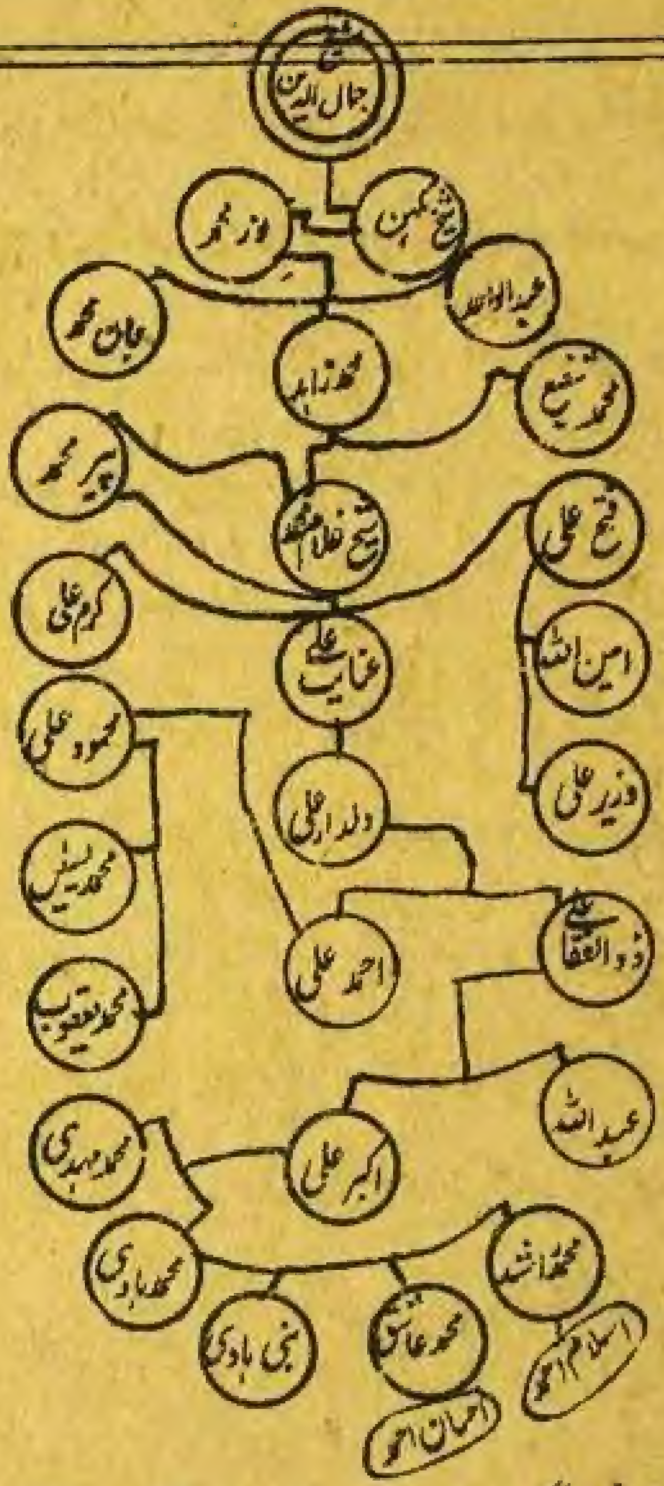

چوتھا خاندان شیخ ڈھوکن و شیخ ننگن کا ہے ان میں منشی شبیر علی و شبیر علی انجہانے شیخ نیاز علی انسپکٹر بن بہار علی بن ہدایت علی بن امام الدین بن فیض محمد بن شاہ محمد بن محمد ماہ بن شیخ ننگن مذکور اور انکے بنی اعمام کا ہے۔

پانچواں خاندان اولاد شیخ محمد سکندر ولد محمد اعظم منصبدار کا ہے جو چاندپور سے امروہہ آئے ان میں عبدالمجید و عبدالحمید فرزندان شیخ عبدالکریم وکیل بن شیخ عظیم اللہ بن فقیر اللہ بن محمد محراب بن شاہ محمد بن فتح محمد بن محمد مناف بن محمد سکندر مذکور اور انکے ہمجدیوں کا ہے۔

ان کے علاوہ خاندان شیخ کریم بخش انسپکٹر و شیخ امجد علی بن نجف علی و محمد ظہور و مظہر الاسلام وغیرہ انجہانے شیخ محب علی و شیخ مسعود علی نزیل بھوپال ولد شیخ عبداللہ بھی اسی گروہ سے ہیں۔

اجلاف اخوتِ اسلامی کے لحاظ سے مسلمانوں میں اعلیٰ و ادنیٰ کا کوئی فرق و امتیاز نہیں تاہم معاشرتی اور سوشل تفریق کے اعتبار سے مسلمانانِ ہند دو بڑے طبقوں میں منقسم ہیں یعنی اشراف اور اجلاف۔ موخر الذکر گروہ میں وہ تمام ہندی النسل مسلمان شامل ہیں جو با عتبار نسب ہندوؤں کی "نیچ ذات" قوموں سے ہیں۔ ان میں کثیر گروہ جولاہوں کا ہے۔

جولاہہ۔ اس قوم کے نسبی تحقیق کے سلسلہ میں تاریخ امروہہ (جلد اوّل) میں مجمل بحث کی جا چکی ہے ان میں بعض بعض کچھ عرصہ سے اپنے کو انصاری بھی کہنے لگے ہیں لیکن ان کا یہ ادعا تاریخ و علم انساب کی رو سے قطعاً غلط و بے بنیاد ہے۔ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں صرف جولاہوں کی تعداد تقریباً ستائیس لاکھ ہے حالانکہ صحیح النسب انصاری بمشکل ایک لاکھ ہوں گے۔ اس ملک میں جولاہوں کا اس درجہ کثیر تعداد میں موجود ہونا اور زیادہ تر ان ہی حصص ہند یعنی بنگال و بہار و صوبجات متحدہ و پنجاب میں پایا جانا جہاں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار اور مبلغانہ کوششیں صدیوں تک جاری رہیں اس امر کا واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ یہ لوگ اسی ملک کے قدیم باشندے اور نسباً ہندوؤں کے اسی طبقہ سے ہیں جنہیں "اونچ ذات" ہندوؤں کے ذلت آمیز اور غیر مساویانہ برتاؤ نے ایک ایسا مذہب قبول کرنے پر آمادہ کیا جس میں شامل ہوتے ہی مذہبی مساوات اور رواداری حاصل ہو گئی۔ انصار نہ بافندگی کا پیشہ کرتے تھے نہ ان میں کسی اور قسم کی صنعت و حرفت کا رواج تھا ان کا قومی پیشہ فلاحت تھا۔ جو انصاری باوقات مختلف ہندوستان آئے وہ علماء و مشائخ، قاضی و مفتی وغیرہ کی حیثیت سے آئے، عالی قدر مراتب مناصب شاہی پر ممتاز ہوئے ابتدائی عہد میں البتہ انصاریوں کے ایک خاندان کو صوبہ سندھ کی ایالت و حکومت بھی تفویض رہی ان میں سے کسی نے نہ کبھی کپڑا بننے کا پیشہ اختیار کیا اور نہ اس قسم کا کوئی پیشہ اختیار کرنے کی ان کو یا دیگر عربی و عجمی النسل شرفا کو اس زمانہ میں ضرورت پیش آئی۔ قطع نظر اسکے ہندی النسل جولاہوں اور انصاریوں اور دیگر شرفا میں سوائے ایک مذہب کے پیرو ہونے کے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں پائی جاتی جسے نسبی اشتراک کا ادنےٰ سے ادنےٰ ثبوت قرار دیا جاسکے برخلاف اسکے

جسمانی ساخت، شکل و شمائل رنگ و روپ خط و خال، رسم و رواج، قومی خصوصیات، ذہنی و اخلاقی اور تمدنی و معاشرتی پستی کے اعتبار سے جولاہوں کے عام افراد میں آج تک باوجود قرنہا قرن کے افتراق کے اپنے ہم قوم ہندوؤں سے جو کوری و تانتی وغیرہ ناموں سے مشہور و معروف ہیں، بہت کچھ شابہت و مماثلت پائی جاتی ہے جولاہے اور کوری حقیقتاً اس غیر ایرین نسل سے ہیں جو ڈراویڈین کہلاتی ہے۔ مولف انڈین اسلام لکھتے ہیں کہ :۔

"مسلمانان ہند کی اکثریت نومسلموں یا نومسلموں کی اولاد پر مشتمل ہے معاشرتی و تمدنی تفریق کے اعتبار سے ان کے دو طبقے ہیں ایک شیخ اور دوسرا جولاہہ جولاہوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ شمالی ہند میں یہ لوگ ایرین ڈراویڈین قوموں سے ہیں (گویا مخلوط ہیں) اور جنوبی ہند میں (خالص) ڈراویڈین نسل سے ص ۱۲۹"

حلقہ اسلام میں شامل ہو کر یہ لوگ اپنے ہندو ہم قوموں سے امتیاز کی خاطر قدیم ناموں کے بجائے جولاہہ، نوربافت و سفید باف و مومن وغیرہ الفاظ سے موسوم ہوئے۔ لفظ جولاہہ اس ہندی قوم کا قومی نام پڑ گیا اسی بنا پر بعض ناواقف اس فارسی لفظ کو بھی ہندی کا شبد سمجھنے لگے لفظ جولاہہ کی لغوی تشریح اس موقع پر نامناسب نہ ہوگی صاحب برہان قاطع لکھتے ہیں کہ :

جولاہہ معروف است، بافندہ باشد و عنکبوت را نیز گویند۔

اس کا مخفف جولہہ ہے، نیز جولاہ بھی مستعمل ہے جس کی تصغیر جولاہک ہے۔ اردو زبان میں یہ لفظ دو طرح سے استعمال ہے یعنی جلاہا اور جولاہا اردو زبان کے محاورہ میں پارچہ باف کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔

جُلاہا اسم مذکر (از فارسی جولاہ) (۱) جامہ باف، نوربافت، کپڑے بننے والا، پارچہ باف، کوئی مومن (۲) پانی کے کیڑے کا نام (۳) صفت گاؤدی۔ احمق، بیوقوف، اُوت کودن، مورکھ، گدھا ص ۵۸۲۔

نسبی تحقیق سے مؤرخ و محقق کا مقصد احقاق حق ہوتا ہے کسی کی تذلیل و تحقیر ہرگز مقصود نہیں ہوتی تاریخ امروہہ (جلد اول) میں بعض جولاہوں کے دعوئے انصاریت کی تردید تاریخی شواہد کی بنا پر کی گئی تھی اس کی اشاعت کے تقریباً آٹھ نو ماہ بعد جولاہوں کی برادری کے ایک اخبار الانصار امرتسر کے ایڈیٹر فتح محمد خورشید نے کتاب کی تنقید کے بہانہ سے خاکسار مولف کے متعلق دل آزار اور اہانت آمیز مضامین شائع کئے۔ کسی مصنف و مولف کے ساتھ اس قسم کا غیر شریفانہ برتاؤ علمی تحقیقات اور آزادی رائے کے سد باب کا موجب تھا اس لیئے قانونی چارہ جوئی کی گئی اور ایڈیٹر مذکور پر عدالت فوجداری (سٹی مجسٹریٹ مراد آباد) میں ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ دائر ہوا ملزم کی روپوشی کی وجہ سے مقدمہ کی کارروائی تقریباً آٹھ مہینہ تک جاری رہی بالآخر کئی مرتبہ وارنٹ گرفتاری جاری ہونے پر ملزم حاضر عدالت ہوا چند پیشیوں کے بعد اس نے زبانی اور تحریری معافی چاہی مراد آباد کے مقامی اخبار رہنما نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۳۱ء کے ص ۹ کالم ۲ و ۳ پر مقدمہ کی مفصل کارروائی شائع کی ہے جس کے ضروری اقتباسات اور ملزم کا معافی نامہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

لائبل کیس میں معافی

مولوی محمود احمد صاحب عباسی مولف تاریخ امروہہ نے فتح محمد خورشید ایڈیٹر اخبار الانصار امرتسر کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا جو دعویٰ عدالت صاحب سٹی مجسٹریٹ بہادر مراد آباد میں کیا تھا اس کا مختصر تذکرہ گذشتہ ہفتہ "رہنما" میں چھپا تھا۔ اس مقدمہ کی بنا یہ تھی کہ عباسی صاحب نے امروہہ کی جو شاندار و قابل دید تاریخ تحریر فرمائی ہے اس میں امروہہ کے باشندگان کے حالات لکھتے ہوئے اقوام کی بحث میں جولاہوں کے متعلق تاریخی و عقلی دلائل کے ساتھ یہ ریمارک دیا ہے کہ ان کا نسبی تعلق ہندوستان کی نیچ اقوام سے ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد جولاہہ کہلانے لگے اور یہ لوگ جو اپنے آپ کو عربی النسل اور انصاری کہنے لگے ہیں یہ

غلط ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غرضیکہ اس اظہار حقیقت پر شیخ محمد نے اپنے اخبار الانصار میں جو جولاہوں کی برادری کا آرگن ہے محمود احمد صاحب عباسی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پر بھی حملے کئے جس پر عباسی صاحب نے ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ عدالت سٹی مجسٹریٹ بہادر مرادآباد میں کردیا۔ ابتدائی ثبوت کے بعد عرصہ تک ملزم مفرور رہا بالآخر وارنٹ کے ذریعہ ملزم امرتسر سے گرفتار ہو کر آیا اور مرادآباد کے نُور بافوں نے ضمانت کی ۔ ۲۰ اگست کو مقدمہ کی پہلی پیشی ہونے پر عدالت نے باہمی مصالحت کی ہدایت کی مستغیث نے تو آمادگی کا اظہار کرکے اپنی روشن خیالی اور فراخ حوصلگی کا اظہار کیا مگر ملزم کی جانب سے خاموشی اختیار کی گئی جس پر مستغیث کا بیان ہوا جنہوں نے اپنی خاندانی شرافت اور عز و وقار کا کافی تاریخی و تحریری ثبوت پیش کیا اور الانصار کے دل آزار کالموں سے جو توہین اور ازالہ حیثیت عرفی ہوئی اس کا اظہار کیا۔ استغاثہ کی تائید میں پروفیسر قاضی جلال الدین مالک جلالی پرنٹنگ ورکس، قاضی اتقان حسین صاحب رئیس، قاضی سراج الاسلام صاحب مختار، ایڈیٹر صاحب اخبار رہنما، مولوی خورشید حسین صاحب بی اے وغیرہ چند معزز اصحاب کی شہادتیں ہوئیں۔ تیسری پیشی کیلئے ۱۱ اگست مقرر تھی اس تاریخ پر مولوی رفیع القدر خاں صاحب سٹی مجسٹریٹ بہادر نے پھر ملزم کو باہمی مصالحت کی ہدایت کی اس لئے کہ اس کا جرم تحریری اور کھلا ہوا تھا چنانچہ ملزم نے اپنے وکلاء کے مشورہ کے بعد جب یہ دیکھا کہ وہ قانونی حیثیت سے سزا سے کسی صورت نہیں بچ سکتا تو ۱۴ اگست کو چوتھی پیشی پر عدالت کے روبرو غیر مشروط معافی نامہ پیش کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ مولوی محمود احمد صاحب عباسی مولف تاریخ امروہہ کے متعلق میں نے جو دل آزار و توہین آمیز مضامین شائع کئے ہیں ان پر مجھے دلی افسوس و ندامت ہے میں اپنے اس قصور کی معافی چاہتا ہوں اور اپنے اخبار الانصار میں بھی معافی نامہ شائع کردوں گا۔ مولوی محمود احمد صاحب مولف تاریخ امروہہ نے اس معذرت و معافی کو منظور کرکے اپنی خاندانی و ذاتی شرافت نفس و روشن خیالی و اولوالعزمی

کا عملی ثبوت دیا اور استغاثہ واپس لے لیا یہی وہ چیز ہے جسے شرافت کا جوہر کہتے ہیں اگر مولوی محمود احمد صاحب عباسی کے بجائے کوئی نوربافت برادری کا فرد ہوتا تو وہ عفو کو انتقام پر ہرگز ترجیح نہ دیتا اور بغیر سزا دلوائے دم نہ لیتا...........‘‘

نقل معافی نامہ فتح محمد ایڈیٹر الانصار امرتسر

(جو ملزم مذکور نے ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو صاحب سٹی مجسٹریٹ مراد آباد کی عدالت میں پیش کیا)

جناب عالی۔ مقدمہ ہذا میں گذارش ہے کہ میں نے اپنے اخبار الانصار مورخہ ۸ و ۱۶ و ۲۴ و ۲ر دسمبر اور اسکے بعد کی اشاعتوں میں جو الفاظ و فقرات محمود احمد صاحب عباسی مصنف تاریخ امروہہ کی ذات و خاندان اور انکے نسب و شرافت اور علم وغیرہ کے متعلق تحریر اور شائع کئے ہیں ان پر مجھکو سخت ندامت اور افسوس ہے۔ میں ان الفاظ و فقرات کو واپس لیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ موصوف میری اس تحریر معافی کو تلافی مافات تصور فرمائینگے۔ تحریر ہذا درخواست کو اپنے اخبار الانصار میں شائع کروں گا‘‘

ملزم نے درخواست معافی عدالت میں پیش کرتے ہوئے زبانی بھی اظہار ندامت کیا اور معافی چاہی جو قبول کی گئی اور اس طرح مقدمہ کی کارروائی ختم ہوئی۔

امروہہ کے جولاہے امروہہ کے جولاہے بھی اپنے دیگر ہمقوموں کی طرح نسباً قدیم ہندی قوم سے ہیں، یہ لوگ پارچہ بافی کا کام کرتے ہیں، زمانہ حال میں کچھ دوسرے کام بھی کرنے لگے ہیں۔ ان کی سکونت شہر کے مختلف محلوں میں ہے اور قدیم الایام سے سادات و شیوخ و شرفا کی مملوکہ سراؤں اور اراضیات میں رہتے آئے ہیں، تقریباً نصف صدی پیشتر تک ان میں سے اکثر بطور رعایا رہتے تھے بعد میں کچھ لوگ موروثی ہوجانے کی وجہ سے بعض اراضیات پر قابض ہوگئے اور چند نے زمین سکنائی خرید کر اپنے مکانات بھی تعمیر کرلیے۔ تاریخ اصغری کی تالیف کے زمانہ یعنی ۱۸۸۹ء تک اس قوم کے عام افراد کی سکونت سادات و شیوخ کی مملوکہ اراضیات میں تھی۔ مولف مذکور محلہ حقانی کے

حالات میں لکھتے ہیں کہ :۔

"اور رعایا میں اکثر جولاہے اور کہار اور حجام اور دھوبی اور قسائی اور کنجڑے اور گڈریئے اور دُھنیے رہتے ہیں ص۹۴"

نیز محلہ ستّھی کے حال میں لکھا ہے کہ :۔

"اور اقوام بھی بطور رعایا مثل دھوبی و جولاہے وغیرہ کے رہتے ہیں ص۱۰۳"

اسی طرح محلہ بخشی و مجا پوتوں کے حالات میں لکھتے ہیں کہ :۔

"اور رعایا میں بھوٗجی اور بھٹیارے اور جولاہے رہتے ہیں ص۱۸۹"

"دیگر اقوام مثل جولاہہ و مالی و تیلی . . . . . . وغیرہ بطور خود اور بعض بطریق رعیت سکونت پذیر ہیں ص۱۵۷"

خاکسار مولف کی مملوکہ اراضیات سکنائی ہیں، جو سابق میں سرائے سفید بافاں سے موسوم تھی، جولاہوں کے بعض خاندان قدیم الایام سے بطور رعیت رہتے آئے ہیں انکے بچے اور عورتیں ہمارے گھروں میں خدمت کرتی رہی ہیں اور ہماری جانب سے ان کے ساتھ بطور پروردہ و متوسلین کے ہمیشہ سے برتاؤ ہوتا رہا ہے ۔

جولاہوں کی زیادہ تعداد منجملہ دیگر محلوں کے نلوں کے محلہ میں بھی ہے۔ صاحب تاریخ اصغری محلہ کوٹ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ :۔

"ایک حصہ اس محلے کا نلوں کے نام سے مشہور ہے جس میں جولاہے و باغبان وغیرہ رہتے ہیں ص۱۲۳"

اس محلہ کے جولاہوں میں سے دو ایک اشخاص . . . . کو زمانہ حال میں کچھ مرفہ الحالی حاصل ہوگئی تو انہوں نے پختہ مکانات بھی بنالیئے ہیں۔ بساون گنج و بیگم سرائے میں بھی اس قوم کی کافی تعداد ہے اور دوسرے پیشہ ور بھی رہتے ہیں جو سابق میں بطور رعایا کے رہتے تھے اب بھی موروثی ہونے کی حیثیت سے قابض ہوگئے ہیں۔ بیگم سرائے کو میر کلو کی بیگم نے آباد کرا کے پیشہ ور اقوام کو بسایا تھا اسکے حالات میں صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ :۔

اُس میں متفرق الاقوام رہتی ہیں یعنی پیشہ ور مثل کوزہ گر و لوہار اور جولاہہ اور بزقصاب اور تیلی اور گڈریہ اور کمہار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ص ۶۹ "

امروہہ کے صحیح النسب انصاریوں بالخصوص خاندان ابنائے مولوی منظہر علی انصاری ساکنان محلہ مولانا کی اراضیات میں جولاہے آباد تھے۔ سنبھل کے مشہور انصاری خاندان کی مملوکہ اراضیات میں تو جولاہے اب تک کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ ہندوستان کے جولاہے نسباً انصاری ہوتے تو اپنی ہی قوم یعنی صحیح النسب انصاریوں کی رعایا اور پروردہ کی حیثیت سے کیوں رہتے ؟

قسائی قسائیوں کے نسبی معاملات پر تاریخ امروہہ (جلد اوّل) میں مفصل بحث ہو چکی ہے یہاں اسکے اعادہ کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جلد اوّل کی اشاعت کے بعد ایک مختصر سی کتاب کے دیکھنے کا اتفاق ہوا جو "تاریخ الشیوخ" نام سے قوم قصّاب کے ثبوت قرشیت میں شائع ہوئی ہے حجم کوارٹو سائز کے سو صفحوں کا ہے۔ کاغذ عمدہ سفید اور طباعت دیدہ زیب ہے۔ قسائی برادری کے بعض اشخاص کی تصویریں بھی شامل ہیں لیکن اصل بحث کے لحاظ سے اس کو مہملات بلکہ مضحکات کا مجموعہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ محض اس خیال سے کہ تاریخ امروہہ (جلد اوّل) کے جن ناظرین کو ان دلائل اور بیانات کے پڑھنے کا اتفاق ہو جو قسائیوں کے قریشی النسب ہونے کے ثبوت میں مولف تاریخ الشیوخ نے پیش کیے ہیں مگر ان کی تائید یا تردید جب وہ اس بحث میں جو تاریخ امروہہ میں کی جا چکی ہے، نہ پائیں مبادا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں اس لیے کتاب مذکورہ پر تنقید ضروری ہے۔

"تاریخ الشیوخ" کے دو حصے ہیں، حصہ اوّل کے مولف کا نام "حافظ امام الدین جنرل سکریٹری جمعیت القریش ہند" ہے اور حصہ دویم کے "مولانا کوکب ایڈیٹر بیدار جوالاپوری" پہلے حصہ کے باب اوّل کا عنوان "مساوات اسلام" ہے جس میں اسلامی مساوات کی خوبیاں جتانے اور غرور نسب اور خاندانوں کی "استخواں فروشی" کی نہایت سختی سے مذمت کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ "اسلام نے تمام امتیازات کو مٹا کر صرف مساوات انسانی کو زندہ کیا ہے" پھر مسلمان شرفا کو بالفاظ ذیل مخاطب کیا گیا ہے :-

کہاں ہیں شیخ، سید، مغل، پٹھان؟ آئیں اور اس اسوۂ حسنہ پر نظر ڈال کر مساوات اسلامی کے زریں اصول کو دیکھیں"۔

اسکے بعد یہ نصیحت بھی کی گئی ہے کہ "عہد جاہلیت کے خاندانی بُت نہ پوجو" مگر تعجب ہے کہ مولف نے جس چیز پر اظہار نفرین کیا ہے جس بُت کے پوجا نہ کرنے کا مشورہ دوسروں کو دیا ہے وہی بُت خود اسنے اپنی برادری کے لیے تیار کیا ہے اُسکے نزدیک عزت و شرافت کے لیے صرف مسلمان ہونا کافی نہیں اس کی تحریر کا تمامتر مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک وہ اپنی قوم کا قسائی سے قریشی بن جانا نہ دیکھلے اور یہ لفظ دوسروں کے مُنہ سے بھی نہ کہلوائے "نہ خاندانی بت" کی پوجا موقوف ہوگی نہ مساواتِ اسلام کا زریں اصول قایم ہو سکیگا!

دوسرے باب کا عنوان "قصیٰ بن کلاب" ہے مگر مضمون کا عنوان سے کوئی ربط و تعلق نہیں بجائے اسکے کہ قریش کے جد اعلیٰ جناب زید ملقب بہ قصیٰ کے یا اُن کی اولاد کے حالات لکھتے اور یہ ثابت کرتے کہ ان میں سے کس نے اور کب لحم فروشی کا پیشہ اختیار کیا تھا مولف نے حضور سرور کائنات فخر موجودات کے "بکریاں چرانے" "قبیلہ قریش کے پاس" ایک وقت میں چوبیس چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس چالیس ہزار بکریاں مال غنیمت کے اسٹاک میں رہنے چمڑے کی تجارت اور دباغت کے کارخانوں نیز حضرت سلیمانؑ کے بنت فرعون کو حبالہ عقد میں لاکر مصر کے ہر شہر میں مذبح قایم کرنے اور اسی قبیل کی چند باتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :-

"مذکورالصدر بیانات سے معلوم ہوا کہ عموماً عرب اور خصوصاً قبیلہ قریش کے لوگ وہی پیشہ کرتے تھے جسے آج ہندوستان میں قصاب کرتے ہیں اور جو درحقیقت عربی النسل ہیں ص ۲۰"۔

آپ حیران ہونگے کہ مولف نے کس بات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ "عموماً عرب اور خصوصاً قبیلہ قریش کے لوگ" لحم فروشی کا پیشہ کرتے تھے۔ کیا مولف کو معلوم نہیں کہ مُلک عرب کوئی زرعی مُلک نہیں، اونٹ و بکریوں اور گھوڑوں کے ریوڑ اور گلّے تجارتی اغراض سے رکھے

جاتے، شرفائے قریش عموماً اُنکے مالک ہوتے، مویشیوں کے چرانے، ان کی دیکھ بھال، چمڑے کی دباغت کا کام غلاموں سے لیا جاتا، وہی ذبیحہ کا کام کرتے، وہی حسب ضرورت گوشت بیچتے وہی اپنے آقاؤں کی زیرنگرانی تجارتی مال ممالک غیر کو لیجاتے۔ یہ غلام اکثر و بیشتر مصر کے قدیم باشندے تھے جو عرب میں مزدوروں اور غلاموں کی حیثیت سے متوطن ہوگئے تھے، پیشہ کے اعتبار سے جزّار کہلاتے اور قومیت کے لحاظ سے اُن کی حیثیت ہمارے یہاں کے کنجروں کی سی تھی، جعیدی کے لقب سے ملقب تھے۔ کوئی آزاد عربی یا قریشی بطور پیشہ کے نہ لحم فروشی کرتا اور نہ ذبیحہ کا کام اور اگر بوقت ضرورت کسی قریشی نے کبھی کوئی اونٹ یا دنبہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرلیا، گوشت کے پارچے بنالیے یا بالفرض محال گوشت فروشی کی دوکان بھی کھول لی تو اس کی اولاد میں نسلاً بعد نسل یہ پیشہ کبھی جاری نہ رہا اور اگر رہا تو محض اس لفظی اشتراک سے ہندوستان کے قصّاب عربی النسل کیونکر ہوگئے، مولف نے اونٹوں اور بکریوں کے گلّوں کے مالکوں کے جو چند نام گنائے ہیں ان میں ایک نام "معارف ابن قتیبہ" کا بھی ہے لیکن "معارف" کسی انسان کا نام نہیں ہے بلکہ ایک کتاب کا نام ہے جو "ابن قتیبہ" کی مشہور تصنیف ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرت سلیمان کے قایم کردہ جس مذبح کا ذکر کیا ہے وہ ہندوستان کے تجارتی مذبحوں کی طرح کوئی مذبح نہ تھا بلکہ مذہبی قربان گاہ تھی۔

تیسرے باب کا عنوان "بنی قصیٰ اور ہندوستان کے قصائی" ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ کی گئی ہے:-

ہر وہ شخص جو تاریخ سے دلچسپی رکھتا ہے اور علم الانسان سے کچھ واقف ہے اسے بخوبی معلوم ہے کہ ہندوستان، مصر اور ایران میں باہر سے جس قدر مسلمان ابتدا میں داخل ہوئے وہ تمام عرب تھے۔

اس بیان سے مولف مذکور کی "تاریخ سے دلچسپی" اور "علم الانسان" سے واقفیت کا عجیب و غریب ثبوت ملتا ہے کون نہیں جانتا کہ جو مسلمان ابتدائی عہد میں ہندوستان آئے وہ سب کے سب

عرب نہ تھے. عراق و شام و ممالک عجم کے باشندوں کے علاوہ خود محمدؐ بن قاسم ثقفی کی فوج میں بہت سے وہ لوگ تھے جو نسلاً نہ عرب تھے نہ قریشی خصوصاً وہ جو باربرداری وغیرہ ادنیٰ خدمات پر مامور تھے. مدعیان قریشیت کے کان میں جب سے لفظ قسائی کے قدرے ہم آواز نام قصیٰ پڑ گیا ہے اس کی مٹی طرح طرح سے پلید کی جاتی ہے جلد اوّل میں اس پر تفصیلی بحث کی جا چکی ہے. مولف مذکور نے کسی غیر معروف کتاب "تاریخ قدسیہ" کا جس کا وجود مشتبہ ہے حوالہ دیکر لکھا ہے کہ:۔

"جس طرح موسیٰ سے منسوب موسائی اور عیسیٰ سے عیسائی ہیں اسی طرح قصیٰ سے منسوب قصائی ہیں"۔

لیکن یہ بیان محض لغو اور مہمل ہے معلوم ہوتا ہے مولف مذکور کی طرح "تاریخ قدسیہ" کا مولف بھی عربی علم صرف سے ناآشنا تھا اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ علم صرف کے قاعدہ سے موسیٰ سے صحیح نسبت موسوی اور عیسیٰ سے عیسوی ہے نہ کہ موسائی اور عیسائی. لفظ عیسائی اہل ہند کی اختراع ہے جو باعتبار لغت و قاعدہ صرف قطعاً غلط ہے اسکے علاوہ موسیٰ اور عیسیٰ کے آخر میں الف مقصورہ ہے اور قصیٰ کے آخر میں حرف یا ہے اس کا منسوب کسی طرح بھی قصائی نہیں ہوسکتا بلکہ قصوی ہوگا. لفظ قسائی قساوت سے مشتق ہے. اس لیئے اس کو حرف ص سے لکھنا غلط ہے. جو لفظ ص سے لکھا جاتا ہے وہ قصائی نہیں بلکہ صحیح لفظ قصّاب ہے اس کا مادہ قصب ہے جسکے معنی آنت کے اور کاٹنے کے ہیں (تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو تاریخ امروہہ جلد اول) مندرجہ بالا تصریحات کے لحاظ سے مولف کا یہ بیان کہ "ص سے جو قصائی لکھا جاتا ہے وہ درحقیقت قصیٰ سے منسوب ہے نیز یہ کہ قبیلہ قصیٰ کے لوگ ذبیحہ بھی اکثر کیا کرتے تھے" نہ صرف غلط بلکہ مضحکہ خیز ہے قصیٰ بن کلاب کی اولاد قبیلہ قریش مشہور تھی نہ بنی قصیٰ. قصیٰ مذکور کے منجملہ چار بیٹوں کے ایک سے سلسلہ نسل نہیں چلا باقی تین بیٹوں میں ایک عبد مناف مورث خاندان بنی ہاشم و بنی امیہ دوسرے عبدالعزیٰ مورث خاندان اسدی زبیری تیسرے عبدالدار مورث خاندان ابو سعید بن ابو طلحہ تھے. یہ تینوں خاندان عرب کے ممتاز ترین خاندان تھے، انکے ایک ایک فرد کے حالات کتب

سیر و رجال و تاریخ میں محفوظ ہیں ان میں سے نہ کسی نے لحم فروشی اور ذبیحہ کا پیشہ کیا اور نہ کبھی یہ لوگ بنی قصیٰ سے موسوم ہوئے ہمیشہ اپنے جد اعلےٰ فہر الملقب بہ قریش کی نسبت سے قریشی کہلائے۔

مولف نے اسکے بعد لکھا ہے کہ:۔

"تواریخی حوالہ جات کے علاوہ سب سے بڑی علامت عربی الفاظ کی ہے جو صدیوں سے آج تک زبان زد ہیں گو امتداد زمانہ کے انقلاب و حوادثات کی وجہ سے ان لفظوں کا لہجہ بدل گیا ہے"۔

یہی وہ قوی دلیل ہے جو مدعیان قریشیت کی جانب سے اپنے دعوے کے ثبوت میں بار بار اور بلند آہنگی سے پیش کی جاتی ہے۔ جلد اوّل میں اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے اور مسکت طور پر یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ قسائیوں کی بول چال میں جو چند مسخ شدہ عربی الفاظ بطور مصطلحات پیشہ رائج ہیں اُن کی مسخ صورت اور غلط استعمال ہی اس امر کی واضح اور بیّن دلیل ہے کہ یہ الفاظ ان کی مادری زبان کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اس غیر قوم کی زبان کے ہیں جن سے انکے مورثوں کا کاروباری تعلق ابتدائی زمانہ میں رہا اسی قوم عرب سے یہ چند الفاظ جو زیادہ تر گوشت کے پارچوں اور گنتی کے چند اعداد سے متعلق ہیں، قسائیوں کے مورثوں نے اسی طرح سیکھے جس طرح آج ایک بوچڑ فوجی چھاؤنیوں اور پہاڑی مقامات پر جہاں انگریزوں کی آبادی زیادہ ہوتی ہے، چند ٹوٹے پھوٹے انگریزی الفاظ سیکھ لیتا ہے چنانچہ اسی وجہ سے قسائیوں کو ان عربی الفاظ کا صحیح تلفظ بھی آج تک باوجود صدیاں گذر جانے کے یاد نہیں ہوا (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں ۲۳۴-۳۵ جلد اوّل تاریخ امروہہ)

قسائیوں کے قومی خصائص کا تذکرہ کرتے ہوئے مولف کا یہ بیان کہ "ہر قبیلہ کا ایک ہی شیخ کے نام سے موسوم ہونا" اور "باہم خانہ جنگیوں کا ہونا اور خاندان کے شیخ کا فیصلہ کرنا" آپکے لئے موجب استعجاب نہیں تو باعث خندہ زنی ضرور ہوگا۔ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان کی بعض دیگر پیشہ ور اور پست، اقوام یعنی جولاہوں وغیرہ کی طرح قسائیوں کی برادری میں پنچایت

کا دستور ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ اسی پنچایت کے ذریعہ "باہم خانہ جنگیوں" کا فیصلہ ہوتا ہے۔ برادری کے پنچ چودھری کہلاتے ہیں نہ کہ شیخ۔ قسائیوں کے کسی چودھری کو اسکے اس مشہور و معروف لقب کے بجائے لفظ شیخ سے مخاطب کیجئے تو وہ حیرت زدہ ہوکر آپکا منہ تکنے لگے گا۔ مولف کے شوق شیخیت نے "برادری" کو "قبیلہ" اور "چودھری کو شیخ" سے مبدل کر دیا۔ اسی شوق نے یہ الفاظ بھی قلم سے نکلوا دئیے

"شادیوں کے موقعوں پر ان کی (یعنی قسائیوں کی) مستورات جو گیت گاتی ہیں ان میں باپ دادا کی تعریف و توصیف اور ان کی شجاعت و سخاوت کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا جس میں ٹھیک عربی مستورات کی شاعری کا رنگ جھلکتا ہے"

افسوس کہ مولف نے اپنے بیان کی تائید میں کوئی گیت نقل نہیں کیا جس سے ناظرین اندازہ کرسکتے کہ آیا ان میں عربی عورتوں کی شاعری کا رنگ جھلکتا ہے یا ہندئیوں کی تک بندیوں کا۔ ہمیں امروہہ کا حال معلوم ہے، یہاں تو شادیوں کے موقعوں پر قسائیاں جو گیت گاتی ہیں اُن میں نہ "باپ دادا کی تعریف و توصیف" ہوتی ہے نہ "اُن کی شجاعت و سخاوت" کی داستانیں۔ دوسرے شہروں اور قصبوں میں اس قسم کے جو گیت گائے جاتے ہوں ان کا حال ہمیں معلوم نہیں ممکن ہے کہ باپ دادا کی تعریف و توصیف اور شجاعت و سخاوت کی داستانوں میں یہ بیان کیا جاتا ہو کہ مضبوط سے مضبوط جانور کو کس آسانی سے بچھاڑ دیتے، کس چابکدستی سے گلے پر چھری پھیرتے، کس صفائی سے گوشت کو کھال سے جدا کرتے، اور کس پھرتی سے اس کی تکا بوٹی کردیتے تھے۔ امروہہ میں البتہ سہرے اور سہاگ گائے جاتے ہیں اُس کی تک بندی ملاحظہ ہو ؎

سہرا — چڑھ جا رے اٹریوں میرا ہریالا بنڑا۔

سہاگ — لٹوا سی میری بالی ری

براتیوں کے آنے پر جو گیت گایا جاتا ہے اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

چوکی آنگن دہری ہے اُتر یا میلوں سے

بنے کا نخرہ نرالا، باوا در واجے کھڑا

باوا کی پیاری بالی رے

امروہہ کے قسائیوں کی بیاہ شادی کی ہندوانہ رسموں میں ہندوؤں کی بعض نیچ ذات اقوام کی خصوصیات ابتک نمایاں ہیں مثلاً نوشہ اور براتیوں پر آٹے اور چاولوں کے بنے ہوئے ڈلوں سے نشانہ بازی کرنا ناگفتنی الفاظ کہنا اور اسی طرح کی اور رسمیں جن کی تفصیل طوالت کا باعث ہوگی عربیت کے ثبوت میں یہ سب باتیں تو مولف نے بیان کر ڈالیں مگر تعجب ہے کہ یہ خصوصیت کیوں نہ بیان کی کہ کم ازکم امروہہ میں ان کی عورتیں سادات و شرفا کے گھروں میں ہمیشہ سے دایہ گری اور دودھ پلانے کا کام کرتی رہی ہیں اس سے تو حلیمہ سعدیہ کی مثال دیکر قسائیوں کا نہ صرف عربی النسل اور نواب عبدالمجید خاں وجیہ الدولہ (عہد محمد شاہی) کا ہمجد بلکہ سادات ہاشمی کے رضاعی بھائی ہونے کا فخر و امتیاز بسہولت ثابت کیا جا سکتا تھا مولف کو شاید یہ پسند نہ تھا کیونکہ چند ہی سطروں کے بعد سادات کے متعلق یہ طعن آمیز الفاظ اسکے قلم سے بے اختیار ٹپک پڑے ہ۔

"نہیں معلوم کہ سید صاحب اپنے آپ کو خدا کے کون سے قریبی رشتہ داروں میں سمجھتے ہیں ص۲۵"

مولف کا یہ بیان محض غلط ہے کوئی سید بھی اپنے آپ کو "خدا کا قریبی رشتہ دار" نہیں سمجھتا البتہ آنحضرت صلعم کے "قریبی رشتہ دار ہونے" کا شرف و امتیاز انہیں ضرور حاصل ہے ایک حد تک صحیح النسب قریشی خاندان بھی یہی شرف رکھتے ہیں اور شاید اسی بنا پر بعض ہندی نژادوں کو بھی خواہ مخواہ قریشی بننے کا شوق پیدا ہوا ہے ہ

اسکے بعد مولف نے ممالک ایران و مصر کے بعض ان اشخاص کا تذکرہ بحوالہ کتب تاریخ وغیرہ کیا ہے جو کسی وجہ سے "قصاب" کہلاتے تھے اس سے اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشتراک لفظی کی بنا پر ہندوستان کے قسائیوں کو ان کا ہمجد ثابت کرے، شاید اسے سید ابراہیم قصاب کا نام معلوم نہ تھا جو نسباً فاطمی سید موسی الکاظمؓ کے صاحبزادے مامون الرشیدؓ کے عہد میں یمن کے حاکم تھے اور

قصاب کہلاتے تھے اس وجہ سے نہیں کہ لحم فروشی کا پیشہ کرتے تھے بلکہ محض سفاکانہ کارروائیوں کی بنا پر انہیں قصاب یہ جزار کا لقب ملا جو اُنکے نام کا جزو لاینفک بن گیا پس اگر اشتراک لفظی ہی ہم نسب ہونے کی قوی دلیل ہے تو سید ابراہیم قصاب سے سلسلہ ملا کر قصائیوں کو نہ صرف قریشی بلکہ ہاشمی و فاطمی بآسانی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ "عرب ہندوستان میں اور پیشۂ قصابی کی ابتدا" کے عنوان سے جو باب قایم کیا ہے اس میں محمد بن قاسم ثقفی اور انکے ساتھیوں کے سندھ پر حملہ آور ہونے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُن کی نسل اب تک موجود ہے اور سلسلہ نسب کے نام اُن کو حفظ یاد ہیں لیکن نہ پیشۂ قصابی کی ابتدا کا کوئی تاریخی ثبوت پیش کیا ہے اور نہ ان عربوں کے اولاد کے جو ہندوستان میں متوطن ہو گئے تھے، خاندانی اور نسبی حالات کتب تاریخ کے حوالہ سے درج کیے ہیں البتہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور سیاح شیخ ابن بطوطہ مغربی کو محض اس قصور میں کہ اس غریب نے اپنے سفرنامہ میں سلسلہ واقعات سفر کہیں گائے و بکری کے ذبیحہ کا تذکرہ بھی ضمناً کر دیا ہے مولف نے بلا تامل قسائی ہونے کا سرٹیفکٹ دیدیا اور لکھدیا ہے کہ :-

> اس کی سیاحت کے مطالعہ سے تبادر ہوتا ہے کہ اس کا شغل بھیڑ بکری اور گائے کا ذبیحہ بھی تھا جن کی تعداد روزانہ سینکڑوں تک ہوا کرتی تھی اور عجب نہیں کہ یہ اس کی تجارت مستقل طور سے کرتا ہو کیونکہ اس کام سے اس کو اس قدر دلچسپی تھی کہ بعض اوقات یہ چیزوں کی مثالیں بھی گائے کی کہاں سے دیتا ہے ص٣٢۔

ابن بطوطہ غریب کا شغل تو معلوم ہے سیاحت تھا۔ وہ مغرب اقصیٰ (مراکش) سے چلکر تونس و الجیریا، مصر و عرب و شام و عراق و ایران کی سیاحت کرتا ہوا ہندوستان آیا، یہاں تقریباً گیارہ برس تک مقیم رہا، بادشاہ وقت نے قدر و منزلت کی دارالخلافہ دہلی کا قاضی مقرر کیا، بارہ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر دی، خلعت و تحائف کے علاوہ ہزارہا اشرفی انعام ملے، بادشاہ کا مقرب تھا۔ شاہی مہمان تھا، عالم فاضل تھا پھر اس کو "روزانہ سیکڑوں" جانوں کے ذبیحہ کا شغل اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اُس نے کہیں بھی "روزانہ سیکڑوں" جانوروں کے ذبح کرنے کا کوئی ذکر

نہیں کیا البتہ بحالت سفر کبھی کبھی اپنے اور اپنے ہمراہیوں کے لیئے کسی گائے یا شکاری جانور کو ذبح کر لیتا تہا پس اگر بحالت سفر و بوقت ضرورت کسی جانور کو ذبح کر لینا ہی قسائی پیشہ ہونے کی دلیل ہے تو ہندوستان چہوڑ اسلامی دُنیا کا وہ کون سا مسلمان ہے جس نے عید ضحیٰ شادی بیاہ کی تقریبات یا کسی اور ضرورت کے وقت حلال جانور کو مدۃ العمر کبھی ذبح نہ کیا ہوگا۔ اس اعتبار سے تو ہر کلمہ گو اور تمام فرزندانِ توحید بالخصوص وہ سب شکاری جو جانوروں کے گلے پہ چہری پہیرنے کی دُھن میں جنگلوں جنگلوں مارے پہرتے ہیں قسائی برادری میں شامل سمجھے جائینگے۔

اسکے بعد مولف مذکور نے اپنی کتاب کے صفحات ۱۵۔۴۷ پر مولفانہ دیانت کا عجب عبرتناک نمونہ پیش کیا ہے۔ ابن بطوطہ کا اصل سفرنامہ عربی زبان میں ہے جسکا نہایت عمدہ ترجمہ خان بہادر مولوی محمد حسین ایم۔ اے سابق سشن جج نے، جنکا چند سال ہوئے انتقال ہوگیا، اردو زبان میں کیا، اور "عجائب الاسفار" اسکا نام رکہا تہا۔ اس اردو ترجمہ کا ایک نسخہ مولف مذکور نے حاصل کرکے اپنا تختۂ مشق بنایا ہے اور یہ ثابت کرنے کے لیئے کہ ہندوستان کے قسائی جن کی بول چال میں چند مسخ شدہ عربی الفاظ بطور مصطلحات پیشہ رائج ہیں عربی النسل اور قریشی ہیں اور ان عربوں کی اولاد ہیں جو محمد بن قاسم ثقفی کے ساتھ ہندوستان آئے تھے ابن بطوطہ کے سفرنامہ کو آلۂ کار بنایا ہے اور اپنے قلم کو تیز چہری سمجھکر اس کی عبارتوں کی تکابوٹی کر ڈالی ہے۔ آپکو کسی ایسی تالیف کے مطالعہ کا شاید ہی کبھی اتفاق ہوا ہو جسکے مولف نے مولف "تاریخ الشیوخ" کی طرح اس درجہ ڈہٹائی اور ایسی دلیری سے غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہو کہ اپنے ماخذ کا صاف و صریح یعنی تصریح صفحات حوالہ دے کر کچھ فقرے یا الفاظ قصداً وعمداً حذف کر دیئے ہوں اور عبارت کا مفہوم موافق مطلب پیدا کرنے کی غرض سے بعض الفاظ بھی اپنی جانب سے اضافہ کر دیئے ہوں۔ مولف مذکور کی کارستانی کے چند نمونے ملاحظہ ہوں

(۱) نمونہ ملاحظہ کرنے سے پہلے یہ عرض کر دوں کہ ابن بطوطہ نے جب پہلی مرتبہ سرزمین ہند پر قدم رکہا وہ صوبہ سندھ کا مقام تہا۔ وہیں سے دارالخلافہ دہلی کی جانب سفر اختیار کیا اور سیاحت ہند کے حالات بہی لکھنے شروع کیئے چنانچہ سفرنامہ کی پانچویں فصل میں سندھ کے ایک شہر جنانی کا حال لکھا ہے مولف

تاریخ الشیوخ نے ابن بطوطہ کے شغل ذبیحہ کا جن الفاظ میں ذکر کیا ہے وہ تو آپ اوپر پڑھ آئے ہیں اسی کے بعد یہ الفاظ لکھتے ہیں کہ "لیکن ان سب کو چھوڑ کر پہلے ہم شہر جانی کے متعلق کچھ لکھنا مناسب سمجھتے ہیں" :-

چنانچہ "شہر جانی" کا عنوان قایم کر کے مولف مذکور نے سفرنامہ ابن بطوطہ (عجائب الاسفار) کے چند فقرے نقل کیے ہیں۔ آپ حیران ہونگے کہ اس سے ثبوت قرشیت کا کیا ربط وتعلق! ربط وتعلق یہ ہے کہ ابن بطوطہ نے جو فقرہ صوبہ سندھ کے اس شہر میں جس کا وجود اب باقی نہیں رہا ساھرہ نام ایک سندہی قوم کے آباد ہونے کے متعلق لکھا تھا وہ تو مولف مذکور نے حذف کر دیا لیکن سامرہ قوم کی اس خصوصیت کے اظہار میں کہ وہ کسی غیر قوم سے رشتہ ناتا نہیں کرتے جو الفاظ سیاح مذکور نے تحریر کیے تھے وہ قایم رکھے مگر ان الفاظ کو اس سندہی قوم کے بجائے ان قریشی خاندانوں سے منسوب کر کے جو اس زمانہ میں وہاں متوطن تھے جلی قلم سے لکھا گیا تاکہ ہندوستان کے قسائیوں کی اس قومی خصوصیت کو جو بعض ہندی نژاد مسلم اقوام کی طرح ان میں بھی پائی جاتی ہے اور جس کا تذکرہ مولف مذکور نے ص۲۰ پر بالفاظ ذیل کیا ہے کہ :-

"یہ فرقہ (یعنی قسائی) عربوں کی طرح اپنی لڑکی کسی غیر فرقہ میں نہیں دیتا اور صدیوں سے یہ رسم آج تک جاری ہے اور غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ دوسرے فرقوں کے خون کی آمیزش نہ ہونے پائے"

قوم عرب کی خصوصیات بتا کر ہندوستان کے قسائیوں کو صوبہ سندھ کے قریشی خاندان سے ثابت کرے عجائب الاسفار کی اصل عبارت اور تاریخ الشیوخ کی مندرجہ عبارت دونوں کو بالمقابل پڑھنے سے مولف مذکور کی مولفانہ دیانت کا آپ کو بخوبی اندازہ ہوسکے گا۔ جو فقرے اصل عبارت سے حذف کیے گئے ہیں وہ بقلم جلی تحریر ہیں اور مولف مذکور نے جو الفاظ تبدیل اور اضافہ کیے وہ خط کشیدہ ہیں :

عبارت ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ موسوم بہ عجائب الاسفار

فصل (۵) شہر جنانی

ہم دو منزل چلے تھے کہ جنانی کا شہر آیا۔ یہ شہر وسیع اور خوبصورت ہے، دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے اس کا بازار بہت خوشنما ہے۔ اس شہر میں سامرہ قوم کے آدمی آباد ہیں اور قدیم سے آباد چلے آتے ہیں۔ مورخ کہتے ہیں کہ جب حجاج بن یوسف کے وقت میں سندھ فتح ہوا تو اس قوم کے بزرگ اس شہر میں بستے تھے شیخ رکن الدین بن شیخ شمس الدین بن شیخ بہاء الحق ذکریا قریشی ملتانی مجھ سے ذکر کرتے تھے کہ ان کے جد اعلیٰ محمد بن قاسم قریشی فاتح سندھ کے اس لشکر میں تھے جو حجاج نے عراق سے بھیجا تھا وہ اسی ملک میں رہ گئے تھے اور پھر ان کی اولاد بڑھ گئی۔ یہ شیخ رکن الدین وہی ہیں جن کی بابت مجھے شیخ برہان الدین اعرج نے شہر اسکندریہ میں کہا تھا کہ تو ان سے ملے گا۔ سامرہ قوم کے لوگ کسی کے ساتھ نہیں کھاتے اور جب وہ کھاتے ہیں تو کوئی ان کی طرف دیکھنے نہیں پاتا اور نہ اپنی قوم کے سوا کسی کے ساتھ رشتہ کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں

عبارت مندرجہ تاریخ الشیوخ

شہر جنانی

یہ وسیع و خوبصورت شہر دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ اس کا بازار بہت خوشنما ہے ....

....

مورخین کا بیان ہے کہ جب حجاج بن یوسف کے زمانہ میں سندھ فتح ہوا اس قوم کے بزرگ اس شہر میں آباد ہوگئے شیخ رکن الدین بن شیخ شمس الدین بن بہاء الحق ذکریا قریشی ملتانی مجھ سے آکر ملے اور کہا کہ ان کے جد اعلیٰ محمد بن قاسم قریشی فاتح سندھ کے اس لشکر میں شریک تھے جو حجاج نے عراق سے ہندوستان بھیجا تھا وہ فتح کے بعد اسی ملک میں رہ گئے پھر ان کی اولاد میں اضافہ ہوتا رہا ....

....

یہ لوگ سوائے اپنی قوم کے کسی دوسرے فرقہ سے رشتہ ازدواج کبھی

ان کا سردار ایک شخص دتار نامی تہا اس کا حال آگے چلکر بیان کرونگا۔ انتہی (عجائب الاسفار) .... قایم نہیں کرتے۔ (تاریخ الشیوخ ص)

مولف مذکور نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سفرنامہ کے مترجم نے دو صفحوں کا جو حاشیہ اس فصل پر تحریر کیا ہے اس کے بعض فقرات کو جو حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ کے نسب نامہ سے متعلق ہیں جس میں آخری نام قصیٰ (الملقب بہ قریش) کا آتا ہے مندرجہ بالا عبارت سے مسلسل شاید اس لیئے درج کردیئے ہیں کہ لوگ پڑہکر یہ سمجہیں کہ یہ بیان بھی ابن بطوطہ کا ہے اور ہندوستانکے قسائی بھی حضرت ذکریا کے ہمجد ہیں کیونکہ قسائی اور قصیٰ میں کم ازکم ایک طرح کی مشابہت ہم آواز ہونے کی تو پائی جاتی ہے۔

اسکے بعد اصل حاشیہ کی ۲۱ سطریں حذف کردینے کے بعد حسب ذیل نقرہ بتغیر الفاظ مندرجہ بالا عبارت سے مسلسل درج کیا ہے۔ اصل ونقل کا فرق بھی ملاحظہ ہو۔

حاشیہ کا اصل فقرہ

اُس ہی زمانہ میں (یعنی جب ۱۹۰۴ء میں مترجم بطور قایم مقام سشن جج ملتان میں مقیم تھے) ایک اور قریشی صاحب ضلع ملتان کے رہنے والے مجھے ملے انکے پاس ایک پُرانا قلمی رسالہ تہا جو شیخ شرف الدین قریشی کی تصنیف تہا یہ شیخ شرف الدین مخدوم رشید کی اولاد سے تھے اور یہ رسالہ انہوں نے ملفوظات شیخ شمس الدین بمقام لاہور موچی دروازہ محلہ شیخ بڈہن کتب خانہ شیخ عبدالغفور سے تالیف کیا تہا اس میں یہ درج ہے۔ آمدن مشائخہا درعہد اربع مایتہ د

تاریخ الشیوخ کا مندرجہ فقرہ

اس زمانہ میں ایک اور قریشی تھے جو ملتان میں رہتے تھے اُن کے پاس ایک قلمی رسالہ تہا جو شیخ شرف الدین کی تصنیف سے تہا اور یہ شیخ شرف الدین مخدوم رشید کی اولاد سے تھے (لوٹ سندہ و ملتان نیز اس کے اطراف وجوانب کے برادر مندرجہ صدر حضرات کے ناموں سے اپنا سلسلہ نسب ملاسکتے ہیں

(عجائب الاسفار ص)

خمسین خمس من الہجرۃ الی آخرہ (عجائب الاسفار ص)

مولف مذکور نے جس طریقہ پر یہ عبارت مع نوٹ درج کی ہے اور آخر میں کتاب کا نام تبصرتی بغیر صفحہ تحریر کیا ہے اس سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والا سمجھے کہ یہ بیان بھی ابن بطوطہ ہی کا ہے اور اسی نے قسائیوں کو یہ مشورہ دیا تہا کہ سندھ کے قریشی حضرات سے سلسلہ نسب ملا لیا جائے

"سفر امروہہ" کے عنوان سے جو عبارت نقل کی ہے اُس میں بھی چند الفاظ حذف کر کے اپنے مطلب کے موافق مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصل و نقل دونوں ملاحظہ ہوں۔

نقل	اصل عبارت
میں امروہہ سے جب واپس آیا تو وہاں دو مہینے تک رہا اس دوران میں ہر روز ایک گائے ذبح کیا کرتا تہا (عبارت تاریخ الشیوخ بحوالہ عجائب الاسفار ص ۲۳)	میں امروہہ سے واپس آیا اور وہاں دو مہینے تک رہا ہر روز اپنے ہمراہیوں کے لیے ایک گائے ذبحہ کرتا تہا (عجائب الاسفار ص ۳۰-۲۳)

مندرجۂ بالا عبارت سے ابن بطوطہ کا مطلب یہ تہا کہ اس سفر میں اسکے اور اسکے ہمراہیوں کے لیے روزانہ ایک گائے ذبح ہوتی تہی مگر مولف نے اس فقرہ کو اس طرح تبدیل کیا ہے جس سے قسائی برادری کو یہ بتانا مقصود ہے کہ ابن بطوطہ ہر روز گائے ذبح کیا کرتا تہا اس لیے وہ قسائی تہا مگر یہاں مولف سے ایک فروگذاشت ہوگئی۔ اگر اسی کے ساتھ یہ جملہ بھی اضافہ کر دیا جاتا کہ "ابن بطوطہ جو گائے ذبح کیا کرتا تہا اس کا گوشت بھی امروہہ والوں کے ہاتھ فروخت کرتا تہا" تو غالباً مطلب اور واضح ہو جاتا۔

"تاریخ الشیوخ" کے مولف آگرہ کے باشندے ہیں مگر افسوس ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہ ایک غیر معروف گاؤں تہا شہر کا وجود نہ تہا کہ وہ یہاں آتا اور یہاں کے سفر کے حالات لکہتا اور دوران قیام آگرہ میں گائے ذبح کرتا تا کہ آگرہ کے قسائیوں کا سلسلہ اس سے یا اسکے کسی قریشی ساتھی سے ملانے کا مولف مذکور کو موقع ملتا مگر اس نے بیانہ کا سفر کیا تہا جسکے حالات آٹھویں

باب کی تیسری فصل میں لکھے ہیں۔ مولف نے بیانہ کا ایک تعلق آگرہ سے پیدا کرنے کے لیے حاشیہ کی اس عبارت سے، جو مترجم نے یہ بتانے کے لیے کہ بیانہ جو عہد اکبری میں صوبہ آگرہ شامل تہا کہاں واقع ہے، اس باب کے آخر میں تحریر کی ہے، دو فقرے نقل کر دیئے ہیں اور عنوان پر "سفر بیانہ" کے بعد "متصل آگرہ" بھی لکھدیا ہے۔ بیانہ سے آگرہ کا تعلق ظاہر کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی اس کا حال آپ کو آگے چلکر کھلے گا۔ اوّل دونوں عبارتوں کو پڑھیے:۔

اصل عبارت

فصل (۳) بیانہ

بیانہ ایک بہت بڑا اور خوشنما شہر ہے اس کے بازار بہت خوبصورت ہیں اور جامع مسجد بھی نادر بنی ہوئی ہے اس کی دیواریں اور چھت پتھر کی بنی ہوئی ہے اور مظفر بادشاہ کی دایہ کا بیٹا وہاں کا حاکم ہے

. . . .

(یہاں جو عبارت غیر متعلق اور طویل ہے وہ ترک کرتا ہوں)

. . . .

اس شہر کے عالموں میں سے امام عزالدین زبیری تے جو حضرت زبیر بن العوام صحابی رسول خدا کی اولاد میں سے تھے میری ملاقات ان سے گوالیار میں ملک عزالدین ملتانی المشہور باعظم ملک کے مکان پر ہوئی تھی۔ (عجائب الاسفار ص ۲۴۶)

نقل

سفر بیانہ متصل آگرہ

بیانہ ایک بڑا اور خوشنما شہر ہے اس کے بازار اور جامع مسجد نہایت خوبصورت ہے، مظفر بادشاہ کی دایہ کا بیٹا وہاں حاکم ہے اس شہر کے عالموں میں سے امام عزیزالدین زبیری مشہور آدمی تھے۔ جو حضرت زبیر ابن عوام صحابی کی اولاد سے تھے۔ الخ

(عجائب الاسفار)

جلد دویم

آپ شاید تعجب کریں کہ جب ذبیحہ گاؤ کا کوئی تذکرہ اس میں نہیں تو مولف نے اس

اس عبارت کے نقل کرنے کی زحمت کیوں گوارا کی. اس کی وجہ بھی سن لیجئے. ابن بطوطہ نے سفر بیانہ کے حالات میں یہ بیان کیا ہے کہ یہاں کے عالموں میں ایک عالم امام عزالدین زبیری بھی تھے جن سے میری ملاقات گوالیار میں وہاں کے حاکم کے مکان پر ہوئی تھی دوسری جگہ ص" پر انہیں اسی حاکم کے مصاحبین میں لکھا ہے. یہ عزالدین نسباً زبیری تھے اور مولف نے بزعم خود بحوالہ رسالہ تہذیب النسواں (جو مسلمان لڑکیوں کا رسالہ ہے اور ہفتہ وار لاہور سے شائع ہوتا ہے) یہ ثابت کردیا ہے کہ حضرت زبیرؓ جو آنحضرت صلعم کے پھوپی زاد بھائی تھے:-

"لحم فروشی بھی کیا کرتے تھے" مولف کو جب اس طرح ہندوستان کے کسی شہر میں ایک زبیری کی موجودگی کا علم ہو گیا تو دیوانہ را ہوئے بس است" گویا آگرہ کے قسائیوں کی زبیریت اور قرشیت کا زبردست ثبوت ہاتھ آگیا. طرز استدلال بھی ملاحظہ ہو. چونکہ رسالہ تہذیب النسواں کے حوالہ سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ حضرت زبیر لحم فروشی بھی کیا کرتے تھے' چونکہ ان کی نسل میں سے آٹھویں صدی ہجری کے ایک عالم بیانہ میں رہتے تھے' بیانہ کی سرکار کا تعلق چونکہ عہد اکبری میں صوبہ آگرہ سے تھا اور اس لیے "بیانہ آگرہ سے نزدیک ترین مقام ہے" نیز چونکہ "شہر آگرہ میں برادران قریش (یعنی قسائیوں) کی ہندوستان کے تمام مقامات سے زیادہ تعداد ہے تقریباً ۱۴ ہزار" اور چونکہ "ابن بطوطہ کے بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت زبیرؓ کی اولاد مقام آگرہ کے نزدیک ترین پہنچ چکی تھی" اس لیے آگرہ کے قسائی نسباً زبیری قریشی ہیں ×

"لہذا وہ متذکرہ بالا نام سے اپنا ملا سکتے ہیں (عجائب الاسفار" تاریخ الشیوخ اور اگر نہ ملا سکیں تب بھی مولف مذکور کے نزدیک کوئی ہرج کی بات نہیں کیونکہ آگرہ کے "اکثر (قسائی) خاندانوں کے پاس شاہی کاغذات بھی ہیں اور جنکے پاس نہیں ہیں اُن کو اپنا شجرہ قریباً حفظ یاد ہے"

مندرجہ بالا عبارت کے آخر میں کتابوں کا نام بطور حوالہ لکھنے سے غالباً یہ مطلب ہے کہ پڑھنے والے کو دھوکا ہو اور وہ سمجھے کہ یہ سب کچھ عجائب الاسفار میں مذکور ہے گویا قسائیوں کو جعلی

نسب نامہ بنانے کا مشورہ بھی ابن بطوطہ ہی دے گیا ہے۔

شاہی زمانہ کے کاغذات، فرامین و پروانجات و دستاویزات کا حاصل کرلینا دشوار نہیں بالخصوص ان قصبات میں جہاں سادات و شرفا کے قدیم خاندان آباد ہیں اور حالت تنزل میں ہیں خاکسار مولف کو ادنیٰ قوم کے ایک شخص کے پاس بعض کاغذات کے دیکھنے کا اتفاق ہوا جو اسنے چند پیسوں میں ایک سید سے خرید لیے تھے انہیں وہ اپنے باپ دادا کے کاغذات بتاتا تھا۔

آپ شاید مولف "تاریخ الشیوخ" کی مولفانہ دیانت کے نمونے پڑھتے پڑھتے اکتا گئے ہونگے میں بھی اس فہرست کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا، صرف ایک نمونہ اور ملاحظہ کرلیجئے۔

ابن بطوطہ نے جزیرہ سیلون (لنکا) کی سیاحت کے حالات میں شہر کنکار کے ایک مسلمان بزرگ شیخ عثمان شیرازی کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ کے نشان قدم کی زیارت کرنے والوں کی رہبری کا کام کرتے تھے، وہاں کے راجہ نے جب گائے ذبح کرنے کے جرم میں ان کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ دیا تو اسکے بعد بھی شیخ مذکور کے بیٹے پوتے اور غلام یہی کام یعنی رہبری قدم شریف کا کام کرتے رہے۔ اس عبارت کو مولف نے جس طرح مسخ کیا ہے وہ اصل و نقل دونوں کے بالمقابل پڑھنے سے آپ کو بخوبی واضح ہوجائیگا۔

ابن بطوطہ کی اصل عبارت

شہر کے باہر شیخ عثمان شیرازی کی جو شاوش کرکے مشہور ہیں مسجد ہے اس شہر کا راجہ اور اس کے باشندے اس کی قبر کی زیارت کو آتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ وہ قدم کے جانے والوں کا رہبر تھا جب اسکے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے گئے تو اسکے بیٹے اور پوتے اور غلام بھی یہی کام کرتے رہے اسکے

تاریخ الشیوخ کی تحریف

شہر کے باہر شیخ عثمان ایک بزرگ رہتے تھے یہاں کا راجہ ان کی بڑی تعظیم وتکریم کیا کرتا تھا اور یہ بزرگ قدم کے جانے والوں کے رہبر اعظم تھے۔ یہاں کا راجہ گائے کے ذبح کرنے والوں کو تو ذبح کرا دیتا تھا یا چاروں ہاتھ پیر کٹوا دیتا تھا لیکن شیخ عثمان نے جب

ہاتھ اور پیر اس لیے کاٹے گئے تھے کہ اُس نے ایک گائے ذبح کرلی تھی اور ہنود وں کا یہ قاعدہ ہے کہ جو کوئی شخص گائے ذبح کرتا ہے تو اُس کو یا تو ذبح کر دیتے ہیں اور یا گائے کی کھال میں رکھ کر جلا دیتے ہیں۔ لیکن شیخ عثمان کی رعایت اُن کو بہت منظور تھی اس لیے فقط اُن کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیا اور چند بازاروں کا محصول ان کے گذارہ کے لیے معاف کر دیا۔

(عجائب الاسفار مطبوعہ ۱۹۱۳ء ص ۲۵۳)

گائے کا ذبیحہ کیا تو راجہ چونکہ ان کو ایک محترم بزرگ مانتا تھا اس لیے اُن کے ساتھ یہ رعایت کی کہ اُن کا صرف ایک ہاتھ اور ایک پیر کٹوا دیا لیکن بازاروں کا محصول ان کے گذارہ کے واسطے وقف کر دیا مگر شیخ کے بیٹے پوتے اور تمام عزیز ذبیحہ کا کام کرتے رہے۔

(تاریخ الشیوخ)

(بحوالہ عجائب الاسفار)

ابن بطوطہ تو یہ کہتا ہے کہ شیخ عثمان جب ہاتھ اور پیر کٹنے سے معذور و مجبور ہو گئے تو قدم کے جانے والوں کی رہبری کا کام اسکے بیٹے پوتے اور غلام کرتے رہے مگر قرشیت کے مدعی نے قلم کو تیز چھری سمجھکر عبارت کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے جس سے یہ مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی کہ شیخ مذکور کے بیٹے پوتے اور "تمام عزیز" ذبیحہ کا کام کرتے رہے لیکن اس نے یہ نہ بتایا کہ جس جرم میں راجہ نے اُنکے مورث کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے تھے اسی جرم کے ارتکاب میں شیخ کے "بیٹوں پوتوں اور تمام عزیزوں" کے ہاتھ پیر کیوں نہ کٹوائے اور وہ کیوں برابر "ذبیحہ کا کام کرتے رہے"؟ کیا راجہ بھی بعد میں قسائی پیشہ بن گیا تھا؟

اب چند لطیفے بھی سُن لیجئے (ص ۵۰) پر ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

"شیخ ابن بطوطہ اپنے سفر کے دوران میں اکثر مقامات پر بھیڑ بکری اور گائے کا بیان خاص طور سے نہایت دلچسپی کے ساتھ اس طرح کرتا ہے:۔

"نمبر ا کٹھل کا پھل بڑے کدو کے مشابہ ہوتا ہے اور اس کا چھلکا گائے کی کھال کے مانند"

(عجائب الاسفار دوم صد ۴۹)

معلوم ہوا کہ گائے کی کھال سے کسی چیز کی مثال دینا اور اس کا بیان خاص طور سے نہایت دلچسپی سے کرنا قصائی پیشہ ہونے کی دلیل ہے۔ مولف کو چاہیئے تہا کہ سب سے پہلے بنی اسرائیل کو قصائی بتاتا کیونکہ قرآن پاک کی سورہ بقر میں ان کا ذکر اس طرح آیا ہے:۔

فذبحوھا وما کادو یفعلون | انہوں نے گائے ذبح کی اور کرنا نہیں چاہتے تھے۔

نمبر۲۔ ابن بطوطہ نے ص۲۸ پر سلطان علاء الدین خلجی کے حالات میں بیان کیا ہے کہ ہر روز نرخ وغیرہ کی بابت دریافت کرتا تہا ایک دن اس نے محتسب سے دریافت کیا کہ گوشت کے گراں ہونے کا کیا سبب ہے اس نے کہا کہ گائے اور بکری پر زکوۃ (یعنی محصول) لی جاتی ہے، بادشاہ نے اسی روز سے اس قسم کے کل محصول معاف کردیئے اور سوداگروں کو بلاکر راس المال اپنے خزانہ سے دیا اور کہا کہ اس کی گائے اور بکریاں خریدلاؤ اور ان کو بیچ کر قیمت خزانہ میں داخل کرو اور ان کی کچھ اجرت مقرر کی۔ خط کشیدہ الفاظ کو حذف کرکے مولف نے لکھا ہے کہ

"معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں قصابوں کو سوداگر کہتے تھے"۔

مولف مذکور کے نزدیک جب وہ تمام سوداگر جو دساور سے مولیشی خرید لاتے اور نفع پر فروخت کرتے قصاب کہلاتے تو جو لوگ جانوروں کو ان سے خرید کر خود ذبح کرتے گوشت فروخت کرتے وہ مولف مذکور کی اصطلاح میں غالباً قریشی وزبیری کہلاتے ہونگے!۔

نمبر۳ سلطان محمد تغلق اور اس کی والدہ جسکو مخدومہ جہاں کہتے تھے، ابن بطوطہ پر خاص کر مہربان تھے ان کی طرف اس کی مہمانداری اور ضیافتیں ہوتیں شاہی محل میں قیام کرتا اُسکے تفصیلی حالات چار صفحوں پر لکھے ہیں۔ مولف تاریخ الشیوخ نے اس مضمون کا اختصار صرف تین سطروں میں کردیا ہے۔ لیکن جس طرح کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اور اس کی والدہ کو بھی قوم قصاب بتانا مقصود ہے دونوں عبارتیں پڑھیئے:۔

ابن بطوطہ کی عبارت	تاریخ الشیوخ کی عبارت
میرے ساتھ کل چالیس آدمی تھے اور ان سب کو	جب میں مع اپنے ہمراہیوں کے اس بیگم کا مہمان

چار ہزار دینار کے قریب دیا گیا اسکے بعد بادشاہ کی طرف سے ضیافت کا حکم ہوا۔ ایکہزار رطل آٹا اور ایکہزار رطل گوشت آیا اس میں سے ایک ثلث تو میدا تھا اور باقی دو ثلث بن چھنا آٹا اور چینی اور گھی فوفل (چھالیہ) بھی کئی کئی رطل آئی جس کی گنتی مجھے یاد نہیں اور ہزاروں ورق تنبول (پان) آئے۔ . . خداوندزادہ کی ضیافت میں چار ہزار رطل آٹا اور چار ہزار رطل گوشت مع اور مناسب چیزوں کے ملا۔

(عجائب الاسفار ص[20])

ہوا تو ہم کو روزانہ اتنا ہی گوشت ملتا تھا جتنا کہ آٹا اس کے بعد جب ہم بادشاہ کے مہمان ہوئے تو یہاں سے ہم کو روزانہ چار ہزار رطل گوشت ملا کرتا تھا۔

(عجائب الاسفار ص[20]،
مندرجہ تاریخ الشیوخ

پھر جنوبی ہند کے ایک شہر کا ذکر کرتے ہوئے سیاح مذکور وہاں کے راجہ کی ضیافت کا حال لکھتا ہے جس کو مولف نے شاید اس لیئے نقل کیا ہے کہ ناظرین کو یہ دکھلانا مقصود ہے کہ جنوبی ہند میں بھی گائے ذبحہ ہوتی تھی اور جو لوگ ذبحہ کرتے وہ قسائی تھے۔

وہاں سے ہم منار مندلی پہونچے یہ ایک اچھا خاصہ شہر ہے اور اس راجہ (ایری شکر ورتی) کی عملداری کی حد پر واقع ہے وہاں راجہ کے اہلکاروں نے ہماری دعوت کی وہ ضیافت میں گاومیش کے کٹڑے جن کو جنگل سے شکار کرتے ہیں اور زندہ پکڑ لاتے ہیں اور چاول اور گھی اور مچھلی اور مرغیاں اور دودھ دیتے ہیں۔ اس شہر میں سوا ایک خراسانی کے اور کوئی مسلمان نہ تھا جو بسبب لیض ہونے کے رستہ میں ہڑ گیا تھا وہ بھی ہمارے ساتھ ہو لیا[۲۴۲]

نمبرہ۔ سیلان کے راجہ آریا شکرورتی جب ہماری دعوت تو اس میں گائے اور بیش کے کٹڑے (یعنی بچے) اور چاول گھی اور مرغیوں کا پورا انتظام کیا تھا۔

اور لیجیے، راجہ اور اُسکے اہلکار بھی قسائی پیشہ نکلے !!

سفرِ چین کے حالات میں شہر خنسا کے ذکر میں لکھتا ہے کہ :۔

امیر قرطی چین میں امیر الامرا ہے اُس نے اپنے گھر میں ہماری ضیافت کی وہ لوگ طوی کہتے ہیں اس میں شہر کے سب سے بڑے آدمی آئے مسلمان باورچی بلوائے گئے۔ انہوں نے ذبح کرکے گوشت پکایا یہ امیر کبیر اپنے ہاتھ سے ہم کو کھانا کھلاتا تھا اور گوشت کے ٹکڑے دیتا جاتا تھا اُس نے تین دن تک ہماری مہمانی کی ص ۴۲۶۔

منتخب۔ امیر قرطی چین میں امیر الامرا ہے جب اُس نے ہماری دعوت کی تو اُس میں شہر کے بڑے بڑے روسا تھے، یہ امیر کبیر اپنے ہاتھ سے گوشت کے ٹکڑے کیا کرتا تھا۔

معلوم ہوا کہ جو میزبان اپنے مہمان کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلائے اور بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کرکے مہمانوں کے سامنے رکھتا جائے وہ قسائی برادری کا فرد سمجھا جائے گا۔ نیز جیسا کہ دوسری جگہ بیان کیا ہے "چمڑے کے حوض" میں گلاب کا شربت بھر کر لوگوں کو پلانا بھی اسی میں شمار ہوتا ہے۔ ابن بطوطہ نے سلطان محمد تغلق کے دسترخوان کا حال بھی لکھا ہے کھانوں کی اقسام گنائی ہیں اور جس ترتیب سے لوگ دسترخوان پر بیٹھتے تھے وہ بھی بیان کی ہے۔ اسی سلسلہ میں مترجم نے مصنف مسالک الابصار کا بیان بھی حاشیہ پر درج کر دیا ہے اس حاشیہ کا ایک فقرہ مولف تاریخ الشیوخ نے بھی اس طرح نقل کر دیا ہے گویا یہ بھی ابن بطوطہ ہی کا بیان ہے لیکن اپنا مطلب پورا کرنے کے لیے پورا فقرہ پھر بھی نقل نہیں کیا۔

حاشیہ عجائب الاسفار ص ۱۱۲

۱؎ مصنف مسالک الابصار شیخ مبارک کی زبانی لکھتا ہے کہ بادشاہ ہر روز دو دفعہ اجلاس کرتے ہیں۔ ایک صبح کو دوسرا شام کو اجلاس کے ختم ہونے کے بعد عام

تاریخ الشیوخ کی عبارت

مصنف مسالک الابصار لکھتا ہے کہ شیخ ابوبکر خلال بزتی کی زبانی معلوم ہوا کہ اس بادشاہ کے باورچی

دسترخوان بچھاتے ہیں اس پر بیس ہزار کے قریب آدمی کھانا کھاتے ہیں بادشاہ کے ساتھ خاص دسترخوان پر سو آدمی جو عالم فاضل ہوتے ہیں کھانا کھاتے ہیں اور اس وقت علمی گفتگو ہوتی ہے۔ شیخ ابو بکر خلال بزی کی زبانی اسی مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے شاہی میر سامان سے دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ باورچی خانے کے لیے ڈہائی ہزار بیل اور دو ہزار بکری و بہیڑ ہر روز ذبح ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مادہ گاؤ کو ذبح کرنے کا دستور نہیں تہا تاکہ مویشی کی تعداد میں کمی واقع نہ ہو۔

خانے کے لیے ڈہائی ہزار بیل اور دو ہزار بکری و بہیڑ ہر روز ذبح ہوا کرتی تہیں۔

ص ۱۱۲

تاریخ الشیوخ کے مولف اور "جمعیت القریش" ہند کے "جنرل سکریٹری" نے ابن بطوطہ کے سفرنامہ سے چن چن کردہ عبارتیں اور فقرے اور الفاظ یکجا کیے ہیں جن میں گائے بیل بہیڑ بکری کے ذبح ہونے یا اُنکے گوشت و چمڑے اور کہال کا ذکر ہے لیکن حسب ذیل فقرہ جس میں ہندوستان کے قصاب پیشہ کا ذکر خاص طور سے کیا گیا ہے نقل نہیں کیا حالانکہ یہ فقرہ اسی مضمون کے سلسلہ میں ص ۲۰۶ پر موجود ہے۔ جس کا اقتباس ص ۲۰۶ کے حوالہ سے درج کیا ہے۔ ابن بطوطہ جب سلطان محمد تغلق کی والدہ مخدومہ جہاں کا مہمان ہوا تو ایک مکان اس کے قیام کے لیے تجویز ہوا ہر قسم کا سامان مہیا تہا خورونوش کا سامان بھی فراہم کیا گیا تہا اور خدام شاہی ؎

آسی رات دو آدمیوں کو لائے ایک آٹے والا تہا جس کو خراس کہتے ہیں اور دوسرا گوشت والا جس کو قصاب کہتے ہیں اور ہم کو کہا کہ تم ان دونوں سے اس قدر آٹا اور اس قدر گوشت لے لیا کرو اور اس کی تعداد اب مجھے یاد نہیں رہی۔ اس ملک میں (یعنی ہندوستان میں) دستور ہے کہ آٹا اور گوشت ہم وزن دینے میں یہ ضیافت بادشاہ کی والدہ کی طرف سے تہی ص ۲۰۶

مولف نے یہ فقرہ کیا اس خوف سے نقل نہیں کیا اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جس طرح ہندوستان میں آج بھی قصائی گوشت فروشی کا کام کرتے ہیں ضیافتوں اور تقریبات کے موقعوں پر شرفا کے یہاں گائے لاکر اور ذبح کرکے گوشت دیتے یا سروں پہ گوشت کے ٹوکرے لے آتے ہیں بعینہ وہی حالت آج کو تقریباً سات سو برس پہلے بھی تھی اور اس اظہار حقیقت سے شرافت قرشیت کے دعوے کی بین طور سے تردید ہوتی تھی!!

باوجود ان غلط بیانیوں کے جن کی تفصیل اوپر درج ہو چکی ہے۔ مولف مذکور نے اسکے بعد ایک اور عنوان "قرشیت کا ثبوت" قایم کیا ہے جس میں ایک فرضی کتاب کے حوالہ سے قرشیت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے وہ فقرے سن لیجیے جو اس کتاب کے حوالہ سے نقل کیے گئے ہیں۔

"وہ قوم جو ہندوستان میں قصاب کے نام سے مشہور ہے قریش سے ہے۔ ان کے علاوہ دیگر قبائل جو وقتاً فوقتاً عرب سے آتے رہے وہ ملتان اور اس کے اطراف میں آباد ہوتے رہے اور رفتہ رفتہ وہ مخلوط النسل ہو گئے ان میں سے چند لوگ ایران پہونچے اور وہاں کی معزز اور بہادر قوم کی لڑکیوں سے رشتہ ازدواج قایم کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعض عرب نقر ت ہندوستان آئے تھے جو لحم فروشی پیشہ کرتے تھے اور پھر اس پیشہ کو کثیر التعداد لوگ کرنے لگے مگر اسی کے ساتھ یہ لوگ فوج میں بھی بھرتی ہوا کرتے تھے اور زیادہ پرہیزگار ہونے کی وجہ سے یہ لوگ کھٹیکوں کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا گوشت نہیں کھاتے تھے بلکہ یہ خود ذبح یا کرکے ذبح کیا کرتے تھے۔ شمس الدین (غالباً) التمش کے زمانہ میں شاہی مطبخ کے لیے انہیں کے ہاتھ کا ذبیحہ پسند کیا جاتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

انہی میں سے اکثر فوج سے دست بردار ہو کر صرف لحم فروشی کا پیشہ اختیار کرنے لگے چونکہ یہ پیشہ کچھ آسان اور کچھ فائدہ مند ہونے کی وجہ سے لوگوں نے زیادہ اختیار کر لیا تھا اور آزادانہ زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ عیش و عشرت میں پڑ گئے اور رفتہ رفتہ شراب نوشی سے شوق ہو گیا جس کی وجہ سے بدعنوانیاں ہونے لگیں اور جہالت کا دور شروع ہو گیا۔

آگے چل کر مصنف کتاب ہذا لکھتا ہے کہ ہر حال کچھ ہی ہو لیکن یہ قوم قریش سے ہے ابھی تک ان کا ہر فرد ٹوٹے پھوٹے عربی الفاظ استعمال کرتا ہے ان کی شادیاں آپس ہی میں ہوتی ہیں اور صحیح النسب ہونے کی جستجو میں بہت چھان بین کی جاتی ہے"

مندرجہ بالا سطر کے بعد ہی لکھا ہے :-

"ماخوذ منبع الانساب جلد ۹ صفحہ ۱۲ کتاب ہذا کی تین جلدیں ہیں مصنف عبدالعزیز برنی ایرانی و عبدالکریم غزنوی و عبدالرحیم خاقانی۔ اسی کتاب پر ابوالفضل وفیضی کے دستخط ہیں"

بیشک، جب ابوالفضل اور فیضی کے دستخط بھی ثبت ہیں تو کتاب کے اصلی ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کتاب آیا "جمعیت القریش ہند" کے دفتر میں ہے یا امروہہ کے اس کتب خانہ میں جس میں "ثبوت قریشیت" کے لیے بعض قسائی صاحبان کی پیش کردہ رقومات سے کتابوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بہر حال جہاں کہیں بھی ہو تیس جلدوں کے تین مصنف ہیں یعنی فی مصنف دس دس جلدوں کا اوسط آتا ہے۔ چونکہ یہ ایسی متہم بالشان کتاب ہے کہ آج تک ہندوستان کے بڑے سے بڑے مورخ یا مصنف کو اس کا پتہ نہ لگا۔ غالباً اسی وجہ سے مصنفین کے ناموں کی تصریح بھی کر دی ہے کیونکہ ناموں کے ساتھ جو نسبتیں درج ہیں وہ بھی پڑھنے والے کو مرعوب کرنے کے لیے کافی ہیں "غزنوی یا خاقانی نسبتوں سے تو کان آشنا ہیں مگر یہ "برنی ایرانی" کیا بات ہوئی۔ ہندوستان کا مشہور مؤرخ ضیاءالدین اپنے وطن برن (بلند شہر کا قدیم نام) کی نسبت سے ضرور "برنی" مشہور ہے" مگر "برنی ایرانی" پھر بھی سمجھ میں نہ آیا معلوم ہوتا ہے کہ اس فرضی کتاب کے فرضی مصنفین کے نام تصنیف کرنے والے کو یہ معلوم نہ تھا کہ برن ایران میں نہیں بلکہ ہندوستان میں واقع ہے ایران سے جو لوگ ہندوستان آتے اپنے اپنے مقام کی نسبت سے شیرازی ومشہدی و اصفہانی وغیرہ سے مشہور ہوتے نہ کہ ملک ایران کی نسبت سے ایرانی کیا مولف تاریخ الشیوخ یا ان کے کوئی تنخواہ دار ایجنٹ ثابت کر سکتے ہیں کہ تیس جلدوں والی کتاب منبع الانساب جس کے مصنف عبدالعزیز برنی

یرانی وغیرہ ہیں اور اس پر ابوالفضل اور فیضی کے تصدیق وستخط ثبت ہیں دنیائے تخیل کے سوائے اس کا وجود کہیں اور بھی ہے؟

مگر حق بر زبان جاری آخر میں مولف تاریخ الشیوخ خود ہی پکار اُٹھے کہ:-

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے قصابوں میں اکثریت قریشیوں کی ہے۔لیکن ان کے علاوہ جو اس پیشہ کو کرتے ہیں وہ نومسلم ہیں لیکن چونکہ قریشیوں نے ان کو مسلمان کیا تھا اس لیئے وہ بھی قریش میں داخل ہونے کا حق رکھتے ہیں اور قریش ہی کہلائے جا سکتے ہیں ص ۵۸

قسائیوں کا نومسلم ہونا ہندی نژاد ہونا اور صحیح النسب قریشی مسلمانوں کا انہیں دائرہ اسلام میں داخل کرنا ہی ایک اصل ہے جسکے ماتحت مولف نے ہندوستان کے تمام قسائیوں کو قریش میں داخل کر لیا۔

مولف نے جو"نسب نامہ قریش" مرتب کرکے شائع کیا ہے اس میں آگرہ کے قسائیوں کا سلسلہ نسب عبداللہ بن زبیر کے ایک فرضی بیٹے نبھان سے جا ملایا ہے آپکے منجملہ آٹھ بیٹوں میں اس نام کے کوئی بیٹے نہ تھے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس نام کے کوئی شخص اس زمانہ میں تھے تو جس طرح سلسلہ متصل کیا گیا ہے وہ محض غلط ہے اس شخص کے بیٹے کا نام سلیمان بتا کر لکھا ہے کہ "یہ سردار چھ سو سواروں کے ہمراہ سندھ کی مہم پر تھا ۹۳ھ" اس سے چوتھی پشت میں نعمت اللہ نام درج کرکے لکھا ہے کہ ۱۳۱۵ء یعنی ۷۱۵ھ میں غزنی سے آگرہ آئے پس جو شخص ۹۳ھ میں شریک جہاد ہو اس سے تیسری پشت کا زمانہ زیادہ سے زیادہ ۱۹۳ھ ہوگا۔ مولف نے اپنے مورث نعمت اللہ کو اسی تیسری پشت والے کا بیٹا لکھا ہے اس لحاظ سے نعمت اللہ کی پیدائش تیسری صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ ہوگا مگر آٹھویں صدی ہجری میں اس کا غزنی سے آگرہ آنا بتایا جاتا ہے گویا اس کی عمر تقریباً پانسو برس کی ہوئی جو محض لغو ہے۔

اسی سلسلہ میں مولف نے آگرہ کے قسائیوں کے کچھ خاندانی حالات بھی لکھے ہیں جن سے

مجھے کوئی سروکار نہیں البتہ یہ بیان کہ آگرے کے قسائیوں کو شاہ عالم بادشاہ نے زمینیں اور باغات عطا کیے شاہزادے شمس الدین عرف شمرو کی بیگم کا باغ جو کسی زمانہ میں شاہ گنج کے قریب تھا انہیں عطا کیا (ص ۵۰) لطیفے سے خالی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ شاہزادے شمس الدین عرف شمرو کون تھے۔ دوسری جگہ (ص ۵) پر لکھا ہے کہ "یہ زمین شاہزادہ شمس الدین عرف شمرو کی بیگم جان بی سے تعلق رکھتی تھی۔ جان بیگم کے نام نے اس کو بالکل واضح کر دیا کہ نہ کوئی شاہزادہ شمس الدین تھا جس کا عرف شمرو تھا اور نہ یہ زمین شاہ عالم بادشاہ نے قسائیوں کو عطا کی تھی۔ شمرو ایک فرانسیسی مسمیٰ والٹر رینارڈ کا عرف تھا جو ہندوستان آکر والٹر سمرس کہلایا۔ قوم کا بوچڑ تھا مگر فوجی سپاہی کی حیثیت سے ہندوستان آیا تھا مختلف والیان ملک ملازمتیں کیں، اسد خاں نامی ایک شخص کی بیٹی سے جو ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئی تھی۔ شادی کی۔ اس عورت نے ۱۷۸۱ء اپنے شوہر کا مذہب عیسوی قبول کیا اس وقت اس کا عیسوی نام Johanna ہوا۔ جان بیگم مشہور ہوئی شمرو ۱۷۷۸ء میں مر گیا آگرہ کے کیتھولک قبرستان میں دفن ہوا اس عورت سے اس کا ایک بیٹا ظفر یاب خاں تھا وہ بھی بعد انتقال باپ کے پہلو میں مدفون ہوا۔ شمرو کی بیگم نے اور نکاح کیے علاقہ سردھنہ جاگیر میں ملا۔ بڑی دلاور اور منچلی عورت تھی۔ فوج کی قیادت خود کرتی۔ آگرہ میں اسکے املاک و باغات تھے ۱۸۳۶ء میں وفات پائی (گزیٹر صوبہ جات متحدہ جلد دوم و سوم مطبوعہ ۱۸۷۵ء) معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وفات کے بعد کسی زمانہ میں اسکے کسی باغ کی زمین پر کسی قسائی خاندان کا قبضہ بذریعہ بیع و شری ہو گیا جسے مولف نے عطیہ شاہی قرار دیدیا۔

مولف نے اپنی کتاب میں ایک باب "ذات اور پیشہ" کے عنوان سے بھی لکھا ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار مختلف اوقات میں کئی قصابوں کی دعوت بڑی خوشی سے کھائی ہے اور ایک بار ایک قصاب کے غلام کے گھر میں دعوت کھائی تھی" (ص ۵۹)

یہ روایت بلا حوالہ نقل کی گئی ہے شاید کتاب منبع الانساب کی تیس جلدوں میں سے جن پر ابوالفضل و فیضی کے تصدیقی دستخط ثبت بتائے جاتے ہیں کسی جلد میں یہ روایت مندرج ہو مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قصاب جن کی دعوتیں حضور سرور کائنات نے "بڑی خوشی" سے "کئی بار" "در مختلف اوقات" میں کھائیں کون تھے؟ بنی قصیٰ میں سے تھے یا ان سے علیحدہ تھے؟ بنی قصیٰ میں سے نہ تھے اور ان سے علیحدہ تھے تو حضورؐ کے زمانہ میں بھی قوم قصاب کا وجود ثابت ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ قریشی بھی نہ تھے اور اگر بنی قصیٰ میں سے تھے تو مولف مذکور کو یہ لکھنا چاہیئے تھا کہ آنحضرت صلعم نے اکثر اپنے خاندان اور بنی اعمام میں جو قصابی کا پیشہ کرتے تھے دعوتیں کھائیں مگر کیا حضور سرور کائنات کے اہل خاندان نے کبھی لحم فروشی کا پیشہ کیا؟ آنحضرت صلعم کے قرابت داران قریبہ و بنو اعمام کے بچے بچےؐ کے حالات تمام کتب سیر و رجال و تاریخ میں مذکور ہیں۔ ان میں سے کسی ایک خاندان کو بھی اس پیشہ سے منسوب کرنے کی جسارت انکے سخت ترین دشمن نے بھی آج تک نہیں کی تھی یہ فخر قسام ازل نے مولف مذکور کے لیے مختص کر دیا تھا کہ وہ خاندان نبوت کے افراد کو ایسے ادنیٰ پیشہ سے منسوب کرکے اپنی عالی ظرفی کا ثبوت دے جیسا کہ قصابی کا پیشہ ہے جنہیں ہندوستان میں بعہد سلطنت اسلامی بحکم شاہی بعض دوسری پست ترین اقوام کی طرح کنارہ آبادی رکھے جانے کی تاکید تھی (ملاحظہ ہو اقتباس آئین اکبری مندرجہ حصہ اوّل تاریخ امروہہ)۔

دوسرا حصہ۔ اس کتاب کے دوسرے حصہ کا عنوان "چند اکابرین قوم کے مختصر حالات" ہے جو "حضرت الفاضل مولانا کوکب (مولوی فاضل و منشی فاضل" ایڈیٹر بیدار جوالاپوری" کا مرتبہ ہے۔ ان "حضرت الفاضل" نے اپنی فضیلت اور مولفانہ دیانت کا حصہ اول کے مولف سے بھی زیادہ عبرتناک ثبوت پیش کیا ہے۔

امروہہ کے قصابیوں کی قریشیت ثابت کرنے کے لئے حسب ذیل طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

اوّلاً یہ کہ انکے مورث کا نام حافظ جان محمد بتا کر انہیں حضرت سید شرف الدین شاہ ولایت

امروہہ کا خلیفہ ظاہر کیا ہے جسکے ثبوت میں کتاب ثمرات القدس کا ایک اقتباس بھی پیش کیا ہے ثانیاً۔ جان محمد مذکور کے نسباً قریشی اور حضرت عمرو بن العاص کی اولاد میں ہونے کے ثبوت میں ایک خلافت نامہ کی عبارت درج کی گئی ہے جسکے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ ولایت موصوف نے اپنے اس خلیفہ کو عطا فرمایا تھا :۔

مندرجۂ بالا ثبوت اگر اصلی ہے اور فرضی وجعلی نہیں تو امروہہ کے قسائیوں کے نسباً شریف اور قریشی ہونے میں کسے کلام ہوسکتا ہے۔ برخلاف اسکے اگر یہ ثبوت محض فرضی اور جعلی ہے، جیسا کہ آگے چلکر ثابت ہوگا، تو کیا آپ اسے ایک مولف کی مذموم ترین حرکت سے تعبیر نہ کرینگے

مولف نے لکھا ہے کہ حافظ جان محمد جو حضرت عمرو بن العاص کی اولاد سے تھے "شہر واسط (عراق) سے "حضرت سید شاہ ولایت کے ہمراہ ۶۱۴ھ کے لگ بھگ ہندوستان تشریف لائے"، حضرت شاہ ولایت کی معیت میں اسی آدمی اور بھی تھے۔ مرزا مغل بیگ (لال بیگ) جو اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ثمرات القدس میں انکے مفصل حالات لکھے ہیں" مولف نے اسکے بعد حافظ جان محمد اور ان کی اولاد کے حالات میں فارسی کی ایک عبارت نقل کی ہے اور خاتمۂ عبارت پر مخطوطہ وحدانی اس کا حوالہ اس طرح درج کیا ہے :۔ (از ثمرات القدس مصنفۂ مرزا لال بیگ یکے از امراء اکبر بادشاہ ۹۷۰ھ)

مرزا لعل بیگ عہد اکبری وجہانگیری کے ایک منصبدار ضرور تھے، مشائخ واولیا کے حالات میں "ثمرات القدس من شجرات الانس" نام ان کی ایک تالیف ہے، جس میں حضرت شاہ ولایت اور امروہہ کے چند دیگر مشائخ کے مجمل تذکرے بھی ہیں۔ لیکن شاہ ولایت کے خلفا میں سے جان محمد نام کسی شخص کا اس میں مطلق کوئی تذکرہ نہیں اور نہ وہ عبارت اس کتاب کے کسی صفحہ پر درج ہے جو بطور سند مولف مذکور نے نقل کی ہے۔ ثمرات القدس کمیاب ضرور ہے تاہم اسکے متعدد نسخے ہندوستان میں موجود ہیں جن میں سے اکثر خاکسار مولف کی نظر سے گذرے ہیں، ان میں سے کسی ایک نسخے میں بھی جان محمد مذکور کا قطعاً کوئی ذکر نہیں۔ ثمرات القدس

میں شاہ ولایت" کے اس فرضی خلیفہ کا کوئی ذکر ہوتا تو صاحب اسراریہ، جنہوں نے اسی کتاب کے حوالہ سے خود شاہ ولایت کے نیز آپ کے بزرگان اور امروہہ کے بعض دوسرے مشائخ کے مجمل حالات لکھے ہیں، جان محمد کا ذکر کیوں نظر انداز کر دیتے خصوصاً جبکہ محولہ بالا عبارت میں اس شخص کا تذکرہ بمقابلہ تذکرہ شاہ ولایت" کافی وضاحت سے کیا گیا ہے۔ ایسی حالت میں آپ سوائے اسکے اور کیا نتیجہ اخذ کریں گے کہ مولف مذکور نے جو عبارت ثمرات القدس کے حوالہ سے نقل کی ہے وہ اصلی عبارت نہیں ہے بلکہ مصنوعی اور جعلی ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ جعلی عبارت کس نے بنائی؟ یہ معاملہ چونکہ امروہہ سے متعلق ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں کے کسی قسائی نے یہیں کے کسی بندہ زر کو ثبوت قریشیت فراہم کرنے کے لیے، اجرت پر مقرر کیا ہو اور یہ کارستانی کسی ایسے ہی شخص کی ہو، تاریخ الشیوخ کے مولف نے اس پر اعتماد کر کے بلا تحقیق اس عبارت کو اپنی کتاب میں درج کر دیا ہو بہر حال جو صورت بھی ہو معلوم ہوتا ہے کہ اس مصنوعی عبارت کے لکھنے والے نے بھی ثمرات القدس کا نام ہی سنا تھا، کتاب کے مطالعہ کا اسے بھی موقع نہ ملا تھا کیونکہ سنہ تالیف اس نے ۹۰۰ھ بیان کیا ہے حالانکہ کتاب مذکور کے مولف مرزا لال بیگ نے خود اپنے قلم سے اپنا سنہ ولادت ۹۶۰ھ لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ تالیف اس وقت شروع کی جبکہ اس کی عمر چالیس سال کی تھی یعنی تقریباً ۱۰۰۰ھ میں مگر چند سال بعد لال بیگ کا انتقال ہو گیا تو اسکے ایک دوست خواص خاں نے عہد جہانگیری میں ترتیب و تدوین کے بعد اس کو شائع کیا۔ ثمرات القدس اور اسراریہ کے علاوہ تیسری کتاب مقاصد العارفین ہے جس میں شاہ ولایت" کے خلفاء کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن اس میں بھی جان محمد مذکور کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ مختصراً یہ کہ جب وہ ثبوت ہی مصنوعی اور جعلی ثابت ہوا جس کی بنا پر حافظ جان محمد کو شاہ ولایت کا خلیفہ بتایا گیا تھا تو خود اس کی شخصیت یا اس کا قریشی نسب اور حضرت عمرو بن العاص کی اولاد میں ہونا کب قابل قبول ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ لطیفہ بھی قابل بیان ہے کہ مولف مذکور نے شاہ ولایت" کے اس فرضی خلیفہ کا ہندوستان آنا ۹۰۰ھ کے لگ بھگ بتایا ہے

اور لکھا ہے کہ نوّے سال کی عمر پاکر ۹۰۰ھ انتقال ہوا اس حساب سے تو گویا ماں کے پیٹ سے برآمد ہوتے ہی وہ ہندوستان کے سفر پر روانہ ہو گئے تھے! سچ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد

یہ بھی واضح رہے کہ ساتویں صدی ہجری کے اواخر تک "جانؔ محمد" وغیرہ ناموں کا عراق، عرب میں کوئی وجود نہیں پایا جاتا اور نہ اس عہد میں عالمگیر جیسے نام جو مولف نے اس فرضی خلیفہ کے بیٹوں کے لکھے ہیں. ہندوستان میں پائے جاتے ہیں. یہ سب مصنوعی کارروائی اور نہایت درجہ مذموم اور قابل نفرین حرکت ہے ٭

خلافت نامہ اسکے بعد جو طویل خلافت نامہ بزبان عربی "تاریخ الشیوخ" کے تیرہ صفحات پر درج ہوا ہے وہ بھی حسب ذیل وجوہ سے قطعاً مصنوعی اور جعلی قرار پایا ہے:-

اوّل یہ کہ یہ خلافت نامہ جس کا سنہ کتابت ۶۹۰ھ تحریر ہے' حضرت شاہ شرف الدین حسن شاہ ولایت" امروہہ سے منسوب ہے حالانکہ شاہ ولایت" کا وصال اس سے بہت پیشتر ہو چکا تھا (ملاحظہ ہو تذکرہ شاہ ولایت مندرجہ کتاب تذکرۃ الکرام)

دوئم - یہ کہ شاہ ولایت" کا سنہ وفات' جیسا کہ عام طور سے غلط مشہور ہے' اگر ۸۲۳ھ فرض کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ خلافت نامہ آپ نے ہی لکھا یا لکھوایا اور اپنے تصدیقی دستخط اور مُہر بھی ثبت فرمائی تو جس طرز عبارت میں آپ نے اپنا نام لکھا ہے یعنی :-

فیقول العبد الفقیر المقر بالعجز والتقصیر الراجی عفو ربہ العلی السید شرف الدین نقوی السہروردی بن السید علی بن السید مرتضیٰ بن ابی المعالی السید ابراہیم بن ابی الفرح السید حسین بن السید داؤد بن السید حسین بن السید علی بن السید ھارون بن السید جعفر بن الامام علی الھادی بن الامام محمد تقی بن الامام علی الرضا بن الامام موسیٰ کاظم بن الامام جعفر الصادق بن الامام محمد باقر بن الامام زین العابدین بن سید الشہداء الامام حسین علیہ السلام بن الامام امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ ٭

وہ خلاف قیاس ہے۔ اوّل تو اس قسم کی سندات میں سند دینے والے کو اپنے نام کے ساتھ اپنا پورا شجرہ نسب درج کرنے کی کیا ضرورت تھی اس زمانہ میں یہ عام دستور تھا کہ ایسی سندات اگر کسی شیخ وقت و پیر طریقت کی جانب سے تحریر ہوتیں تو ان کا صرف نام لکھا جاتا اور وہ بھی ایسے الفاظ اور ایسے طرز عبارت میں جس سے عاجزی و فروتنی کا اظہار ہوتا البتہ دوسرے اشخاص اپنے نام کے ساتھ باپ دادا کا نام بھی لکھ دیتے لیکن انیس درمیں ۲ پشتوں تک اپنا شجرہ نسب کوئی بھی درج نہ کرتا شاہ ولایت کے قریب عہد کا ایک خلافت نامہ جو بزبان فارسی تحریر ہے خاکسار مولف کو دستیاب ہوا ہے یہ ایک جلیل القدر پیر طریقت کا نوشتہ ہے اس میں وہ اپنا نام اس طرح لکھتے ہیں :۔
"کتبہ العبد الفقیر الحقیر الضعیف خادم الفقراء میران راجو الحسینی" لکھنے والے نے اپنے قلم سے نہ السید لکھا نہ اپنا شجرہ نسب درج کیا لفظ میراں جزو نام ہے نسبت نسبی کے اظہار میں صرف "الحسینی" پر اکتفا کیا اس عبارت کے پڑھتے ہی آپ یہ محسوس کرینگے کہ یہ تحریر کسی بزرگ طریقت کی ہے جو تفاخر نسب کی آلائشوں سے پاک ہے لیکن مصنوعی خلافت نامہ کی مندرجہ بالا عبارت جو حضرت شاہ ولایت جیسے ولی کامل کی جانب منسوب کی گئی ہے اس کے پڑھنے سے آپ یہ خیال ہرگز نہیں کر سکتے کہ آٹھویں صدی ہجری کے شیخ وقت و بزرگ طریقت کی نوشتہ ہے بلکہ یہی سمجھیں گے کہ چودھویں صدی ہجری کے کسی ایسے عامی اور دنیا دار کی ہے جسکا سرمایہ نازش و افتخار نسبی تعلیاں ہوں اور وہ اپنے قلم سے اپنے نام کے ساتھ "السید" لکھنے کا بھی عادی ہو۔
سویم۔ یہ کہ جس شخص کے حق میں یہ مصنوعی خلافت نامہ تحریر کیا جانا بتایا جاتا ہے۔ شاہ ولایت نے صرف اس کا نام مع ولدیت ہی لکھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے شجرہ نسب سے بمراتب زیادہ اپنے اس مصنوعی مرید و خلیفہ کا نسب نامہ بواسطہ حضرت عمرو بن العاص ۲۹ پشتوں تک اس طرح درج کر دیا :۔

"مریدی الصالح والسالک الناجح والعابد الفالح والحاج الشیخ جان محمد[1] بن محمود[2] بن ابراہیم[3] بن علی[4] بن حسین[5] بن احمد[6] بن محمد[7] بن عبداللہ[8] بن عبدالرحمن[9] بن زبیر[10] بن عثمان[11] بن طاہر[12] بن احمد[13] بن محمود[14]

بن عمرو[15] بن شعیب[16] بن عبداللہ[17] بن عمرو[18] بن العاص[19] بن وائل[20] بن ہاشم[21] بن سعید[22] بن سہم[23] بن عمرو[24] بن ہصیص[25] بن کعب[26] بن لوی[27] بن الغالب[28] بن فہر[29] الملقب بہ قریش"

فرمایئے یہ خلافت نامہ ہوا یا نسب نامہ! حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت عمرو بن العاص ہمعصر ہیں۔ شاہ ولایتؒ نے اگر اپنا نسب نامہ حضرت علیؓ تک درج کیا تھا تو اپنے خلیفہ کا بھی ان ہی کے ہمعصر اور صحابی رسولؐ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص تک درج کر دیتے۔ آخر آپ نے کس ضرورت سے اپنے خلیفہ کا نسب نامہ فہر تک، جو قریشیوں کے جدِ اعلیٰ اور لقب قریش سے ملقب تھے متصل کیا آیا اس لیے سنہ ۱۲۳۸ھ میں یعنی تحریر خلافت نامہ سے ٹھیک پانسو بیاسی برس بعد جب امروہہ کے قسائیوں کی قرشیت کا ثبوت تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ خلافت نامہ حجت ہو اور عند الضرورت کام آئے"؟

چہارم۔ یہ کہ خلافت نامہ میں شاہ ولایتؒ کا یہ تحریر کرنا کہ میں نے خرقہ مبارک اپنے پدر بزرگوار سید علی نقوی سہروردی سے حاصل کیا تھا اور انہوں نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے محض بے اصل و خلاف واقعہ ہے۔ آپ کے والد سید علی بزرگ نہ شیخ طریقت تھے نہ حضرت سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ اور نہ اُن کا خلیفہ ہونا کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔

پنجم۔ مریدین اور خلفاء کو خرقہ و خلافت نامہ عطا کرنے کا مقصد و منشا صرف تکمیل علوم باطنی کی تصدیق ہی نہیں ہوتی بلکہ اصلی مقصد بیعت لینے اور اجرائے سلسلہ کی اجازت ہوتی ہے، روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت شاہ ولایتؒ نے بنور باطن معلوم کر لیا تھا کہ آپ سے آئندہ سلسلہ جاری نہ رہے گا۔ اسی وجہ سے اپنے خلفاء کو بھی اجرائے سلسلہ سے منع فرما دیا تھا۔ ایسی صورت میں خلافت نامے تحریر کرنا خصوصاً اس درجہ طویل عبارت میں جیسی کہ متذکرہ بالا خلافت نامہ کی بیان کی جاتی ہے، قرین قیاس نہیں۔

ششم۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ باوجود امتناع اجرائے سلسلہ آپ نے خلفاء کے لیے بذات خود خلافت نامے تحریر کیے یا تحریر کرائے تو سنہ کتابت کے لحاظ سے یہ خلافت نامہ پانسو بیاسی برس

کا ہے' اتنی قدیم اور کہنہ تحریرات اوّل تو شاذ و نادر ہی دستیاب ہوتی ہیں اور ملتی بھی ہیں تو ان کی بوسیدگی اور خستگی کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ عبارت کا جزوی حصہ بھی بمشکل پڑھنے میں آتا ہے لیکن "تاریخ الشیوخ" کے ایک چھوڑ تیرہ صفحوں پر جس خلافت نامہ کی نقل شایع ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ چھ صدیوں کے انقلاب دوراں نے لفظ تو درکنار کسی ایک حرف کا کوئی شوشہ بھی خراب نہیں کیا۔ کیا ایسی حالت میں آپکے دل میں یہ شبہ پیدا نہیں ہوسکتا کہ جس خلافت نامہ کی نقل شایع کی گئی ہے وہ تقریباً چھ سو برس کا کہنہ اور قدیم نہیں ہوسکتا بلکہ زمانہ حال کا بنایا ہوا ہے۔

ہفتم :- اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خلافت نامہ اصلی ہے اور اتنی ہی مدت مدید کا ہے لیکن اسکے کسی حرف کا خراب یا محو نہ ہونا اور کاغذ کے کیڑے کا اسے چھلنی نہ کرنا ایک ولی کامل کی کرامت کی دلیل ہے تو سوال یہ ہے کہ آخر یہ خلافت نامہ چھ صدیوں تک کہاں رہا کس کے پاس رہا اور کیونکر محفوظ رہا خصوصاً اس صورت میں جبکہ خود حضرت شاہ ولایتؒ کے اپنے خاندان میں آپ کی یا آپ کے زمانہ کی حتی کہ آپ کے ڈھائی صدی بعد تک کی کوئی تحریر محفوظ نہیں رہی۔ حضرت شیخ معین الدین صدیقی تو یقیناً آپکے خلیفہ بلکہ جانشین ہیں اس میں کسی کو شک و شبہ نہیں۔ وہ اور انکا خاندان یہیں متوطن رہا مگر شیوخ صدیقی ملقب بارہ پوتیاں کے پاس اپنے اس مورث کا نہ کوئی خلافت نامہ موجود ہے اور نہ اس زمانہ کی کوئی تحریر۔ ماسوائے اسکے امروہہ میں چند اور خاندان بھی ہیں جنکے مورث شاہ ولایتؒ کے زمانہ میں یا کم وبیش اس عہد میں موجود تھے مثلاً خاندان صدیقی ساکنان محلہ قریشی یا خاندان قاضی زادگان و بخشیان وغیرہم مگر ان میں سے کسی کے پاس اپنے مورثوں کی کوئی تحریر یا عہد اکبری سے قبل کی کوئی دستاویز موجود نہیں حالانکہ ان تمام خاندانوں کی تمدنی و معاشرتی اور علمی حالت ہر عہد میں ایسی ضرور رہی ہے کہ اگر اتنی قدیم تحریرات محفوظ رہ سکتیں تو انکے پاس بدرجہ اولی محفوظ رہتیں۔ سادات و شرفا کے متذکرۂ بالا خاندانوں کے برخلاف امروہہ کے

قصائیوں کی تمدنی و معاشرتی وعلمی حالت کسی زمانہ میں بھی ایسی نہ تھی کہ انکے یہاں کوئی کتبہ ونوشتہ چھ صدیوں تک اس درجہ صحیح و سالم محفوظ رہ سکتا۔ یہ لوگ ان ہی سادات شرفا کی مملوکہ اراضیات اور سراؤں کے خام وخس پوش مکانات میں بطور متوسل اور رعایا کے اور باعتبار تمدن و معاشرت ایسی پست حالت میں رہتے آئے ہیں کہ کسی کتبہ کا محفوظ رکھنا خصوصًا اس وجہ سے کہ معمولی نوشت وخواند کا دستور بھی ان میں نہ تھا ازقبیل محالات سے ہے

ہشتم۔ بفرض محال اگر یہ قبول کرلیا جائے کہ یہ خلافت نامہ امروہہ کے کسی قصائی خاندان کے پاس نہ سہی کسی اور خاندان میں محفوظ رہ گیا اب سے پیشتر نہ کسی مورخ و تذکرہ نویس کو اس کا پتہ لگا اور نہ کسی تاریخ و تذکرہ میں اس کا ذکر آیا گر زمانہ حال میں قرشیت کے کسی یعقوب نے اس یوسف گم گشتہ کو بالآخر تلاش کرلیا تو دیکھنا یہ ہے کہ عبارت اور کتابت کے لحاظ سے یہ اصلی معلوم ہوتا ہے یا جعلی؟

خلافت نامہ کی عربی عبارت نہایت شستہ اور متقدمین کے طرز سے مشابہ ہے لیکن اس طویل عبارت کے خاتمہ پر جو فقرہ درج ہے جس میں کاتب نے اپنا نام و تاریخ و سنہ کتابت تحریر کیا ہے اس کا کوئی جوڑ خلافت نامہ کی عبارت سے نہیں ملتا۔ وہ فقرہ یہ ہے:۔

بقلم فقیر نظام الدین عباسی الواسطی السہروردی فی

شہر چہارم شوال المکرم سنہ ۶۷۹ ہجری المقدس

مندرجہ بالا عبارت کی ترکیب بھی غلط ہے اور اس میں دو لفظ فارسی زبان کے بھی شامل ہیں یعنی "بقلم" اور "چہارم" کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ فقرہ اس شخص کا لکھا ہوا نہیں ہے جس نے خلافت نامہ کی طویل عربی عبارت نہایت فصیح اور شستہ زبان میں تحریر کی تھی۔ وہ اگر لکھتا تو صحیح عربی عبارت یوں لکھتا:۔

کتبہ الفقیر نظام الدین العباسی الواسطی السہروردی بقلمہ فی

الرابع من شہر الشوال المکرم سنہ تسع وستین وسبعمائة من الہجرة المقدسیہ

آپ بھی غالباً میری طرح اس سے یہی نتیجہ اخذ کرینگے کہ کسی جلساز نے جو عربی داں تو نہ تھا حرف آشنا ضرور تھا کتب تذکرہ مشائخ کے مندرجہ خلافت ناموں میں سے کسی خلافت نامہ کی عربی عبارتیں نقل کر کے یہ مصنوعی خلافت نامہ تصنیف کیا اور قرشیت کے ثبوت میں ایک نسب نامہ بنا کر مصنوعی خلیفہ کے نام کے بعد درج کر دیا چونکہ خلیفہ کی قرشیت ثابت کرنا تھی اس لیے فہر القلب قریش تک اس کو متصل کیا گیا خلیفہ کا پورا نسب نامہ درج ہوتا اور مرشد کا نہ ہوتا تو ذرا بے جوڑ سی بات تھی اس لیے شاہ ولایت کا شجرہ نسب بھی درج کرنا پڑا یہ سب کارروائی تو آسانی ہو گئی لیکن کتب تذکرہ مشائخ میں مندرجہ بالا آخری عبارت کے ہم معنی کوئی عبارت نہ ملی تو جلساز نے اپنے مبلغ علم اور اپنی عربی دانی کے بقدر یہ عبارت خود ہی گھڑلی اسی وجہ سے اس میں یہ فاش غلطیاں آپ کو نظر آتی ہیں۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ فعل کس شخص کا ہے خلافت نامہ امروہہ سے متعلق ہے تو غالباً امروہہ ہی کے کسی شخص کی یہ کارستانی بھی ہوگی اور وہ کتابیں بھی موجود ہوں گی جن سے یہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں اس لیے اگر کوئی صاحب خصوصاً ہمارے کرم فرما محمد یعقوب صاحب جنہیں اس قسم کی معلومات سے دلچسپی رہتی ہے اس کا سراغ لگانا چاہیں تو امروہہ کے کسی کتب خانہ سے جن میں تذکرہ مشائخ کی کتابیں موجود ہوں بدولے کر بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ خلافت نامہ کی عبارتیں کس کتاب سے نقل کی گئی ہیں ۔

نہم خلافت نامہ کی اصل عبارت میں دو جگہ اور خاتمہ پر ایک جگہ حضرت شاہ ولایت" کا نام نامی اور آپ کے دستخط اس طرح تحریر کیے گئے ہیں" السید شرف الدین بن السید علی النقوی السہروردی" لیکن یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ اول تو آپ کا صحیح نام جیسا کہ کسی دوسری جگہ ثابت کیا گیا ہے "حسن" ہے اور عرف شرف الدین زیادہ قرین قیاس تو یہ تھا کہ آپ اپنا اصلی نام لکھتے اور اگر عرف ہی پر اکتفا کیا تھا تو نام کے ساتھ نہ خود "السید" لکھتے یا لکھواتے نہ مہر میں یہ لفظ کندہ کراتے ۔

دہم حضرت شاہ ولایت" کا خود اپنے یا اپنے والد ماجد کے نام کے ساتھ نقوی یا النقوی

لکھنا ہرگز قرین قیاس نہیں آپ کے زمانہ میں بلکہ اسکے صدیوں بعد تک تمام سادات فاطمی بلا کسی استثنار کے علوی یا علوی الحسینی یا الحسینی وحسنی لکھتے تھے۔ نقوی ونقوی وغیرہ لکھنے کا رواج تواب تقریباً نصف صدی سے شروع ہوا ہے۔ خود شاہ ولایتؒ کی نسل میں اور امروہہ کے دیگر سادات فاطمی میں پچاس ساٹھ برس پیشتر تک عام طور سے لوگ اپنے ناموں کے ساتھ حسینی لکھتے تھے جسکے ثبوت میں ہزارہا مستند دستاویزات موجود ہیں اب سے ایک صدی پیشتر کسی ایک شخص کی مہر یا دستخطوں میں "نقوی" کا لفظ تحریر نہ ہوتا۔ حضرت ممدوح کے دستخط اور مُہر میں اس لفظ کی موجودگی سے بخوبی ثابت ہے کہ یہ خلافت نامہ زمانہ حال میں بنایا گیا ہے جعلساز نے موجودہ زمانہ کے رواج پر قیاس کرکے علوی اور حسینی کے بجائے "نقوی" درج کردیا۔

یازدہم اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ ناموں کے ساتھ نقوی لکھنے کا رواج گو زمانہ حال کا ہے لیکن حضرت شاہ ولایتؒ اپنے اظہار نسب میں اس لفظ کا استعمال کرتے تھے انکے بعد یہ دستور ان کی اولاد میں جاری نہ رہا، خلافت نامہ پر جو دستخط اور مُہریں ثبت ہیں وہ آپ ہی کی ہیں، تو سوال یہ ہے کہ جب خلافت نامہ کی حیثیت ایک سند وڈپلوما کی ہے جو مرشد مرید کو یا استاد شاگرد کو دیتا ہے یا اسکے حق میں تحریر کرتا ہے تو اس پر شاہ ولایت کی مُہر اور دستخط کے علاوہ یہ آٹھ دیگر اشخاص کی مُہریں اور دستخط کیسے! کیا حضرت شاہ ولایتؒ جیسے ولی کامل کی تحریر اور مُہر کی شناخت اور عبارت کی تصدیق کرانا بھی ضروری تھی۔ کیا کوئی استاد اپنے شاگرد کی استعداد علمی کی تصدیق میں جب کوئی تحریر یا سرٹیفکٹ دیتا ہے تو گواہ شاہدوں کے دستخط اور گواہیاں بھی کراتا پھرتا ہے۔

دوازدہم منجملہ ان آٹھ اشخاص کے جن کی گواہیاں اس خلافت نامہ پر ثبت ہونا ظاہر کی گئی ہیں ایک نام حضرت شاہ نصیر الدین کا بھی ہے جو شاہ ولایتؒ کے نام کے بعد ہی اس طرح تحریر ہے "السید نصیر الدین بن السید سیف الدین"۔ شاہ صاحب کے پدر بزرگوار کا نام سیف الدین ضرور ہے لیکن ۶۹۰ھ میں یعنی بوقت تحریر خلافت نامہ مذکور تو آپ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی۔ آپ کے

پرداداسید محمد امام المتوفی ۱۲۳۰ھ بعمر تیس سال فوت ہوئے اس لیے آپکے دادا سید فخر الدین کو اگر ان کی اکبر اولاد مان لیا جائے تو ان کی ولادت تقریباً ۱۱۲۵ھ میں ہوئی ہوگی اور اگر آپکے والد سیف الدین بھی پہلوں کی اولاد تھے تو ان کی پیدائش تقریباً ۱۱۵۰ھ میں ہوئی ہوگی اس لیے شاہ نصیر الدین کی ولادت بشرطیکہ وہ بھی اپنے باپ کی اکبر اولاد ہوں زیادہ سے زیادہ ۱۱۷۰ھ کے بعد یعنی خلافت نامہ مذکور کی سنہ کتابت سے ایک دو سال بعد قرین قیاس ہوسکتی ہے پس کسی ایسے شخص کا اس پر تصدیقی دستخط ثبت کرنا جو اس وقت دنیا میں بھی نہ آیا تھا محال ہے معلوم ہوتا ہے کہ جعلساز نے اس غلط روایت پر قیاس کرکے، جو عام طور سے مشہور ہے کہ شاہ نصیر الدین شاہ ولایت سے پہلے امروہہ میں موجود تھے آپکے دستخط بھی اس جعلی خلافت نامہ پر غالباً ناظرین کو مرعوب کرنے کے لیے ثبت کردیئے۔

غرضیکہ مندرجہ بالا بارہ[12] وجوہ کی بنا پر یہ خلافت نامہ جسے امروہہ کے قسائیوں کے ثبوت قرشیت میں آب و تاب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے مصنوعی اور جعلی ثابت ہوتا ہے

مولف "تاریخ الشیوخ" نے امروہہ کے قسائیوں کی قرشیت جب اس طرح ثابت کرنے کی کوشش کی تو اسی سلسلہ میں بھی لکھا کہ حافظ جان محمد کی جو اولاد امروہہ میں آباد ہے ان میں سے بعض لحم فروشی کرتے ہیں بعض تاجر چرم ہیں اور بعض "دیرینہ رئیس بھی ہیں" امروہہ کے قسائی زیادہ تر گوشت بیچنے، ذبیحہ کا کام اور چمڑے کی تجارت و ملازمت کرتے تھے، اور اب کچھ عرصہ سے کچھ لوگ ٹھیکہ اور آڑھت وغیرہ بھی کرنے لگے ہیں لیکن ان میں کوئی بھی "دیرینہ رئیس" نہیں۔ عہد سابق میں قسائیوں کی مالی حالت عام طور سے یکساں تھی۔ چند لوگ البتہ اپنی برادری میں نمودار تھے، جیساکہ جلد اول میں بیان ہوچکا ہے انکے دو بڑے گروہ ہیں ایک کٹو یعنی گوشت فروش، ذبیحہ کا کام کرنے والے ان کو اوتھی کہتے ہیں اور دوسرے چکر یہ جو زیادہ تر چاکری یعنی سادات و شرفا کے یہاں خانگی ملازمت کرتے تھے اور ان کی عورتیں دودھ پلانے، دایہ گری اور خادمہ کا کام کرتی تھیں۔ جب سے سادات و شرفا کی مالی حالت کمزور ہوگئی خادمہ رکھنے کا رواج بھی کم ہوتا گیا البتہ دائی جنائی کا کام اس قوم

سے مخصوص ہے باوجود ٹرینڈ نہ ہونے کے امروہہ کی دائیوں کو اس کام میں خاص مہارت ہے پچھلے زمانہ تک چند دائیاں اپنے کام میں خاص شہرت رکھتی تھیں مثلاً قسائی خانہ میں بھنکیا َ ولنصریہ دائی ہوشیار تھیں اب طرفیا دائی اچھا کام کرتی ہے۔ شہر میں اس وقت تقریباً ساٹھ دائیاں ہیں محلہ لکڑہ میں حسینی دائی جاٹ بازار میں سنو اور محلہ پانباڑی پر راجو دائی ہوشیار ہیں۔ دائیوں کے بھی بعض اور خدمتوں کی طرح ٹھکانے مقرر ہیں۔ تقریبات کے موقعوں پر ان کو بھی حقوق دیئے جاتے ہیں۔ یہ بھی اس امر کی قوی دلیل ہے کہ یہ قوم عربی النسل تو کجا طبقۂ شرفا سے بھی نہیں بلکہ ہندی نژاد ادنیٰ طبقہ کی ہے :۔

دیگر اقوام جولاہوں اور قسائیوں کے علاوہ دیگر پیشہ ور اور صنّاع اقوام کا تذکرہ جلد اول میں تصریح کے ساتھ ہو چکا ہے۔ لوہار بڑھیوں میں اب بھی ہوشیار کاریگر موجود ہیں۔ عبدالوحید بڑھئی ساکن بازار نقاعت پوتہ تعلیمی آلات خوب بناتا ہے فینی فرنیچر ہاؤس اس نے حال ہی میں قایم کیا ہے۔ اسی طرح یہاں بعض دیگر صنّاع اور کاریگر اپنے اپنے کاموں میں مہارت رکھتے ہیں یہ سب پیشہ ور اقوام جیسا کہ جلد اوّل میں تشریح کی گئی ہے ہندی نژاد ہیں جنکے مورث مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور تبلیغانہ کوششوں سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے :

تتمہ

ساداتِ وشیوخ کے متفرق خاندان

ساداتِ وشیوخ کے بعض متفرق خاندان ہیں جن کے بزرگ مختلف اوقات میں امروہہ آئے انکی قرابتیں بھی ساداتِ وشیوخ کے بعض قدیم خاندانوں سے ہوتی ہیں۔ ان کے پاس خاندانی کاغذات محفوظ نہیں اس لئے شجرہائے نسب کی تصدیق نہ ہوسکی ذیل میں ان کا تذکرہ مختصراً کیا جاتا ہے۔

۱۔ خاندان **سید عید علی** ساکنان محلہ سرائے کہنہ اس خاندان کے اسماء جو ایک صاحب کی معرفت حاصل ہوئے ذیل میں درج ہیں:

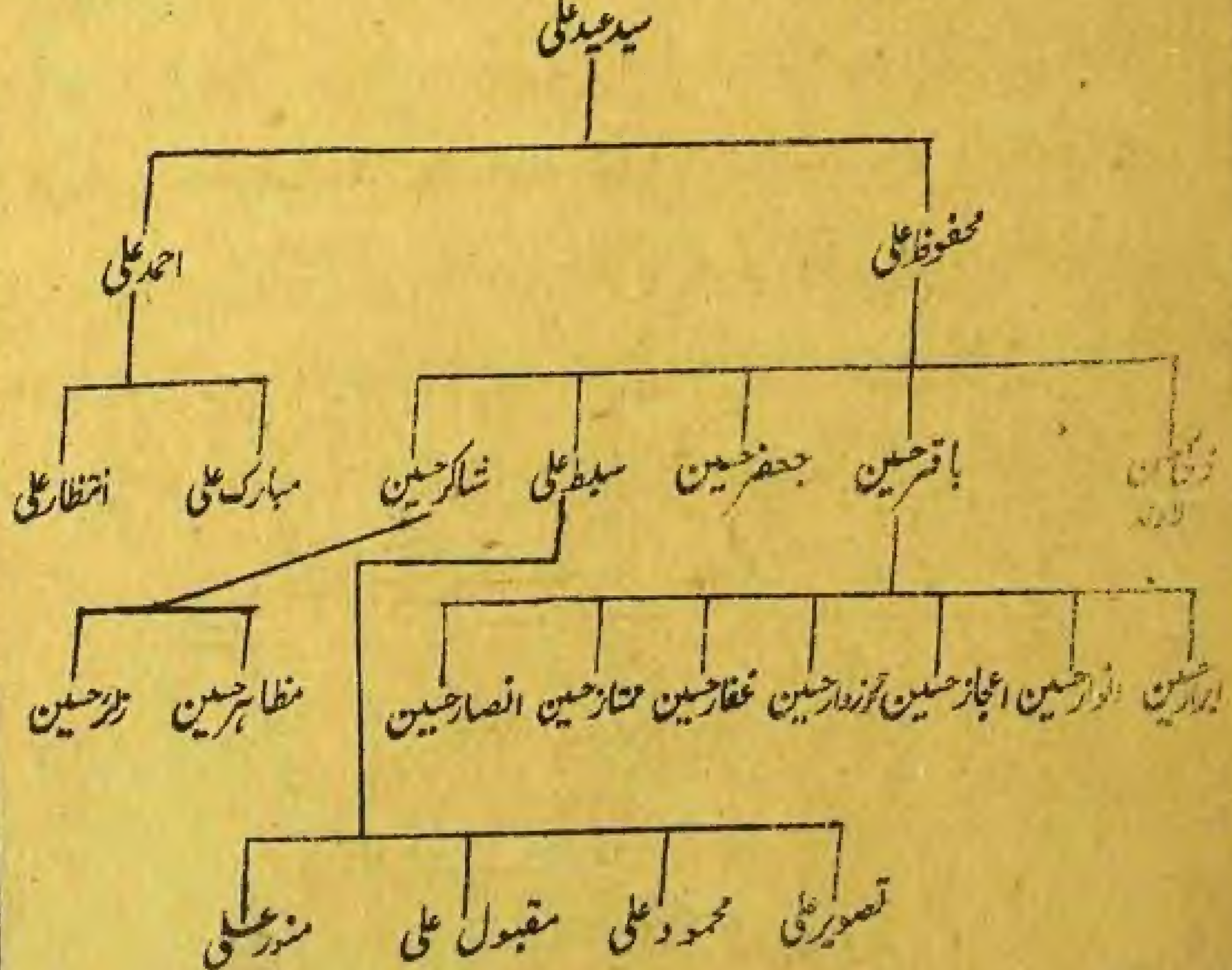

۲۔ خاندان سید فرزند علی جو نوگانوہ سے امروہہ آئے اور محلہ سرائے کہنہ میں سکونت اختیار کی۔ اب ان کی اولاد سے ایک خاندان محلہ نارمیں ساکن ہے شجرہ حسب ذیل ہے:-

LIBRARY

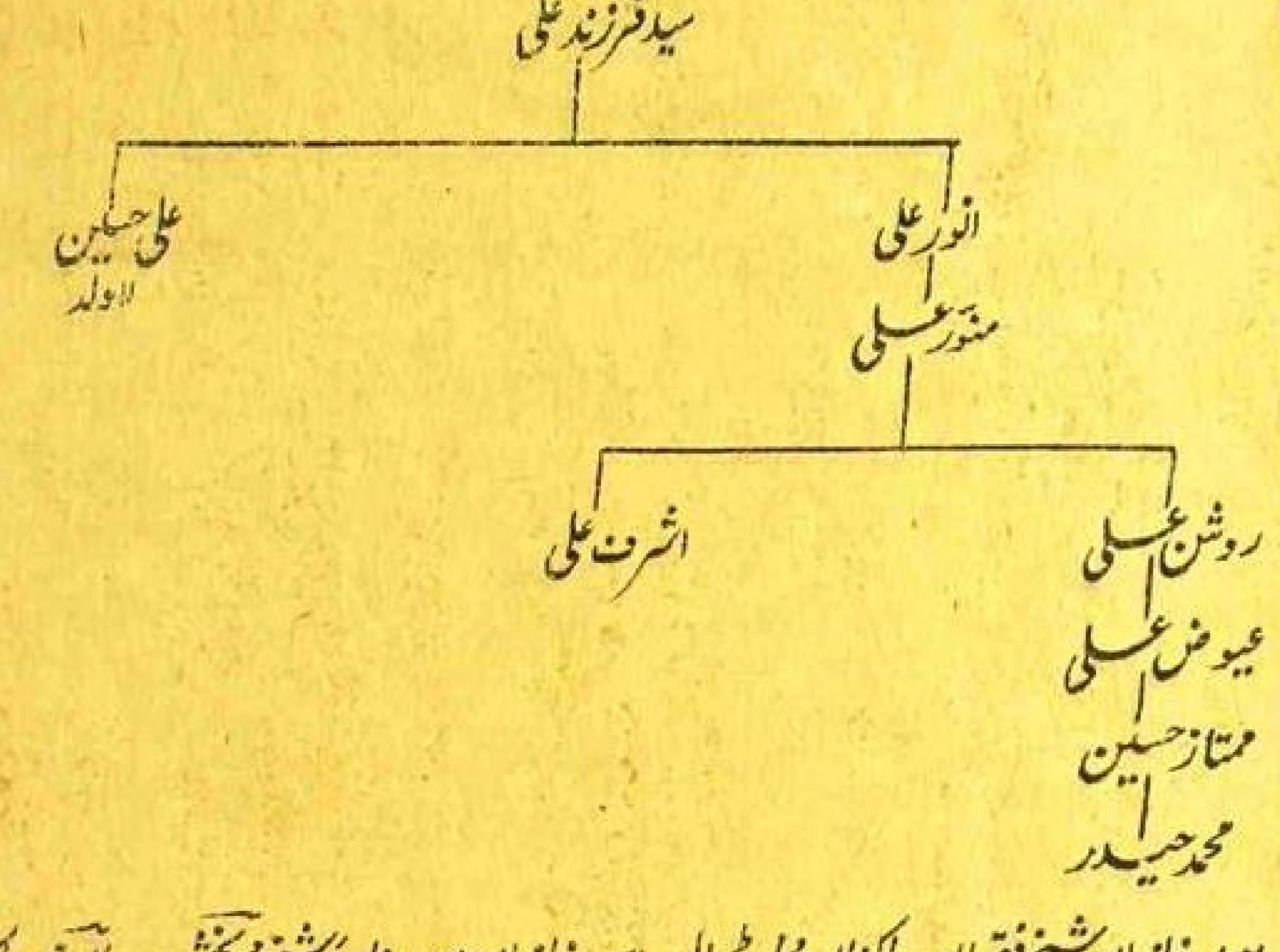

۳- خاندان شیخ فقیر اللہ ساکنان محلہ ٹبوال۔ اس خاندان میں ابنائے شیخ محمد بخش و جان محمد ساکنان محلہ ٹبوال ہیں۔ شجرہ نسب از روئے دستاویزات حسب ذیل ہے:-

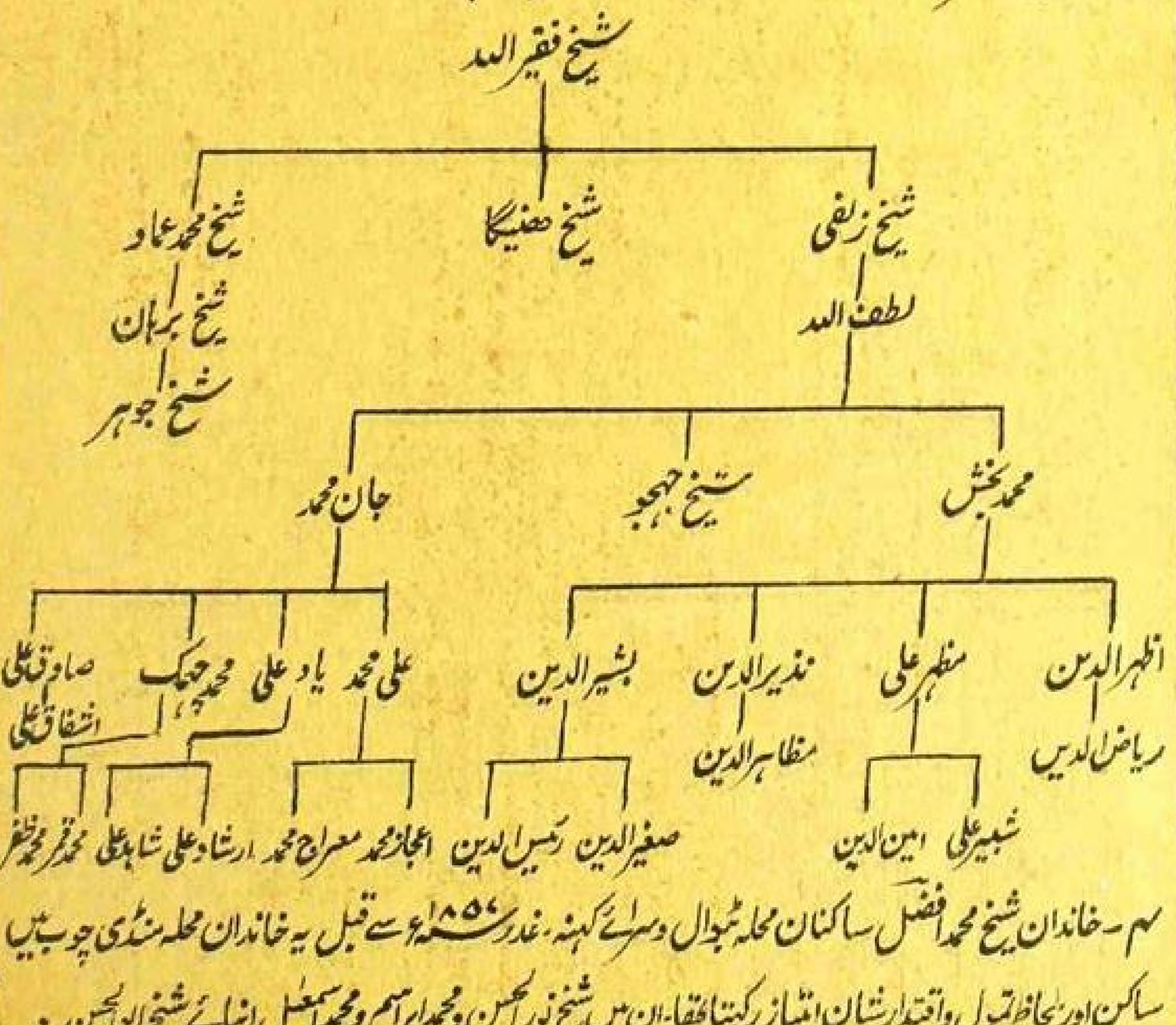

۴- خاندان شیخ محمد افضل ساکنان محلہ ٹبوال و سرائے کہنہ۔ غدر ۱۸۵۷ء سے قبل یہ خاندان محلہ منڈی چوب میں ساکن اور بلحاظ تمول و اقتدار شان امتیاز رکہتا تھا۔ ان میں شیخ نور الحسن و محمد ابراہیم و محمد اسمٰعیل ابنائے شیخ ابو الحسن و

شیخ افتخار الحق و انوار الحق و انصار الحق ابنائے شیخ فضل حق وغیرہم ہیں:۔

۵۔ خاندان شیخ بسادن ساکنان محلہ کشکوئی۔ ان میں شیخ رمضان علی بن غلام حسین بن محمد بخش بن کریم بخش بن شیخ بسا بن الہ بخش کی اولاد میں چند اشخاص محلہ کشکوئی میں ساکن ہیں شجرہ ذیل میں درج ہیں:۔

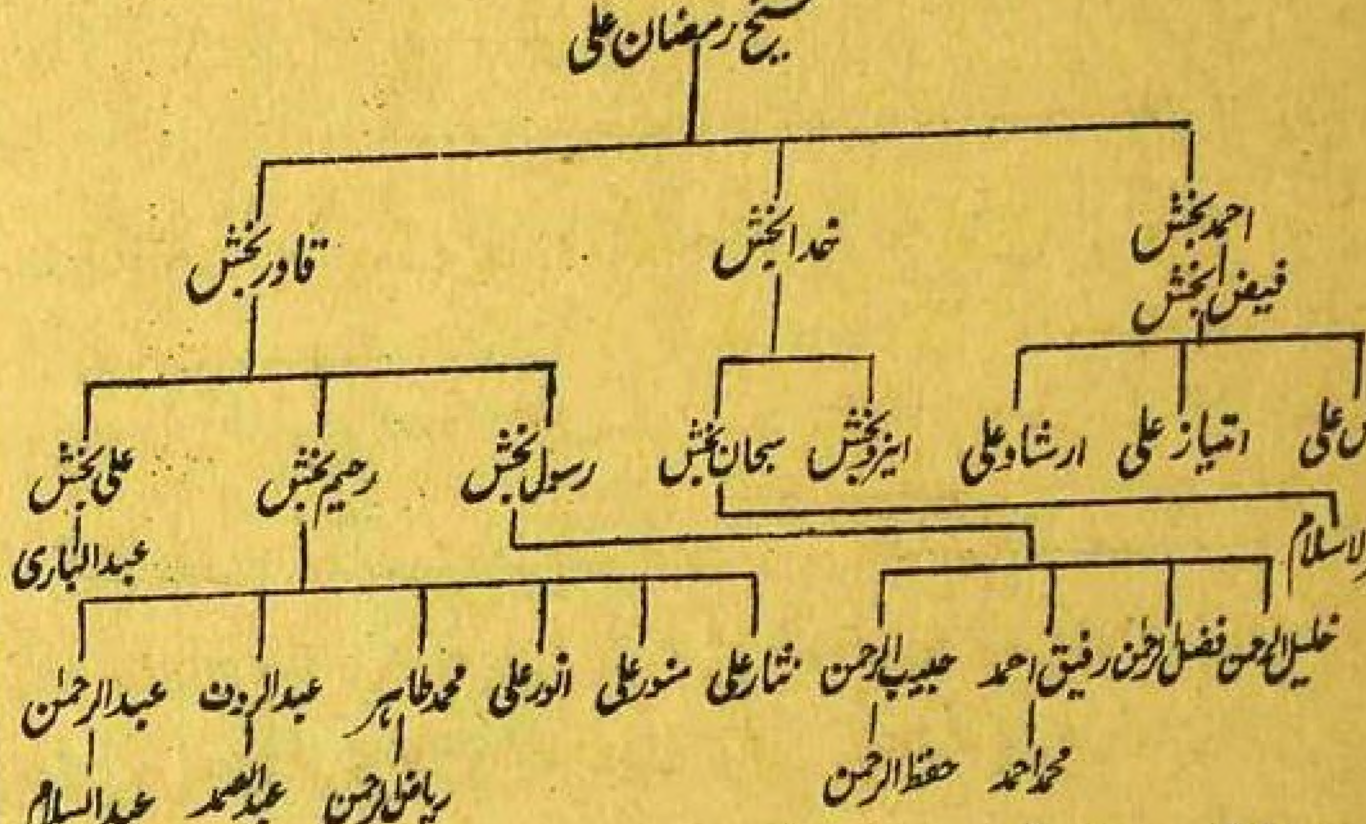

۶۔ خاندان شیخ اسد علی ساکنان محلہ سرائے کہنہ۔ ان میں داروغہ سلطان الدین و منشی حفظ الرب متخلص بہ قریشی ابنائے شیخ نثار علی بن شیخ اسد علی مذکور ہیں۔ شجرہ حسب ذیل ہے:۔

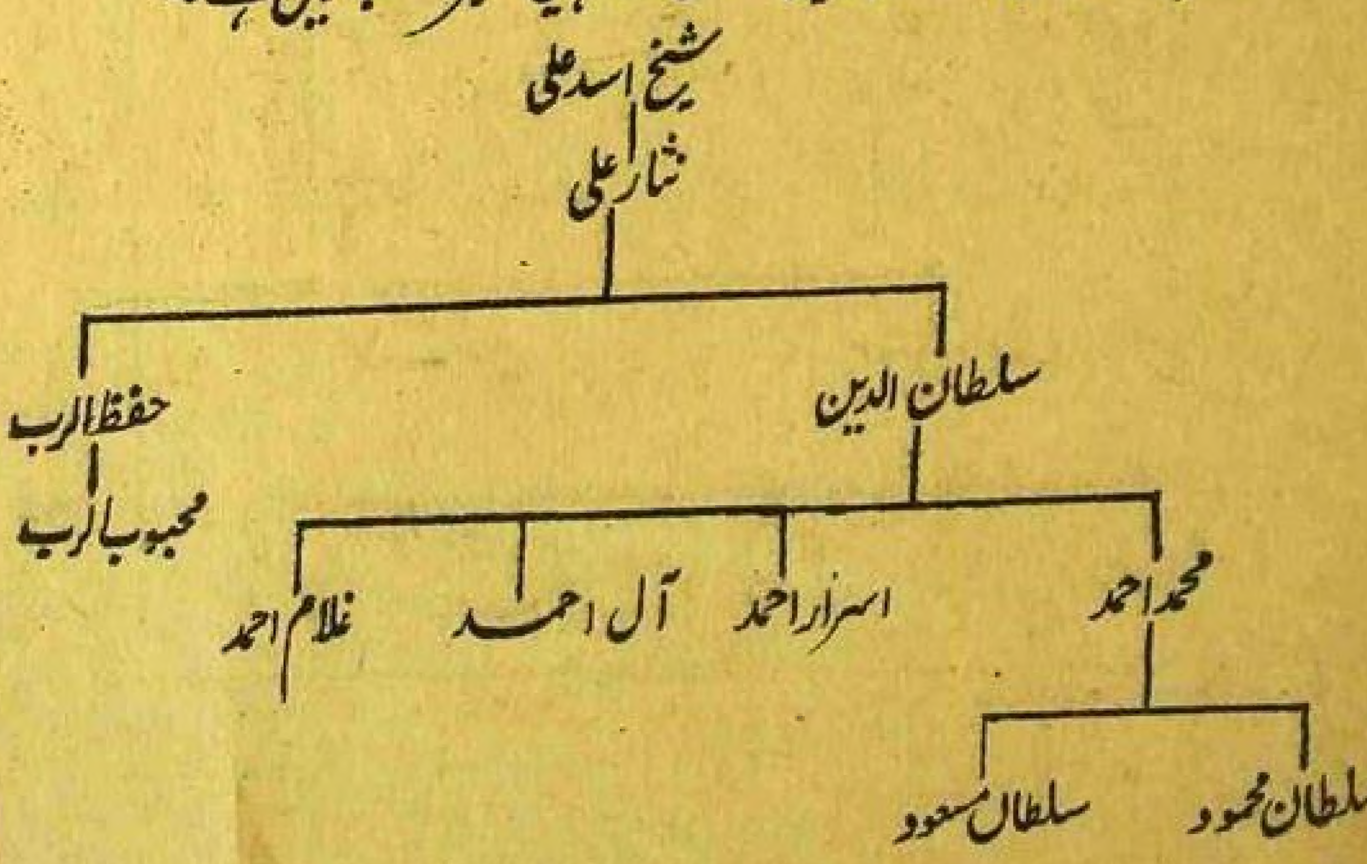

صحت نامہ

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۹	حاشیہ	۱؎ یعنی تذکرۃ الکرام حصہ اول	یعنی منتخب التواریخ
۴۰	۱۵	۱۵ واسطوں سے	۱۶ واسطوں سے
۸۰	۱۶	اور جن کا نام	جن کا نام
۸۷	۱۴	سید محمد بن علی بن ابوبکر	سید محمد بن وجیہہ بن ابوبکر
۸۸	۱۵	کا خاندان	کا خاندان ہے
۹۱	۱۸	مذکورہ	(سطر ۱۶) سید خضر مذکورہ
۹۷	۳	کا خانداں ہے	کا خاندان موجود ہے
۱۹۸	۸	ہوئے جون	ہوئے ہوں
۲۵۹	۱۷	بیسویں	بیسوں

مؤلف تحقیق الانساب کی دیگر تالیفات

تاریخ امروہہ (حصہ اول) معور فطرت جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اپنی طویل تنقید میں اس کتاب کے فاضل مصنف کو لکھتے ہیں کہ:-

"موجودہ سال کی محققانہ لکھی ہوئی کتابوں میں سب سے اعلیٰ لکھی ہوئی "تاریخ امروہہ" ہے۔ مسلمان فخر کر سکتے ہیں کہ اُن میں آپ جیسے لایق محقق مورخ موجود ہیں جس کا نمونہ آپ کی تاریخ امروہہ پیش کی جا سکتی ہے۔"

کہنے کو یہ تاریخ امروہہ ہے مگر حقیقتاً فاضل اور محقق مورخ نے عہد اسلامی کے تاریخی حالات قلمبند کرتے وقت گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ بقول خواجہ صاحب موصوف "بڑی خوبی اس کتاب میں یہ ہے کہ فضول طوالت نہیں بلکہ مختصر نویسی کا کمال ہے۔ جو بات پانچ صفحوں میں بیان ہونے کے قابل تھی اس کو پانچ سطروں میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔" تاریخی واقعات کے علاوہ بعض قوموں کے انساب پر بھی دلچسپ اور محققانہ بحثیں ہیں۔ تعداد صفحات ۴۱۴ - سائز ۲۶ × ۲۰ کاغذ سفید چکنا - علاوہ ازیں عمارات کے عکسی اور ہاف ٹون تصاویر نیز فرامین و دستاویزات کے عکس بھی شامل ہیں۔

اصلی قیمت ہر - رعایتی صرف عہ

تذکرۃ الکرام (حصہ اوّل) امروہہ کے تقریباً دو سو ارباب فضل و کمال، مشائخ عظام و علمائے کرام کے سوانح حیات اور خاندانی حالات جو ساتویں صدی ہجری سے زمانہ حال تک کے ہیں۔ نہایت تحقیق و شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں۔ فاضل مصنف نے دیباچہ میں شریعت و طریقت، تصوف و شیعیت پر دلچسپ اور محققانہ بحث کی ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔ تعداد صفحات تقریباً (۵۰۰) سائز ۲۶ × ۲۰ - اس کے علاوہ فرامین و دستاویزات کے عکس نیز بزرگان دین و مشاہیر ملت کے اجمالی حالات کے متعلق فارسی اور اردو نظمیں بھی شامل ہیں۔

اصلی قیمت سے ۸؍ رعایتی صرف عہ

المشتہر

سعید احمد عباسی - داؤد منزل - امروہہ

(یو - پی)